بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول اللّٰہ ﷺ:

مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْراً يُّفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ.

(صحيح البخاري ١/١٦ رقم: ٧١، صحيح مسلم ١/٣٣٣ رقم: ١٠٣٧)

کتاب النوازل

منتخب فتاویٰ: مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

نائب مفتی واستاذ حدیث جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد

(جلدِ سابع)

بقیہ کتاب الزکوٰۃ، کتاب الحج

ترتیب وتحقیق:

(مفتی) محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

ناشر

المركز العلمي للنشر والتحقيق

لال باغ مرادآباد

○ نام کتاب : کتاب النوازل (جلد سابع)

○ منتخب فتاویٰ : مولانا مفتی سید محمد سلمان صاحب منصورپوری

○ ترتیب وتحقیق : مفتی محمد ابراہیم قاسمی غازی آبادی

○ کمپیوٹر کتابت : محمد اسجد قاسمی مظفرنگری

○ ناشر : **المرکز العلمی للنشر والتحقیق، لال باغ مرادآباد**

09412635154 - 09058602750

○ تقسیم کار : فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمٹیڈ دریا گنج دہلی

011-23289786 - 23289159

○ اشاعتِ اول : ربیع الاول ۱۴۳۶ھ مطابق جنوری ۲۰۱۵ء

○ صفحات : ۶۴۰

○ قیمت : ۴۰۰/روپئے

ملنے کے پتے:

○ مرکز نشر وتحقیق لال باغ مرادآباد

○ کتب خانہ یحیوی محلّہ مفتی سہارن پور

○ کتب خانہ نعیمیہ دیوبند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مسائل کی پوچھ تاچھ

قَالَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ:

فَسْئَلُوْآ أَهْلَ الذِّكْرِ إِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○

[الأنبیآء: ۷]

ترجمہ: پس پوچھ لو جانکار لوگوں سے اگر تم نہ جانتے ہو۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ:

إِنَّمَا شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالُ.

(سنن أبي داؤد ۱/۴۹ رقم: ۳۳۶، سنن ابن ماجة ۱/۴۳ قم: ۵۷۲)

ترجمہ: عاجز (ناواقف) شخص کے لئے اطمینانِ قلب کا ذریعہ (معتبر اور جانکار لوگوں سے مسئلہ کے بارے میں) سوال کر لینا ہے۔

اجمالی فہرست

بقیہ کتاب الزکوٰۃ

کتاب الحج

تفصیلی فہرست

بقیہ کتاب الزکوٰۃ

اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کرنا ۳۱

مصارفِ زکوٰۃ ۴۴

زکوٰۃ کی رقم قرض میں دینا ۱۲۵

مدارس ومکاتب میں زکوٰۃ ۱۳۹

تملیک اور حیلۂ تملیک

سفراء کو زکوٰۃ دینا اور تنخواہ و تعمیر وغیرہ میں زکوٰۃ صرف کرنا ۱۸۷

پیداوار پر زکوٰۃ اور عشر وخراج

صدقۃ الفطر کے مسائل ۲۴۱

عام صدقہ کے مسائل ۲۵۶

کتاب الحج

مسائل حج

حج کے شرائط وجوب

میقات کے مسائل ۳۴۳

احرام کے مسائل ۳۴۷

جنایاتِ احرام ۳۶۶

حلق سے متعلق مسائل ۴۳۶

سعی سے متعلق مسائل ۴۴۴

رمی سے متعلق مسائل ۴۴۹

منیٰ سے متعلق مسائل

مزدلفہ سے متعلق مسائل ۵۲۶

عرفات سے متعلق مسائل ۵۳۵

حج کی قربانی کے مسائل ۵۴۶

عورتوں کے حج سے متعلق مسائل ۶۱۱

عمرہ سے متعلق مسائل ۶۳۵

مدینہ منورہ ۶۳۸

اجتماعی طور پر زکوٰۃ وصول کرنا

اجتماعی طور پر زکوٰۃ جمع کرنے کا حکم

سوال(۱۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر ناگپور میں ''اصلاح المسلمین'' نام سے ایک تنظیم ہے، اس تنظیم کے تمام ہی ممبران پڑھے لکھے، باحیثیت، سرمایہ دار اور اچھے طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں، یہ تنظیم رمضان شریف میں زکوٰۃ وصدقات کی رقم جمع کرتی ہے جو لاکھوں کی صورت میں ہوتی ہے، آئندہ رمضان تک تنظیم اس رقم کو مندرجہ ذیل مصارف میں تقسیم کرتی ہے:

(۱) غریب ونادار اور مستحق بچوں کو کاپیاں کتابیں وغیرہ دلانا۔

(۲) غریب بچیوں کی شادی میں کچھ سامان وغیرہ دینا۔

(۳) ایم، بی، بی، ایس کرنے والے غریب طلباء کو دس سے بیس ہزار تک رقم دینا۔

(۴) غریبوں میں مفت دوائیں تقسیم کرنا ان کے علاج ومعالجہ پر خرچ کرنا۔

(۵) غریب طلباء کو ڈاکٹر بننے کے لئے رقم دینا۔

(۶) فقراء کی دیگر ضروریات پر خرچ کرنا۔

سوال یہ ہے کہ مذکورہ بالا طریقہ پر تنظیم کا زکوٰۃ وغیرہ وصول کر کے فنڈ کے طور پر رکھنا اور پورے سال یا چند ماہ کی مدت تک بتدریج مصارف میں لانا اور ڈاکٹری وغیرہ اور اسکولی تعلیم کے لئے نادار طلبا کو اس فنڈ سے رقم دینا کیسا ہے؟

ان تمام صورتوں میں زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں تو کوئی خلل نہ ہوگا؟ اور تنظیم کے ذمہ داران عند اللہ قابل مؤاخذہ تو نہ ہوں گے؟۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مقاصد تنظیم قابلِ قدر ہیں؛ لیکن ان مقاصد کی تکمیل کے لئے صرف امدادی (غیر صدقات واجبہ) رقومات ہی جمع کی جائیں، زکوٰۃ وصدقات واجبہ کو ہرگز وصول نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ مذکورہ مقاصد زکوٰۃ کے یقینی مصارف بنائے جانے کے قابل نہیں ہیں؛ کیوں کہ عموماً دنیاوی اسکولوں میں پڑھانے والے لوگ معاشی اعتبار سے اتنے نادار نہیں ہوتے کہ انہیں زکوٰۃ دینا درست ہو، یہی حال ایم بی بی ایس وغیرہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والوں کا ہے، اس لئے ایسے لوگوں پر جو زکوٰۃ کی رقم خرچ ہوگی وہ اپنے محل تک نہ پہنچنے کی وجہ سے معتبر نہ ہوگی اور غلط مصارف میں خرچ کرنے پر تنظیم کے ذمہ داران عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔ (مستفاد محمودیہ ۱۷/۱۳۷)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل اللّٰه، أو لعامل عليها، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين للغني. (سنن أبي داؤد / باب من يجوز له الصدقة وهو غني ١/ ٢٣١ رقم: ١٦٣٥، سنن ابن ماجة / باب من تحل له الصدقة ١٣٢/١ رقم: ١٨٤١)

ولا يحل أن يسأل شيئًا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب. (طحطاوي على مراقي الفلاح / باب المصرف ٧٢٢ أشرفية، الدر المختار ٣٠٦/٣ زكريا، البحر الرائق ٢٥٠/٢ كوئٹه)

مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شيء له على المذهب (درمختار) قوله على المذهب: من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل على العكس، والأول أصح. (الدر المختار مع الرد المحتار / باب المصرف ٣٣٩/٢ كراچی، ٢٨٣/٣ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب المصرف ٤١٩/٢ رشيدية، فتح القدير الزكاة / باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن

لايجوز ٢٦١/٢ المكتبة التجارية دار الفكر بيروت، مجمع الأنهر، الزكاة / باب في بيان أحكام المصرف ٢٢٠/١ دار إحياء التراث بيروت، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٣٩٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱۱/۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اجتماعی زکوٰۃ وصولی کے لئے علاقائی یا ملکی سطح پر تنظیم بنانا؟

سوال (۱۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: انفرادی طور پر زکوٰۃ ادا کرنے سے بے شک زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؛ لیکن ظاہر ہے کہ اس سے کوئی بڑا کام انجام نہیں دیا جاسکتا۔ اور اگر کسی تنظیم کے تحت اجتماعی طور پر زکوٰۃ جمع کردی جائے تو اس زکوٰۃ کے فنڈ سے بڑے بڑے اہم کام مثلاً کمزور اور تباہ حال مسلمانوں کی آبادکاری اور باز آبادکاری، مفت یا معمولی اخراجات والے ہسپتالوں کا قیام، ناخواندہ یا کم خواندہ مسلمانوں کی شرح تعلیم میں اضافے کے لئے اسکولوں اور کالجوں کا قیام، بے روزگار مسلمانوں کو روزگار سے جوڑنے کے لئے ٹریننگ سینٹروں کا قیام اور اس جیسے بہت سے قومی وملی کام انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

آج کے علمی وسائنسی اعتبار سے ترقی یافتہ دور میں مسلمانوں کی علمی پس ماندگی کو دور کرنا اور ضروری ترقی کے لئے راہ ہموار کرنا یقیناً وقت کی ایک اہم قومی ضرورت ہے۔ کیا اس ضرورت کی بنیاد پر کسی علاقائی، یا ملکی، یا عالمی تنظیم کے تحت اجتماعی طور پر ایک جگہ زکوٰۃ جمع کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور ایسا کرنا شرعاً درست ہے یا نہیں؟ جب کہ اسلامی بیت المال کا قیام نہیں ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: قرآنِ پاک اور احادیثِ شریفہ میں زکوٰۃ کے جو مصارف بیان کئے گئے ہیں ان سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلام میں زکوٰۃ کا مقصد غرباء ومساکین کا تعاون ہے، قومی اعتبار سے دنیاوی ترقیات کا حصول زکوٰۃ کے مصارف ومقاصد میں داخل نہیں ہے؛ اس لئے زکوٰۃ انفراداً جمع کی جائے یا اجتماعاً بہرصورت اسے غرباء وفقراء اور مستحقین پر خرچ

کرنا لازم ہے، اس رقم سے ہسپتال، کالج، اسکول یا دیگر قومی وملی اداروں کو تعمیر کرنا جائز نہیں ہے؛ بلکہ قرآنی حکم کی خلاف ورزی ہے، نیز علاقائی ملکی یا عالمی طور پر اگر اجتماعی زکوۃ جمع کرنا ضروری قرار دیا جائے تو اس میں مستحقین کی حق تلفی کا امکان زیادہ ہے؛ کیوں کہ اس تنظیم کے ذمہ داران اپنے تعلقات معلومات یا تحفظات کو سامنے رکھ کر ہی زکوۃ کو خرچ کریں گے، اور اس بات کا بہت حد تک امکان رہے گا کہ بہت سے واقعی مستحق افراد اور ادارے ان کے اعتماد میں نہ آ سکیں، اور وہ زکوۃ سے محروم رہ جائیں اس کے برخلاف انفرادی طور پر زکوۃ کی ادائیگی میں زیادہ وسیع حد تک زکوۃ اصل مستحقین تک پہنچائی جاسکتی ہے اور بحمدہ تعالیٰ پہنچ رہی ہے؛ اس لئے زکوۃ کے اجتماعی نظم کی کلی تائید نہیں کی جاسکتی۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوی. (سنن الترمذي ١/١٤١)

عن سفيان الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله ...... في كفن ميت ولا دين ميت ولا بناء مسجد. (المصنف لعبد الرزاق، الزكاة / باب لمن الزكاة ٤/١١٣ رقم: ٧١٧٠)

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه. (الدر المختار مع الشامي ٣/٢٩١ زكريا)

مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شيء له على المذهب (درمختار) قوله على المذهب: من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل على العكس، والأول أصح. (الدر المختار مع الرد المحتار / باب المصرف ٢/٣٣٩ كراچی، ٣/٢٨٣ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب المصرف ٢/٤١٩ رشيدية، فتح القدير الزكاة / باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن

لايجوز ٢/ ٢٦١ دار الفكر بيروت، مجمع الأنهر، الزكاة / باب في بيان أحكام المصرف ١/ ٢٢٠ دار إحياء التراث بيروت،مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٣٩٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرضہ جات کی ادئیگی کے لئے ادارہ کا زکوٰۃ وصول کرنا؟

سوال (۱۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک ادارہ برائے وصول یابیٔ زکوٰۃ کسی مخصوص برادری کے افراد سے قائم کرتا ہے، اور خاص اسی برادری کے ضرورت مند افراد پر مندرجہ ذیل مدات میں خرچ کرتا ہے:

الف:- ادائیگی قرضہ جات سودی وغیر سودی۔

ب:- قرضِ حسن برائے ادائیگی قرضہ جات سودی اور بعد وصولی اس رقم کو بلاقید قرض ادائیگی قرضہ جات سودی وغیر سودی کے لئے دینا۔

ج:- کچھ سرمایہ مستقل برائے ضروریات ہنگامی رکھنا چاہتا ہے، مثلاً امداد مسافر وامداد برائے فساد زدگان بلاقید برادری۔

د:- بقدر پانچواں حصہ برائے اخراجات طعام طلبہ مدرسہ دینیات مخصوص کرتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے مال داروں کے قرضہ جات ادا کرنا، اور بلاحکم فقراء کے قرضے ادا کرنا، اسی طرح زکوٰۃ کی رقم عام مسلمانوں کو بطور قرضہ دینا یا ہنگامی ضرورتوں کے لئے لمبی مدت تک محفوظ رکھنا درست نہیں ہے؛ لہٰذا ان مقاصد کے لئے کسی خاص ادارہ کا قیام بھی صحیح نہیں ہوگا۔ بریں بنا ہر صاحبِ نصاب شخص کو چاہئے کہ وہ اپنی صواب دید کے مطابق اپنی زکوٰۃ شرعی مصارف میں شرعی طریقہ پر ادا کرے، اور اداءِ زکوٰۃ کے اجتماعی نظام میں شامل ہوکر زکوٰۃ کو خطرے میں نہ ڈالے۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۳۰۶/۴-۳۰۷)

وتـجـب عـلـى الـفـور عـنـد تـمام الحو ل حتى يأثم بتا خره من غير عذر .

(الفتاویٰ الهندية ١/ ١٧٠)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر. (درمختار ٣/ ٢٩١ زكريا)

قـوله: وقضاء دينه ...... لانعدام التمليک ...... وقضاء دين الغير لا يقتضي التمليک من ذٰلک الغير الحيِّ فالميت أولىٰ. (البحر الرائق / باب المصرف ٢/ ٢٤٣ كوئٹه)

ولا يـجوز أن يكفن بها ميت، ولا يُقضىٰ بها دين الميت، كذا في التبيين.

(الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ١١/٧/١٤١٣ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ وصول کرنے کیلئے کمیٹی بنانا اور مستحقین پر خرچ کرنا؟

سوال (١٥٤): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے محلّہ میں چند افراد نے ایک کمیٹی بنا رکھی ہے، جس میں جماعت اسلامی کے افراد بھی شامل ہیں، یہ کمیٹی محلّہ والوں کا صدقہ فطرہ، زکوٰۃ، چرم قربانی وصول کرتے ہیں، اور اس کو اپنے یہاں جمع کرکے رکھتے ہیں، اور اس میں سے وقتاً فوقتاً حسبِ ضرورت یتیموں، مسکینوں اور غریبوں پر خرچ کرتے ہیں، اور کچھ لوگوں کے ماہانہ وظیفے بھی مقرر کر رکھے ہیں، اور پریشان حال کو کاروبار بھی کراتے ہیں، اور کسی غریب کی لڑکی کی شادی بھی کراتے ہیں، تو آیا ان کا یہ عمل صحیح ہے یا غلط، ان کو کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ ہماری ذمہ داری ہے، اور زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وغیرہ کی ادائیگی کا ہر شخص خود ذمہ دار ہے، اس کی طرف سے خواہ مخواہ کوئی کمیٹی ذمہ دار نہیں ہے، اور زکوٰۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جب تک

کہ وہ اپنے مصرف میں نہ لگ جائے، اور مستحق اس کا مالک نہ ہوجائے، اب اگر آپ یہ تحقیق کرلیں کہ مذکورہ کمیٹی کیا واقعی جمع شدہ ایک ایک پیسہ مصرف میں لگادیتی ہے یا کہیں بلامصرف بھی خرچ کرتی ہے؟ اگر ذاتی طور پر آپ کو اطمینان ہو تو آپ اسے وکیل بناسکتے ہیں۔

قال اللّٰه تبارک و تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، قوله: نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ٢٩١ زكريا)

مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء: أي دون نصاب، أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة، ومسكين من لا شيء له على المذهب (درمختار) قوله على المذهب: من أنه أسوأ حالاً من الفقير، وقيل على العكس، والأول أصح. (الدر المختار مع الرد المحتار / باب المصرف ٢/ ٣٣٩ كراچی، ٣/ ٢٨٣ زكريا، كذا في البحر الرائق / باب المصرف ٢/ ٤١٩ رشيدية، فتح القدير الزكاة / باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لايجوز ٢/ ٢٦١ دار الفكر بيروت، مجمع الأنهر، الزكاة / باب في بيان أحكام المصرف ١/ ٢٢٠ دار إحياء التراث بيروت، مراقي الفلاح مع الطحطاوي ٣٩٢ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸؍ ۱۰؍ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چرمِ قربانی اور زکوٰۃ کی وصول یابی کے لئے مسلم تنظیم قائم کرنا

سوال (۱۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلمانوں میں بعض تنظیمیں ایسی قائم کی جارہی ہیں جو چرم قربانی، زکوٰۃ اور لاچار افراد کی مدد

کرتی ہیں، انہوں نے باقاعدہ فارم چھپوا رکھے ہیں، جن پر اپنی انجمن کے کسی فرد کی تصدیق وسفارش پر رقم عنایت کردی جاتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مذکورہ مدات رقومات صاحب بیت المال کے نام پر یا اپنی انجمن کے نام پر لوگوں سے وصول کرتے ہیں اور اپنی تحویل میں لے کر اپنی صواب دید سے غرباء ویتامی وغیرہ پر صرف کرنا، یہ عمل شرعاً درست وجائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اموالِ باطنہ (روپیہ، سونا، چاندی وغیرہ) کی زکوٰۃ ہر شخص پر انفرادی طور پر نکالنا مستحب اور بہتر ہے، اور اسلامی حکومت میں بھی کسی شخص کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے کہ وہ ان اموال کی زکوٰۃ اسلامی بیت المال میں جمع کرے۔ (بدائع الصنائع ۳۵/۲)

دوسرے یہ ہے کہ اس دور میں امانت ودیانت کا فقدان ہے اور کوئی ایسی قوت موجود نہیں ہے جو غلط کاروں کو غلطی سے روک سکے؛ اس لئے جب تک کسی ادارے میں زکوٰۃ وصدقات کا مصرف واقعی پہلے سے موجود نہ ہو، (جیسے قیام وطعام والے مدارسِ دینیہ) تو اس ادارہ کو زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار دینا بڑے مفاسد کا دروازہ کھول دینے کا ذریعہ اور لوگوں کے اموال ضائع کرنے کا سبب بن سکتا ہے، اور محض اجتماعی زکوٰۃ لینے کے لئے ادارے قائم کرنے کی کوشش ممنوع لغیرہ قرار پائے گی، اور اگر بالفرض ایسے ادارے قائم بھی ہوگئے تو زکوٰۃ کی رقم جب تک اپنے صحیح مصرف میں نہ لگائی جائے تو اس وقت تک نہ تو دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی اور نہ لینے والے ذمہ سے بری ہوں گے۔ (مستفاد: نظام الفتاویٰ ۱۷۰)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد، قوله: نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه. (الدر المختار مع الشامي ۲۹۱/۳ زکریا)

والواجب على الأئمة أن يوصلوا الحقوق إلى أربابها. (الفتاویٰ الهندية ۱۹۱/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسلم کمیٹی کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارا علاقہ دینی اعتبار سے بالکل پیچھے ہے، جس کی وجہ سے یہاں پر کچھ تہذیب یافتہ لوگوں نے ایک تنظیم بنا کر بستی بستی میں گھوم پھر کر کمیٹی بنا رہے ہیں، مسلم پریشانیوں کے لئے اس میں ان لوگوں نے پانچ چیزوں کا انتخاب کیا ہے تو پہلے وہ بیان کروں:

(۱) دنیاوی تعلیم کے لئے بچوں کی تعلیمی سہولت کے لئے جس کسی کے ماں باپ اس کے پڑھانے سے عاجز ہوں یعنی غریب ہونے کی وجہ سے اس کی پڑھائی کا خرچ نہیں برداشت کر سکتے تو یہ لوگ خرچہ دے کر پڑھوائیں گے؛ تاکہ وہ بڑے سے بڑا افسر بنے اور لوگوں کے کام سنوارے۔

(۲) بچوں کی ختنہ کروائیں گے۔

(۳) عورتوں کو سلائی کا کام سکھانے کے لئے سلائی مشین دیں گے اور ماہر ٹیلر لگا کر لڑکیوں کو درزی کا کام سکھائیں گے۔

(۴) بستی میں کچھ لوگ غریب ہونے کی وجہ سے اپنی بچی کی شادی نہیں کر سکتے، تو یہ لوگ خصوصی طور پر شادی کریں گے۔

(۵) کاروبار کرنے کے لئے نوجوانوں کو رقم دے کر کاروبار کروائیں گے، اس کے لئے یہ لوگ جو رقم جمع کر رہے ہیں، وہ صدقہ فطر زکوٰۃ عشری زکوٰۃ کا پیسہ اور کچھ چندہ۔

تو ہمارا معلوم کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان لوگوں کو ان مصارف میں صرف کرنے کے لئے پیسہ دیا جائے یا نہیں؟ صدقہ فطر زکوٰۃ عشری زکوٰۃ ان سب چیزوں کا پیسہ ان پانچ مصرفوں میں جو یہ

لوگ خرچ کرنا چاہتے ہیں، کیا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بستی والوں نے جن کاموں کا بیڑا اٹھایا ہے، وہ بہت اہم اور ضروری ہے؛ لیکن ان کاموں میں زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کا روپیہ نہ لگایا جائے؛ کیوں کہ ان لوگوں نے مصارفِ زکوٰۃ میں خرچ کرنے کا صحیح انتظام نہیں کیا ہے، اور اکثر مصارف میں بلا تملیک خرچ کرنے یا محض قرض کے بطور رقم زکوٰۃ دینے کا ضابطہ بنایا ہے، جو صحتِ زکوٰۃ سے مانع ہے، لوگوں کو چاہئے کہ اگر ضرورت ہو تو وہ نفلی امداد اور عطیات سے ان کاموں کو فروغ دیں۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر. (درمختار ۲۹۱/۳ زکریا)

ولا تجوز الزکاة إلا إذا قبضه الفقیر...... لأن التملیک لا یتم بدون القبض. (الفتاویٰ الولوالجیة، کتاب الزکاة ۱۷۹/۱ دار الکتب العلمیة بیروت)

واعلم أن التملیک شرط، قال تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوْا الزَّکَاةَ﴾ والإیتاء: الإعطاء، والإعطاء التملیک فلا بد فیها من قبض الفقیر أو نائبه؛ لأن التملیک لا یتم بدون القبض. (الاحتیار التعلیل المختار ۱۲۱/۱ الشاملة، درمختار ۲۹۱/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۲/۲/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِدارہ کا زکوٰۃ وصول کرکے ناداروں کی مدد کرنا اور دواخانہ وغیرہ بنانا

سوال (۱۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مرادآباد کے ایک علاقہ میں صدیقی برادری کے کچھ افراد نے ایک ادارہ قائم کر رکھا ہے، یہ اِدارہ لوگوں سے زکوٰۃ اور عطیات کی رقم اکٹھا کرتا ہے، اور اس رقم سے کچھ نادار افراد کی مالی امداد کرتا ہے، اس کے ساتھ ہی یہ ادارہ ایک چیئرٹیبل دواخانہ چلا رہا ہے، جس میں نہایت کم قیمت پر تمام افراد کو بغیر کسی امتیاز کے دوا علاج مہیا کرائی جاتی ہے۔ اب کچھ ناگزیر حالات کے پیشِ نظر اس دواخانہ کے لئے ایک مکان کی ضرورت ہے، کیا اس طرح اس ادارہ کے ذریعہ اکٹھا کی گئی اس زکوٰۃ

کی رقم سے دواخانہ کے لئے مکان کی خریداری کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکرکردہ مقاصد کے لئے زکوٰۃ کی وصولی اوراس کا استعمال جائز نہیں؛ اس لئے کہ دواخانہ سے نفع اٹھانے والے لوگ مال دار اور صاحب نصاب بھی ہوتے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق نہیں، نیز زکوٰۃ کا روپیہ مذکورہ ادارہ کے لئے مکان کی خریداری اوراس کی تعمیر میں نہیں لگایا جاسکتا؛ کیوں کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں؛ لہٰذا مذکورہ مقاصد کے لئے صرف امدادی رقم حاصل کی جائے، زکوٰۃ حاصل نہ کی جائے۔

قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبۃ: ٦٠]

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، قوله: نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ٢٩١ زكريا)

قوله: بناء مسجد وتكفين ميت وقضاء دينه وشراء قنٍّ يعتق ...... وعدم الجواز لانعدام التمليك الذي هو الركن. (البحر الرائق / مصارف الزكاة ٢/ ٢٤٣ كوئٹه)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وصلاح الطرقات وكل ما لا تمليك فيه. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٨ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳/۴/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیت المال میں زکوٰۃ جمع کرکے درج ذیل مصارف میں خرچ کرنا

سوال (۱۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں بیت المال کا نظام قائم ہے، جس میں ہمارے محلّہ ہی سے زکوٰۃ، صدقات، عطیات اور قربانی وغیرہ کی رقمیں جمع ہوتی ہیں؛ لیکن زیادہ تر ۲۵۰۰۰۰/ رقم زکوٰۃ کی ہے، الغرض جتنی بھی رقم جمع ہوتی ہے، ان تمام کو ہم چند مصارف میں خرچ کرتے ہیں: (۱) امدادی کوپن، ہر ماہ ۸۵/ غریب ونادار مسلم مکانات کرایہ پر دیئے ہیں۔ (۲) تعلیمی امداد: غریب یتیم بچوں کو کتابیں، کاپیاں اور یونیفارم وغیرہ دیتے ہیں۔ (۳) امداد نکاح: غریب بہنوں کی شادیوں میں اشیاء کی مدد کرتے ہیں۔ (۴) رمضانی امداد: غریبوں میں کپڑے اور عید کے موقع پر شیر خورمہ کا سامان تقسیم کرتے ہیں، ہمارا یہ عمل بھی شریعت وسنت کی نظر میں صحیح ہے یا نہیں؟ برائے مہربانی جواب حوالوں کے ساتھ جلد از جلد تحریر فرمائیں، نیز اس عمل میں ہماری صحیح رہبری بھی فرمائیں تاکہ ہمارا یہ عمل عند اللہ مقبول ہوجائے، عین نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ نے زکوٰۃ کی رقومات کے جو مصارف ذکر کئے ہیں، اُن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے سے مالکان کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن اس کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ یہ رقم صرف مستحق غرباء ومساکین پر ہی خرچ کی جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبۃ: ٦٠]

قال: الأصل فیہ قولہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ فھٰذہ ثمانیۃ أصناف ...... الفقیر ...... والمسکین ...... والعامل ...... والرقاب ...... والغارم ...... وفي سبیل اللّٰہ منقطع الغزاۃ ...... وابن السبیل، قال: فھٰذہ جھات الزکاۃ، فلما لک أن یدفع إلی کل واحد منھم ولہ أن یفتقر علی صنف واحد. (ھدایۃ / باب من یجوز دفع الصدقات إلیہ ومن لا یجوز ٢٠٤/١ أشرفیۃ دیوبند، الفتاویٰ التاتارخانیۃ ١٩٨/٣ زکریا، البحر الرائق / باب المصرف ٢٤٠/٢ کراچی)

مصرف الزکوۃ والعشر ھو فقیر. (الدرالمختار ٢٨٣/٣ زکریا)

ويشتـرط أن يـكون الصرف تمليكا لا إباحة. (الـدرالمختار ٣/ ٢٩١ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۸/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیت المال میں زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے اپنی صواب دید پر خرچ کرنا؟

سوال (۱۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض افراد اور تنظیموں کی طرف سے بیت المال قائم کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور محصلہ رقم کو اپنی صواب دید پر خرچ کرنے سے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیت المال قائم کرکے زکوٰۃ کی رقمیں وصول کرنا اور انہیں تملیک کے بغیر من مانے طور پر خرچ کرنا قطعاً جائز نہیں، اس طرح خرچ کرنے سے بیت المال کے ذمہ داران عنداللہ ماخوذ ہوں گے۔

وكذلك في جميع أبواب البر التي لا يقع بها التمليك كعمارة المسجد ...... لا يجوز صرف الزكاة إلى هٰذه الوجوه. (الفتاویٰ الهندية ٦/ ٣٩٢)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحةً. (درمختار مع الشامي ٣/ ٢٩١ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مصارفِ زکوٰۃ

فقیر اور مسکین کی تعریف

سوال (۱۶۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فقیر اور مسکین کسے کہتے ہیں؟ مختصر الفاظ میں ان کی تعریف فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص مقدارِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) کا مالک نہ ہو، وہ مستحق زکوٰۃ ہے، ایسے شخص کو شرعاً فقیر کہتے ہیں، اور جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو، کھانے اور بدن چھپانے کے لئے بھی سوال کرنے کی ضرورت پڑے، ایسے شخص کو مسکین کہتے ہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۱۷۶-۱۷۷ امیرٹھ)

عن جابر بن زيد أنه سئل عن الفقراء والمساكين فقال: الفقراء المتعففون والمساكين الذي يسألون. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الفقراء والمساكين من هم ۴۱۸/۲ رقم: ۱۰۵۱۹ دار الكتب العلمية بيروت)

حدثنا مغفل قال: سألت الزهري عن قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ قال: الفقراء الذي في بيوتهم ولا يسألون، والمساكين الذي يخرجون فيسألون. (المصنف لابن أبي شيبة ۴۱۸/۲ رقم: ۱۰۵۹۴ دار الكتب العلمية بيروت)

هو فقير وهو من له أدنى شيء، أي دون نصاب أو قدر نصاب. ومسكين من لا شيءَ له، فيحتاج إلى المسئلة لقوته، وما يواري بدنه. (تنوير الأبصار على الدر المختار ۳۳۹/۲ كراچی، ۲۸۳/۳ زكريا، كذا في الهداية ۷۰/۲ مكتبة البشرىٰ كراچی، مجمع الأنهر /

أحكام المصارف ۱/۳۲۲ دارالكتب العلمية بيروت، البحر الرائق ۲/۲٤٠ كوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مصارفِ زکوٰۃ

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مصارفِ زکوٰۃ کیا کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے مصارف غرباء، فقراء، مساکین، مسافر اور مجاہد فی سبیل اللہ وغیرہ ہیں۔

قال اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب. (درمختار على الشامي ٣/٢٨٥ زكريا)

منها الفقراء ...... ومنها المسكين ومنها العامل ...... ومنها الغارم ...... ومنها ابن السبيل. (الفتاویٰ الهندية ١/١٨٧)

مصرف الزكاة هو فقير ...... ومسكين ...... وعامل ...... ومديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه، ...... وفي سبيل اللّٰه وهو منقطع الغزاة ......، وابن السبيل يصرف إلى كلهم أو إلى بعضهم تمليكًا لا إباحة. (تنوير الأبصار مع الدر المختار / باب المصرف ٣/٢٨٣-٢٩١ زكريا، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٣/١٩٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۵/۹/۱۴۱۳ھ

کیا مصارف ثمانیہ میں سے ہر مصرف میں زکوۃ دینا ضروری ہے؟

سوال (۱۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مصارفِ ثمانیہ میں سے ہر مصرف میں زکوۃ دینا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احناف کے نزدیک زکوٰۃ کے مصارفِ ثمانیہ میں سے کسی ایک پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

عن عطاء أن عمر رضي اللّٰه عنه كان يأخذ العرض في الصدقة ويعطيه في صنف واحد مما سمى اللّٰه تعالى. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٥٢٤ رقم: ١٠٥٤٩، الفتاوى التاتارخانية ٣/٢٠٥ رقم: ٤١٣٦ زكريا)

وإذا صرفت الصدقة إلى صنف واحد من هذه الأصناف أجزأه عندنا، وأخرج البيهقي عن حذيفة، قال: إذا أعطى الرجل الصدقة صنفاً واحداً من الأصناف الثمانية أجزأه. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١/٨٨ رقم: ١٣٤٠٣) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۱۱/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

زکوٰۃ کا بہترین مصرف شریعت نے کیا بتایا ہے؟

سوال (۱۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کا بہترین مصرف شریعت نے کیا بتایا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا بہترین مصرف غریب رشتہ دار اور وہ نادار طلبہ ہیں، جو علم دین کی تحصیل میں مشغول ہیں۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عـن سـلـمان ابن عامر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الـصـدقة على المسكين صدقة، و على ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن الـنسائي / باب الصدقة عـلـى الأقـارب ١٧٨/١ رقـم: ٢٥٧٨، سنن الترمذي / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ١٤٢/١ رقم: ٦٥٣، شعب الإيمان ٢٣٨/٣، المنصف ابن أبي شيبة ٥٤٥/٦)

عـن ابـن عـمـر رضـي اللّٰه عنهما عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان إذا بعث السعاة على الصدقات أمرهم بما أخذوا من الصدقات أن يـجـعل في ذوي قرابة من أحد منهم الأول فالأول، فإن لم يكن له قرابة، فالأولىٰ الـعشيـرة، ثـم لـذوي الحاجة من الجيران وغيرهم. (الـمـعـجم الأوسط ١٢٨/٥ رقم: ٦٨٠٥، مجمع الزوائد / باب تفرقة الصدقات ٨٧/٣)

ويبـدأ فـي الـصـدقـات بـالأقـارب ثـم الـمـوالـي ثـم الجيـران، وذكـر الـزنـدويستي: الأفضل صرف الزكاتين يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هٰؤلاء السبعة الأول: إخـوتـه الـفـقـراء وأخواته ثم إلى أولادهم، ثم إلى أعمامه الـفـقـراء، ثـم إلـى أخـواله وخالته، ثم ذوي الأرحام الفقراء، ثم إلى جيرانه الخ. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٠٥/٣-٢٠٦ رقم: ٤٣٦١ زكريا)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (الفتاوىٰ الهندية ١٨٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۰/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ اور چرم قربانی کا صحیح مصرف کیا ہے؟

سوال (۱۶۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ وچرم قربانی کا صحیح مصرف کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ وچرم قربانی کا صحیح مصرف فقراء ہیں، خواہ وہ مدارس میں پڑھنے والے طلبہ ہوں یا دیگر فقراء۔

﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ مصرف الزكوٰة والعشر هو فقير. (درمختار على الشامي ۲۸۳/۳ زكريا)

إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب. (درمختار على الشامي ۲۸۵/۳ زكريا)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (الفتاوى الهندية ۱۸۷/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نابالغ بچہ پر زکوٰۃ صرف کرنا؟

سوال (۱۶۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی نابالغ بچے کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ جب کہ وہ خود اس رقم کو تصرف میں لائے، آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچہ سمجھدار اور تمیز والا ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۳۷/۹-۵۳۳ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ ۳۶۸/۷)

ولو قبض الصغير وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض. (الفتاوىٰ الهندية ۱۹۰/۱)

ويصرف إلى مراهق يعقل القبض. (شامي / باب المصرف ۲۹۱/۳ زكريا)

سئـل عبـد الكـريـم عمن دفع زكاة ماله إلى صبي؟ قال: إن كان مراهقًا يـعقل الأخذ يجوز، وإلا فلا، وفي الخانية: وكذا لو كان الصبي يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۱ رقم: ٤١٥٠ زكريا)

ودفع الزكاة إلى صبيان أقاربه برسم عيد جاز. (شامي ۳/ ۳۰۷ زكريا)

ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ. (شامي ۲/ ۳٤٤ كراچی) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

نابالغ بچہ پر زکوٰۃ صرف کرنا؟

سوال (۱٦٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی نابالغ بچے کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جاسکتی ہے یانہیں؟ جب کہ وہ خود اس رقم کو تصرف میں لائے، آپ سے درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مسئلہ کی وضاحت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچہ سمجھ دار اور تمیز والا ہوتو اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۵۳۷-۵۳۳ ڈابھیل، فتاویٰ رحیمیہ ۷/ ۳٦٨)

ولـو قبـض الـصغير وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۰)

ويصرف إلى مراهق يعقل القبض. (شامي / باب المصرف ۳/ ۲۹۱ زكريا)

سئـل عبـد الكـريـم عمن دفع زكاة ماله إلى صبي؟ قال: إن كان مراهقًا يـعقل الأخذ يجوز، وإلا فلا، وفي الخانية: وكذا لو كان الصبي يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۱ رقم: ٤١٥٠ زكريا)

ودفع الزكاة إلى صبيان أقاربه برسم عيد جاز. (شامي ۳/ ۳۰۷ زكريا)

ويصرف إلى مراهق يعقل الأخذ. (شامي ٢/ ٣٤٤ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۹ھ

ایک سال میں کتنی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے؟

سوال (۱۶۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایک سال میں کل کتنی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے، اسلامی نقطہ نظر سے بتائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سال میں کتنی زکوٰۃ لے، اس بارے میں تو کوئی تحدید نہیں ہے؛ اس لئے کہ لوگوں کی ضروریات اور اخراجات مختلف ہوتے ہیں؛ البتہ فقہاء نے یہ لکھا ہے کہ بیک وقت کسی فقیر کو نصاب سے زائد مال دینا مکروہ ہے، نصاب سے کم ہی دینا چاہئے؛ تاکہ دوسرے فقراء کے حق میں کوتاہی نہ ہو۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اغنوهم في هٰذا اليوم. (سنن الدار قطني ٢/ ١٣٣)

وندب الاغناء عن السؤال في ذٰلك اليوم. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٨، تبيين الحقائق ٢/ ١٣٠)

وكره إعطاء فقير نصاباً، أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً.

(درمختار ٣/ ٣٠٣ زكريا)

يندب دفع ما يغنيه يومه عن السوال، واعتبار حاله من حاجة وعيال (درمختار) وفي الشامي: والأوجه أن ينظر إلى ما يقتضيه الحال في كل فقير من عيال وحاجة أخرىٰ كدهن وثوب وكراء منزل وغير ذٰلك كما في الفتح.

(شامي ٣/ ٢٧٦ بيروت)

إذا أعطى من زكاته مائتي درهم أو ألف درهم إلى فقير واحد، فإن كان عليه دين مقدار ما دفع إليه......، أوكان صاحب عيال يحتاج إلى الإنفاق عليهم فإنه يجوز ولا يكره، وإن لم يكن عليه دين ولا صاحب عيال فإنه يجوز عند أصحابنا الثلاثة ويكره. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۲۲۱ زكريا، ومثله في الدر المختار / باب المصرف ۳/۳۰۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رشتہ دار، پڑوسی اور اہل محلّہ میں زکوٰۃ کا صحیح حق دار کون ہیں؟

سوال (۱۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پاک کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بتائیں کہ زکوٰۃ کے پیسے کا صحیح حق دار کون ہے؟

الف:- غریب رشتہ دار، اگر ہاں تو کون کون؟

ب:- غریب پڑوسی تو کیا صرف مسلمان؟

ج:- غریب محلّہ دار اور شہری یا اور کوئی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے حق دار نادار اور غریب لوگ ہیں، اگر وہ رشتہ دار ہوں تو انہیں زکوٰۃ دینے میں دوہرا اَجر ہے، ایک زکوٰۃ کا دوسرے صلہ رحمی کا، اسی طرح پڑوسی اور طلبہ علم دین کو دینے میں بھی دوہرا ثواب ملتا ہے، اور زکوٰۃ صرف مسلمانوں ہی کو دی جائے گی، غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن سلمان ابن عامر رضي اللّٰہ عنه عن النبي صلی اللّٰہ عليه وسلم قال:

إن الـصـدقة على المسكين صدقة، و على ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن النسائي / باب الصدقة على الأقارب ١٧٨/١ رقم: ٢٥٧٨، سنن الترمذي / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ١٤٢/١ رقم: ٦٥٣، شعب الإيمان ٢٣٨/٣، المنصف ابن أبي شيبة ٥٤٥/٦)

عـن سعيـد بـن الـمسيـب قال: إن أحق من دفعت إليه زكاتي يتيمي وذو قرابتي. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٢/٢ رقم: ١٠٥٣٢ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن الـضحاک قال: إذا كان لک أقارب فقراء، فهم أحق بزكاتک من غيرهم. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٢/٢ رقم: ١٠٥٣٧ دار الكتب العلمية بيروت)

عـن ابـن سيـريـن عـن أم الـرائـح بـنت صليح عن عمها سلمان ابن عامر الـضبـي قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصدقة على غير ذي الرحم صدقة وعلى ذي الرحم اثنتان صدقة وصلة، قال أبو بكر: وسمعت وكيعًا يذكر عـن سفيان أنه قال: لا يعطها من تجب عليه نفقته. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٣/٢ رقم: ١٠٥٤١ دار الكتب العلمية بيروت)

مـصرف الزكا ة وهـو فـقيـر وهـو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (الدر المختار ٢٨٣/٣-٢٨٤ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتنی غربت والے غریب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

سوال (۱۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ جن لوگوں کو دی جائے گی، اس کے لئے کیا کیا شرائط ہونی لازم ہیں؟ غریب، اس کا غریب ہونا کس حد تک ضروری ہے؟ لاچاری کس حد تک؟ معذوری کس حد تک؟ یتیمی کس عمر تک؟ یا کوئی اور وجہ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا نادار شخص جو بقدر نصاب مال کا مالک نہ ہو، اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، پھر جو جتنا زیادہ محتاج ہوگا اتنا ہی مستحق زکوٰۃ ہوگا، خواہ یہ محتاجگی معذوری کی وجہ سے ہوا یا کسی اور وجہ سے۔

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تحل الصدقة لغني: قال القاري: قال في المحيط: الغني على ثلاثة أنواع: ...... وغني يحرم السؤال دون الصدقة، وهو أن يكون له قوت يومه وما يستر عورته. (بذل المجهود / باب من يعطي من الصدقة وصانعه ٦/ ٤٨٠ تحت رقم: ١٦٣٤ جديد)

الغني على ثلاثة أقسام: أحدها: أن يملك نصاباً ناميًا من جنس واحد.

والثاني: أن يملك قدر نصاب غير نامٍ زائد على قدر حاجته.

والثالث: من لا يملك نصابًا.

فالأول: تجب عليه الزكاة ويحرم عليه أخذها.

والثاني: لا تجب عليه الزكاة، غير أنه يحرم عليه أخذها، وتجب عليه الفطرة والأضحية.

والثالث: لا يجب عليه شيء، وجاز له أخذ الزكاة، ويحرم عليه السؤال ما دام يملک قوت يوم وليلة: هٰذا ملخص ما في ''البحر الرائق'' بإيضاح.

(معارف السنن / باب من تحل له الزكاة ٥/ ٢٥٧، كذا في البحر الرائق / باب المصرف من كتاب الزكاة ٢/ ٢٤٠-٢٥٠ كراچی)

ويجوز دفعها إلى من يملک أقل من النصاب وإن كان صحيحاً. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٩)

وقد اختلف الناس في جواز أخذ الصدقة لمن يجد قوة يقدر بها على

الكسب ...... فقال أصحاب الرأي: يجوز له أخذ الصدقة إذا لم يملك مائتي درهم فصاعدًا. (معالم السنن / من يجوز له الصدقة ممن هو غني ٢/ ٦٣ الشاملة، كذا في لمعات التنقيح / باب من لا تحل له المسألة ومن تحل له ٤/ ٣١٢ دار النوادر)

وزاد في الهداية: لأنه فقير، والفقراء هم المصارف؛ ولأن حقيقة الحاجة لا يتوقف عليها فأدير الحكم على دليلها، وهو فقد النصاب. (هداية مع الفتح / باب من يجوز دفع الصدقات إليه ٢/ ٢٧٨ دار الفكر بيروت، البحر الرائق ٢/ ٢٤٥ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے گھر میں فاقہ ہوتا ہو اس کو زکوٰۃ دینا

سوال (۱۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبداللہ کی بیوی اپنی اور لڑکیوں کی کمائی اپنے پاس الگ جمع کر کے رکھتی ہے، اور وہ صاحبِ نصاب ہے؛ لیکن گھر میں کھانے پینے کا سارا بندوبست کرنے کی ذمہ داری عبداللہ پر ہے، اگر عبداللہ گھر میں کھانے پینے کا سارا بندوبست نہ کرے تو بیوی فاقہ کرا دیتی ہے؛ لیکن اپنی جمع شدہ رقم خرچ نہیں کرتی، اس وجہ سے گھر میں اکثر فاقے ہوتے رہتے ہیں؛ کیوں کہ عبداللہ بہت کمزور اور مزدور آدمی ہے، اس لئے آپ بتائیں کہ عبداللہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ یعنی عبداللہ کو زکوٰۃ دینے سے ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت سوال عبداللہ بربنائے فقر زکوٰۃ کا مستحق ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة. (درمختار مع الشامي ٣/ ٢٨٣ زكريا)

منها: الفقير وهو من له أدنى شيء. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۷، كذا في البحر الرائق / باب المصرف ۲/٤٠٢ كراچی، مجمع الأنهر / باب المصرف ۱/٣٢٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۹/۲۲ھ

غریب مزدور شخص کو زکوٰۃ دینا

سوال (۱۷۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک غریب مزدور نے ہرطرف کی مدد سے مایوس ہوکر مجبوراً اپنی لڑکیوں کی شادی کرنے کیلئے چند ہزارروپیہ بیاز پرلیا، جس کی ادائیگی تو کیا اس کا بیاز بھی نہیں دے پا رہا ہے، کیا اس کو زکوٰۃ کے روپیہ دے کراس آفت سے نکال سکتے ہیں یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے غریب شخص کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحاً. (الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۸۹، هداية مع الفتح ۲/۲۷۸ بيروت، البحر الرائق ۲/٤٥٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/۱۱/۱۴۲٦ھ

غریب بے دین اور فاسق کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں کچھ غریب لوگ ہیں جو ایک وقت کی بھی نماز نہیں پڑھتے اور ہر غلط کام میں آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، اور گھر کا یہ عالم ہے کہ بعض مرتبہ فاقہ تک کی نوبت آجاتی ہے، معلوم یہ کرنا ہے کیا اس طرح کے لوگوں کی زکوٰۃ صدقہ وغیرہ سے امداد کرنا درست ہے، کیا ان پر

صدقہ کرنے سے ثواب ملے گا، یا اس طرح کے بے دین فاسق اور شرابی کو کھانا وغیرہ نہ دیا جائے شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کے مستحق غریب مسلمان ہیں خواہ دین دار ہوں یا فاسق وفاجر۔ اور سوال کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ لوگ غریب اور مستحق زکوٰۃ ہیں؛ لہٰذا ان لوگوں کو زکوٰۃ، صدقہ فطر اور کھانا وغیرہ دینا جائز ہے، ان کو دینے سے بھی زکوٰۃ اور صدقہ فطر ادا ہوجائیں گے، اور ثواب بھی ملے گا؛ البتہ افضل اور زیادہ ثواب کی بات یہ ہے کہ دین دار غریب مسلمانوں کو ہی زکوٰۃ اور صدقہ فطر وغیرہ دیا جائے۔ (مستفاد: فتاوی محمودیہ ۹/۵۱۸ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم ۶/۲۸۴-۲۱۸)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿**إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ**﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة والعشر هو فقير، وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة. (درمختار مع الشامي ٣/٢٨٣ زكريا)

منها الفقير: وهو من له أدنى شيء – إلى قوله – التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (الفتاویٰ الهندية ١/١٨٧) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یتیم بچوں کی کفالت میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا؟

سوال (۱۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور ان کی کفالت کرنے والا کوئی نہیں ہے، اس کے تین بچے ہیں، جن کی عمریں بالترتیب درج ذیل ہیں: لڑکے کی عمر ۸؍ سال، دوسرے لڑکے کی عمر ۵؍ سال، جب کہ لڑکی کی عمر ۶؍ سال ہے، عدت کی مدت گذرنے کے بعد عورت نے اپنا زیور

۲۴؍ ہزار روپئے میں فروخت کیا، اور وہ رقم ایک کاروبار میں لگائی، جس سے ۵۰۰؍ روپئے ماہانہ منافع ملتا ہے؛ جب کہ ان ۵۰۰؍ روپیوں میں گذارا ممکن نہیں، اگر وہ عورت اپنی گذر بسر کرنے کے لئے کاروبار میں سے اپنے پیسے واپس لے کر خرچ کر دے تو پھر آئندہ کیا کرے؟ آپ سے عرض یہ ہے کہ اتنا بتادیں کہ ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ بچے مالک نصاب نہیں ہیں تو ان پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا شرعاً جائز ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه ...... قالوا: فمن المسكين يا رسول اللّٰه.؟ قال: الذي لا يجد غنى يغنيه ولا يفطن له فيتصدق عليه. (رواه الشيخان، تفسير ابن كثير ٦١٦ دار السلام رياض)

يصرف العشر والخراج إلى ما نص اللّٰه في كتابه وهو قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ والفقير الذي لا يسأل؛ لأن عنده ما يكفيه للحال، والمسكين الذي يسأل؛ لأنه لا يجد شيئًا. (الفتاویٰ السراجية ٥٣ دار العلوم زكريا أفريقيا)

في الدر المختار: ولا إلى طفله بخلاف ولده الكبير ......، وطفل الغنية فيجوز لانتفاء المانع. وفي الشامية: بخلاف الكبير فإنه لا يعد غنياً بغني أبيه......، ولا الطفل بغني أمه. (شامی کراچی ٢/ ٣٥٠، زکریا ٣/ ٢٩٨-٢٩٩)

وفي معراج الدراية: قوله: ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من ذٰلک، ولكنه لا يطيب للآخذ ...... وهو غير صحيح؛ لأن المصرح به في غاية البيان وغيرها أنه يجوز أخذها لمن ملك أقل من النصاب كما يجوز دفعها. (البحر الرائق / باب المصرف ٢/ ٢٤٥ كراچی، كذا في الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٩)

المصرف وهو من له أدنی شيء دون النصاب، فیجوز الدفع له ولو کان صحیحاً مکتسبا. (مجمع الأنهر ۱/ ۲۲۰ دار إحیاء التراث بیروت، الدر المختار علی الشامي ۳/ ۲۸۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۱/۱۱/۳/۲۰ھ

غریب آدمی کو علاج کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا؟

سوال (۱۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۱) زید ایک غریب شخص ہے، ہارٹ کا مریض ہے، جس کے علاج پر تقریباً ۶۵/ ہزار روپیہ صرف ہوگا، اس کو کسی نے بقدر نصاب سے زائد رقم مثلاً ۲۵/ ہزار روپیہ برائے علاج دئے جو اس کے پاس ابھی بعینہٖ موجود ہیں، کیا زید کو مزید رقم زکوٰۃ کی دی جاسکتی ہے، یا نہیں؟

(۲) زید کے لئے لوگوں نے ایک شخص کے پاس زکوٰۃ کی ۲۵/ ہزار روپیہ جمع کردئے، کیا اس صورت میں اس کو برائے علاج زید کو مزید رقم زکوٰۃ کی دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

(۳) امین کے پاس جمع شدہ رقم زید تک پہنچنے سے پہلے اگر زید کا انتقال ہوجائے تو اس جمع شدہ رقم کا کیا کرنا چاہئے؟ آیا زید کے ورثہ کو دی جائے گی یا زکوٰۃ دہندگان کو واپس کی جائے گی؟

(۴) زید ڈاکٹر ہے، اس کے پاس زکوٰۃ کی رقم ہے، اگر کوئی محتاج مریض آتا ہے تو اس کو دوائی اپنے پاس سے مفت دیتا ہے اور اس کو زکوٰۃ کی مد میں شمار کرتا ہے، کیا زید کا یہ فعل صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) صورتِ مسئولہ میں جب کہ زید کے پاس ۲۵/ ہزار روپیہ موجود ہیں تو جب تک اس کو علاج میں خرچ نہ کرلے اس وقت تک زید کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، جواز کی شکل یہ ہے کہ پہلے کسی سے علاج کے لئے مکمل رقم قرض لے لے، تو ایسی صورت میں قرض کی ادائیگی کے لئے زید کو زکوٰۃ دینا درست ہوجائے گا۔

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً من أي مالٍ كان؛ لأن الغني الشرعي مقدر به. (هداية ۱/۲۰۷)

الدفع إلى من عليه الدين أولىٰ من الدفع إلى الفقير، كذا في المضمرات.

(الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۸۸)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً. (درمختار مع الشامي ۲/۳۵۳ کراچي، ۳/۲۰۳ زكريا)

(۲) اس صورت میں اگر امین شخص زکوٰۃ دہندہ کی جانب سے وکیل ہو تو علاج کے لئے مزید زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

وكره دفع قوم زكاة أموالهم إلى من يأخذ الزكاة لنفقة فقير فاجتمع عند الآخذ أكثر من مائتي درهم جاز، ومن أعطى بعد ما اجتمع عند الآخذ مائتا درهم، لا يجوز إلا أن يكون الفقير مديوناً، هٰذا إذا كان الآخذ أخذ الأموال بأمر الفقير، فإن أخذ بغير أمره جازت زكاة الكل؛ لأن الأخذ إذا لم يكن بأمر الفقير كان الآخذ وكيلاً عن الدافعين فما اجتمع عند الآخذ يكون مال الدافعين فجازت زكاة الكل. (خانية على هامش الفتاوىٰ الهندية ۱/۲٦۸)

(۳) اگر زید تک زکوٰۃ پہنچنے سے پہلے زید کا انتقال ہوجائے تو زکوٰۃ کا روپیہ زید کے ورثہ کو نہیں دیا جائے گا؛ بلکہ زکوٰۃ دہندہ کو واپس کرنا ہوگا۔

وهنا الوكيل إنما يستفيد التصرف من المؤكل وقد أمره بالدفع إلى فلان فلا يملك الدفع إلى غيره كما لو أوصىٰ لزيد بكذا، ليس للوصي الدفع إلى غيره. (رد المحتار ۲/۲٦۹ کراچي)

(۴) صورتِ مسئولہ میں دوا دیتے وقت اگر زید کی نیت زکوٰۃ کی ہو اور مریض ضرورت مند اورغریب ہو نیز زید مریض سے کوئی معاوضہ یا نفع نہ لیتا ہو؛ بلکہ جتنی دوا کی قیمت ہو اتنی ہی زکوٰۃ کی رقم سے مہیا کرتا ہو، تو اس طرح زید کا زکوٰۃ دینا صحیح ہے۔

النية تعتبر في أداء الزكاة؛ لأنها عبادة. وفي السراجية: إذا كان وقت التصدق بحال لو سئل عنه عما ذا يؤدي يمكنه أن يجب من غير فكرة، فذٰلک يكون نية منه. (الفتاویٰ التاتارخانية، كتاب الزكاة / باب أداء الزكاة والنية فيه ١٩٦/٣ رقم: ٤١١٣ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (الدر المختار ٣٤٤/٢ كراچی، ٢٩١/٣ زكريا، مستفاد: احسن الفتاویٰ ٢٩٢/٤)

سئل عن معلم له خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشيء معلوم وما اشترط شيئاً والمعلم يعطيه في الأحايين دراهم بنية الزكاة هل يجوز عن الزكاة؟ قال: نعم! إلا أن يكون بحيث لو لم يعطه لم يعمل له ذلک في مكتبه. (الفتاویٰ التاتار خانية ٢٠٩/٢-٢١٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب کو مکان بنانے کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا؟

سوال (۱۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب مالکِ نصاب نہیں ہے اور اس کے پاس مکان ہے، مگر وہ بیچ نہیں سکتے، بالائی منزل ہے، اس شخص کو وہاں رہنے میں جھگڑا فساد ہوتا ہے، ذہنی سکون نہیں ہے، تو اگر ایسے شخص کو زکوٰۃ کا روپیہ دے کر اس کی مدد کر دی جائے اور وہ اسی رقم سے دوسری جگہ مکان خرید لے، تو کیا یہ جائز ہے یا کاروبار بھی کر سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مستحق زکوٰۃ کو بیک وقت اتنا مال زکوٰۃ میں دینا کہ وہ خود صاحبِ نصاب ہوجائے مکروہ ہے، ہاں اگر آپ کسی سے قرض لے کر مکان بنالیں اور کوئی شخص آپ کا پورا قرض آپ کے کہنے پر زکوٰۃ کی رقم سے ادا کر دے، تو یہ مکروہ نہیں ہے۔

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر. (درمختار مع الشامي ٣٥٣/٢ كراچی، ٣٠٣/٣ زكريا)

عن عمرو بن دينار قال: قال عمر رضي اللّٰه عنه: إذا أعطيتم فأغنوا يعني من الصدقة. (المصنف لا بن أبي شيبة ٥١٨/٦ رقم: ١٠٥٢٦)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: اغنوهم في هٰذا اليوم. (سنن الدار قطني ١٣٣/٢)

والدفع إلى الواحد أفضل إذا لم يكن المدفوع نصابًا. (تبيين الحقائق / باب المصرف ٣٠٢/١)

وندب الإغناء عن السوال في ذلک اليوم. (الفتاویٰ الهندية ١٨٨/١)

إذا أعطى من زكاته مأتي درهم أو ألف درهم إلى فقير واحد، فإن كان عليه دين مقدار ما دفع إليه أو كان صاحب عيال يحتاج إلى الإنفاق عليهم فإنه يجوز ولايكره، وإن لم يكن عليه دين ولا صاحب عيال، فإنه يجوز عند أصحابنا الثلاثة ويكره. (الفتاوى التاتارخانية ٢٢١/٣ رقم: ٤١٨٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۱۱/۱۴۱۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے پیسہ سے غریب کے لئے مکان بنا کر دینا؟

سوال (۱۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا زید اپنی زکوٰۃ کی رقم سے کسی غریب کو مکان تعمیر کرا کر دے، اپنے ملازم کے ذریعہ اپنی نگرانی میں مثلاً یہ کہہ دیا کہ روز کا حساب جو خرچ ہے وہ لے لے، زید ملازم جو بھی خرچ آتا ہے، وہ رقم زید کی کمپنی سے یا زید کے پاس سے خود لے جا کر تقسیم کر دیتا ہے، مزدور کو اتنا، گارے والے کو اتنا، پتھر والے کو اتنا، اب سوال یہ ہے کہ صاحب مکان جس کے لئے تعمیر کر رہا ہے، اس کے ہاتھ میں یہ رقم نہیں آتی، اور صاحب مکان اس عمل پر راضی بھی ہے، کہ رقم میرے پاس ہو تو ضائع

ہوجائے گی، تو کیاصورتِ مسئولہ میں زید کے ذمہ سے یہ زکوٰۃ کی رقم ساقط ہوجائے گی یانہیں؟اس طرح کرنے سے زید کی زکوٰۃ ادا ہوگی یانہیں؟ یاصاحب مکان ہی کے ہاتھ میں یہ رقم دینی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکان کی تعمیر مکمل ہونے کے بعد جب وہ مکان غریب کو دیا جائے گا، تو اس وقت زید کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ اس لئے کہ اب مستحق کا قبضہ پایا گیا؛ لہٰذا اس صورت میں دورانِ تعمیر غریب ہی کے ہاتھ سے مکان پر خرچ کرانا ضروری نہیں ہے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/۱۹۰)

ولا یجوز الزکاۃ إلا إذا قبضها الفقیر أو قبضها من یجوز قبضها له لولایته علیه کالأب والوصي یقبضان للمجنون والصبي. (الفتاوی التاتارخانیة ۳/۲۱۲ رقم: ۴۱۵۳)

قوله: ''تملیک'' خرج الإباحة فلو أطعم یتیما ناویاً الزکاۃ لایجزیه، إلا إذا دفع إلیه المطعوم کما لو کساه بشرط أن یعقل القبض إلا إذا حکم علیه بنفقتهم. (الدرالمختار ۲/۲۵۷ کراچی)

ولا تجوز الزکاۃ إلا إذا قبضها الفقیر أو نائبه ......؛ لأن التملیک لا یتم بدون القبض . (الفتاویٰ الولوالجیة ۱/۱۷۹ دار الکتب العلمیة بیروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۰/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کے لئے مکانات کی تعمیر

سوال (۱۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج سے تقریباً دس سال پیشتر میرے والد مرحوم نے ایک آراضی خریدی، اور اس کی قیمت مدزکوٰۃ سے ادا کر کے انھوں نے یہ نیت کی کہ یہاں پر مکانات کی تعمیر ہوگی، جن کا مالک ہم اپنے غریب احباب واعزاء کو بنادیں گے، فی الحال وہاں رفاہی اسپتال کی ایک بلڈنگ موجود ہے جس کی

تعمیر میں کئی لاکھ کا صرفہ آیا تھا، وہ بھی زکوٰۃ ہی کے مد سے ہوا، اب میں اپنے ذاتی کاروبار کے لئے اسے استعمال کرنا چاہتا ہوں، اس کی میرے نزدیک دو شکلیں ہیں، ایک تو یہ کہ میں اسے کرایہ پر لے لوں اور ہر ماہ مناسب رقم ادا کروں، اس صورت میں کیا کرایہ کی رقم مد زکوٰۃ میں شمار ہوگی؟ دوسری شکل یہ ہے کہ زمین کو مستقلاً خرید لوں؛ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کی قیمت کون سی لگے گی، آج سے دس سال پہلے کی جو تعمیر سمیت ساڑھے سات لاکھ تھی، یا آج کی موجودہ قیمت جو تقریباً ۵۰ لاکھ ہے؟ ازراہ کرم تفصیلی و تحقیقی جواب سے نوازیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو زمین زکوٰۃ کی رقم سے اور زکوٰۃ کی نیت سے خریدی اور تعمیر کی گئی ہے وہ صرف غرباء کا حق ہے، لازم ہے کہ فوری طور پر وہ عمارت مع زمین فقراء کو دیکر ان کو مکمل طور پر مالک بنادیا جائے، ورنہ آپ کے والد صاحب آخرت میں سخت مؤاخذہ دار رہیں گے، اور اپنی زکوٰۃ مصرف تک نہ پہنچانے کے ذمہ دار ہوں گے، اس لئے اولاد کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ پہلی فرصت میں یہ جگہ مصرف کے حوالہ کریں، اور اسے اپنے ذاتی استعمال میں ہرگز نہ لائیں، آپ کے لئے نہ تو اسے کرایہ پر لینا جائز ہے اور نہ اسے براہ راست خریدنا جائز ہے؛ بلکہ پہلے غریبوں کو مالک بنایا جائے تاکہ زکوٰۃ ادا ہو جائے، اس کے بعد وہ اگر بلا کسی دباؤ کے فروخت کرنا چاہیں، تو ان سے موجودہ قیمت پر ہی خریدا جائے، دباؤ ڈال کر ان سے قیمت کم کرا کے حیلہ کرنا ہرگز جائز نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ولا يخرج عن العهدة بالعزل؛ بل بالأداء للفقراء. (درمختار ۱۸۹/۳ زکریا)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم الدفع مالم يقبضها. (الفتاویٰ الهندية ١٩٠/١)

وإذا لم يؤد إلى آخر عمره يتضيق عليه الوجوب، حتى لو لم يؤد حتى مات يأثم. (شامي ۱۹۱/۳ زکریا، احسن الفتاوی ٤/٢٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۴/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کے پیسہ سے زمین خرید کر مکان بنا کر فقیر کو مالک بنانا

سوال (۱۷۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس زکوٰۃ کی کچھ رقم ہے، وہ شخص اس میں اپنی جیب خاص سے کچھ اور رقم ملا کر مکان بنا کر فقراء کو دینا چاہتا ہے، اس شرط پر کہ مکان کی پوری عمارت کے تو فقراء مالک ہوں گے؛ البتہ زمین اس کی ملکیت باقی رہے گی؛ لیکن اگر مالک مکان اس مکان کو فروخت کرنا چاہے تو صاحب ارض کی جانب سے اسے اس کا پورا اختیار ہے۔

تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا اس طرح دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اگر ادا ہو جاتی ہے تو اس مکان پر...... کا حق کسے حاصل ہوگا، صاحب ارض کو یا صاحب مکان کو؟ اگر صاحب ارض اس مکان پر دوسری منزل اٹھانا چاہے تو کیا اس کے لئے صاحب مکان سے اجازت لینا ضروری ہے، براہ کرم مسئلہ کی جتنی شقیں نکل سکتی ہوں نکال کر ہر ایک شق کا حکم الگ الگ تحریر فرمائیں اور حتی الامکان جلد از جلد جواب باصواب سے نوازنے کی زحمت گوارہ فرمائیں؛ کیوں کہ مسئولہ عنہا مکانات کی تعمیر کا کام شروع کر چکا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زمین کی خریداری میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کی اجازت نہیں ہے، زمین اپنی جیب خاص سے خرید لی جائے، پھر اس پر زکوٰۃ کی رقم سے مکانات اور فلیٹ بنا کر باقاعدہ مستحق فقراء کو مالک بنا دیا جائے، اور انہیں خرید وفروخت کا پورا اختیار دیا جائے، تو اس طرح مکان کی قیمت کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور ملکی قانون کے اعتبار سے چوں کہ مکانات کی منزلیں بنانے کا اختیار زمین کے مالک کو ہوتا ہے؛ لہٰذا اوپر کی منزل بنانے کے لئے مالک مکان سے اجازت لینا ضروری نہیں ہے۔

مستفاد: وإذا كان السفل لرجل وعلو لآخر فسقطا. (هداية ۴۰/۳)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (درمختار / باب المصرف ۲۹۱/۳ زكريا)

لأن الـدار لما كان اسماً لما أدير عليه الحدود والعلو ليس بخارج عنها، وإنـما هو من توابع الأصل وأجزائه دخل فيه. (فتح القدير / باب الحقوق ٤٠٧/٧ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب بھائی کا رہائشی مکان زکوٰۃ کی رقم سے تعمیر کرانا؟

سوال (۱۷۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا حقیقی بھائی مالی طور پر بے حد کمزور ہے، کاروبار بھی بے حد کمزور ہے، گذر بسر ہی بمشکل کرپاتا ہے، ہمارا ایک مکان ہے، وہ اسی میں رہتا ہے، میں الگ مکان میں رہتا ہوں، جس مکان میں وہ رہتا ہے اس کی حالت بہت زیادہ بوسیدہ ہوچکی ہے، اس کی چھت کی لکڑیاں ٹوٹ چکی ہیں، حالاں کہ وہ مکان ہمارا مشترکہ ہے۔

مسئلہ غور طلب یہ ہے کہ میں اس کی کمزوری کے پیش نظر اس کی سہولت کے لئے جس حصہ میں وہ رہتا ہے، اس کی تعمیر ومرمت زکوٰۃ کی رقم سے کراسکتا ہوں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں شرعی طور پر آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب ونادار بھائی کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کرنا بہت اجر وثواب کی بات ہے، اور مسئولہ صورت میں آپ کو چاہئے کہ زکوٰۃ کی رقم بھائی کو دے کر اسے قابض ومالک بنادیں، پھر وہ اپنی مرضی سے اپنے حصہ مکان کی تعمیر کرائیں، براہِ راست اس مکان کی تعمیر میں آپ زکوٰۃ کی رقم نہ لگائیں۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۱۸۹/۲)

عن زینب امرأة عبد اللّٰه قالت: فمر علینا بلال، فقلنا: لا تخبر بنا فدخل فسأله، فقال: من هما؟ قال: زینب، فقال: أي الزیانب؟ قال امرأة عبد اللّٰه، قال: نعم، لهاأجران أجر القرابة وأجر الصدقة. (صحيح البخاري ١٩٨/١ رقم: ١٤٦٦)

الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر ٢٣٣/١، الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠٦/٣ رقم: ٤١٣٦ زكريا)

الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ يقتضي التمليك. (البحر الرائق ٢٠١/٢ كوئٹه)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (درمختار ٢٩١/٣ زكريا)

لا يجوز الزكوٰة إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز القبض له لولايته عليه. (المحيط البرهاني ٣١٤/٣)

ولا يجوز الزكوٰة إلا بقبض الفقراء أو بقبض من يكون قبضه قبضاً لهم. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ٢٠٦/٣ رقم: ٤١٣٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۳/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب رشتہ دار کو مکان خریدنے کیلئے ۷۵؍ ہزار روپیہ زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنے ایک عزیز کے یہاں چند سال قبل ملازمت کرتا تھا اور میری مالی حالت بھی کمزور تھی، جو آمدنی ہوتی تھی وہ روزمرہ کی ضروریات ہی کے لئے کافی تھی، جس مکان میں ہم رہتے ہیں، وہ ہمارا آبائی مکان ہے، جس حصہ میں ہم رہتے ہیں وہ بہت تنگ تھا، اس کے برابر کا حصہ فروخت ہورہا تھا، ہمارے اس کے خریدنے کی گنجائش نہیں تھی، ہم نے اپنے ان عزیز سے کہا (جو ماشاءاللہ صاحب حیثیت ہیں، اور ضرورت مندوں کی مدد کرتے رہتے ہیں) اگر ہم یہ حصہ خریدلیں تو ہمارے رہنے کی گنجائش ہوجائے گی؛ کیوں کہ ہماری ایک لڑکی مطلقہ ہے وہ بھی ہمارے ساتھ رہتی تھی، انہوں نے اس وقت ۷۵؍ ہزار روپئے ہمیں دئے، اور ہم نے اس سے وہ مکان خریدلیا، اس کی رجسٹری بھی ہمارے نام ہے اس خریداری کے بعد چوں کہ وہ بہت خستہ حالت میں تھا، اس لئے تھوڑا تھوڑا ضرورت کے مطابق بنواتے رہے، اب وہ ہماری ضرورت کے مطابق ہوگیا ہے،

اور الحمد للہ ہم سکون سے رہ رہے ہیں۔ ایک لڑکا جو ہمارا متبنیٰ ہے، وہ اس میں کام کرتا ہے اور میں چوں کہ کمزور ہوگیا ہوں، کچھ کام نہیں کرسکتا، اسی بناء پر وہاں سے ملازمت چھوڑ دی ہے، اور اس لڑکے کی آمدنی سے ہی ہمارا گذر بسر ہورہا ہے، میں اس وقت بھی صاحبِ نصاب نہیں تھا، اور آج بھی صاحب نصاب نہیں ہوں۔ ہمارے وہ عزیز جنہوں نے روپئے دئے تھے، ان کا کہنا یہ ہے کہ یہ رقم ہم نے زکوٰۃ کی مد سے دی تھی، کیا یہ رقم میرے لئے جائز تھی یا نہیں اور کیا ہمارے ان عزیز کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ کے مطابق جب آپ رقم لیتے وقت صاحبِ نصاب نہیں تھے، تو آپ کے لئے بحالتِ مجبوری زکوٰۃ کی رقم لینا جائز تھا، اور قرض یا اعانت کے طور پر بنیت زکوٰۃ رقم دینے سے آپ کے ان عزیز کی زکوٰۃ بھی ادا ہوگئی۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۱۵، احسن الفتاویٰ ۲۶۴/۴، فتاویٰ رحیمیہ ۲۰۳/۶)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة للأداء (درمختار) قال ابن عابدين تحت قوله: (نية) أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزيه في الأصح. (درمختار على الرد المحتار ۱۸۷/۳ زكريا)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، وكان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا، أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره. (الدر المختار مع الشامي / باب المصرف ۳۰۳/۳ زكريا، مجمع الأنهر الزكاة / في بيان أحكام المصارف ۳۳۳/۱ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۴/۱۴۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یتیم بچی کی شادی کے لئے زکوٰۃ کی رقم دینا؟

سوال (۱۸۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: کیا کسی نادار اور یتیم لڑکی کے لئے بغرض شادی اخراجات زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ لڑکی واقعی ضرورت مند ہو اور صاحبِ نصاب نہ ہو، تو اسے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

باب المصرف أي مصرف الزكاة والعشر هو فقير وهو من له أدنى شيءٌ أي دون نصاب – إلى قوله – ومسكين من لا شيء له فيحتاج إلى المسئلة بقوته وما يواري بدنه. (شامي ٢٨٣/٣ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١٨٧/١، فتاویٰ نظامیہ ١٠٧/١، فتاویٰ رحيميه ١٦١/٥)

ومنها الفقير وهو من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب. (الفتاویٰ الهندية ١٨٧/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۲۴/ ۱۴۱۷ھ

نادار غریب کا بچیوں کی شادی کے لئے زکوٰۃ سے قرض لینا؟

سوال (۱۸۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس چھ لڑکی ہیں اور میں بیماری کی وجہ سے کافی قرض دار ہوں، مجھے فکر بہت لگی ہے، خاص کر دو لڑکیوں کی زیادہ، میرا خیال ہے کہ زکوٰۃ لے کر عید بعد سنت طریقہ سے دونوں بڑی لڑکیوں کی شادی کردوں، اس وقت میری نظر میں دو لڑکے اچھے خاندان کے ہیں، آگے لڑکیوں کا نصیب، اسی واسطہ زکوٰۃ لینا چاہتا ہوں کہ میرے پاس کوئی نقد یا سامان نہیں ہے؛ لہٰذا آپ مجھے شریعت کے مطابق یہ بتائیں کہ میں اس حالت میں زکوٰۃ اٹھا سکتا ہوں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واقعی اگر آپ کے ایسے احوال ہیں تو اپنے قرض کو ادا کرنے

کے لئے زکوٰۃ کا روپیہ لے سکتے ہیں۔ ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠] لڑکیوں کی شادی کی تیاری میں زکوٰۃ کی رقم جمع نہ کریں؛ بلکہ ویسے ہی امداد (علاوہ زکوٰۃ وصدقات واجبہ) لے سکتے ہیں، اگر بہت ضرورت ہو تو شادی میں صرف اتنی زکوٰۃ کی رقم لی جائے جس سے نصاب پورا نہ ہو، یعنی ۴۰/۵۰ ہزار روپیہ اس سے زیادہ رقم جمع ہونے کے بعد زکوٰۃ لینا درست نہ ہوگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن قبيصة بن مخارق ...... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة: ...... ورجلٌ أصابته جائحةٌ احتاحت ماله فحلت له المسئلة ......الخ. (صحيح مسلم رقم: ١٠٤٤، بحواله: لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٣٠٠/٤ دار النوادر)

وكره إعطاء فقير نصابا أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا، أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره. (الدر المختار مع الشامي / باب المصرف ٣٠٣/٣ زكريا، مجمع الأنهر الزكاة / في بيان أحكام المصارف ٣٣٣/١ بيروت)

قوله: والمديون أطلقه القدوري، وقيده في الكافي بأن لا يملك نصابا فاضلاً عن دينه؛ لأنه المراد بالغارم في الآية، وهو في اللغة: من عليه دين ولا يجد قضاء كما ذكره القُتَيبي ...... وفي الفتاویٰ الظهيرية: الدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير. (البحر الرائق / باب المصرف ٢٤٢/٢ كراچی)

باب المصرف أي مصرف الزكاة والعشر هو فقير وهو من له أدنى شيءٌ أي دون نصاب – إلى قوله – ومسكين من لا شيء له فيحتاج إلى المسئلة بقوته وما يواري بدنه. (شامي ٢٨٣/٣ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١٨٧/١، فتاویٰ نظاميه ١٠٧/١، فتاویٰ رحيميه ١٦١/٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۲/۹/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مال دار بھائی بہن کا غریب بہن کی شادی میں زکوٰۃ کی رقم لگانا؟

سوال (۱۸۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم پانچ بہنیں ہیں اور چار بھائی ہیں، ایک بھائی اور ایک بہن کماتے ہیں، اور ہمارے والد صاحب کافی بیمار رہتے ہیں کوئی کام نہیں کرتے اور ہر وقت ان کی دوائی چلتی رہتی ہے، یہی بھائی اور بہن گھر کا خرچ اٹھاتے ہیں، سب بالغ ہیں کیا یہ دونوں بھائی بہن اپنی سالانہ زکوٰۃ اپنی چھوٹی بہنوں کی شادیوں میں لگا سکتے ہیں یا نہیں، یا پھر کسی اور کو لگا سکتے ہیں؟

(۲) میں ایک شادی شدہ لڑکی ہوں میری کئی چھوٹی بہنیں ہیں میرے والد محترم بیمار رہتے ہیں اور وہ کچھ کماتے نہیں ہیں، کیا میں اپنی سالانہ زکوٰۃ اپنی چھوٹی بہنوں کو دے سکتی ہوں یا نہیں؟ گھر کا سارا خرچ ان ہی دونوں بہن بھائی کے اوپر ہے ان کے علاوہ اور کوئی کماتا نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱-۲) زکوٰۃ کی رقم اپنی غریب بہنوں کی شادیوں میں لگانا جائز ہے، بشرطیکہ فضول خرچی نہ کی جائے؛ بلکہ احتیاط کے ساتھ صرف ضروری سامان انہیں مالک بنا کر دے دیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ کَانُوْا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ وَکَانَ الشَّیْطٰنُ لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا﴾ [الإسراء: ۲۷]

وقال القرطبي: والتبذير إنفاق المال في غير حقه ولا تبذير في عمل الخير. (تفسير القرطبي ۲۴۷/۱۰)

عن سلمان ابن عامر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، و على ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن النسائي / باب الصدقة على الأقارب ۱۷۸/۱ رقم: ۲۵۷۸، سنن الترمذي / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ۱۴۲/۱ رقم: ۶۵۳، شعب الإيمان ۲۳۸/۳، المنصف ابن أبي شيبة ۵۴۵/۶)

والأفضل في الزكاة والفطر والنذور الصرف أولا إلى الإخوة والأخوات، ثم إلى أولادهم، ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوان والخالات. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۰)

قالوا: الأفضل صرف الصدقة إلى أخواته ذكورا أو إناثاً. (مجمع الأنهر ۱/ ۲۲٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/ ۵/ ۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب آدمی کا لڑکے کی جیل سے رہائی کرانے کے لئے سود اور زکوٰۃ لینا؟

سوال (۱۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر کافی عرصہ بیمار رہا، بالآخر بیماری میں ایک پیر بھی کٹ گیا اور کوئی کام وغیرہ کرنے سے معذور ہوگیا، ماہانہ ٹیوشن وغیرہ پڑھا کر تین چار سو روپیہ آمدنی ہو جاتی ہے، جس سے گھریلو ضروریات کی بھی تکمیل نہیں ہو پاتی، اہل وعیال کافی وسیع ہے، تمام بچے چھوٹے ہیں، ایک بڑا لڑکا مزدوری کے لئے ممبئی جاتا تھا، کافی عرصہ سے بیمار ہوگیا، تو گھر پر ہی رہتا تھا، وہ بھی ایک حادثہ کا شکار ہوگیا۔ حادثہ یہ پیش آیا کہ گاؤں کے قریب میں دو آدمیوں کی لاشیں ایک درخت پر لٹکی ہوئی پائی گئیں، اور قاتل بھی اسی گاؤں کا تھا، جو فرار ہوگیا، پھر پولیس نے گاؤں کے بے گناہ نوجوانوں کو گرفتار کرنا شروع کر دیا، اس میں عمر کا بڑا لڑکا بھی گرفتار کرلیا گیا، جب کہ وہ بیماری کی وجہ سے گھر ہی رہتا تھا، اور اس واقعہ سے اس کا کوئی واسطہ نہیں تھا، پولیس نے اس بے گناہ غریب کو مار پیٹ کر چالان کر کے جیل بھیج دیا، ماں باپ غریب مجبور ہیں ان کے گھریلو اخراجات بھی اسی لڑکے کی کمائی سے پورے ہوتے تھے، ان حالات میں ضمانت میں کافی رقم خرچ ہوگی۔ آپ سے دریافت یہ کرنا ہے کہ اس اضطراری حالت میں لڑکے کو جیل سے چھڑانے کے لئے زکوٰۃ یا بینک کی سودی رقم اگر کوئی

دے دے تو اس کے ذریعہ لڑکے کو چھڑا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں ذکر کردہ واقعہ اگر صحیح ہو تو ایسے محتاج اور غریب شخص کو زکوٰۃ اور بینک کی سودی رقم استعمال کرنا جائز ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة، فلا يكفي فيه الإطعام إلا بطريق التمليك لو أطعمه عنده ناويًا الزكاة لا تكفي. (الدر المختار / باب المصرف ۲۹۱/۳ زكريا)

الدفع للمديون أولىٰ منه للفقير. (درمختار ۲۸۹/۳)

وكره إعطاء فقير نصاباً أو أكثر، إلا إذا كان المدفوع إليه مديونا أو كان صاحب عيال بحيث لو فرقه عليهم يخص كلاًّ، أو لا يفضل بعد دينه نصاب، فلا يكره. (الدر المختار/ باب المصرف ۳۵۳/۲ دار الفكر بيروت، كذا في الفتاوى الهندية ۱۸۸/۱ دار الفكر بيروت، مجمع الأنهر / باب في بيان أحكام المصارف ۳۳۳/۱ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بھیک مانگنے والے کو زکوٰۃ دینا

سوال (۱۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کے صحیح مصرف کون لوگ ہیں؟ کیا بھیک مانگنے والوں کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو لوگ غریب اور نادار ہوں، یعنی صاحبِ نصاب نہ ہوں، وہ لوگ زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

باب المصرف أي مصرف الزكاة والعشر هو فقير وهو من له أدنى شيءٌ

أي دون نصاب – إلى قوله – ومسكين من لا شيء له فيحتاج إلى المسئلة بقوته وما يواري بدنه. (شامي ۲۸۳/۳ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱۸۷/۱، فتاویٰ نظاميه ۱۰۷/۱، فتاویٰ رحيميه ۱٦١/٥)

بھیک مانگنے والوں کے بارے میں اگر غالب گمان ہو کہ یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں تو دینے میں کوئی حرج نہیں، اور اگر شبہ ہو تو نہ دیا جائے۔

وهٰذا إذا تحرى ودفع وفي أكبر رأيه أنه مصرف، أما إذا شك ولم يتحري أو تحرى فدفع وفي أكبر رأيه أنه ليس بمصرف لا يجزيه إلا إذا علم أنه فقير هو الصحيح. (هداية ۲۰۷/۱، بہشتی زیور ۳۳/۳، آپ کے مسائل اوران کا حل ۴۲/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۶/۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فقیر کو دی ہوئی اشیاء میں زکوٰۃ کی نیت کرنا؟

سوال (۱۸٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے اوپر ۱۵/سو روپئے زکوٰۃ کے واجب ہیں، اور ہم نے دیکھا کہ فلاں فلاں شخص کو فلاں فلاں چیزوں کی ضرورت ہے، ہم نے اس کو خرید کر دے دیا، اور اس کی ضرورت پوری کردی، اب ہم اس ۱۵۰۰/روپئے کو زکوٰۃ میں حساب لگا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ کی دی ہوئی چیز فقیر کے پاس موجود ہو، تو اس میں اب زکوٰۃ کی نیت درست ہو جائے گی، اور اگر دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت نہیں تھی اور نہ اس کے پاس دی ہوئی چیز موجود ہے، تو اب اسے زکوٰۃ میں شمار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

وإذا دفع إلى الفقير بلا نية ثم نواه عن الزكوٰة، فإن كان المال قائماً في يد الفقير أجزأه وإلا فلا. (الفتاویٰ الهندية ۱۷٤/۱)

وفي الروضة: إذا دفع المزكي المال إلى الفقير، ولم ينو شيئا، ثم حضرته النية عن الزكاة ينظر: إن كان المال قائما في يد الفقير صار عن الزكاة، وإن تلف لا. (الفتاوى التاتارخانية ۱۹۷/۳ رقم: ٤١١٤ زكريا)

ولو مقارنة حكمية كما لو دفع بلانية ثم نوى والمال قائم بيد الفقير.

(مراقي الفلاح ۳۹۰، شامي ۱۸۷/۳ زكريا، كذا في البحر الرائق ۳٦۸/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱/۹/ ۱۴۱۹ھ

رمضان المبارک میں جب سائلوں کی کثرت ہوتو زکوٰۃ کس کودیں؟

سوال (۱۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں سائل کثیر تعداد میں آتے ہیں، ان میں کچھ حضرات مدارس کے چندہ کے سلسلہ میں آتے ہیں اور کچھ فرضی بھی ہوتے ہیں، ان کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس سائل کے بارے میں آپ غالب گمان یہ کریں کہ وہ مصرفِ زکوٰۃ ہے، تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے، اور جن کے بارے میں شک ہو، ان پر زکوٰۃ صرف نہ کریں۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة وهو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (الدر المختار ۲۸۳/۳-۲۸٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

أما لو تحرى، فدفع لمن ظنه غير مصرف أو شك ولم يتحر، لم يجز حتى يظهر أنه مصرف، فيجزيه في الصحيح خلافا لمن ظن عدمه. (شامي ۳۰۲/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۲/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر تحقیق کے غیر مستحق کو دی گئی زکوٰۃ کا حکم

سوال (۱۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اپنی زکوٰۃ دیتے وقت لینے والوں سے تحقیق نہیں کرتا کہ لینے والا زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟ تو ایسی صورت میں اگر غیر مستحق کو زکوٰۃ دے دی جائے، تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے اس کو زکوٰۃ دیتے وقت غالب گمان یہ ہے کہ وہ مستحق ہے، تو دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، پھر بھی احتیاط یہ ہے کہ دینے سے پہلے اچھی طرح تحقیق کرلی جائے۔

دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أو مكاتبه، أو حربي، ولو مستأمنا أعادها، وإن بان غناه أو كونه ذميا أو أنه أبوه أو ابنه أو امرأته أو هاشمي لايعيد؛ لأنه أتى بما في وسعه حتى لو دفع بلا تحرلم يجز إن أخطأ. (درمختار) **وفي الشامية: واعلم أن المدفوع إليه لو كان جالسًا في صف الفقراء يصنع صنعهم أو كان عليه زيهم أو سأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحري، وكذا في المبسوط حتى لو ظهر غناه لم يعد.** (درمختار مع الشامي / باب المصرف ۳۰۲/۳-۳۰۳ زكريا، مراقي الفلاح / باب المصرف ۳۹۳ كراچي)

وإذا دفعها إليه وهو شاك ولم يتحر، أو تحرى ولم يظهر له أنه مصرف، أو غلب على ظنه أنه ليس بمصرف، فهو على الفساد، إلا إذا تبين أنه مصرف، هٰكذا في التبيين. (الفتاویٰ الهندية ۱۹۰/۱، فتح القدير ۲۷۵/۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

غیر مستحق کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

سوال (۱۸۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو صدقہ وزکوٰۃ کا مستحق نہیں ہے، پھر بھی صدقہ وزکوٰۃ کا مال کھاتا ہے۔ تو کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریر سوال جب کہ وہ شخص مستحق زکوٰۃ نہیں ہے، تو اسے زکوٰۃ دینے سے دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، ایسے شخص کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینی جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلاَ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ۲]

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي ۱/۱٤۱ رقم: ٦٤٧)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً أيّ مال كان. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹، كذا في الدر المختار / باب المصرف ۳/۲۹۵ زكريا، الفتاوى التاتارخانية ۳/۲۱۲ زكريا)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء. (درمختار ۳/۲۸٤ زكريا، ۲/۳۳۹ كراچی)

ولايجوز الزكاة إلا إذا قبض الفقير. (الفتاوى التاتارخانية ۳/۲۱۲ رقم: ٤۱٥۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱٤۱۲/۳/۲۳ھ

آدمی زکوٰۃ لینے کا شرعاً حق دار کب نہیں رہتا؟

سوال (۱۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اسلامی نقطہ نظر سے بتائیں کہ ایک شخص کب زکوٰۃ لینے کا حق دار نہیں ہوتا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی نصاب کے بقدر مال کا مالک ہوجائے، تو وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں رہتا۔

فإن کان له فضل عن ذلک تبلغ قیمته مائتي درهم حرم علیه أخذ الصدقة. (شامي ۲۹٦/۳ زکریا)

ولا یجوز دفع الزکاة إلی من یملک نصاباً أيّ مال کان. (الفتاویٰ الهندیة ۱۸۹/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صاحبِ نصاب کا بچی کی شادی کے لئے زکوٰۃ لینا

سوال (۱۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس اتنی رقم موجود ہے جس کی وجہ سے وہ صاحب نصاب زکوٰۃ ہے؛ لیکن بے روزگار ہے اگر وہ پوری رقم جس کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہے اس سے اپنی بچی کی شادی کرے تو اس کے لئے ساری رقم ختم ہوجائے گی اور ہاتھ خالی ہوجائے گا، تو اگر اسے زکوٰۃ کی رقم مل جائے تو اس سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ زکوٰۃ دہندگان اس کو نقد رقم بھی دے سکتے ہیں یا صرف سامان دینے کے حقدار ہوں گے، آیا یہ رقم جو شادی وغیرہ کے لئے دی جاتی ہے اس سے عام کھانا بھی کھلایا جاسکتا ہے؟ اس کھانے میں ہر عام خاص شرکت کرتے ہیں اس میں امیر غریب کی کوئی تخصیص ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص خود صاحبِ نصاب ہو اس کو اپنی بچی کی شادی کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا قطعاً جائز نہیں ہے، اور ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ دہندگان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عطاء بن يسار رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل اللّٰه، أو لعامل عليها، أو لغارم. الحديث

(سنن أبو داؤد / باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني ١/ ٢٣١ رقم: ١٦٣٥)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي ١/ ١٤١ رقم: ٦٤٧)

ولا إلى غني يملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (درمختار مع الشامي ٣/ ٢٩٥ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٢٠٩ رقم: ٤١٤٣ زكريا)

مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شيء. (الدر المختار/ باب المصرف ٢/ ٣٣٩ كراچی)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملک نصابا، أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضها للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته في جميع السنة.

(الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٩)

ولايجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٢١٢ رقم: ٤١٥٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منکرات والی شادی رچانے کے لئے زکوٰۃ کی رقم لینا؟

سوال (۱۹۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مصارفِ زکوٰۃ تحریر کریں؟ ہمارے گھر میں جو مزدور قسم کے لوگ کام کرتے ہیں، ہم لوگ اپنی زکوٰۃ کی رقم ان لوگوں کو دیتے ہیں، بعض مرتبہ ان ہی کارندوں کے گھروں میں شادی بیاہ ہوتی

ہے، ہم لوگ اپنی زکوٰۃ کی ایک خطیر رقم (چالیس پچاس ہزار ولاکھ روپئے تک) ان کو دیتے ہیں، زکوٰۃ لینے والا ان روپے کو لے کر شادی کی خرافات مثلاً ناچ، گانا، بجانا، باراتیوں کے استقبال میں خرچ کرنا اور نقدی (تلک) دینا اور دیگر لہو ولعب اور فضولیات میں بے دھڑک خرچ کرتا ہے، زکوٰۃ دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم لے کر شادی کی رسم ورواج میں خرچ کرے گا، اور زکوٰۃ دینے والا ان کو زکوٰۃ کی رقم اس لئے دیتا ہے کہ تعلقات ختم نہ ہوں، اور ہمارے یہاں سے کام کرنا چھوڑ نہ دے، تو کیا یہ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ کے خلاف نہیں ہے؟ اور خود اس مزکی کو ان تمام برائیوں کا بدلہ نہیں ملے گا؟ سوال کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اس سے مزکی کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اور کسی کو زکوٰۃ کی اتنی رقم دینا کہ جس سے وہ خود صاحب نصاب یا اس سے بہت زیادہ ہو جائے، کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن شادیوں میں خرافات ہوتی ہوں، ان میں زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، اگر وہ پہلے سے صاحب نصاب ہوں، تو زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں ہیں، پھر بھی ایسے فاسقوں کو زکوٰۃ دینے کی قطعاً اجازت نہیں، یہ گناہ پر تعاون ہے اور بیک وقت اتنی بڑی رقم دینا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہوجائے، اتنا زیادہ زکوٰۃ دینے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ [المائدة: ٢]

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي ١/ ١٤١ رقم: ٦٤٧)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة. (درمختار ٣/ ٢٨٤ زكريا)

ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (درمختار ٣/ ٢٩٥ زكريا)

ویکره أن یدفع إلی واحد مائتي درهم فصاعداً وإن دفع جاز، وأن یغني بها إنساناً أحب إلي، معناه الإغناء عن السوال؛ لأن الإغناء مطلقاً مکروه. (هدایة ۲۲٤/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شادی کیلئے بقدر نصاب روپیہ جمع ہونے کے بعد زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا؟

سوال (۱۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری یہاں عموماً غریب گھرانے کی لڑکی کی شادی عید کے بعد طے کرتے ہیں، اور رمضان میں بچی کی شادی کے نام پر چندہ جمع کرتے ہیں، شادی کا خرچہ تقریباً ۵۰/ ہزار روپیہ جب کہ یہ شخص ۱۵/ ہزار روپیہ جمع کرنے کے بعد نصابِ نامی کا مالک ہوگیا، اس کے بعد جن حضرات نے انہیں زکوٰۃ کا پیسہ دیا، ان کی زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بقدر رِنصاب روپیہ جمع ہونے کے بعد مذکورہ شخص کو جن لوگوں نے زکوٰۃ دی ہے، ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، نیز خود لینے والے شخص کے لئے بقدر نصاب روپیہ کے مالک ہونے کے بعد مزید زکوٰۃ کی رقم لینا جائز نہیں، اس پر لازم ہے کہ وہ یہ زائد رقم اصل مالکین کو لوٹادے؛ تاکہ وہ مالکین اس کو صحیح مصرف میں خرچ کرسکیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاکِیْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عطاء بن یسار رضي اللّٰہ عنه أن رسول اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبیل اللّٰہ، أو لعامل علیها، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله أو لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فأهداها المسکین للغني. (سنن أبوداؤد / باب من یجوز له أخذ الصدقة وهو غني ۲۳۱/۱ رقم: ١٦٣٥)

دفـع قـوم زكـاة أموالهم إلى رجل يقبضه لفقير واحد، فاجتمع عنده أكثر مـن مـائتـي درهم فكل من دفع قبل البلوغ إلى المائتين جاز لأكل من دفع بعده، إلا إذا كان الفقير مديونا. (بزازية على هامش الفتاویٰ الهندية ٤/ ٨٥)

مـصـرف الـزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شيء. (الـدرالمختار / باب المصرف ٢/ ٣٣٩ كراچی)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا، أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضها للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته في جميع السنة. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٩، كذا في الدر المختار مع الشامي ٣/ ٢٩٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲ /۱/ ۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص بقدر نصاب سونے چاندی کا مالک ہو اُس کا یومیہ خرچ کے لئے زکوٰۃ لینا؟

ســـوال (۱۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی صاحب نصابِ نامی کا مالک ہو، زیورات وغیرہ کی وجہ سے اور وہ زکوٰۃ وصول کرتا ہے؛ اس لئے کہ اس کی روزانہ خرچہ کے بقدر کمائی نہیں، ایسے شخص کو زکوٰۃ لینا یا دینا کیسا ہے، کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: جو شخص بقدر نصاب زیورات وغیرہ کا مالک ہو، اس کے لئے زکوٰۃ لینا بہرحال ناجائز ہے؟ علم کے باوجود اس کو زکوٰۃ دینے سے مالکین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل

الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي ۱/ ۱٤۱ رقم: ٦٤٧)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصابا، أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضها للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته في جميع السنة.

(الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۹)

مصرف الزكاة والعشر هو الفقير، وهو من له أدنى شيء. (الدر المختار/ باب المصرف ۲/ ۳۳۹ کراچی)

ولا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۲ زكريا)

ولا إلى غني يملك قدر النصاب. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲۹۵ زكريا، وكذا في الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۰۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲؍۱؍۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص ضرورتِ اَصلیہ سے زائد نصاب کا مالک نہ ہو، اسے زکوٰۃ دینا

سوال (۱۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس اپنا ایک رہائشی مکان ہے، جس کی قیمت تقریباً ۵۰؍ہزار روپئے ہے، اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں ہے، کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر دے دی تو ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ شخص ضرورتِ اصلیہ سے زائد نصاب کا مالک نہیں ہے اور سید بھی نہیں ہے تو اسے زکوٰۃ دینی درست ہے۔

مستفاد: وليس في دور السكنیٰ وثياب البدن زكاة؛ لأنها مشغولة

بحاجته الأصلية وليست بنامية. (شامي ۲/ ۲٦۲ كراچی، ۳/ ۱۷۸ زكريا)

الـمـصـرف هو فقير وهو من له أدنىٰ شيء إلىٰ دون نصاب أو قدر نصاب غير نام متفرق في الحاجة. (درمختار ۲/ ۳۳۹ كراچی، ۳/ ۲۸۳ زكريا)

ويـجـوز صـرفهـا إلى من لايحل له السوال إذا لم يملک نصاباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۹)

وتـجـوز دفـعهـا إلـى مـن يـمـلـک أقـل مـن النصاب، وإن كان صحيحًا مكتسباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۵/۱۱/۱۴۱۱ھ

جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سے کم سونا ہو، اسے زکوٰۃ دینا؟

سـوال (۱۹۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ساڑھے سات تولہ سونا (جس کی مالیت تقریباً ۲۵/ ہزار روپئے ہوتی ہے) سے کم مالیت کے مالک مسلمان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: اگر کسی کے پاس صرف سونا ہو تو وہ ساڑھے سات تولہ سونے کا مالک ہونے کے بعد صاحبِ نصاب بنتا ہے؛ لیکن اگر اس کے پاس کچھ سونا اور کچھ چاندی یا روپیہ ہے تو پھر چاندی اور سونے کی قیمت لگائی جائے گی اور کل روپیہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو وہ صاحبِ نصاب اور غنی ہو جائے گا، اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

وتـقيـم قيـمة العروض إلى الثمنين والذهب إلى الفضة قيمة. (نور الإيضاح على هامش الطحطاوي ۳۹۰)

المصرف هو الفقير وهو من يملک ما يبلغ نصاباً ولا قيمة. (نور الإيضاح ۳۲۲)

ويجوز صرفها إلى من لايحل له السوال إذا لم يملك نصاباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹)

وتجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحًا مكتسباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۹ھ

جس شخص کی آمدنی اس کے لئے ناکافی ہو اس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی شخص ایک ایکڑ زمین کا مالک ہے، جس کی قیمت تقریباً ایک لاکھ روپیہ ہے، جس کی دونوں فصلوں کی سالانہ آمد دس ہزار روپیہ ہے، یہ رقم اس کے اخراجات کے لئے ناکافی ہے، تو ایسے شخص کو زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں، اور زکوٰۃ کے وجوب کے لئے جنگل کی زمین کی قیمت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس شخص کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کاشت کی زمین کی قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

وفيها سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف، ولا تكفي لنفقته ونفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة وإن كانت قيمتها تبلغ ألوفًا، وعليه الفتوىٰ. (شامي / باب المصرف ۲/ ۳٤۸، فتح القدير / باب من يجوز دفع الصدقة إليه ومن لا يجوز ۲/ ۲۷۸، البحر الرائق / باب المصرف ۲/ ۲٤٤ کوئٹہ)

ولا في ...... دور السكنىٰ ونحوها (درمختار) أي كثياب للبدن الغير المحتاج إليها وكالحوانيت والعقارات. (درمختار مع الشامي / كتاب الزكاة ۳/ ۱۸۲ زكريا)

ویجوز صرفها إلی من لا یحل له السوال إذا لم یملک نصاباً. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۸۹)

وتجوز دفعها إلی من یملک أقل من النصاب، وإن کان صحیحًا مکتسباً. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۸/۱۲/۴ھ

ایک لاکھ پچاس ہزار روپیہ کے مالک کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۹۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص پر زکوٰۃ کا ایک لاکھ یا پچاس ہزار روپیہ اکھٹا ہوگیا ہے، یا پھر ہندوستانی قانون کے مطابق وہ انکم ٹیکس کی زد میں آ گیا ہو، تو کیا وہ پھر بھی زکوٰۃ لینے کا حق دار ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ شخص جس کے پاس ڈیڑھ لاکھ روپیہ جمع ہے، وہ شرعاً مالدار ہے، اسے زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس کے لئے زکوٰۃ لینا ہرگز جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عطاء بن یسار أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبیل اللّٰہ، أو لعامل علیها، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل کان له جار مسکین فتصدق علی المسکین فأهداها المساکین للغني. (سنن أبي داؤد / باب من یجوز له الصدقة وهو غني ۱/۲۳۱ رقم: ۱٤۳۵، سنن ابن ماجة / باب من تحل له الصدقة ۱/۱۳۲ رقم: ۱۸٤۱)

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لاتحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي ۱/۱٤۱ رقم: ٦٤۷)

ولا إلى غني يملك قدر نصاب. (درمختار ۳/ ۲۹۵ زکریا)

ولا يعطي منها غنيًا. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/ ۲۰۹ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے پاس چھ لاکھ روپئے کا ذاتی مکان ہو اس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۱۹۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسجد کے امام صاحب کے پاس چھ سات لاکھ روپیوں کا اپنا مملوکہ مکان ہے، اور وہ کرایہ پر دیا ہے، اور وہ صاحب خود مسجد کے مکان میں رہتے ہیں، تو مذکورہ امام صاحب کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ آج تک لوگ ان کو زکوٰۃ دیتے ہیں، تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

ایک مؤذن صاحب ہیں ان کے پاس بھی پانچ لاکھ روپیوں کا مکان ہے جس میں وہ رہتے ہیں، اور ان کی اس کے علاوہ کوئی آمدنی نہیں ہے، لوگ ان کو بھی زکوٰۃ دیتے ہیں، تو لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مملوکہ مکان مال نامی میں شامل نہیں ہے؛ اس لئے محض مذکورہ مکان کے مالک ہونے کی بنا پر امام یا مؤذن صاحب کو مالک نصاب قرار نہیں دیا جاسکتا، اور یہ دیکھا جائے گا کہ ان کے پاس روپئے یا مال تجارت یا زیورات وغیرہ کی شکل میں نصاب کے بقدر مال ہے یا نہیں؟ اگر نصاب کے بقدر اس طرح کا مال موجود ہے تو ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اگر وہ بقدر نصاب مال کے مالک نہیں ہیں، تو انہیں زکوٰۃ دینا درست ہے؛ لیکن خود ان کے لئے سوال کرنا درست نہیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۵۷۳ ڈابھیل)

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن قبيصة بن مخارق قال: تحملتُ حمالةً فأتيت رسول اللّٰه صلى اللّٰه

عليه وسلم أسأله فيها، فقال: "أقم حتى تأتينا الصدقة فنأمر لک بها"، ثم قال: يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة: رجل تحمّل حمالةً فحلّت له المسئلةُ حتى يصيبها ثم يمسکُ، ورجلٌ أصابته جائحةٌ احتاحت ماله فحلت له المسئلة حتى يصيب قوامًا من عيشٍ أو قال: سِدادًا من عيش، ورجلٌ أصابته فاقةٌ حتى يقومَ ثلاثةٌ من ذوي الحجى من قومه، لقد أصابت فلاناً فاقةٌ فحلت له المسئلة حتى يصيب قوامًا من عيشٍ، أو قال: سدادًا من عيشٍ، فما سواهن من المسئلة يا قبيصة سُحتٌ يأكلها صاحبها سُحُتًا. (صحيح مسلم رقم: ١٠٤٤، بحواله: لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٣٠٠ دار النوادر)

لا ينبغي للإنسان أن يسأل وعنده قوت يوم؛ لأن السوال لا يجوز من غير ضرورة، كذا في واقعات الناطفي ...... واتفق العلماء على النهي عن السوال من غير ضرورة، واختلفوا في أنه حرام أو حلال مع الكراهة. (لمعات التنقيح ٤/ ٢٩٨)

وتجوز دفعها إلى من يملک أقل من النصاب، وإن كان صحيحًا مكتسباً. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٩)

والأولى أن يفسر الفقير بمن له مادون النصاب ...... يجوز دفع الزكاة إلى من يملک ما دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام، وهو مستغرق في الحاجة. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٠ كراچی)

لا بأس أن يعطي من الزكاة من له مسكن. (شامي ٣/ ٢٦٩ زكريا)

رجل له دار يسكنها يحل له الصدقة وإن لم يسكن الكل هو الصحيح كذا في الزاهدي. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۹/۱۲/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کا رہائشی مکان اس کے لیے ناکافی ہو اس کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۰۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس صرف ایک کمرے کا مکان ہے جو اس کی ضرورتوں کے لئے ناکافی ہے، اور اس کی بیوی کے نام بھی ایک مکان ہے؛ لیکن وہ رہائش کے قابل نہیں ہے، صاحب مکان روزگار سے محروم ہے، کھانے پینے کی ضرورتیں پوری نہیں ہورہی ہیں، کیا ایسے شخص کو زکاۃ وصدقات کی رقم دی جاسکتی ہے؟ یا بیوی کا مکان بیچ کر اپنے اخراجات پورے کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: رہائشی مکان ضرورت اصلیہ میں داخل ہے؛ لہٰذا اس کی قیمت کے اعتبار سے مالک مکان کو صاحبِ نصاب قرار نہیں دیا جائے گا۔ بریں بنا حسبِ تحریر سوال مذکورہ مالک مکان اگر واقعی مفلوک الحال ہو تو اس کے لئے بقدر ضرورت صدقہ خیرات لینے کی گنجائش ہے اور اس پر اپنی بیوی کا مکان بیچنا بھی ضروری نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ويحل لمن له دور وحوانيت تساوي نصبًا، وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عياله. (البحر الرائق / باب المصرف ٢٤٤/٢ كراچى)

لابأس أن يعطى من الزكاة من له مسكن. (شامي ٢٩٦/٣ زكريا)

ويجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب، أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة. (البحر الرائق / باب المصرف ٤١٩/٢ رشيدية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۶/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر حج پر جانے والی عورت کو سامان خریدنے کیلئے زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۰۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ہماری ایک دینی بہن حج کو جارہی ہیں اور ان کے پاس اتنا پیسہ نہیں ہے کہ وہ اپنا کچھ ضرورت کا سامان خرید سکے اور وہ بیوہ ہیں، تو کیا ہم ان کو زکوٰۃ کا پیسہ دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اس شخص کو دی جاتی ہے جو مستحق زکوٰۃ ہو، اور جو عورت حج کو جارہی ہے اور اس کے پاس سفر حج کا انتظام بھی ہے، وہ مستحق زکوٰۃ کیسے ہوسکتی ہے؟ اور ضرورت کا سامان سفر حج میں خرید کر لانا کوئی ضروری بھی نہیں، اس لئے ایسی عورت کی زکوٰۃ کے ذریعہ امداد نہ کی جائے، اگر آپ کی خوشی ہو تو زکوٰۃ کے علاوہ رقم اسے بطور ہدیہ دے دیں۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۶۶/۹ ڈابھیل)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني، ولا ذي مرة سوي. (سنن الترمذي / باب ما جاء من لاتحل له الصدقة ١٤١/١ رقم: ٦٤٧)

وأما الذي يرجع إلى المؤدي إليه فأنواع: منها: أن يكون فقيرًا فلا يجوز صرف الزكاة إلى الغني إلا أن يكون عاملاً عليها لقوله تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ جعل اللّٰہ تعالیٰ الصدقات للأصناف المذكورين بحرف اللام، وأنه للاختصاص، فلو جاز صرفها إلى غيرهم لبطل الاختصاص، وهٰذا لا يجوز. (بدائع الصنائع ١٥٠/٢ نعيمية ديوبند، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠٩/٣ زكريا)

ولا إلى غني يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (درمختار مع الشامي ٤٩٥/٤ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تبلیغی اجتماعات میں زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا

سوال (۲۰۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: آج کل جیسا کہ تبلیغی اجتماع عورتوں اور مردوں کا ہوتا رہتا ہے، اور لوگ اس میں کھانے پینے کا انتظام زکوٰۃ کے پیسے سے کرتے ہیں، اور اس لائن کی دوسری ضرورتوں میں بھی اس پیسہ کو لگاتے ہیں، کیا اس طرح کرنے سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ کی ادائیگی ہوجائے گی یا نہیں؟ اور استعمال کرنے والے کے لئے یہ جائز ہے یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب تحریر فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی صحت کے لئے تملیک ضروری ہے، جو سوال میں مذکور صورتوں میں نہیں پائی جاتی؛ لہٰذا اس طرح زکوٰۃ کی ادائیگی درست نہیں ہے، جو رقم ان مصارف میں خرچ ہوئی ہے وہ تبرع ہوگی، زکوٰۃ کا فریضہ ذمہ سے ساقط نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ عالمگیری ۱؍۱۸۸)

الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ يقتضي التمليك. (البحر الرائق ۲/ ۲۰۱ کوئٹہ)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (درمختار ۳/ ۲۹۱ زكريا)

لا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز القبض له لولايته عليه. (المحيط البرهاني ۳/ ۲۱٤)

ولا يجوز الزكاة إلا بقبض الفقراء أو بقبض من يكون قبضه قبضاً لهم.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۰٦ رقم: ٤١٣٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹؍ ۷؍ ۱۴۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم اسٹیشنری اور مہمانوں پر خرچ کرنا؟

سوال (۲۰۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عموماً مدرسہ کے فنڈ میں زکاتی رقم زیادہ ہوتی ہے، اور مدرسہ میں باہر سے مالدار مہمانوں کی

آمد ورفت بھی لگی رہتی ہے، آیا مدرسہ کے فنڈ سے ان پر صرفہ کرنا جائز ہے یا نہیں، جب کہ وہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہیں، اور حیلہ تملیک مجبوری کی درج کی چیز ہے۔ **الضرورات تتقدر بقدر الضرورة** کا تقاضہ ہے کہ ہر مہمان پر جائز نہیں ہونا چاہئے؛ کیوں کہ اس پر ضرورت کی تعریف صادق نہیں آرہی ہے، اسی طرح اسٹیشنری کا سامان غریبوں کو نہیں پہنچتا، امیروں کو پہنچتا ہے، جب کہ وہ بھی اس رقم سے چھپتا ہے، کیا امیروں کو اس کا دینا جائز یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم مہمانوں اور اسٹیشنری پر خرچ کرنی جائز نہیں ہے، اس مصرف میں صرف مدرسہ کی امدادی رقومات خرچ ہونی چاہئیں، جو اہل مدرسہ اس بارے میں احتیاط نہیں کرتے وہ عند اللہ مسئول ہوں گے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۶/۷۷)

الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ يقتضي التمليك. (البحر الرائق ۲/۲۰۱ کوئٹہ)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (درمختار ۳/۲۹۱ زكريا)

لا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير أو قبضها من يجوز القبض له لولايته عليه. (المحيط البرهاني ۳/۲۱٤)

ولا تجوز الزكاة إلا إذا قبضه الفقير...... لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الفتاوىٰ الولوالجية، كتاب الزكاة ۱/۱۷۹ دارالكتب العلمية بيروت)

ولا يجوز الزكاة إلا بقبض الفقراء أو بقبض من يكون قبضه قبضاً لهم. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/۲۰٦ رقم: ٤۱۳٦ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے افطاری اور سحری کرانا؟

سوال (۲۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے کسی کو افطار بھیج سکتے ہیں، یا نہیں اسی طرح سحری بھی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مستحق زکوٰۃ شخص کو زکوٰۃ کی رقم سے افطار اور سحری کی چیزیں بھیجنا جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۸۴/۶)

فلو أطعم يتيما ناوياً الزكاة يجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم؛ لأنه بالدفع إليه بنية الزكاة يملكه فيصير آكلاً من ملكه. (شامي ۱۷۱/۳ زكريا)

وأما الإطعام إن دفع الطعام إليه بيده يجوز أيضاً. وإن كان لم يدفع إليه ويأكل اليتيم لم يجز لإنعدام الركن وهو التمليك. (البحر الرائق ۲۰۱/۲ كذا في البدائع الصنائع ۱٤۳/۲)

وأخرج بالتمليك الإباحة فلا تكفي فيها فلو أطعم يتيماً ناوياً به الزكاة لا تجزيه إلا إذا دفع إليه المطعوم. (طحطاوي ۳۸۹ كراچي، مجمع الأنهر ۱۹۲/۱ بيروت، الفتاوى الولوالجية ۱۷۸/۱، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۱٤/۳ رقم: ۳۱۵۹ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہٗ ۱۴۲۷/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے تحفہ بھیجنا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے تحفہ بھیج سکتے ہیں یا نہیں؟ تحفہ میں جیسے کپڑے یا کوئی سامان وغیرہ یا یہ دیکھا جائے کہ وہ زکوٰۃ کا مستحق ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ دیکھنا ضروری ہے کہ جس کو زکوٰۃ کی رقم سے تحفہ دیا جارہا ہے، وہ زکوٰۃ کی رقم کا مستحق ہے، یا نہیں اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہے، تو اس کو زکوٰۃ کی رقم سے تحفہ

دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی ورنہ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۲۹۶/۶)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ولا يشترط علم الفقير أنها زكاة على الأصح، حتى لو أعطاه شيئاً وسماه هبة أو قرضاً ونوى به الزكاة صحت. (مراقي الفلاح ٣٩٠، الفتاویٰ الهندية ١٧١/١، مجمع الأنهر ١٩٦/١ بيروت، البحرالرائق ٣٧٠/٢)

مصرف الزكاة: هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (درمختار مع الشامي ٣٨٣/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۴/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے دفاعی سامان خریدنا؟

سوال (۲۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے دفاعی ساز وسامان کی خریداری کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے اپنے لئے دفاعی ساز وسامان نہیں خرید سکتے، ہاں کسی فقیر کو زکوٰۃ دے دیں پھر وہ انہیں خریدلے، یا خرید کر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کو دے دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؛ اس لئے کہ اس طرح تملیک کا تحقق ہو جائے گا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لاتحل الصدقة لغني إلا في سبيل اللّٰه، أو ابن السبيل أو جار فقير يتصدق عليه فيهدي لك أو يدعوك. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة ٢٣١/١ رقم: ١٦٣٧)

مصرف الزكاة: هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (درمختار مع الشامي ٣٨٣/٣ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (درمختار ٣٤٤/٢)

وأما الرجل الذي له جار مسكين فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين إلى غني فإنما يحل له؛ لأنه ملكه بالهدية. [الظهيرية: الدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير] وفي الخلاصة: وعند الشافعي الغارم من يتحمّل غرامة في إصلاح ذات البين لإطفاء نائرة بين القبيلتين. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٠٣/٣-٢٠٤ رقم: ٤١٣٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۲۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے قبرستان کے لئے موٹر پمپ خریدنا

سوال (۲۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے قومی قبرستان میں نئی مٹی پڑی ہے اور پانی کی بھی سخت ضرورت ہے، اس لئے موٹر پمپ لگوانا چاہتے ہیں، جس کی سخت ضرورت ہے؛ لہٰذا اس مصرف کے لئے زکوٰۃ کا روپیہ لگ سکتا ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ پر اپنی مہر لگاکر دستخط شدہ فتویٰ عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے قبرستان کے لئے موٹر پمپ خریدنا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ اس میں فقراء کی تملیک نہیں پائی جاتی۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر. (درمختار ٢٩١/٣ زكريا)

ولا تجوز الزكاة إلا إذا قبضه الفقير...... لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الفتاوىٰ الولوالجية، كتاب الزكاة ١٧٩/١ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا يجوز أن يبنى بالزكاة المسجد وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات. (الفتاوىٰ الهندية ١٨٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۵/۹/۱۹ھ

زکوٰۃ کی رقم سے دارالافتاء کو کتابیں مہیا کرنا

سوال (۲۰۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسے دارالافتاء میں زکوٰۃ کے پیسہ سے کتابیں خرید کردینا جس میں طلباء نہیں پڑھتے اور محض عوام کے مسائل حل کرنے کے لئے بنایا گیا ہو اور وہاں خود بھی استفادہ کرتا ہے، تو کیا زکوٰۃ کے پیسے سے ایسے دارالافتاء میں کتابیں خرید کردینا جائز ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقومات سے دارالافتاء کے لئے کتابیں خریدنا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ زکوٰۃ کا مصرف نہیں ہے؛ البتہ اگر کسی مستحق غریب کو زکوٰۃ کی رقم دی جائے اور وہ اپنی طرف سے بخوشی کتابیں خرید کر دارالافتاء میں جمع کردے، تو یہ جائز ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ولا يصرف إلى بناء كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه. (درمختار مع الشامي ٣/٢٩١ زكريا)

الزكاة يجب فيها تمليك المال؛ لأن الإيتاء في قوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ يقتضي التمليك. (البحر الرائق ٢/٢٠١ كوئته)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (درمختار مع الشامي ٣/٢٨٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۲/۳/۱۴۲۶ھ

زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں، تسبیحات اور مسنون دعائیں خرید کر تقسیم کرنا؟

سوال (۲۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے کیا کوئی رفاہی کام کیا جاسکتا ہے؟ جیسے کتابیں بٹوادی جائیں؟ مسنون دعائیں تقسیم کرادی جائیں؟ یا تسبیح وغیرہ مسجد میں رکھوادیں؟ تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی صحت کے لئے فقیر کو مالک بنانا لازم ہے، اور رفاہی مصارف میں صرف کرنے سے چوں کہ تملیک کی شرط نہیں پائی جاتی، اس لئے زکوٰۃ کی رقم سے رفاہی ضرورتوں کو پورا نہیں کیا جاسکتا؛ البتہ اگر زکوٰۃ کی رقم سے کتابیں خرید کر غریبوں کو بانٹی جائیں یا زکوٰۃ کی رقم سے خریدی گئی تسبیحیں فقراء کو مالکانہ طور پر دے دی جائیں، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي أن شريحاً ومسروقاً لا يجيزان الصدقة حتى يقبض. (المصنف لعبد الرزاق ۹/۱۲۲ رقم: ۱٦٥۹۱)

قال القدوري في كتابه: ولا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير، أو قبضها من يجوز قبضها له لولايته عليه كالأب والوصي يقبضان للمجنون والصبي.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۲۱۲ زكريا)

وفي تجنيس خواهر زاده: ولا يجوز إلا بقبض الفقراء، أو بقبض من يكون قبضه قبضا لهم. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۲۰٦ زكريا)

واعلم أن التمليك شرط، قال تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ والإيتاء: الإعطاء، والإعطاء: التمليك، فلا بد فيها من قبض الفقير أو نائبه ...... لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الاختيار لتعليل المختار / باب مصارف الزكاة ۱/۱۲۱ المكتبة الشاملة)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً لايصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات، وكل ما لا تمليك فيه.

(شامي ۳/۲۹۱ زكريا)

الزكاة لا تتأدى إلا بتمليك عين متقومة، حتى لو أسكن الفقير داره سنة بنية الزكاة لا يجزيه؛ لأن المنفعة ليست بعين متقومة. (البحر الرائق / كتاب الزكاة

۲۱۷/۲ المكتبة الشاملة، أحسن الفتاوى ۲۹۲/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

خدمت کے عوض میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خانقاہ میں طالب علم سے ایک مہینہ خدمت لے کر ان کو زکوٰۃ کے روپئے سے ہدیہ دینا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: خدمت کے عوض میں زکوٰۃ دینا جائز نہیں، مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم بلاعوض دینی چاہئے۔

ولا يعطي أجر الجزار إلى آخره. (هداية ٤٥٠/٤ مكتبه بلال ديوبند، البحر الرائق ۱۷۸/۸ كراچی)

ولو دفعها المعلم لخليفته إن كان بحيث يعمل لو لم يعطه صح وإلا (وتحته في الشامية) قوله: إلا لا، أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض. (شامي ۳٥٦/۲ كراچی)

سئل عن معلم له خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشئ معلوم، وما اشترط شيئا والمعلم يعطيه في الأحايين دراهم بنية الزكاة هل يجوز عن الزكاة؟ قال: نعم: إلا أن يكون بحيث لو لم يعطه لم يعمل له ذلک في مكتبه. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الزكاة ۲۰۹/۲-۲۱۰ قديم، مسائل بهشتی زیور ۳۲٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۳/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم رشوت میں استعمال کرنا؟

سوال (۲۱۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر اپنا حق وصول کرنے کے لئے رشوت دینا ناگزیر ہوجائے، تو کیا زکوٰۃ کی رقم اس مد میں استعمال کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (بلاعذر) رشوت دینے والے پر لعنت فرمائی ہے، اور زکوٰۃ کی رقم کو رشوت میں استعمال کرنا تو مزید گناہ کی بات ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: لعن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الراشي والمرتشي. (سنن الترمذي ۱/ ۲٤۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۹/۱۴۱۷ھ

رشتہ داروں میں سے کس کس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

سوال (۲۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم اپنے رشتے داروں میں سے کس کو زکوٰۃ کے پیسے دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اپنے آباء، اجداد، لڑکے، پوتے، پرپوتے اور بیوی کے علاوہ بقیہ رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جب کہ وہ محتاج ہوں۔

عن أم كلثوم بن عقبة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفضل الصدقة على ذي الرحم الكاشح. (شعبة الإيمان للبيهقي ۳/ ۲۳۹)

ولا يصح دفعها لكافر ...... وأصل المزكي وفرعه وزوجته. (مراقي الفلاح)

وقال الطحطاوي: ومن سوى ما ذكر يجوز الدفع إليهم كالإخوة والأخوات

والأعمام والعمات والأخوال والخالات الفقراء؛ بل هم أولى لما فيه من الصلة مع **الصدقة**. (طحطاوي على مراقي الفلاح ۳۹۳، كذا في الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۹۰) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱/۹/۱۴۱۹ھ

مال دار شخص کا اپنے طالب علم بیٹے کو زکوٰۃ اور چرم قربانی کی رقم دینا؟

سوال (۲۱۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی آدمی مال دار ہو اور اس کے اوپر حج وزکوٰۃ وغیرہ فرض ہو چکا ہو اور اس کا بالغ لڑکا مدرسہ میں پڑھتا ہو تو اس کے لڑکے کے لئے اپنے والد صاحب کا زکوٰۃ یا قربانی کے چمڑے کا پیسہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طالبِ علم کا اپنے والد سے زکوٰۃ یا چمڑے کا پیسہ اپنے لئے وصول کرنا اور والد کو اس کو اپنی زکوٰۃ وغیرہ دینا شرعاً جائز نہیں ہے، اگر والد نے اپنے بیٹے کو اپنی زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

قال علي بن ابي طالب رضي اللّٰه عنه: ليس لوالد حق في صدقة مفروضة، ومن كان له ولد أو والد فلم يصله فهو عاق. (السنن الكبرى للبيهقي ۱۰/۱۳۰ رقم: ۱۳۵۰۹)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما يقول: لا بأس بأن تضع زكاتك في موضعها، إذا لم تعط منها أحدًا تعوله أنت فلا بأس به. (المصنف لعبد الرزاق ٤/١١٢ رقم: ٧١٦٣ بيروت)

ولا يدفع المزكي زكاته إلى أبيه وجده وإن علا، ولا إلى ولده وإن سفل.

(البحر الرائق ۲/۲۴۳، الفتاوىٰ الهندية ۱/۱۸۸، الجوهرة النيره ۱/۱۳۱، شامي ۳/۲۹٤ زكريا)

ولا يعطي من الزكاة والداً وإن علا، ولا ولداً وإن سفل من قبل الذكور

والإناث، ولا يعطي الرجل زكاته ولده الذي نفاه. (الفتاوى التاتارخانية ٢٠٦/٣ رقم: ٤١٣٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

مال دار بیوی کا غریب شوہر یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کے پاس نصاب سے زیادہ زیور ہے؛ لیکن وہ اس کی ملکیت ہے، شوہر کا دیا ہوا نہیں ہے؛ بلکہ میکہ کا ہے، اور اس کا شوہر نہایت ہی غریب ہے، اس کی آمدنی کا بھی ذریعہ نہیں ہے، تو ایسے آدمی کو اور اس کی اولاد کو زکوٰۃ صدقہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اور ایسی عورت اپنے شوہر کو یا اس کی اولاد کو زکوٰۃ وصدقہ دے سکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کو اور اس کی اولاد کو دوسرے لوگ زکوٰۃ وصدقہ دے سکتے ہیں؛ البتہ عورت اپنے شوہر اور اپنی اولاد کو صدقہ وزکوٰۃ نہیں دے سکتی۔

عن أبي بكر قال: سمعت وكيعًا يذكر عن سفيان أنه قال: لا يعطيها من يجبر على نفقته. (المصنف لابن أبي شيبة ٥٤٦/٦ رقم: ١٠٦٤٤ دار الكتب العلمية بيروت)

قوله: وزوجته وزوجها أي لايجوز الدفع لزوجته ولا دفع المرأة لزوجها لما قدمنا من عدم قطع المنفعة عنه من كل وجه. (البحر الرائق / باب المصرف ٢٤٤/٢ كراچی)

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من ذٰلک وإن كان صحيحاً مكتسباً؛ لأنه فقير، والفقراء هم المصارف. (هداية ٢٠٧/١)

ولا يدفع المزكي زكاة ماله – إلى قوله – ولده وولد ولده وإن سفل، وكذا لا تدفع المرأة إلى زوجها عند أبي حنيفةؒ. (هداية ٢٠٦/١)

وكذا لزوجته وزوجها. (شامي / مطب في أحكام المعتوه ۳/ ۱۷۳ زكريا)

ولا يعطي زوجته بلا خلاف بين أصحابنا وكذا لا تعطي المرأة زوجها عند أبي حنيفة رحمه الله عليه. (الفتاوى التاتارخانية ۳/ ۲۰۷ رقم: ۴۱۳۸ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/۳/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کا پیسہ بہن، بھائی، بیوی، شوہر وغیرہ کو دینا؟

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کا پیسہ بہن کو یا بہن بھائی کو دے سکتی ہے یا دادا دادی کو ہم دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر کسی کی بیوی مال دار ہے اور شوہر بہت غریب ہے تو بیوی شوہر کو زکوٰۃ دے سکتی ہے یا نہیں؟ یا دینی اجتماع کے لئے وہاں ضروریات کا سامان جیسے مولوی صاحب کے لئے کرسی یا بچھانے کی چٹائی وغیرہ زکوٰۃ کے پیسہ سے منگا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زکوٰۃ کا پیسہ بھائی بہن کو دے سکتے ہیں، دادا دادی کو دینا درست نہیں ہے، اسی طرح بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔

ولا يدفع إلى أصله وإن علا وفرعه وإن سفل، كذا في الكافي، ولا يدفع إلى امرأته للاشتراک في المنافع ولا تدفع المرأة إلى زوجها عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۸-۱۸۹)

ولا يعطي زوجته بلا خلاف بين أصحابنا وكذا لا تعطي المرأة زوجها عند أبي حنيفة رحمه الله عليه. (الفتاوى التاتارخانية ۳/ ۲۰۷ رقم: ۴۱۳۸ زكريا)

ولا يجوز دفع الزكاة والعشر إلى الزوج ولا إلى الزوجة، ويجوز إلى الأخ والأخت والعم والخال. (الفتاویٰ السراجية / باب مواضع الزكاة ۵۳ دار العلوم زكريا أفريقية)

دینی اجتماع کی تیاری وغیرہ میں بھی زکوٰۃ کی رقم لگانی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہاں تملیک نہیں پائی جاتی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة. (الدر المختار مع الشامي ۳/۲٦۳ بیروت)

الزکاۃ یجب فیها تملیک المال؛ لأن الایتاء في قوله تعالیٰ: ﴿واٰتوا الزکاۃ﴾ یقتضي التملیک. (تبیین الحقائق ۲/۱۱۸، البحر الرائق ۲/۲۰۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہمشیرہ کو زکوٰۃ دینا

سوال (۲۱٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا میں اپنی ہمشیرہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟ اور کون رشتہ دار مستحق ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ہمشیرہ واقعۃً فقیر ہو اور سادات میں سے نہ ہو، تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے؛ البتہ دو طرح کے رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، ایک تو ماں باپ، دادا، دادی، نانا، نانی، الی آخرہ وغیرہ، دوسرے لڑکا لڑکی، پوتا پوتی، نواسہ نواسی الی آخرہ وغیرہ، اسی طرح شوہر بیوی کو اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی، ان کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: لا بأس أن تجعل زکاتک في ذوي قرابتک ما لم یکونوا في عیالک. (المصنف لابن أبي شیبة ٦/۵٤۳ رقم: ۱۰٦۳۳)

ولا یدفع إلی أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۸۸)

والأفضل في الزکاۃ والفطر والنذور الصرف أولا إلی الإخوة والأخوات، ثم إلی أولادهم، ثم إلی الأعمام والعمات، ثم إلی أولادهم، ثم إلی الأخوال والخالات، ثم إلی أولادهم الخ. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۹۰)

قـالـوا: الأفـضـل صـرف الصدقة إلى أخواته ذكوراً أو إناثاً. (مجمع الأنهر ۱/۲۲٦ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب بہن کو قرض کے عنوان سے بنیت زکوٰۃ رقم دینا

سـوال (۲۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس زکوٰۃ کے پچاس ہزار روپئے ہیں، زیدان کی تملیک کرانا چاہتا ہے، جس کی یہ شکل اختیار کی ہے کہ زید کی بہن غریب ہے، اس نے زید سے پچیس ہزار روپئے ادھار مانگے، زید نے پچیس ہزار روپئے دے دئے، مگر نیت یہ کی کہ میں زکوٰۃ دے رہا ہوں، زید کی بہن نے کچھ دنوں مزدوری کر کے زید کے پچیس ہزار روپئے واپس کردئے، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس طرح تملیک صحیح ہوگئی؟ زکوٰۃ ادا ہوگئی؟ اور وہ پچیس ہزار روپئے جو زید کی بہن نے واپس کئے وہ کسی کی ملکیت کہلائیں گے؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر آپ نے اپنی غریب بہن کو پچیس ہزار روپئے قرض کے عنوان سے دئے؛ لیکن زکوٰۃ کی نیت کی، تو آپ کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اور مذکورہ بہن اس کی مالک بن گئی، اب آپ کے لئے وہ رقم واپس لینی جائز نہیں ہے، آپ پر لازم ہے کہ یہ رقم اسی بہن کو واپس کردیں، اور یہ کہہ دیں کہ میں نے تم کو یہ روپئے مالکانہ طور پر دئے تھے، قرض کے طور پر نہیں۔

(مستفاد: کتاب المسائل ۲/۱۸۱)

ولا يشتـرط عـلم الفقير أنها زكاة على الأصح حتى لو أعطاه شيئاً وسماه هبة أو قرضاً ونوى به الزكاة صحت. (طحطاوي على المراقي ٥ ٧١ أشرفية)

وشـرط صـحة أدائهـا نية مقـارنة له أي للأداء (درمختار) وفي الشامي:

قوله: نية أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً في الأصح. (الدر المختار مع الشامي / كتاب الزكاة ۱۸۷/۳ زكريا)

والأفضل إخوته وأخواته. (شامي ۳۰٤/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب بھائیوں کوزکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: والد مرحوم کی بیوہ جوان کی تیسری بیوی ہیں، ان کے بچوں کوشادی وغیرہ کی مد میں اور بھی تمام اخراجات کے لئے زکوٰۃ ادا کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان بھائیوں کوزکوٰۃ دینی درست ہے، بشرطیکہ وہ زکوٰۃ کے مستحق ہوں۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لا بأس أن تجعل زكاتك في ذوي قرابتك ما لم يكونوا في عيالك. (المصنف لابن أبي شيبة ٥٤٣/٦ رقم: ١٠٦٣٣)

والأفضل في الزكاة والفطر ...... أولاً إلى الإخوة والأخوات. (الفتاویٰ الهندية ١٩٠/١)

والأفضل إخوته وأخواته. (شامي زكريا ٣٠٤/٣)

رجل يعول أخته وأخاه ...... فأراد أن يعطيه الزكاة إن لم يكن فرض عليه القاضي نفقته جاز. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٢٠/٣ رقم: ٤١٨١ زكريا، البحر الرائق ٢٤٣/٢، فتاویٰ محمودیه میرٹھ ٢١٢/١٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۱۱/۱۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چچا، ماموں، خالہ وغیرہ کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا چچاماموں، خالہ اور پھوپھی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چچا، ماموں، خالہ اور پھوپھی وغیرہ کو زکوٰۃ دینا جائز ہے، اوران لوگوں کو زکوٰۃ دینے میں دو ثواب ملتے ہیں، صلہ رحمی کا اور اداء زکوٰۃ کا۔

عن سلمان ابن عامر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن الصدقة على المسكين صدقة، و على ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن النسائي / باب الصدقة على الأقارب ١/١٧٨ رقم: ٢٥٧٨، سنن الترمذي / باب ما جاء في الصدقة على ذي القرابة ١/١٤٢ رقم: ٦٥٣، شعب الإيمان ٣/٢٣٨، المنصف ابن أبي شيبة ٦/٥٤٥)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه كان إذا بعث السعاة على الصدقات أمرهم بما أخذوا من الصدقات أن يجعل في ذوي قرابة من أحد منهم الأول فالأول، فإن لم يكن له قرابة، فالأولىٰ العشيرة، ثم لذوي الحاجة من الجيران وغيرهم. (المعجم الأوسط ٥/١٢٨ رقم: ٦٨٠٥، مجمع الزوائد / باب تفرقة الصدقات ٣/٨٧)

ويبدأ في الصدقات بالأقارب ثم الموالي ثم الجيران، وذكر الزندويستي: الأفضل صرف الزكاتين يعني صدقة الفطر وزكاة المال إلى أحد هٰؤلاء السبعة الأول: إخوته الفقراء وأخواته ثم إلى أولادهم، ثم إلى أعمامه الفقراء، ثم إلى أخواله وخالته، ثم ذوي الأرحام الفقراء، ثم إلى جيرانه الخ.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٥-٢٠٦ رقم: ٤٣٦١ زكريا)

ولا إلى من بينهما ولاد، قيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة

ولـلأعـمام والأخوال الفقراء بل هم أولیٰ لأنه صلة وصدقة. (شامي ۳٤٦/۲ کراچی، ۲۹۳/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۹/۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب ساس کو زکوٰۃ دینا؟

ســـوال (۲۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے خسر صاحب کے انتقال کے بعد میری ساس صاحبہ نے مجھ کو اپنی اور اپنے بچوں کی چیز بطور امانت رکھنے کو دی تھی، وہ چیز دورانِ سفر میری اٹیچی سے گم ہوگئی، ساس کے پاس ابھی ۳/لڑکے اور ۳/لڑکیاں شادی کے لئے باقی ہیں۔ کیا میں زکوٰۃ کے روپیہ میں سے تھوڑی چیز بنواکر ان کی مدد کرسکتا ہوں یا نہیں؟ اس مد میں زکوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰـه التوفيق: صورتِ مسئولہ میں اگر آپ زکوٰۃ کی رقم سے اپنی غریب ساس کی مدد کریں گے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن یک بارگی اتنی رقم سے مدد نہ کریں کہ وہ مالکِ نصاب بن جائیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عـن أم كـلثـوم بـن عـقبة رضـي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أفضل الصدقة على ذي الرحم الكاشح. (شعبة الإيمان للبيهقي ۲۳۹/۳)

ويـجوز دفعها إلى من يملك أقل من ذٰلک، وإن كان صحيحاً مكتسباً؛ لأنه فقير، والفقراء هم المصارف. (هداية ۲۰۷/۱)

ويـكـره أن يـدفـع إلـى رجل مأتي درهـم فصاعداً وإن دفعه جاز، كذا في الهداية. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۸/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۱/۹/۱۴۱۳ھ

خاص اپنی برادری کے لوگوں کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک برادری (جماعت) کے صاحبِ نصاب افراد نے اپنی زکوٰۃ اپنی قائم کردہ تنظیم میں جمع کردی۔ تنظیم زکوٰۃ کی اس رقم کو اپنی ہی برادری کے ایسے لوگوں کے لئے مخصوص کردیتی ہے جو مالی اعتبار سے پس ماندہ ہوں، خواہ اسی ملک میں رہنے والے ہوں جہاں زکوٰۃ نکالی گئی ہے یا دوسرے ملکوں میں رہنے والے ہوں۔ کیا اس طرح زکوٰۃ کسی خاص برادری یا جماعت کے پس ماندہ لوگوں کے لئے مخصوص کی جاسکتی ہے؟ جب کہ ان ملکوں میں دوسری برادریوں کے مستحق لوگ بھی موجود ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ نکالنے والوں کا اپنی زکاۃ کو اپنی ہی برادری کے مستحق لوگوں کے لئے مخصوص کردینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ میں تمام ہی فقراء کا حق ہے خواہ وہ خاندانی ہوں یا غیر خاندانی؛ اس لئے کسی برادری کی زکوٰۃ کو کلی طور پر برادری کے لئے ہی مخصوص کرنا مقصد شریعت کے خلاف ہے؛ البتہ صلہ رحمی کی بنیاد پر قریبی رشتہ داروں کو ترجیح دی جاسکتی ہے؛ اس لئے کہ حدیث میں وارد ہے کہ مستحق رشتہ دار کو زکوٰۃ دینے سے دہرا اجر ملتا ہے، ایک زکوٰۃ کا دوسرا صلہ رحمی کا، اور پوری برادری کا حکم قریبی رشتہ داری کے حکم میں نہیں ہے؛ کیوں کہ اگر دور کی رشتہ داری کا لحاظ کیا جائے تو اس اعتبار سے تو سب ہی انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔

عن سليمان بن عامر رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: الصدقة على المساكين صدقة، وهي على ذي الرحم ثنتان صدقة وصلة.

(مشكوة المصابيح ۱۷۱)

عن زينب امرأة عبد اللّٰه قالت في حديث طويل: ...... فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لهما أجران: أجر القرابة، وأجر الصدقة. (صحيح مسلم

۳۲۳/۱، مشکوة المصابیح ۱۷۱)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه تعالى قد فرض عليهم زكاة تؤخذ من أموالهم وترد على فقرائهم.

(صحیح البخاري ۱۹٦/۱، صحیح مسلم ۳٦/۱، مشکوة المصابیح ۱۵۵/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

برادری کی زکوٰۃ برادری ہی پر خرچ کرنا؟

سوال (۲۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی قوم نے اپنی ایک جماعت بنائی ہے، وہ وہاں اپنی زکوٰۃ جمع کرتے ہیں، یعنی اکٹھا کرتے ہیں، پھر وہ زکوٰۃ صرف اپنی ہی قوم کو دیتے ہیں، جیسے پڑھائی کا خرچہ ہو، اسکول کا خرچہ ہو، یا کسی بیماری میں دینا ہو، تو وہ دوسری قوم کے لوگوں کو یہ کہہ کر لوٹا دیتے ہیں، یہ صرف ہماری برادری کے لئے ہے، کیا یہ صحیح ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں تسلی بخش جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اسلام میں کسی کی زکوٰۃ اس کے خاندان یا برادری کے لئے مخصوص نہیں ہے؛ بلکہ ہر مسلمان محتاج ضرورت مند مستحق زکوٰۃ کا اس میں حق ہوتا ہے، اس لئے زکوٰۃ کو برادری کی حدود میں منحصر کر دینا اور لاکھوں کروڑوں کی زکوٰۃ کی رقومات جمع کر کے ایک ہی برادری کی ترقی پر خرچ کرنا اسلامی نظام زکوٰۃ کی روح کے خلاف ہے، اس طریقہ کو چھوڑ کر ضرورت اور استحقاق کو سامنے رکھتے ہوئے بلا کسی تخصیص کے وسعت ظرفی کے ساتھ مستحقین پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنی چاہئے؛ تاہم اگر کوئی برادری اپنی زکوٰۃ جمع کر کے برادری کے نادار اور محتاج لوگوں پر خرچ کرے تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، بشرطیکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کی تمام شرائط کو ملحوظ رکھا گیا ہو۔

قال اللّٰه تبارک و تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بعث معاذاً إلى اليمن، فقال: ادعهم إلى شهادة أن لا إلٰه إلا اللّٰه وأني رسول اللّٰه – إلى قوله – فأعلمهم أن اللّٰه افترض عليهم صدقة في أموالهم توخذ من أغنيائهم وترد على فقرائهم. (صحيح البخاري ١٨٧/١ رقم: ١٣٧٩)

ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد ...... إلا أن ينقلها الإنسان إلى قربة أو إلىٰ قوم هو أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة. (هداية ٢٠٨/١)

هي تمليک ...... جزء مال ...... عينه الشارع من مسلم فقير ...... غير هاشمي و لا مولاه ...... مع قطع المنفعة عن الملک من كل وجه فلا يدفع لأصله وفرعه، للّٰه تعالىٰ. وفي الشامية: وكذا لزوجته ولزوجها. (درمختار مع الشامي ١٧٠/٣-١٧٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے اولاد کو تعلیم دینا؟

سوال (۲۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے غریب ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد کو زکوٰۃ وصدقہ فطر مانگ کر پڑھایا، تو اب میرے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ میرے لئے فطرہ وغیرہ مانگ کر پڑھانا درست ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اب کیا صورت اختیار کی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو آدمی غریب اور مستحق زکوٰۃ ہو، اس کے لئے زکوٰۃ یا

صدقۂ فطر وصول کرنا اوراس سے اپنے بچوں کی تعلیم کا نظم کرنا درست ہے؛ لہٰذا اگر آپ واقعی غریب تھے، تو آپ نے فطرہ وغیرہ کی رقم لے کر بچوں کو پڑھانے میں کوئی غلط عمل نہیں کیا، اس لئے آپ کو مطمئن رہنا چاہئے، اب کسی تلافی کی ضرورت نہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

والحنفية على أنه إن لم يكن له نصاب حلت له الصدقة. (إعلاء السنن ٩/٧٧ كراچی)

الـمعتبر جواز أخذها لمن ملک أقل من النصاب كما يجوز دفعها؛ لكن عدم الأخذ أولیٰ لمن له السداد من عيش. (مجمع الأنهر ١/٣٢٥)

لـو سأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد أو طلب العلم جاز، وفي الشامية: أشار إلى أن له السوال وإن كان مكتسباً – إلى قوله – وينبغي أن يلحق به أي بـالـغـازي طـالب العلم لاشتغاله عن الكسب بالعلم؛ ولهٰذا قالوا: إن نفقته على أبيه وإن كان صحيحاً مكتسباً كما لو كان زمناً. (شامي ٣/٦ ٣٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۶/ ۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈاکٹری پڑھنے والی بچی پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا؟

سوال (۲۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بھتیجی جو ڈاکٹری پڑھ رہی ہے، اور میرے بھائی پر اس کا خرچہ بوجھ بن جاتا ہے، میری حالت اس کے اعتبار سے زیادہ ہے، وہ بھتیجی بالغہ ہے اور اس کی ذاتی ملکیت کچھ نہیں ہے، کیا اس بھتیجی کو زکوٰۃ کے پیسہ سے امداد کرسکتا ہوں، جب کہ بھائی نصاب غیر نامی کا مالک ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: آپ کی بالغہ بھتیجی کے پاس اگر اپنا ذاتی بقدر نصاب مال نہیں ہے، تو اس پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا فی نفسہٖ درست ہے؛ لیکن بہتر یہی ہے کہ عصری تعلیم

کے بجائے دینی تعلیمی شعبوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جائے۔

وکذا إلى البنت الكبيرة إذا كان أبوها غنيا؛ لأن قدر النفقة لا يغنيها، وبغني الأب والزوج لا تعد غنية. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹، الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۲۱۰ رقم: ٤١٤٦ زكريا)

يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. (شامي ۳/۲۸۵ زكريا)

ويجوز صرفها إلى من لايحل له السوال إذا لم يملك نصاباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹)

وتجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب وإن كان صحيحًا مكتسباً. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ سے بچی کی فیس ادا کرنا؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک غریب آدمی ہوں اپنی بچی کو تعلیم نہیں دلاسکتا، وہ اسکول میں پڑھنا چاہتی ہے، کیا میں اس کی فیس کسی سے زکوٰۃ لے کر ادا کرسکتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بچی ایسے اسکول میں تعلیم حاصل کرنا چاہتی ہے جہاں پردے کا مکمل اہتمام ہو اور دینیات بھی لازمی مضمون میں شامل ہو، اور اس کا گھر سے اسکول آنا جانا بھی مکمل پردے کے ساتھ ہو اور تعلیم کا مقصد بھی درست ہو کہ اس کے ذریعہ سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی اصلاح کی نیت ہو، تو ایسی تعلیم کے لئے لاچار اور غریب شخص زکوٰۃ لے کر فیس ادا کرسکتا ہے؛ لیکن اگر بے پردے کے ساتھ یا مخلوط تعلیم یا ہندوؤں اور عیسائیوں کے اسکولوں میں بددینی کے ماحول کے ساتھ تعلیم دی جارہی ہو، تو ایسی تعلیم سرے سے ناجائز ہے، اس کے لئے

زکوٰۃ یا غیر زکوٰۃ کسی طرح کا پیسہ خرچ کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ مومن کے لئے سب سے بڑی چیز اس کا دین وایمان ہے، اگر تعلیم کے بہانے سے اس کے دین وایمان پر آنچ آئے تو ایسی تعلیم سے جہالت ہی بہتر ہے۔ (مستفاد: امدادالاحکام ۱/۲۱۵، فتاویٰ محمودیہ ۳/۳۸۴ جدید)

عن الشفاء بنت عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنها قالت: دخل علي النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأنا عند حفصة، فقال: ألا! تعلمين هذه رقية النملة كما علمنيها الكتابة. (سنن أبي داؤد ٢/٥٤٢)

فيه دليل على جواز تعلم النساء الكتابة، وأما حديث "لا تعلموهن الكتابة، فمحول على من يخشى في تعليمها الفساد. (بذل المجهود ١١/٦١ مطبوعه دارالبشار الإسلامية بيروت)

عن أسامة بن زيد رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ما تركت بعدي فتنة أضر على الرجال من النساء. (المعجم الأوسط للطبراني ١/١٧١، رقم: ٥٦٤)

عن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: إنما النساء عورة، وإن المرأة لتخرج من بيتها، وما بها بأس، فيستشرف لها الشيطان فيقول: إنک لا تمر بأحد إلا أعجبته، الحديث. (المعجم الكبير للطبراني ٩/٢٩٤، رقم: ٩٤٨٠)

ويجوز صرفها إلى من لا يحل له السوال إذا لم يملک نصاباً. (الفتاویٰ الهندية ١/١٨٩)

ولو سأل ...... يطلب العلم جاز. (شامي ٣/٣٠٦ زكريا)

يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. (شامي ٣/٢٨٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تعمیر، تنخواہ اور غریب بچوں کی فیس میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنا؟

سوال (۲۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں دینی مکاتب ہیں، جن میں زکوٰۃ، چرمِ قربانی اور صدقۃ الفطر وصول کیا جاتا ہے، اور ان مکاتب میں بچوں سے فیس بھی وصول کی جاتی ہے، جن میں بہت سے بچے ایسے ہوتے ہیں جو فیس ادا نہیں کرسکتے، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ، چرمِ قربانی اور صدقۃ الفطر کی رقم مدارس کی عمارت، مدرسین کی تنخواہ اور بچوں کی فیس میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ اگر بچوں کی فیس میں یہ رقم لگ سکتی ہے تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم تعمیر وتنخواہ مدرسین کی مد میں خرچ نہیں کی جاسکتی، اس رقم سے نادار بچوں (جن کے والدین بھی غریب ہوں) کی فیس دی جاسکتی ہے، اس کا طریقہ یہ ہونا چاہئے کہ پہلے وہ رقم بچوں کو یا ان کے اولیاء کو دے دی جائے، پھر وہ اپنے طور پر فیس جمع کرادیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

فلا يجوز صرفها إلى غيرهم من بناء مساجد وإصلاح طريق، أو كفن ميت؛ لأن اللّٰه تعالىٰ خصَّهم بها بقوله: ﴿إِنَّمَا﴾ وهي للحصر تثبت المذكور وتنفي ما عداه. (الكافي في فقه الإمام أحمد / باب ذكر الأصناف التي تدفع الزكاة لهم ٢٣/١ ٤ الشاملة)

عن الثوري: الرجل لايعطي زكاة ماله ...... ولا بناء مسجد ولا شراء مصحف ولا يصح بها. (المصنف لعبد الرزاق / باب لمن الزكاة ١١٣/٤ رقم: ٧١٧٠)

إذ دفع الزكاة إلى الفقير لا يتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصي. (الفتاوىٰ الهندية ١٩٠/١)

ويجوز صرفها إلى من لا يحل له السوال إذا لم يملك نصابا. (الفتاوىٰ

الهندية ۱/ ۱۸۹)

يجوز دفع الزكاة لطالب العلم وإن كان له نفقة أربعين سنة. (شامي ۳/ ۲۸۵ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۳ھ

زکوٰۃ کی رقم سے غریب لڑکے کا کتابیں خریدنا؟

سوال (۲۲۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے کوئی غریب لڑکا اپنی ذاتی کتاب خریدنا چاہتا ہے تو شرعی حیثیت سے جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے اگر کوئی اہل خیر مستحق طالب علم کو دینی کتابیں خرید کر دیدے تو یہ شرعاً درست ہے۔

اور اگر کسی نے طالب علم کو زکوٰۃ کی رقم دی تو طالب علم کے لئے اس رقم سے کتابیں خریدنا بھی درست ہے؛ لیکن اپنے والد سے زکوٰۃ لے کر کتابیں خریدنا جائز نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۱۵)

وجاز دفع القيمة في الزكاة وعشر وخراج وفطرة. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲۱۱ زكريا)

مصرف الزكاة ...... هو فقير ...... وفي سبيل اللّٰه، وهو منقطع الغزاة، وقيل الحاج، وقيل طلبة العلم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة ...... فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك. (درمختار / باب المصرف ۳/ ۲۶۱ بيروت، ۲/ ۳٤۰- ۳٤٤ كراچی)

ولـو سـأل لـلـكسو ة لاشتغاله عن الكسب بالجهاد أو طلب العلم جاز لو محتاجًا. (شامي / باب المصرف ۲/ ۳۵۵ کراچی)

ولا يـعـطـي من الزكاة والدًا وإن علا، ولا ولدًا وإن سفل من قبل الذكور والإناث. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۰٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۲۱/۱۱/۲۵ھ

زکوٰۃ کی رقم سے شاگرد کے کپڑے بنانا؟

سـوال (۲۲۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کے پیسوں سے شاگردوں کے کپڑے بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: اگر شاگرد غریب اور مستحق زکوٰۃ ہوں اور سادات کے خاندان سے نہ ہوں تو زکوٰۃ کی رقم سے ان کے کپڑے بنانا درست ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ولـو سـأل للكسوة أو لاشتغاله عن الكسب بالجهاد، أو طلب العلم جاز، ولو محتاجاً. (درمختار مع رد المحتار ۳/ ۳۰٦ زكريا)

مستـفـاد: إلا إذا دفـع لـه الطعام كالكسوة إذا كان يعقل القبض وإلا فلا.

(البحرالرائق ۲/ ٤۲٤ رشيدية)

كما لو كساه بشرط أن يعقل القبض. (شامي ۳/ ۱۷۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۴/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیّدہ فقیرہ کو زکوٰۃ دینا؟

سـوال (۲۲۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: سبھی لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ سید کو زکوٰۃ خیرات صدقۂ فطر وغیرہ نہیں دینا چاہئے، مگر صورت حال یہ ہے کہ ایک سید صاحب کی لڑکی کا رشتہ شیخ صاحب کے لڑکے سے ہوا اور شادی بھی ہوگئی، مگر کچھ دنوں کے بعد اس شیخ صاحب کے لڑکے کا انتقال ہوگیا، اور یہ بے چاری بیوہ ہوگئی اور اب بہت پریشان ہے، بے بس ہے اور لا چار ہے، تو ہم ایسی بے بس لا چار پریشان حال بیوہ کو جو کہ سیدہ ہے، اپنی خیرات، صدقۂ فطر وغیرہ دے سکتے ہیں؟ جب کہ یہ بیوہ سیدہ خاندان سے تعلق رکھتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سیدہ عورت کو زکوٰۃ دینا درست نہیں ہے، اس کا تعاون صدقات نافلہ سے کرنا چاہئے، اگر ناگزیر صورت ہو تو حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، یعنی کسی غیر سیدہ فقیر کو زکوٰۃ دی جائے اور فقیر وہ رقم اپنی جانب سے سیدہ پر خرچ کردے۔ (امداد المفتیین ۴۶۵، امداد الفتاوی ۲؍۲۷، فتاوی رحیمیہ ۸؍۲۴۰)

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم في حدیث طویل ...... إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد إنما هي أوساخ الناس. (صحیح مسلم ۱/۳۴٤ رقم: ۱۰۸۲)

ولا إلی بني هاشم – إلی قوله – ثم ظاهر المذهب إطلاق المنع، قال الشامي: یعني سواء في ذلک کل الأزمان، وسواء في ذٰلک دفع بعضهم لبعض، ودفع غیره لهم. (الرد المحتار ۳/۲۹۹ زکریا)

ولا یدفع إلی بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل الحارث بن عبد المطلب. (الفتاوی الهندیة ۱/۱۸۹)

وجازت التطوعات من الصدقات وغلة الأوقاف لهم أي لبني هاشم. (الدر المختار مع الشامي ۳/۳۰۰ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷؍۲؍۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کی بیوی سید ہو اس کے بچوں کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی بیوی سید ہے، زید سید نہیں ہے، زید کا انتقال ہو چکا ہے، زید کی بیوی اور بچے حیات ہیں جو کہ صاحب نصاب نہیں ہیں، اور پریشان حال ہیں تو کیا زید کی سید بیوی سے بچے سید کہلا سکتے ہیں؟ اور زید کی سید بیوی سے جو بچے ہیں ان کو زکوٰۃ یا صدقہ دے سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعاً نسب باپ سے چلتا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں جب کہ باپ غیر سید ہے، تو اس کی اولاد کو زکوٰۃ دینی درست ہے۔

قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم في حدیث طویل …… إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد إنما هي أوساخ الناس. (الصحيح للمسلم ١/ ٣٤٤ رقم: ١٠٨٢)

قال عبد المطلب: فانطلقت أنا والفضل حتى أتينا رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال لنا: إن هٰذه الصدقة إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد. (سنن النسائي / باب استعمال آل النبي على الصدقة رقم: ٢٦٠٥)

من كانت أمها علوية مثلاً وأبوها عجمي يكون العجمي كفوًا لها، وإن كان لها شرف ما لأن النسب للآباء، ولهٰذا جاز دفع الزكاة إليها. (شامي، كتاب النكاح / باب الكفاءة ٤/ ٣١٠ زكريا، ٣/ ٨٧ کراچی)

ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٩)

(وبني هاشم وموالیهم) أي لا یجوز الدفع لهم لحدیث البخاري نحن أهل بیت لا تحل لنا الصدقة ولحدیث أبي داؤد مولی القوم من أنفسهم وأنا لا تحل لنا الصدقة أطلق في بني هاشم. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٦ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۴/ ۹/ ۱۴۱۷ھ

سید برادری سے تعلق رکھنے والے طالبِ علم کا زکوٰۃ لینا؟

سوال (۲۳۱): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سید برادری سے تعلق رکھتا ہے، اور وطن سے دور کسی دینی مدرسہ میں تعلیم حاصل کرتا ہے، کیا زید کے لئے زکوٰۃ کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ زید کو اتنی استطاعت بھی نہیں کہ وہ اپنا پورا خرچ برداشت کرسکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سید کے لئے زکوٰۃ لینا جائز نہیں ہے، مسئولہ صورت میں زید کو چاہئے کہ وہ اہل مدرسہ کے سامنے اپنا سید ہونا اور غیر مستطیع ہونا ظاہر کرکے یہ درخواست کرے کہ اس کی امداد نفلی عطایا کی مد سے کی جائے، اور اہل مدرسہ کو چاہئے کہ وہ اس کی درخواست قبول کرکے نفلی عطایا کی رقم سے اس کی کفالت کریں۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۷/۲۵۵)

ومنها: أن لا يكون من بني هاشم لما روي عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: يا معشر بني هاشم إن اللّٰه كره لكم غسالة الناس وعوضكم منها بخمس الخمس من الغنيمة.

وروي عنه صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: إن الصدقة محرمة على بني هاشم.

وروي أنه رأى في الطريق تمرة فقال: لو لا أني أخاف أن تكون من الصدقة لأكلتها، ثم قال: إن اللّٰه حرم عليكم يا بني هاشم غُسالة أيدي الناس، والمعني ما أشار إليه أنها من غسالة الناس فيتمكن فيها لخبث فصان اللّٰه تعالىٰ بني هاشم عن ذٰلک تشريفًا لهم وإكراماً وتعظيما لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (بدائع الصنائع ۲/ ۱٦٢)

ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب. (الفتاوى الهندية ۱/ ۱۸۹)

قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه و سلم في حديث طويل ...... إن الصدقة لا تنبغي لآل محمد إنما هي أو ساخ الناس. (صحيح مسلم ١/ ٣٤٤ رقم: ١٠٨٢)

و جازت التطوعات من الصدقات و غلة الأو قاف لهم أي لبني هاشم. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ٣٠٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مجبوری اور لاچاری میں سادات کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مجبوری اور لاچاری کی حالت میں کیا سید اور سادات کے لئے زکوٰۃ وغیرہ لینے کی گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سادات کو زکوٰۃ لینی کسی حال میں جائز نہیں ہے، اگر سادات ضرورت مند ہوں، تو ان کی مدد عطیات سے کرنی چاہئے۔

عن أبي جعفر قال: لا بأس بالصدقة من بني هاشم بعضهم على بعض.

(المصنف لابن أبي شيبة / باب ما رخص فيه من الصدقة عن بني هاشم ٧/ ٦٢ رقم: ١٠٣٨)

و قول العيني: والهاشمي يجوز له دفع زكاته لمثله صوابه لا يجوز.

(درمختار مع الشامي ٣/ ٢٩٩)

(قوله وبني هاشم و مواليهم) أي لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاري: "نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة" ولحديث أبي داؤد: مولى القوم من أنفسهم. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٦، بدائع الصنائع ٢/ ١٦٢، **والحديث** عند أبي داؤد تحت رقم: ١٦٥٠)

أو هاشمي أي لا يجوز دفعها إلى بني هاشمي، لقوله عليه السلام: إن هٰذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس، وإنها لا تحل لمحمد، ولا لآل محمد. رواه

مسلم. وقال عليه السلام: نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة. رواه البخاري. (تبيين الحقائق باب المصرف ۳۰۳/۱ إمداديه ملتان، بحواله: تعليقات فتاویٰ محموديه ۱۸۷/۱٤ ميرٹھ، وكذا في الدر المختار على الشامي ۲۵۸/۲ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ۳/۳ ۲۱ زكريا، طحطاوي ۷۲۰ دارالكتاب)

ولا يدفع إلى بني هاشم وهم آل علي وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل الحارث بن عبد المطلب. (الفتاوى الهندية ۱۸۹/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مدارس میں طلبہ کو دیا جانے والا وظیفہ طلبۂ سادات کو لینا درست ہے؟

سوال (۲۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دینی مدارس میں جو وظیفہ کے طور پر طالب علم کو پیسہ دیا جاتا ہے، کیا یہ پیسہ سادات طلبہ کے لئے لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کسی حیلہ کے ساتھ اور اگر جائز ہے تو کیا دلیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سادات طلبہ کے لئے زکوٰۃ کی رقم سے وظیفہ لینا بالکل جائز نہیں ہے، مدرسہ والوں کو چاہئے کہ وہ ایسے طلبہ کے لئے صرف ہدیہ وغیرہ کی رقم سے وظیفہ کا انتظام کریں۔

ولا يدفع إلى هاشمي وهو ظاهر الرواية. (مجمع الأنهر ۳۳۰/۱ بيروت)

(وبني هاشم ومواليهم) أي لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاري نحن أهل بيت لا تحل لنا الصدقة. (البحر الرائق ۲٤٦/۲ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۷/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اشاعتِ اسلام کی غرض سے غیر مسلموں میں زکوٰۃ تقسیم کرنا؟

سوال (۲۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم غیر مسلم انسانوں میں اشاعتِ اسلام کے لئے صرف کی جاسکتی ہے؟ ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ میں کیا حکم خداوندی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مسلموں میں اسلام کی اشاعت کے لئے زکوٰۃ کی رقومات کو صرف کرنا جائز نہیں ہے، اور قرآنِ کریم میں "مؤلفة القلوب" کے مصرف کا جوذکر ہے، وہ دورِ صدیقی میں باجماعِ صحابہؓ ساقط ہو چکا ہے؛ البتہ جو غیر مسلم اسلام لے آئے اور وہ نادار فقیر ہو، تو ایسے نومسلم فقیر کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔

وسكت عن ﴿الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ﴾ لسقوطهم: إما بزوال العلة، أو نسخ بقوله صلى اللّٰه عليه وسلم لمعاذ في آخر الأمر: خذ من أغنيائهم وردها في فقرائهم. (درمختار) قوله: لسقوطهم: أي في خلافة الصديق لما منعهم عمر رضي اللّٰه عنه، وانعقد عليه إجماع الصحابة ...... فلا تدفع إلى من كان من المؤلفة كافراً أو غنيا، وتدفع إلى من كان منهم مسلما فقيراً بوصف الفقر لا لكونه من المؤلفة. (درمختار مع الشامي / باب المصرف ۲۸۸/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہٗ ۱۴۳۱/۱/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غیر مسلم غریب کو صدقہ دینا

سوال (۲۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہمارے پڑوس میں یا بستی میں کوئی غیر مسلم بہت غریب پریشان ہو، تو کیا اس غیر مسلم کو صدقہ دیا جاسکتا ہے، جب کہ بستی کے مسلمانوں میں کوئی اتنا غریب نہ ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غریب ونادار غیرمسلم کو زکوٰۃ دینا تو جائز نہیں ہے؛ البتہ زکوٰۃ کے علاوہ دیگر اموال مثلاً نفلی صدقات، صدقۃ الفطر نذر وکفارہ وغیرہ کا مال، راجح قول کے مطابق غیرمسلم کو دینے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: عزیز الفتاویٰ ۳۶۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/۲۰۴)

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تصدقوا إلا على أهل دينكم، فأنزل اللّٰه تعالىٰ: ﴿لَيُسَ عَلَيُکَ هُدَاهُمُ﴾ – إلى قوله – ﴿وَمَا تُنُفِقُوُا مِنُ خَيُرٍ يُؤَفَّ اِلَيُکُمُ﴾ قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تصدقوا على أهل الأديان. (المصنف لابن أبي شيبة / باب ما قالوا في الصدقة في غير الإسلام ٦/٥١٣ رقم: ١٠٤٩٩)

عن إبراهيم بن مهاجر قال: سألت إبراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام، فقال: أما الزكاة فلا، وأما إن شاء رجل أن يتصدق فلا بأس. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٣ رقم: ١٠٤١٠)

عن إبراهيم قال: لا تعطهم من الزكاة وأعطهم من التطوع. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٣ رقم: ١٠٤١١)

عن جابر بن زيد قال: لا تعط اليهودي والنصراني من الزكاة، ولا بأس أن تتصدق عليهم. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ٦/٥١٣ رقم: ١٠٤١٣)

وفي الهندية: وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالإتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالإتفاق، واختلفوا فى صدقة الفطر والنذور والكفارات: قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله: يجوز إلا أن فقراء المسلمين أحب إلينا. (الفتاوىٰ الهندية / الباب السابع في المصارف ١/١٨٨)

وفي الدر: ولا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ رضي اللّٰه عنه وجاز دفع

غيـرهـا وغيـر الـعشـر والـخراج إليه، أي الذمي ولو واجباً،كنذر و كفارة وفطرة خلافاً للثاني، وبقوله: يفتى، وتحته في الشامية: قلت: لكن كلام الهداية وغيرها يفيد ترجيح قولهما، وعليه المتون. (درمختار مع الشامي ۳۰۱/۳ زكريا، ۳۵۱/۲ كراچى)

ولا يصح دفعها لكافر. (طحطاوي على المراقي ۳۹۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندو یا شیعہ غریب کو زکوٰۃ دینا؟

سـوال (۲۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندو غریب کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں، یا شیعہ غریب کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ان دونوں کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۳۸۶/۱۴-۲۵۰/۷، احسن الفتاویٰ ۲۸۰/۴، فتاویٰ رحیمیہ ۱۵۹/۵)

عن إبراهيم قال: لا تعط المشركين شيئًا من الزكاة. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ۵۱۳/۶ رقم: ۱۰۴۱۲)

عـن الـحسـن قـال: لا يـعـطـي الـمشـركـون مـن الزكاة ولا من شيء من الكفارات. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الصدقة يعطي منها أهل الذمة ۵۱۳/۶ رقم: ۱۰۴۱۴)

لا يجوز دفع الزكاة إلى ذمي. (تبيين الحقائق / باب المصرف ۳۰۰/۱)

ولا يـصـح دفـعـهـا لـكـافـر، وقـال فـي التـنـوير وشرحه: ولا تدفع لذمي. (طحطاوي على المراقي الفلاح ۳۹۳)

وفـي الهـنـدية: وأمـا أهـل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالإتفاق. (الفتاوىٰ الهندية / الباب السابع في المصارف ۱۸۸/۱)

وفي الدر: ولا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ رضي اللّٰه عنه، وجاز دفع غيرها. (درمختار ۳/ ۳۰۱ زکریا)

ويكره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيراً مائتي درهم أو أكثر، ولو أعطى جاز، وسقط عنه الزكاة في قول أصحابنا الثلاثة ...... ولنا: أنه إنما يصير غنيًا بعد ثبوت الملک له، فأما قبله فقد كان فقيراً فالصدقة لاقت كف الفقير فجازت، وهٰذا لأن الغنا يثبت بالملک والقبض شرط ثبوت الملک، فيقبض ثم يملک المقبوض ثم يصير غنيًا، ألا ترى أنه يُكره؛ لأن المنتفع به يصير هو الغني. (بدائع الصنائع ۲/ ۱٦۰ نعيمية ديو بند)

ولا يجوز أن يدفع الزكاة إلى ذمي. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۱ رقم: ٤۱۳۹ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۲/۱۱/۱٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم قرض میں دینا

زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دینا؟

سوال (۲۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم بطور قرض دی جاسکتی ہے؟ اگر زید جو کہ ایک مدرسہ کا ناظم ہے، اپنی تجارت میں یہ رقم لگائے تو کیا یہ درست ہے، جب کہ اکثر مدارس والے اپنا کل روپیہ جس میں زکوٰۃ وفطرہ شامل ہوتا ہے، بینک میں رکھتے ہیں، اور بینک والے بھی یہ روپیہ تجارت ہی میں لگاتے ہیں، اگر یہی صورت زید خود اختیار کرے تو کیا یہ درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کا ناظم مدرسہ کی رقومات کا امین ہے، اسے اس امانت (زکوٰۃ وغیرہ) میں تصرف کرتے ہوئے اسے بطور قرض دینا یا تجارت میں لگانا جائز نہیں، بینک والے کیا کرتے ہیں، اس کے وہ خود ذمہ دار ہیں اور زید ناظم مدرسہ اپنی تحویل میں امانت کا خود مسئول ہے، اس لئے بینک کے خلافِ شرع معمول سے اس کے لئے وجہ جواز پیدا نہیں ہوسکتی۔

(مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۱۸/۶، فتاویٰ محمودیہ ۵۲۶/۱، ۱۰۸/۱۶)

متولي الوقف إذا رهن الوقف بدين لا يصح، وفي جامع الفتاویٰ: وكذلك أهل الوقف إذا رهنوا، لا يجوز. (الفتاویٰ التاتارخانية / باب تصرف القيم في الأوقات ۷٦٠/٥ إدارة القرآن كراچی، كذا في الفتاویٰ الهندية / الباب الخامس في ولاية الوقف ٤٢٠/٢ رشيدية)

سئل أبو القاسم عن أهل مسجد أراد بعضهم أن يجعلوا المسجد رحبةً، والرحبة مسجدًا، أو يتخذوا له بابًا، أو يحولوا بابه عن موضعه، وأبى البعض ذٰلک، قال: إذا اجتمع أكرهم وأفضلهم، ليس للأقل منعهم. (ردالمحتار، كتاب الوقف / مطلب في جعل شيء من المسجد طريقًا ٤/٣٧٨ كراچی)

إن القيم ليس له إقراض مال المسجد. (البحر الرائق / الوقف ٥/٢٣٩ كراچی، الفتاویٰ الهندية / الوديعة ٤/٣٣٨، مجمع الأنهر / الوديعة ٣/٤٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۶/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صاحبِ نصاب کا زکوٰۃ کی رقم سے قرض مانگنا

سوال (۲۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ لوگ ہمارے پاس سے زکوٰۃ کی رقم قرض کی نیت سے مانگتے ہیں، حالاں کہ وہ خود صاحبِ نصاب ہیں، تو کیا ان کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: صاحبِ نصاب شخص کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں، اور زکوٰۃ کی رقم قرض کے طور پر بھی نہ دی جائے؛ کیوں کہ اس سے زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر لازم آتی ہے، جو پسندیدہ نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل اللّٰه، أو لعامل عليها، أو لغارم. (سنن أبوداؤد / باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني ١/٢٣١ رقم: ١٦٣٥، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٢ رقم: ٤١٣١ زكريا)

ولا إلى غني يملک قدر نصاب فارغ عن حاجته الأصلية من أي مال كان. (درمختار مع الشامي ٣/٢٩٥ زكريا)

ذكر الحاكم الشهيد في المنتقى: أن وجوبها على الفور عند أبي يوسف ومحمد، وفي الخلاصة: وهو الأصح. (الفتاویٰ التاتارخانية ۱۳۵/۳ زكريا)

وقيل: فوري أي واجب على الفور، وعليه الفتوىٰ، فيأثم بتأخيرها بلا عذر. (درمختار ۱۹۱/۳-۱۹۲ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ضرورت مند کو زکوٰۃ کی رقم قرضِ حسنہ کہہ کر دینا؟

سوال (۲۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کو قرض حسنہ کہہ کر صرف اس لئے دینا کہ ضرورت مند مستحق اپنی ناک کی خاطر لینے سے انکار کردے گا، جب کہ دینے والے کی نیت ادائیگی زکوٰۃ ہے، اور اس نے سوچ لیا ہے کہ اگر واپس کرے گا تو پھر کسی دیگر مستحق کو دے دی جائے گی، کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کا قرض حسنہ کہہ کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، بعد میں وہ رقم مستحق زکوۃ سے واپس نہ لی جائے۔

ومن أعطى مسكينًا دراهم وسماها هبة، أو قرضاً ونوى الزكاة، فإنها تجزيه وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۱/۱)

ولا يشرط علم الفقير أنها زكاة على الأصح، حتى لو أعطاه شيئاً وسماه هبة أو قرضاً ونوى به الزكاة صحت. (مراقي الفلاح ۳۹۰، مجمع الأنهر ۱۹٦/۱، البحر الرائق ۳۷۰/۲ زكريا)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء، وتحته في الشامية: قوله نية: أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو فرضاً تجزيه في الأصح. (شامي ۱۸۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قرض دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا اور واپسی پر دوسرے کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے پاس کوئی شخص قرض لینے آیا ہم نے اس کو اپنے پاس زکوٰۃ نکلی ہوئی رقم میں سے قرض دے دیا، اور یہ نیت کرلی کہ جب یہ ادا کرے گا تو پھر ہم زکوٰۃ کے مستحق کو دے دیں گے، نہیں تو یہ اسی کو زکوٰۃ دے دی، تو کیا وہ زکوٰۃ ادا ہوگئی، آپ ہمیں کتاب وسنت کی روشنی میں جواب عنایت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر قرض دیتے وقت زکوٰۃ کی نیت کی جائے اور یہ ارادہ ہو کہ اس سے یہ رقم کبھی واپس نہیں لینی ہے، تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور اگر یہ نیت کی کہ اگر واپس کرے گا تو دوسری جگہ صرف کردوں گا، جیسا کہ سوال نامہ میں لکھا گیا ہے، اس طرح دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

نوی الزکاة إلا أنه سماه قرضا جاز في الأصح؛ لأن العبرة للقلب لا اللسان الخ. (درمختار / کتاب الخنثی ۱۰/۵۵۵ زکریا)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا. (شامي ۲۹۱/۳ زکریا)

ومن أعطی مسکینا دراهم وسماها هبة، أو قرضاً ونوی الزکاة، فإنه تجزیه وهو الأصح. (الفتاویٰ الهندیة ۱۷۱/۱)

ولا یشرط علم الفقر أنها زکاة علی الأصح حتی لو أعطاه شیئاً وسماه هبة أو قرضاً ونوی به الزکاة صحت. (مراقي الفلاح ۳۹۰، مجمع الأنهر ۱۹۶/۱، البحر الرائق ۳۷۰/۲ زکریا)

وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء، وتحته في الشامية: قوله نية: أشار إلى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو فرضاً تجزيه في الأصح. (شامي ۱۸۷/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ملازم پر قرض کی رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑ نا؟

سوال (۲۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مزدور ایک کارخانہ والے مالک کے پاس کام کرتا تھا، اس نے کام کے دوران کچھ رقم قرض کے طور پر لیا تھا، اب اس مزدور کی حیثیت نہیں ہے کہ وہ رقم قرض والی ادا کرسکے، تو کیا کارخانہ دار اس رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑ سکتا ہے، اگر زکوٰۃ کی نیت سے نہیں چھوڑ سکتا تو حیلہ کی کوئی صورت ہو تو وضاحت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں قرض کی رقم کو زکوٰۃ کی نیت سے چھوڑنا تو جائز نہیں ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ مالک مذکور مقروض ملازم کو زکوٰۃ کی رقم دے کر اسے مالک بنادے اور پھر اس سے اپنے قرض کا مطالبہ کرے، اور اس سے قرض وصول کرے۔

ولو أبرأ رب الدين المديون بعد الحول فلا زكاة. (درمختار / باب زكاة المال ۲٤٠/۳ زكريا)

ولا يجزئ عن الزكاة دين أبرئ عنه فقير بنيتها والحيلة أن يعطي المديون زكاته ثم يأخذها عن دينه. (طحطاوي ۳۹۰)

وحيلة الجواز أن يعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه، ولو امتنع المديون مدَّ يَدَه وأخذها لكونه ظفر بجنس حقه. (الدرالمختار مع الشامي/ كتاب

الزکاۃ ۳/ ۱۹۰ زکریا، کذا في البحر الرائق / کتاب الزکاۃ ۲/ ۳۷۰) **فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۴/۴/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تاجر مقروض کو زکوٰۃ دینا

سوال (۲۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے دولڑکے ملازمت کرتے ہیں؛ لیکن اس کے باوجود وہ لوگوں کا کافی مقروض ہے، اوراس کی دو بیٹیاں جوان گھر میں ہیں، کیا ایسے آدمی کوزکوٰۃ دی جاسکتی ہے، نیز اس کے پاس میرا قرض ہے اگر میں نیت کرلوں قرض میں سے زکوٰۃ کی رقم اسے چھوڑتا ہو، تو کیا میری طرف سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ یہ مقروض شخص مالک نصاب نہ ہو، یا مالک نصاب تو ہے؛ لیکن قرضہ اس سے کہیں زیادہ ہے، تو اس مقروض کو اتنی زکوٰۃ دینا درست ہے کہ اس کے ذریعہ قرضہ ادا کردے، پھر بقدر نصاب اس کے پاس باقی نہ رہے، تو اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن مقروض کو زکوٰۃ کی نیت کرکے قرض سے بری کرنا ادائے زکوٰۃ کے لئے کافی نہیں؛ البتہ اگر مقروض کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے پھر اس سے اپنے قرض میں وصول کرلی جائے تو درست ہے۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ ...... وَالْغَارِمِيْنَ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن قبيصة بن مخارق ...... قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم ...... يا قبيصة! إن المسئلة لا تحل إلا لأحد ثلاثة: ...... ورجلٌ أصابته جائحةٌ احتاحت ماله فحلت له المسئلة ......الخ. (صحيح مسلم ١/ ٣٣٤ رقم: ١٠٤٤، بحواله: لمعات التنقيح

في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٣٠٠ دار النوادر)

مـديـون لا يـملک نصابا فاضلا عن دينه، وفي الظهيرية: الدفع للمديون أولى منه للفقير. (الدرالمختار مع الشامي ٣/ ٢٨٩ زكريا)

وكـره إعطاء فقير نصابا أو أكثر إلا إذا كان المدفوع إليه مديوناً، أو كان صـاحـب عيـال بـحيث لو فرقه عليهم لايخص كلا، أو لا يفضل بعد دينه نصاب فلا يكره. (الـدر الـمـختـار مع الشامي / باب المصرف ٣/ ٣٠٤ زكريا، مجمع الأنهر الزكاة / في بيان أحكام المصارف ١/ ٣٣٣ بيروت)

قوله: والمديون أطلقه كالقدوري، وقيده في الكافي بأن لا يملک نصابا فـاضلاً عـن ديـنـه؛ لأنـه الـمراد بالغارم في الآية، وهو في اللغة: من عليه دين ولا يـجـد قـضـاء كـما ذكره القُتَيبي ...... وفي الفتاوىٰ الظهيرية: الدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير. (البحر الرائق / باب المصرف ٢/ ٢٤٢ كراچی)

سـئل الشيخ أبو حفص الكبير عمن يعطي الزكاة إلى الفقراء أحب أم إلى مـن عليه دين ليقضي دينه؟ قال: إلى من عليه الدين ليقضي دينه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٢٢١ رقم: ٤١٨٣ زكريا)

ولـو أبـرأ رب الـدين المديون بعد الحول فلا زكاة. (الـدر الـمختار مع الشامي ٣/ ٢٤٠ زكريا)

وحيـلة الـجـواز أن يـعطى مديونه الفقير زكاته، ثم يأخذها عن دينه. (الدر المختار مع الشامي ٣/ ١٩٠ زكريا)

ولو قضىٰ دين الفقير بزكاة ماله إن كان بأمره يجوز. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٩٠)

فـإن كـان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دون المائتين لا بأس به. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٨، فتح القدير ٢/ ٢٧٨ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/ ۷/ ۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک کے مقروض کو زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے رشتہ داروں میں کچھ ایسے لوگ ہیں، مثلاً بکر ہے، ان کے پاس مکان اور فیکٹری ہے، مگر یہ سب جائیداد بینک میں گروی ہے، اور جو رقم بینک سے اس کے عوض لیا تھا وہ سب نقصان ہوگیا، یہ مقروض ہے، دوسری کوئی جائیداد بھی نہیں، بکر کے پاس جو فروخت کر کے بینک کے قرض سے سبک دوش ہو جائے، اب اس حال میں زید اپنی زکوٰۃ کی رقم کو بکر کی زندگی کے گذران کے لئے اور بکر کے بچوں کی شادی بیاہ کے لئے اور بکر کی جائیداد کو بینک سے نکالنے کے لئے دے سکتا ہے یا نہیں؟ ایسے لوگوں پر استعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟ شریعت کی نظر میں ایسے لوگوں پر زکوٰۃ استعمال کرنے پر زید کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بکر کے پاس اتنی مالیت ہو کہ بینک کے کل قرض کو ادا کرنے کے بعد اس کے پاس بقدر نصاب مال نقدی یا مالِ تجارت کی شکل میں موجود رہے تو اسے زکوٰۃ دینی درست نہیں ہے، اور اگر قرض کی رقم اس کی موجودہ مالیت سے زائد ہو تو اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، پھر بھی قیمت نصاب (۶۱۲ رگرام ۳۶۰ رملی گرام چاندی یا اس کی قیمت) (ایضاح المسائل ۱۰۲) کے بقدر دینا مکروہ ہوگا، بہتر ہے کہ ایک وقت میں ایک شخص کو نصاب سے کم ہی زکوٰۃ دی جائے۔

ومديون لا يملك نصاباً فاضلاً عن دينه. (درمختار ۲۸۹/۳)

ويكره أن يدفع إلى رجل مائتي درهم فصاعداً وإن دفعه جاز. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۸/۱ كذا في الهداية ۲۰۷/۱)

الدفع للمديون أولى منه الفقير، أي أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه. (الدرالمختار ۲۸۹/۳ زكريا، كذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح ۳۹۲ كراچي)

وأما الغارمون فهم الذين لزمهم الدين فهم محل الصدقة، وإن كان في أيديهم مال إذا كان المال لايزيد على الدين قدر مائتي درهم فصاعداً. (الفتاوى التاتارخانية ۲۰۲/۳ رقم: ۴۱۳۱ زكريا)

أخرج مسلم حديثاً طويلاً ...... فيه : يا قبيصة: إن المسئلة لاتحل إلا لأحد ثلاثة: رجل تحمل حمالة فحلت له المسئلة، حتى يصيبها ثم يمسكها. (صحيح مسلم / باب من تحل له المسئلة ۳۳۴/۱ رقم: ۱۰۴۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۵/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقروض صاحبِ جائیداد کا زکوٰۃ لینا؟

سوال (۲۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ہے جس کے اوپر تقریباً ۶۵/ ہزار روپیہ قرض ہے، نوعیت اس کی اس طرح سے ہے، اس کے پاس ایک کھیت سولہ ۱۷/ بیگھہ کا ہے، اس کھیت میں کسی قسم کی پیداوار نہیں ہوسکتی، اس وجہ سے وہ بک بھی نہیں سکتا ہے، ایک دوسرا کھیت ہے جو تقریباً ڈھائی بیگھہ ہے، جس سے وہ اپنا گذر بسر کررہا ہے، مکان بھی اس کا خود کا ہے جو اس کی ضرورت کے مطابق رہنے کے لائق ہے، کیا یہ شخص زکاۃ لیکر اپنا قرض ادا کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: برتقدیر صحت واقعہ مذکورہ مجبور شخص بقدر ضرورت زکوٰۃ لے کر اپنا قرض ادا کرسکتا ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۳۷۳/۷)

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغاز في سبيل اللّٰه، أو لعامل عليها، أو لغارم. (سنن أبوداؤد / باب من يجوز له أخذ الصدقة وهو غني ۲۳۱/۱ رقم: ۱۶۳۵، الفتاویٰ التاتارخانية ۲۰۲/۳ رقم: ۴۱۳۱ زكريا)

ومنها الغارم: وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه ...... والدفع إلى من عليه الدين أولى من الدفع إلى الفقير. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۶/۷/۱۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے میت کا قرض ادا کرنا؟

سوال (۲۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید مقروض تھا اوراس کا انتقال ہوگیا ہے، زید کے مقروض ہونے کا علم اس کے گھر والوں کو ہے یا نہیں واللہ اعلم، عمر زید کا قریبی دوست ہے، عمر کو زید کے مقروض ہونے کا علم ہے، کیا زید کی طرف سے عمر اپنی زکوٰۃ کی رقم سے زید کا قرض ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ اوراس صورت میں عمر کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ یا عمر کو اپنی زکوٰۃ کی رقم کا تملیک کرانا ضروری ہے، کتاب وسنت کی روشنی میں جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میت کی طرف سے زکوٰۃ کی رقم سے قرض لے کر ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اس کے لئے تملیک لازم ہے، اوراگر میت نے اپنے قرض کی ادائیگی کی وصیت کی ہے اور ترکہ بھی چھوڑا ہے، تو اسی ترکہ سے اس کے قرض کی ادائیگی ہونی چاہئے، زکوٰۃ کا پیسہ ایسے شخص کے قرض کی ادائیگی میں نہیں لگانا چاہئے۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۲۶۰/۴، فتاویٰ محمودیہ ۴۷۶/۹)

أخرج عبد الرزاق عن الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله من يحبس على النفقة من ذوي أرحامه ولا يعطيها في كفن ميت ولا دين ميت. (المصنف لعبد الرزاق / باب لمن الزكاة ۱۱۳/٤ رقم: ۷۱۷۰ بيروت)

إذا قضى دين غيره من زكاته، فإن قضى بأمر المديون وكان المديون

فقيراً يجوز، وإن أدى بغير أمره لايجوز، ولا يتصور قضاء الدين عنه إلا بعد تمليك قدر الزكاة عنه؛ لأنه لم يرض بوقوع الملك له، فلا يمكن أن يجعل هذا تمليكا منه؛ فلهذا لا يخرج عن العهدة. (المحيط البرهاني ۲/ ٤٨٠ کوئٹہ)

ولا يقضي بها دين الميت. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٨، تبيين الحقائق ٢/ ١٢٢)

ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه لعدم صحة التمليك منه. (الدر المختار/ باب المصرف ٢/ ٣٤٤ کراچی)

ولا يقض بها دين ميت. (الفتاوى التاتارخانية ٣/ ٢٠٨ رقم: ٤١٤٠ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۲/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجبور اور لاچار شخص کا زکوٰۃ لے کر قرض ادا کرنا؟

سوال (۲۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس ایک دوکان ہے، جس میں ۵۶/ ہزار روپیہ کا مال ہے، اور اس کے اوپر اور لوگوں کے ۶۱/ ہزار روپئے ہیں، جو اس کے ذمہ قرض ہیں، اور زید کا قرض جو لوگوں پر ہے اور اس کو لینا ہے وہ ۴۴/ ہزار ہے، جس میں سے صرف بارہ ہزار روپیہ ملنے کی امید ہے، وہ بھی ہلکی سی، اور باقی ڈوب جانے کی امید ہے اور وہ ۱۲/ ہزار روپیہ بھی پتہ نہیں کب ملیں گے، اور دوکان بھی اپنی نہیں ہے، دوسرے شخص کی ہے، اس کو کرایہ دیا جاتا ہے، وہ دوکان بیچ کر بھی قرضہ ادا نہیں کرسکتا؛ کیوں کہ وہ غیر کی امانت ہے، اور زید سارا مال بیچ کر بھی قرضہ ادا کرنا چاہتا ہے، اس کے لئے اس نے کوشش بھی کی، مگر وہ بھی اکٹھا سب ایک ساتھ نہیں بک پا رہا ہے، اور مزید یہ کہ اس کی دوکان سے آمدنی بھی اتنی نہیں ہوتی ہے کہ جن کو اکٹھا کر کے وہ جلد سے جلد قرض ادا کردے، آمدنی بھی صرف اتنی ہوتی ہے جس سے بمشکل اور بہت کفایت سے گھر کا خرچ ہی چل پاتا ہے، گھر بھی رہائش کے لئے کرایہ کا ہے اپنا نہیں ہے، تو گھر کا خرچ اور مکان کا کرایہ بھی بڑی مشکل سے دوکان سے نکل پاتا ہے، حالات بہت نازک ہیں اور دوکان کے علاوہ کوئی اور ذریعہ معاش نہیں ہے، اور بیوی کے

پاس زیور بھی نہیں ہے، جس کو بیچ کر قرض ادا کردے، تو کیا ایسا شخص زکوٰۃ کا مستحق بنتا ہے یعنی وہ زکوٰۃ کے مال کو لے کر اپنے اوپر خرچ نہ کرکے صرف قرضہ کی ادائیگی میں دے کر قرض سے سبکدوش ہوسکتا ہے یا نہیں، یعنی زکوٰۃ کے مال سے قرض ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے آپ اپنی دوکان میں موجود ۵۶/ہزار روپیہ کا سامان فروخت کر کے قرضہ ادا کریں اور اس دوران آپ اپنا قرضہ جو دوسروں پر ہے، اسے وصول کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اور جیسے جیسے قرضہ وصول ہوتا رہے اس سے اپنے قرضہ کی ادائیگی کرتے رہیں، اگر یہ سب مال دینے کے باوجود بھی آپ کا قرضہ رہ جائے تو اس مجبوری کی صورت میں بچے ہوئے قرضہ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ لے سکتے ہیں، اس کے بغیر لینا جائز نہیں۔

عن معقل قال: سألت الزهري عن ﴿الْغَارِمِيْنَ﴾ قال: أصحاب الدين ﴿وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ وإن كان غنيًا. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٢٤/٢ رقم: ١٠٦٦٢ بيروت)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من ملك نصاباً سواء كان من النقود أوالسوائم أو العروض. (شامي ٢٩٧/٣ زكريا، هداية / باب من يجوز دفع الصدقات إليه ٧٨/٢ مكتبة البشریٰ کراچی)

ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً أي مال كان دنانير أو دراهم أو سوائم أو عروضاً للتجارة أو لغير التجارة فاضلاً عن حاجته في جميع السنة هكذا في الزاهدي. (الفتاویٰ الهندية ١٨٩/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۲/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقروض کو یک مشت نصاب سے زائد رقم دینا؟

سوال (۲۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مقروض ضرورت مند شخص کو پندرہ ہزار روپئے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ ضرورت مند شخص مقروض ہے تو اسے یک مشت نصاب سے زائد رقم دینا بھی جائز ہے۔

ویکره لمن عليه الزكاة أن يعطي فقيراً مائتي درهم ...... هٰذا إذا أعطى مائتي درهم، وليس عليه ولا له عيال، فإن كان عليه دين فلا بأس بأن يتصدق عليه قدر دينه وزيادة ما دون المائتين. (بدائع الصنائع / دفع الزكاة لمالك نصاب يخاف الحاجة ۲/ ۱٦۰ نعيمية ديوبند)

فإن كان مديوناً فدفع إليه مقدار ما لو قضى به دينه لا يبقى له شيء أو يبقى دونه المأتين لا بأس به. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۸۸، الدر المختار مع الشامي / باب المصرف ۳/ ۳۰۳ زكريا، مجمع الأنهر الزكاة / في بيان أحكام المصارف ۱/ ۳۳۳ بيروت، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۲۲۱ رقم: ٤۱۸۵ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۹/۱۴۱۷ھ

مستحق زکوٰۃ کو کاروبار کے لئے نصاب سے زائد رقم دینا؟

سوال (۲۴۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید، عمر، عبداللہ صاحبِ نصاب ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں، ان کی زکوٰۃ کی رقومات تقریباً پچاس ہزار، ایک لاکھ، پانچ لاکھ کے قریب ہوتی ہے، جو کہ تقسیم کردی جاتی ہے؛ لیکن فی الوقت اپنی ہی قرابت دار مستحق زیادہ ہوتے جارہے ہیں، حالاں کہ یہ پہلے کبھی اس قدر زیادہ نہ تھا، زید عمر عبد اللہ کی خواہش ہے کہ زکوٰۃ کی ان رقومات سے مستحق لوگوں کو یہ رقم پوری پوری دے کر کاروبار کرادیا جائے؛ تاکہ آنے والے سالوں میں وہ خود مستحق زکوٰۃ نہ رہ کر صاحبِ نصاب ہوجائیں، اور خود زکوٰۃ ادا کرنے والے بن جائیں۔ براہِ کرم قرآن وحدیث کے دلائل سے جواباً مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شریعت میں زکوٰۃ کا منشا فقراء اور محتاجین کی ضرورتوں کو پورا کرنا ہے، اور ان میں یہ خیال رکھا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ فقراء اور ضرورت منداس رقم سے مستفید ہوں، یہ مقصود نہیں ہے جسے زکوٰۃ دی جارہی ہے وہ خود مالدار بن جائے، شریعت کی اسی سنت کو مدنظر رکھتے ہوئے حضراتِ فقہاء نے کسی ایک مستحق زکوٰۃ کو جب کہ وہ مقروض نہ ہو، نصاب سے زائد رقم یک مشت دینے کو مکروہ لکھا ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر زید عمر عبداللہ اپنی زکوٰۃ کی مکمل رقمیں ایک ایک مستحق کو یک مشت دے دیں تو گوکہ ان کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، مگر ایسا کرنا مکروہ ہوگا۔

ویکره أن یدفع إلی رجل مائتي درهم فصاعداً وإن دفعه جاز. (الفتاویٰ الهندیة ۱/۱۸۸)

ویکره لمن علیه الزکاة أن یعطي فقیراً مائتي درهم أو أکثر، ولو أعطی جاز وسقط عنه الزکاة في قول أصحابنا الثلاثة ...... ولنا: أنه إنما یصیر غنیًا بعد ثبوت الملک له، فأما قبله فقد کان فقیراً فالصدقة لاقت کف الفقیر فجازت، وهٰذا لأن الغنا یثبت بالملک والقبض شرط ثبوت الملک، فیقبض ثم یملک المقبوض ثم یصیر غنیًا، ألا تری أنه یُکره؛ لأن المنتفع به یصیر هو الغني. (بدائع الصنائع ۲/۱۶۰ نعیمیة دیوبند)

سئل الشیخ أبو حفص الکبیر عمن یعطي الزکاة إلی الفقراء أحب أم إلی من علیه دین لیقضي دینه؟ قال: إلی من علیه الدین لیقضي دینه. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/۲۲۱ رقم: ۴۱۸۳ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۷/۹/۱۴۱۷ھ

مدارس ومکاتب میں زکوٰۃ

مدرسہ میں زکوٰۃ دینا افضل ہے یا ضرورت مند کو؟

سوال (۲۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ مدرسہ میں دینا افضل ہے یا ضرورت مند کو؟ تفصیل سے جواب دیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ فقراء اور مساکین کا حق ہے، اور یہ فقراء عام ضرورت مند بھی ہوسکتے ہیں اور مدارس کے طلبہ بھی، قرائن اور حالات دیکھتے ہوئے جہاں زکوٰۃ خرچ کرنے کی ضرورت زیادہ ہو اس میں خرچ کرنا زیادہ موجبِ ثواب ہوگا۔ اور یہ واضح رہنا چاہئے کہ مدارس میں خرچ کرنے سے زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ علومِ دینیہ کی نشر واشاعت کا ثواب بھی ملتا ہے۔ اسی طرح ضرورت مند اگر پڑوسی یا قریبی رشتہ دار ہو تو اس کو زکوٰۃ دینے سے بھی دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن منصور قال: کان یقال: إنما الصدقات للفقراء والمهاجرین. (مصنف ابن أبي شيبة ٤٣٢/٢ رقم: ١٠٧٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن سلمان بن عامر عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: إن الصدقة علی المسکین صدقة، وعلی ذي الرحم اثنتان: صدقة وصلة. (سنن النسائي، الزكاة / باب الصدقة على الأقارب ٢٧٨/١، سنن الترمذي ١٤٢/١ رقم: ٦٥٣، سنن ابن ماجة ١٣٢/١ رقم: ١٨٤٤)

مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنى شيء، ومسكين من لا شيء له الخ. إن طالب العلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب (درمختار) **وفي الشامي: والأوجه تقييده بالفقير الخ.** (شامي ٣/٢٨٣-٢٨٦ زكريا، كذا في مراقي الفلاح / باب المصرف ٧١٩ قديمي)

التصدق على العالم الفقير أفضل أي من الجاهل الفقير. (شامي ٣/٣٠٤ زكريا، البحر الرائق / باب المصرف ٢/٤٣٦ رشيدية)

وقيد بالولاد لجوازه لبقية الأقارب كالإخوة والأعمام والأخوال الفقراء؛ بل هم أولى؛ لأنه صلة وصدقة. (شامي ٣/٢٩٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مستحق مدارس میں زکوٰۃ دینے کا دوگنا اَجر ملتا ہے

سوال (۲۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان میں مسلمانوں کی حکومت کے خاتمہ کے بعد حضراتِ علماء کرام واکابرین نے ہندوستانی مسلمانوں کے دین وایمان کی بقاء کے لئے جو لائحۂ عمل تیار کیا تھا، وہ عوامی چندہ سے چلنے والے مدارس کا قیام ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ان کی فراست ایمانی اور بصیرت افروز فیصلہ کے سبب ان مدارسِ دینیہ سے ہندوستانی مسلمانوں کو بڑی تقویت اور استحکام ملا اور ان کو دینی فکر ورجحان دینے میں ان مدارس کا بڑا نمایاں رول اور کردار رہا، اگر ہمارے اکابرین نے ہندوستان میں مدارس کا جال نہ پھیلایا ہوتا تو یہ ہندوستان کب کا دوسرا اندلس بن چکا ہوتا؛ لیکن ان مدارس کے ہوتے ہوئے دشمنوں کی ساری تدبیریں ناکارہ ہوتی چلی گئیں۔ مگر افسوس یہ ہے کہ اِدھر کافی دنوں سے مسلمانوں کی نام نہاد تنظیمیں ان مدارس کے خلاف سازشیں کر رہی ہیں، اور عوام وخواص کے دلوں میں علماء ومدارس کے خلاف نفرت کے بیج بو رہی ہیں؛ لہٰذا وضاحت فرمائیں کہ اہلِ مدارس کو زکوٰۃ کی جو رقم

دی جاتی ہے، اس سے لوگوں کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ عام غرباء اور اہلِ مدارس کو زکوٰۃ دینے میں یکساں ثواب ہے یا مدارس کو دینے میں کچھ فضیلت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحق مدارس کو زکوٰۃ دینے سے یقیناً زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، اور مدارس میں زکوٰۃ دینے والوں کو دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک تو زکوٰۃ کی ادائیگی کا، دوسرے علم کی اشاعت اور دین کے تحفظ کا۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲؍۳-۵)

إذا دفع الزكاة إلى الفقير لايتم الدفع ما لم يقبضها، أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه. (الفتاوى الهندية ١/١٩٠ دار الفكر بيروت)

التصدق على الفقير العالم أفضل من التصدق على الجاهل. (الفتاوى الهندية ١/١٨٧ دار الفكر بيروت، كتاب المسائل ٢/٢٧١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹؍۵؍۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قریبی علاقائی مدرسہ کو چھوڑ کر دُور کے مدارس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: قریبی علاقہ میں غرباء اور مدارس ہوتے ہوئے دور دراز مدارس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو مدارس زیادہ ضرورت مند ہیں، ان میں اسی اعتبار سے تعاون کرنے کا ثواب زیادہ ہے، خواہ وہ قریب ہوں یا دور۔

وأخرج البيهقي وعلقه البخاري عن معاذ أنه قال لأهل اليمن: ائتوني بكل خميس وليس أخذه منكم مكان الصدقة، فإنه أرفق بكم وأنفع للمهاجرين والأنصار بالمدينة. (نيل الأوطار، الزكاة / أبواب تفرقة الزكاة في بلدها ٤/٢١٥-٢١٦ دار الباز)

إن فقـراء بلدة أخرى أكثر حاجة، فالصرف إلى فقراء بلدة أخرى أولٰى.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۲۲٤/۳، تحت رقم: ٤١٨٩ زكريا)

إلا إلـى قـرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين. (درمختار مع الشامي ۳۰٤/۳ زكريا)

ويكره نقل الزكوٰة من بلد إلى بلد ...... إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلـى قـوم هم أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة. (الفتاوى الهندية ۱۹۰-۲۰۸/۱ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۵/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن مدارس میں نادار غریب طلبہ ہوں وہاں زکوٰۃ کی رقم اور غلہ دینا جائز ہے؟

سـوال (۲۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ وغیرہ مدرسہ میں لگ سکتی ہے یا نہیں؟ پھر انشاء اللہ ہم اپنے یہاں کا سب غلہ آپ کے مدرسہ میں دیا کریں گے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الـجواب وبالله التوفيق: جن مدارس میں نادار طلبہ مقیم رہتے ہیں وہاں زکوٰۃ کی رقم لگائی جاسکتی ہے۔ اسی طرح آپ چاہیں تو اپنا غلہ مدارس میں دے سکتے ہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

إن طـالـب الـعلم يجوز له أخذ الزكاة ولو غنيًّا إذا فرغ نفسه لإفادة العلم واستفادته لعجزه عن الكسب. (شامي ۲۸٦/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۰/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں مستحقِ زکوٰۃ طلبہ نہ ہوں اس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس مدرسہ میں دارالاقامہ نہ ہو اور بچے تعلیم حاصل کرکے گھر چلے جاتے ہوں، تو کیا ایسے مدرسہ کے لئے زکوٰۃ، صدقات اور عطیات وصول کرکے وہاں خرچ کرنا، اور تعمیری کام کرانا جائز ہے؟ ایسے ادارہ میں تملیک کی کیا صورت ہوگی؟ جب کہ وہاں مستحقین طلبہ موجود نہیں ہے؟ شرعی حکم لکھ کر ممنون فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ مدرسہ میں تعمیرات کے لئے صرف نفلی عطایا وصول کئے جائیں، اس مقصد کے لئے زکوٰۃ وصدقات وصول کرنا جائز نہیں، اور بلاضرورت تملیک کی بھی اجازت نہیں؛ کیوں کہ تملیک کی اجازت صرف شدید ضرورت کے وقت ہوتی ہے، عام حالات میں نہیں۔ بریں بنا اگر اہل مدرسہ تعمیر وغیرہ غیر مصارف میں زکوٰۃ کا روپیہ لگائیں گے، تو زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اہل مدرسہ اس رقم کے ضامن ہوں گے۔ (کفایت المفتی ۴/۲۸۵-۲۸۶، فتاویٰ رحیمیہ ۲/۳۶۸)

ولایجوز أن یبني بالزکاۃ المسجد، وکذا القناطیر والسقایات، وإصلاح الطرقات وکری الأنهار، والحج والجهاد، وکل مالا تملیک فیه. (الفتاوی الهندیة ۱/۱۸۸ دار الفکر بیروت)

لا یصرف إلی بناء نحو مسجد وتحته في الشامي قوله: نحو مسجد کبناء القناطیر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج وکل مالا تملیک فیه. (در مختار مع الشامي ۳/۲۹۱ زکریا)

فذهب علمائنا رحمهم اللّٰه إلی أن کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أو لإبطال شبهة فیه أو لتمویهٍ باطلٍ فهي مکروهة، وفي العیون: وفي

جامع الفتاویٰ لا یسعه ذٰلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۱۱/۱۰ رقم: ۱٤۸٤٥ زکریا، الفتاوی الهندية ۳۹۰/٦ دار الفکر بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۷/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن مدارس میں صرف مقامی طلبہ پڑھتے ہوں اُن میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: وہ دینی مدارس جن میں مقامی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، باہری بچوں کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، کیا ان مدارس میں زکوٰۃ کی رقم کو تملیک کی صورت میں بدل کر استعمال کرسکتے ہیں؟ اسی طرح اس مدرسہ میں غریب ونادار طلبہ بھی ہیں جن کو زکوٰۃ کی رقم دیدی جائے اور پھر ان سے فیس کے نام پر جمع کرالیا جائے، یا ان بچوں کی کتب، کپڑوں وغیرہ کا انتظام کردیا جائے تو یہ درست ہے؟ واضح فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تملیک شرط ہے؛ اس لئے جن مدارس میں زکوٰۃ کا مصرف موجود ہے، اُن کے لئے زکوٰۃ لینا درست ہے اور جہاں مصرف موجود نہیں ہے، اُن کے لئے زکوٰۃ لینا اور پھر حیلۂ تملیک کرنا درست نہیں۔ مسئولہ صورت میں اگر غریب ونادار طلبہ کو زکوٰۃ کی رقم کا واقعۃً مالک بنادیا جائے تو اس سے بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

(مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۲۳۱/۸، فتاوی دارالعلوم ۲۱۵/٦، ایضاح النوادر ۴۸/۲)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا. (درمختار ۳٤٤/۲ کراچی، مجمع الأنهر ۲۸٤/۱ بیروت، البحر الرائق ۲۰۹/۲ کراچی)

ورکن الزکاة: هو إخراج جزء من النصاب إلی اللّٰه تعالی، وتسلیم ذلک إلیه، یقطع المالک یده عنه بتملیکه من الفقیر وتسلیمه إلیه. (بدائع الصنائع ۱٤۲/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲٦/۱۱/۲۳ھ

جس مدرسہ میں طلبہ کے قیام وطعام کا نظم نہ ہو اُس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۵۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں ساٹھ ستر لڑکے پڑھتے ہیں، اس میں لڑکوں کے لئے کھانے پینے کا انتظام نہیں ہے، مدرسین کرام کی تنخواہ اور طلبہ کے لئے کتاب خریدنے کے لئے زکوٰۃ اور فطرہ کا روپیہ لینا جائز ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے چھوٹے ادارہ کو چلانے کے لئے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ میں حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں ہے، کوشش کی جائے تو اس طرح کے اداروں کا خرچ آسانی عطیات کی رقومات سے چل سکتا ہے، اس لئے ان میں زکوٰۃ کا پیسہ بالکل استعمال نہ کیا جائے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

هو أي مصرف الزكاة الفقير وهو من له شيء دون نصاب فيجوز الدفع له ولو كان صحيحاً مكتسبًا كما في العناية. (مجمع الأنهر، الزكاة / باب في بيان أحكام المصارف ٢٢٠/١ دار إحياء التراث بيروت)

وأما الاحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان. (عمدة القاري ١٠٩/٢٤، بحواله حاية: فتاویٰ محمودیه ١٥٤/١٤ میرٹھ) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہ پڑھتے ہوں اس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۵۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا زکوٰۃ کا پیسہ ایسے دینی مدرسہ (جس میں بیرونی طلبہ نہ پڑھتے ہوں) میں لگ سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیرونی بچے ہونا ضروری نہیں؛ بلکہ اگر اس مدرسہ میں

مقامی غریب طلبہ پڑھتے ہیں اور مدرسہ ان کے قیام وطعام کا کفیل ہے، تو اس صورت میں مصرفِ زکوٰۃ موجود ہونے کی وجہ سے اس مدرسہ میں زکوٰۃ دینا درست ہوگا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن منصور قال: كان يقال: إنما الصدقات للفقراء والمهاجرين. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٣٢/٢ رقم: ١٠٧٣٦ دار الكتب العلمية بيروت)

عن جابر بن زيد أنه سئل عن الفقراء والمساكين فقال: الفقراء المتعففون والمساكين الذي يسألون. (المصنف لابن أبي شيبة / ما قالوا في الفقراء والمساكين من هم ٤١٨/٢ رقم: ١٠٥٩١ دار الكتب العلمية بيروت)

حدثنا مغفل قال: سألت الزهري عن قوله تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ قال: الفقراء الذي في بيوتهم ولا يسألون، والمساكين الذي يخرجون فيسألون. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٨/٢ رقم: ١٠٥٩٤ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الضحاك بن مزاحم: الفقراء الذين هاجروا الخ. (المصنف لابن أبي شيبة ٤١٨/٢ رقم: ١٠٥٩٣ دار الكتب العلمية بيروت)

أي مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنى شيء، ومسكين من له شيءٌ، المراد بالشيء: النصاب النامي. (تنوير الأبصار على الدر المختار ٣٣٩/٢ كراچی، ٢٨٣/٣ زكريا، كذا في الهداية ٢٠٤/١ مكتبة البشرىٰ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۹/۱/۱۴۱۲ھ

گاؤں کے چھوٹے مدرسہ میں زکوٰۃ اور چرمِ قربانی کا پیسہ خرچ کرنا؟

سوال (۲۵۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ آباد ہے؛ لیکن باہر کے بچے نہیں ہیں، صرف گاؤں کے بچے امیر وغریب سبھی تعلیم

حاصل کرتے ہیں،تو ان گاؤں کے بچوں کی تعلیم کے لئے جو مدرسہ آباد ہے،اس میں زکوٰۃ،فطرہ، چرمِ قربانی اور صدقہ وغیرہ کی رقم کسی دوسرے مدرسہ سے یا کسی غریب شخص سے تملیک کراکے مدرسہ کے کام میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے اداروں کے لئے صرف نفلی عطیات کی رقمیں حاصل کرنی چاہئیں،ان کے لئے حیلۂ تملیک کی اجازت نہیں دی جائے گی۔

فمذهب علمائنا رحمهم الله إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإبطال شبهة فيه أو لتمويهٍ باطل فهي مكروهة، وفي العيون: وفي جامع الفتاویٰ لا يسعه ذلک. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۱۱/۱۰ رقم: ۱٤٨٤٥ زكريا، الفتاوى الهندية ۳۹۰/٦ بيروت)

أما الإحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفي: في الكافي عن محمد ابن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام الله بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق. (عمدة القاري ۱۰۹/۲٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۵/۳/۱۴۱۲ھ

مدرسہ کے نابالغ سمجھ دار بچوں پر زکوٰۃ خرچ کرنا؟

سوال (۲۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسوں میں جو نابالغ بچے تعلیم حاصل کرتے ہیں اور کھانا بھی مدرسہ ہی سے کھاتے ہیں، جب کہ صرف ہونے والی رقم زکوٰۃ فطرہ ہوتی ہے،تو وہ رقم ان پر صرف ہوسکتی ہے؟ اور زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نابالغ سمجھ دار بچوں پر تملیکاً خرچ کرنے سے زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے۔

ولو قبض الصغير وهو مراهق جاز، وكذا لو كان يعقل القبض. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۹۰)

ويصرف إلى مراهق يعقل القبض. (شامي / باب المصرف ۳/ ۲۹۱ زكريا)

سئل عبد الكريم عمن دفع زكاة ماله إلى صبي؟ قال: إن كان مراهقًا يعقل الأخذ يجوز، وإلا فلا، وفي الخانية: وكذا لو كان الصبي يعقل القبض بأن كان لا يرمي به ولا يخدع عنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۱ رقم: ٤١٥٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۷/ ۱۴۱۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایڈیڈ مدارس میں زکوٰۃ اور چرم قربانی دینا

سوال (۲۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایڈیڈ مدارس کو زکوٰۃ کی رقم، چرم اضحیہ اور عطیات دینا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی ایڈیڈ (سرکاری امداد یافتہ) مدرسہ میں اگر نادار طلبہ کے طعام وقیام کا نظم ہو تو ان کے لئے چرم قربانی اور عطیات دینا درست ہے۔

مصرف الزكاة هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲۸۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۵/ ۱۴۲۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے قیام کیلئے زکوٰۃ وصدقات کا پیسہ وصول کرنا؟

سوال (۲۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس مدرسہ کا ابھی صرف کاغذوں میں وجود ہو اور اس کی کمیٹی بھی تشکیل دی جا چکی ہو؛ لیکن

وہاں نہ طلبہ نہ تعلیم اور نہ ہی مدرسین کا نظم ہوسکا ہو، تو کیا ایسے مدرسہ کے لئے زکوٰۃ، صدقات اور عطیات کا وصول کرنا جائز ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدرسہ کا ابھی صرف کاغذی وجود ہو، اس کے لئے صدقہ خیرات کی رقم جمع کرنا درست نہیں؛ بلکہ صرف نفلی عطایا وصول کرکے منصوبہ کی تکمیل کی جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹۹/۱۳، فتاوی رحیمیہ ۲۳۱/۸)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من سألكم باللّٰه فأعطوه ...... الخ. (السنن الكبرىٰ ٣٣٤/٤ رقم: ٧٨٩٠ بيروت)

عن فاطمة بنت قيس عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن في المال حقًا سوى الزكاة. (سنن الترمذي ١٤٣/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۷/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بریلوی مسلک کے حامی مدرسہ میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۶۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دیوبندی عقیدہ رکھنے والے کسی ایسے مدرسہ کو اپنی زکوٰۃ دینا درست ہے یا نہیں جو بریلوی مسلک کا حامی ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس مدرسہ میں زکوٰۃ کا مصرف ہے، یعنی مستحقینِ زکوٰۃ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور زکوٰۃ کا روپیہ احتیاط کے ساتھ ان پر خرچ کیا جاتا ہے، تو انہیں زکوٰۃ دینا درست ہے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ولا تجوز الزكاة إلا إذا قبضه الفقير...... لأن التمليك لا يتم بدون القبض. (الفتاویٰ الولوالجية، كتاب الزكاة ۱۷۹/۱ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا چھوٹے مکاتب اور مساجد میں زکوٰۃ لگانا درست ہے؟

سوال (۲۶۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں بیرونی طلبہ نہ ہوں اور نہ ہی مستحق طلبہ کہ جن پر زکوٰۃ فطرہ چرم قربانی ودیگر صدقات وعطیات کی رقومات خرچ کی جاسکے، امام صاحب کو اس صورت میں مذکورہ رقومات اکٹھا کر کے مسجد کے وضوخانہ میں لگانا، یا مسجد کے کسی کام میں لگانا جائز ہوگا یا نہیں؟ البتہ محلے کے بچے مسجد میں پڑھتے ہیں، تو ان پر خرچ کرنا کسی صورت میں جائز ہے؟ ایسا غلط کرنے والے کے پیچھے نماز ادا کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن مدارس ومکاتب میں زکوٰۃ کے مصارف نہ ہوں اُن کے لئے زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی کی قیمت وصول کرنا جائز نہیں ہے، اس طرح کی رقومات مسجد کے کسی کام میں بھی نہیں لگائی جاسکتی ہیں؛ البتہ اگر مدرسہ ضرورت مند جگہ پر واقع ہو اور امدادی فنڈ سے مدرسہ کی ضروریات مثلاً استاذ کی تنخواہوں کا انتظام نہ ہوسکتا ہو تو تملیک کر کے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم تنخواہوں میں لگائی جاسکتی ہے، اور امام کو چاہئے کہ وہ خوش اخلاق ہو اور مقتدیوں کے ساتھ نرم روی کا معاملہ کرے، اور مقتدیوں کو چاہئے کہ وہ حکمتِ عملی کے ساتھ امام صاحب کو سمجھانے کی کوشش کریں اور بلا وجہ امام کو بدنام کرنے سے باز آئیں۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۱۹/۶-۲۰۸-۲۳۰، محمودیہ ۵۹۴/۹ ڈابھیل، کفایت المفتی ۲۶۰/۴، احسن الفتاوی ۲۸۲/۴، فتاویٰ رشیدیہ ۴۴۳ کتاب الفتاویٰ ۳۰۶/۳، اِمداد المفتیین ۴۶۴، اِمداد الفتاوی ۱۸/۲)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن اللّٰه تعالى قد فرض عليهم زكاة تؤخذ من أموالهم وترد على فقرائهم.

(صحيح البخاري ١٩٦/١، صحيح مسلم ٣٦/١)

مصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء ...... ومسكين من لا شيء له على المذهب. (درمختار على الشامي ٢٨٣/٣-٢٨٤ زكريا، عالمگيري ١٨٧/١، البحرالرائق ٢٤٠/٢، بدائع الصنائع ١٤٩/٢)

والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير، ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هٰذه الوجوه. (الفتاوى الهندية ٣٩٠/٦دار الفكر بيروت)

والأحق بالإمامة – الأحسن خلقا، بالضم ألفة بالناس. (درمختار على الشامي ٢٩٤/٢-٢٩٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۶/۲/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو مکتب غریب طلبہ کا کفیل نہ ہو اس میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۶۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکتب ہے جس میں صرف مقامی بچے پڑھتے ہیں، جو دونوں وقت پڑھ کر گھر چلے جاتے ہیں، چند طلبہ واساتذہ مدرسہ کی خدمت کے لئے مدرسہ میں قیام کرتے ہیں، جن کا کھانا بستی کے چند اہلِ خیر حضرات کے یہاں سے آجاتا ہے، مدرسہ میں بنانے کی نہ ضرورت ہے اور نہ ہی مدرسہ میں مطبخ قائم ہے، تو کیا ایسے مدرسہ میں صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی وغیرہ کی رقومات دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مکتب میں جہاں غریب ونادار طلبہ کی کفالت نہ کی

جاتی ہو، صدقاتِ واجبہ دینا جائز نہیں ہے۔

عن عطاء بن يسار: أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة: لغازٍ في سبيل اللّٰه، أو لعامل عليها، أو لغارم، أو لرجل اشتراها بماله، أو لرجل كان له جار مسكين، فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين للغني. (سنن أبي داؤد، الزكاة / باب من يجوز له الصدقة وهو غني ٢٣١/١ رقم: ١٦٣٥، سنن ابن ماجة ١٣٢/١ رقم: ١٨٤١، مسند أحمد ٥٦/٣ رقم: ١١٥٥٩)

الصدقة لا يحل إلا للفقير من كل وجهٍ، أو من وجه كابن السبيل. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠٣/٣ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد – تحت قوله – كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه. (درمختار مع الشامي ٣٤٤/٢ كراچی، ٢٩١/٣ زكريا، كذا في تبيين الحقائق / باب المصرف ١٢٠/٢ دار الكتب العلمية بيروت، الفتاویٰ الهندية ١٨٨/١ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکتب کے مقامی بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا؟

سوال (۲۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ وغیرہ کی مد سے جمع شدہ رقم آیا ان بچوں پر خرچ کرنا جائز ہے جو بوقت تعلیم مدرسہ آتے ہیں اور بوقت چھٹی گھر واپس ہوجاتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مکتب میں پڑھنے والے مقامی بچوں پر زکوٰۃ کی رقم

صرف کرنے کی اجازت نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ پتہ چلنا دشوار ہے کہ ان میں سے کون مستحق ہیں اور کون نہیں؟ کیوں کہ جن نابالغ بچوں کے والد صاحبِ نصاب ہیں، ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني، ولا لذى مرة سوي. (سنن الترمذي، كتاب الزكاة / باب ما جاء من لا تحل له الصدقة ١/١٤١ رقم: ٦٤٧)

ولا تدفع إلى غني يملک نصاباً من أي مالٍ كان وعبده وطفله؛ لأنه يعد غنيًا بغناء أبيه عرفًا. (مجمع الأنهر ١/٢٢٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ولايجوز دفعها إلى ولد الغني الصغير كذا في التبيين. (الفتاوى الهندية ١/١٨٩ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۲۴/۶/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ وصدقات کی رقم خرچ کئے بغیر جس مکتب کے بند ہونے کا قوی اندیشہ ہو؟

سوال (۲۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک گاؤں والوں نے اپنے نونہال بچوں کو اسلامی تعلیم سکھانے کی غرض سے مکتب قائم کر رکھا ہے، جس کے لئے صرف ایک مدرس کا انتظام ہے، مدرس کی تنخواہ کے لئے یہ لوگ اپنے ہی گاؤں سے عیدالفطر کے موقع پر صدقۂ فطر اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر چرمِ قربانی وصول کرتے ہیں، اور سال بھر کی تنخواہ کا انتظام اس طرح کر لیتے ہیں، گاؤں والوں کی مالی حالت ۷۵ رفیصد کمزور ہے، دس بارہ لوگوں کو چھوڑ کر بقیہ حضرات پر شرعی طریقہ سے زکوٰۃ بھی واجب نہیں ہے۔ واضح رہے کہ

اس مکتب میں گاؤں ہی کے بچے تعلیم پاتے ہیں، دس بارہ بچے دوسرے گاؤں سے آتے ہیں۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ لوگ جو امداد کے ذریعہ سے مدرس کی تنخواہ کا انتظام نہیں کرسکتے، نیز دینی کام میں پیسے دینے سے بھی لوگ رغبت نہیں رکھتے، ان کے لئے صدقۃ الفطر اور چرمِ قربانی کی رقم سے مدرس کی تنخواہ کا انتظام کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟ بصورتِ جواز تملیک کی بہتر شکل کیا ہوگی؟ بصورتِ عدم جواز مدرسہ بند بھی ہوسکتا ہے۔

نوٹ:- اس مکتب کا قیام دینی تعلیم سے غافل اور دلچسپی نہ رکھنے والے لوگوں کو علم دین کی ترغیب دے کر اور فضائل بیان کرکے عمل میں آیا ہے، ورنہ لوگوں کو دینی مکتب چلانے کا نہ کوئی جذبہ تھا اور نہ یہ فکر تھی کہ بچے جاہل رہ جائیں اور دین سے ناواقف رہ جائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور چرمِ قربانی کی رقم مدرس کی تنخواہ میں دینا جائز نہیں، ہاں اگر واقعۃً مذکورہ مکتب کی مالی حالت اس قابل نہیں کہ بغیر ان رقومات کے اسے باقی نہ رکھا جاسکے، اور مکتب کے بند ہوجانے کا قوی اندیشہ ہے، تو ایسی اضطراری اور مجبوری کی حالت میں مذکورہ رقم حیلۂ تملیک کے ذریعہ مدرس کی تنخواہ میں لگائی جاسکتی ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۱۴۹/۵-۱۵۴-۱۵۷، فتاویٰ دارالعلوم ۲۵۰/۶، فتاویٰ محمودیہ ۶۰۵/۹ ڈابھیل، کفایت المفتی ۲۸۵/۴)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لاتحل الصدقة لغني إلا في سبيل اللّٰه، أو ابن السبيل أو جار فقير يتصدق عليه فيهدى لک أو يدعوک. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة ۲۳۱/۱ رقم: ۱٦۳۷)

ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا تمليک فيه، وإن أريد الصرف إلى هٰذه الوجوه صرف إلى فقير، ثم يأمر بالصرف إليها فيثاب المزكى والفقير. (مجمع الأنهر ۲۲۲/۱ دار إحياء التراث بيروت)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة فلا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه. (الدر المختار ٣/ ٢٩١ زكريا)

وقدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء. (الدر المختار ٣/ ٢٩٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۵/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جن مکاتب کے مصارف عطیات سے پورے نہ ہوتے ہوں اُن میں صدقاتِ واجبہ یا زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲٦٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس مکتب کے مصارف عطیات وغیرہ (علاوہ صدقاتِ واجبہ) کی رقومات سے پورے ہوجاتے ہوں، ایسے مدرسہ کے ذمہ داران کے لئے صدقاتِ واجبہ کی رقم لینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو ان کا مصرف نہ ہونے کی وجہ سے استعمال کا کیا طریقہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: جن مکاتب میں صدقاتِ واجبہ کا مصرف نہیں ہے، اُن کے لئے صدقاتِ واجبہ لینا جائز نہیں ہے، صرف امداد وعطیات پر ہی اکتفاء کرنا چاہئے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: من سألكم باللّٰه فأعطوه ...... الخ. (السنن الكبرىٰ ٤/ ٣٣ رقم: ٧٨٩٠ بيروت)

عن فاطمة بنت قيس عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إن في المال حقًا سوى الزكاة. (سنن الترمذي ١/ ١٤٣)

وفي رواية: أنها سألت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أ في المال حق

سوى الزكاة؟ قالت : فتلا علي: ﴿وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ﴾ (تفسير بن كثير مكمل ١٤٢ دار السلام رياض)

من عليه الزكاة لو أراد صرفها إلىٰ بناء المسجد أو القنطرة لايجوز.

(الفتاوىٰ الهندية ٤٧٣/٢، درمختار مع الشامي ٢٤٤/٢ كراچى)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد – تحت قوله – كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه. (درمختار مع الشامي ٣٤٤/٢ كراچى، ٢٩١/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے طالبِ علم کی ضرورت پوری کرنا؟

سوال (۲۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بکر اتنا غریب ہے کہ تعلیم وغیرہ کے اخراجات برداشت نہیں کرسکتا ہے؛ لیکن عمرو کے حالات الحمد للہ اچھے ہیں، صاحب نصاب ہونے کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کرتا ہے، چاہتا ہے کہ اپنی زکوٰۃ بکر کی تعلیمی اخراجات برداشت کرکے ادا کردوں، آیا یہ زکوٰۃ کی رقم بجائے اس بکر کو سپرد کرنے کے فیس ودیگر اخراجات کی ادائیگی عمرو خود کرتا ہے، تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے بکر کو مالک بنانا ضروری ہے؛ لہٰذا عمرو کو چاہئے کہ وہ اولاً زکوٰۃ کی رقم بکر کے قبضہ میں دیدے اور براہِ راست اس کی تعلیمی ضرورتوں میں خرچ نہ کرے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحة. (درمختار ٢٩١/٣ زكريا)

ولا يجوز الزكاة إلا بقبض الفقراء. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٦ زكريا)

وفي هامشه: أخرج عبد الرزاق عن الشعبي أن شريحاً ومسروقاً كانا لا يجيزان الصدقة، حتى تقبض. (المصنف لعبد الرزاق ١٢٢/٩ رقم: ١٦٥٩١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جدید تعلیمی ثقافتی ادارہ کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال (۲۶۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دہلی میں اس مسلم ثقافت کے گھر کے بارے میں جس کے اغراض و مقاصد مندرجہ ذیل ہیں، اس مرکز کے قیام کا مقصد اسلامی ثقافت کا شعور پیدا کرنا اور مسلمانوں ودیگر قوموں کے مابین افہام وتفہیم راہیں ہموار کرنا ہے، اسلامی تعلیمات اور مسلمانوں کے بارے میں پھیلی ہوئی غلط فہمیوں کا ازالہ بھی اس کا مقصد ہے، یہ مرکز مسلمانوں کو ملک کی اجتماعی زندگی میں بھرپور مدد کرے گا؛ تاکہ وہ دوسری قوموں اور طبقات کے ساتھ مل کر دوستانہ ماحول میں رہ سکیں؛ بلکہ دوستانہ سماج میں اپنا جائز مقام حاصل کرسکیں، اس کے ذریعہ جدید سائنس وٹیکنالوجی ادب اور مختلف فنون کے میدانوں میں مسلمان مردوں اور عورتوں میں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت دی جائے گی، یہ سب پروگرام اسلامی دائرے میں انجام دئے جائیں گے، کیا اس مقصد کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ استعمال ہوسکتی ہے؟ خاص طور پر تعمیری منصوبہ پورا کرنے میں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس ادارہ کے مصارف اور اس کے تعمیری منصوبہ کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ کی رقومات استعمال کرنے کی قطعاً اجازت نہیں ہے، یہ سب ضروریات امدادی عطیات سے ہی پوری کی جائیں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة هو فقير ...... وقيل: طلبة العلم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحة. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲۸۳ زكريا، درمختار ۲/ ۳٤۰ كراچی)

فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱٤ زكريا، كذا في الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۱۸۹)

ولا يصرف إلى بناء نحو مسجد (درمختار) كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه. (شامي ۳/ ۲۹۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۱۰/ ۱۴۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِسکول کالج میں زکوٰۃ دینا؟

سوال (۲۶۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ جو مدارس میں دی جاتی ہے، کیا اس زکوٰۃ میں اسکول کالج وغیرہ بھی شامل ہو سکتے ہیں؟ چوں کہ مدارس کا کام بھی مذہبی معلومات کی غرض سے مسلم قوم کے لئے ضروری ہے، اور اسکول کالج وغیرہ بھی ایک تعلیمی مرکز ہے جو کہ مسلم قوم کا مستقبل بناتا ہے، تو اس طرح اسکول وکالج میں بھی زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ فقراء کا حق ہے، اور عام طور پر اسکول اور کالج میں تعلیم پانے والے فقراء نہیں ہوتے اور نہ ہی وہاں طلبہ پر تملیکاً زکوٰۃ خرچ ہوتی ہے؛ بلکہ فیس لے کر تعلیم دی جاتی ہے، جب کہ دینی مدارس میں طلبہ کی اکثریت غریب طبقہ سے تعلق رکھتی ہے، نیز وہاں غیر مستطیع نادار طلبہ پر یہ زکوٰۃ خرچ کی جاتی ہے؛ لہٰذا مصرف پائے جانے کی وجہ سے مدارس میں زکوٰۃ دینا جائز ہے، اور کالج اور اسکولوں میں دینا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

الزكوٰة هو تمليک المال من فقير مسلم. (البحر الرائق ٢/ ٢٠١)

مصرف الزكوٰة هو الفقير. (شامي ٣/ ٢٨٣ زكريا)

أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين. (درمختار ٢/ ٣٥٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۹/۱۶ ۱۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ وخیرات کا پیسہ جونیئر ہائی اسکول میں لگانا؟

سوال (۲۷۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مدرسہ ہے جس میں جونیئر ہائی اسکول بھی قائم ہے، مدرسہ کا خرچ عوامی چندہ سے چلتا ہے، جس میں زکوٰۃ وخیرات کا بھی روپیہ ہوتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ جونیئر ہائی اسکول کا خرچ بھی اسی مدرسہ کے پیسے سے چلتا ہے، تو کیا اس رقم کو جونیئر ہائی اسکول میں لگا سکتے ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زکوٰۃ خیرات کا روپیہ جونیئر ہائی اسکول میں لگا نا درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ وہاں ان رقوم کا مصرف نہیں پایا جاتا۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (درمختار ٢/ ٣٤٤ كراچی، ٣/ ٢٩١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۹/۱۷ ۱۴۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فلاحِ عام جونیئر ہائی اسکول میں زکوٰۃ کا پیسہ دینا؟

سوال (۲۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں ایک اسلامی فلاحِ عام جونیئر ہائی اسکول کھولا گیا ہے، جس میں اُردو ہندی انگلش کی تعلیم دی جاتی ہے، کیا اس میں زکوٰۃ اور قربانی کا روپیہ خرچ کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے اسکول کے مصارف میں زکوٰۃ چرم قربانی ودیگر صدقات واجب التملیک روپیوں کو صرف کرنا شرعاً درست نہیں۔ اور اس کے لئے حیلۂ تملیک بھی جائز نہیں ہے۔

ولا یجوز أن یبنی بالزکوٰۃ المسجد وکذا القناطر ......، وکل ما لا تملیک فیہ. (الفتاویٰ الهندية ۱۸۸/۱)

کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أو لإدخال شبهة أو لتمویهِ باطل فهي مکروهة. (الفتاویٰ الهندية ۶/ ۳۹۰) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱/۳ھ

پرائمری اسکول قائم کرنے میں زکوٰۃ اور چرم کا پیسہ لگانا؟

سوال (۲۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک تعلیمی ادارہ قائم کرنا ہے جس میں اُردو ہندی اور انگریزی زبان کے علاوہ دیگر مضامین کی تعلیم دی جائے گی، اس ادارے کو قائم کرنے میں زکوٰۃ، امداد، فطرہ اور چرم قربانی کا پیسہ صرف کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ادارے کو قائم کرنے میں صرف امداد کا روپیہ لگایا جاسکتا ہے، زکوٰۃ، فطرہ اور چرم قربانی کی رقم اس میں لگانی درست نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ رقمیں صرف فقراء کا حق ہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن الثوري قال: لا يعطى زكاة ماله من يحبس على النفقة من ذوي أرحامه و ...... لا بناء مسجد الخ. (المصنف لعبد الرزاق ٤/١١٣ رقم: ٧١٧٠)

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار. (شامي ٣/٢٩١ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۸/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ڈگری کالج کی بلڈنگ کے لئے زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم استعمال کرنا؟

سوال (۲۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگوں نے ایک مسلم ڈگری کالج مرادآباد میں قائم کیا ہے، اس کے لئے ہم لوگ ایک زمین مبلغ ۲۲/لاکھ روپئے کی لے رہے ہیں، کیا یہ پیسہ ہم صدقہ جاریہ یا زکوٰۃ کی مد میں لے سکتے ہیں؟ اس کے لئے مہربانی فرما کر ہمیں فتویٰ دیجئے کہ ہم لوگ اس جگہ پر جو بلڈنگ تعمیر کرا رہے ہیں اس میں دنیوی تعلیم ہوگی؟ تو کیا زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم اس مد میں لگا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کالج کے تمام مصارف نفلی عطیات سے پورے کئے جائیں، زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقومات اس مد میں لگانی درست نہیں ہیں، ان رقومات کے مستحق فقراء ہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله من يحبس على النفقة من ذوي أرحامه ولا يعطيها في كفن ميت ولا دين ميت ولا بناء مسجد ولا شراء مصحف ولا يحج بها، ولا تعطيها مكاتبک ولا تبتاع بها نسمة تحررها ولا

تعطيها في اليهود والنصارىٰ، ولا تستأجر عليها منها من يحملها ليحملها من مكان إلى مكان. (المصنف لا بن عبد الرزاق، كتاب الزكاة / باب لمن الزكاة ٤/ ١١٣ رقم: ٧١٧٠)

ولا يجوز أن يبنى بالزكٰوة المسجد، وكذا القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٨ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۵/ ۱۴۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدارس سے ملحقہ اسکولوں کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا

سوال (۲۷۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شہر میں بڑے بڑے مدارس کے تحت عصری اسکول چلتے ہیں، جن میں مکمل دنیاوی تعلیم ہوتی ہے اور اس میں طلباء سبھی مقامی ہوتے ہیں، مدارس والے بھی زکوٰۃ کی رقم حیلۂ شرعی کرکے ماتحت اسکولوں میں خرچ کرتے ہیں اور دلیل میں بڑے بڑے مدارس پیش کرتے ہیں، جن میں حیلۂ شرعی کرکے زکوٰۃ کی رقم استعمال ہوتی ہے، کیا اس طرح حیلۂ شرعی کرکے اسکول میں زکوٰۃ کی رقم لگائی جاسکتی ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں مدلل مفصل جواب تحریر فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلہ کرکے اسکولوں میں زکوٰۃ کی رقم لگانے کی اجازت نہیں، مدارس والے اگر اپنی ماتحتی میں اسکول چلاتے ہیں، تو انہیں اسکول چلانے کے لئے زکوٰۃ کے وعلاوہ دیگر رقومات سے انتظام کرنا چاہئے۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة هو فقير ...... وقيل: طلبة العلم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحة. (درمختار مع الشامي ٣/ ٢٨٣ زكريا، درمختار ٢/ ٣٤٠ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اسکول کے مسلم اور غیر مسلم بچوں پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا اور اساتذہ کی تنخواہ دینا؟

سوال (۲۷۵): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرعِ متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک اسکول میں درجہ اطفال سے لے کر درجہ آٹھ تک تعلیم ہوتی ہے؛ لیکن درجہ پنجم تک ملازمین کی تنخواہ چندہ کی رقم سے ادا کی جاتی ہے، تو ایسی صورت میں غیر مسلموں کو تعلیم دینا اس اسکول میں صحیح ہے یا نہیں؟ نیز پہلے غیر مسلموں کو اس مکتب میں تعلیم نہیں دی جاتی تھی، حالاں کہ چندہ کی رقم فطرہ، چرمِ قربانی، زکوٰۃ، عطیات وغیرہ ہوتا ہے، تو کیا ایسی رقمیں مسلم بچوں کے ساتھ غیر مسلم طلبہ پر بھی خرچ کی جاسکتی ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ اسکول کے لئے زکوٰۃ، صدقاتِ واجبہ کی رقومات وصول کرنا اور پھر ان کو ماسٹروں اور ملازمین کی تنخواہوں میں اور اسکول کے غیر مسلم بچوں پر صرف کرنا جائز نہیں ہے، ان جگہوں پر صرف کرنے سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَالۡمَسٰكِيۡنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تصدقوا إلَّا على أهل دينكم. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤ ٥١ رقم: ١٠٤٩٩)

مصرف الزكاة هو فقير ...... وقيل: طلبة العلم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا لا إباحة. (درمختار مع الشامي ٣/٢٨٩-٢٩١ زكريا، ٢/٣٤٠ كراچی)

ولا تدفع إلى ذمي لحديث معاذ - إلى قوله - إن دفع سائر الصدقات الواجبة لا يجوز اعتباراً بالزكاة. (الدر المختار مع الشامي ٣/٣٠١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۳/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس دنیوی اِدارہ میں حکومت کی طرف سے گرانٹ نہ ملتا ہو اس کی تعمیر وغیرہ میں زکوٰۃ صرف کرنا

سوال (۲۷۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا ایسی دنیوی تعلیم گاہ جس کو حکومت کی طرف سے گرانٹ یا دیگر چندہ نہ ملتا ہو، جس میں غریب مسلم طلبہ کی زیادتی ہو، اور جو قلیل فیس کے خرچہ پر چل رہا ہو، اس ادارہ سے جو آمدنی ہوتی ہو اس کا ۸۰/ فیصد اسی پر خرچ ہورہا ہو، جس کو آگے بڑھانے کے لئے پیسہ کی ضرورت ہو، تو کیا ایسے ادارہ میں تعمیراتی کام میں زکوٰۃ کی رقم کو لگایا جاسکتا ہے؟ یا دیگر ضروریات مثلاً پنکھوں بجلی اور پانی کے نل پر خرچ ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ ادارہ کی تعمیر یا پنکھوں وغیرہ کے انتظام میں زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحۃ کما مر، لا یصرف إلیٰ بناء مسجد ولا إلیٰ کفن میت وقضاء دینہ. (کذا في الدر المختار مع الشامي ۲/ ۳٤٤ کراچی، ۳/ ۲۹۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۹ھ

تملیک اور حیلۂ تملیک

حیلۂ تملیک کا شرعی ثبوت اور اس کے جواز کی صورتیں

سوال (۲۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حیلۂ تملیک کا شرعی ثبوت کیا ہے؟ حیلۂ تملیک کی اجازت کن صورتوں میں ہے؟ حیلۂ تملیک کا شرعی صحیح طریقہ جو اکابرین کے یہاں رائج ہو کون سا ہے؟ نیز جن بستیوں میں بلاضرورت ومجبوری جدید مدارس پرانے مدرسہ سے علیحدہ ہوکر کھولے جارہے ہیں، ایسے مدارس کے لئے صدقاتِ واجبہ کی رقم وصول کرنا اور حیلۂ تملیک کے بعد ان مکاتب کی ضروریات میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ دینے والے اور وصول کرنے والے دونوں کا حکم شرعی تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ضرورت کے وقت حیلہ اختیار کرنے کی اجازت قرآن وحدیث سے ملتی ہے، جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کے واقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ اور حدیث میں خراب کھجوروں کے بدلہ میں اچھی کھجور لینے سے متعلق تدبیر موجود ہے۔ بریں بناء اگر غرض صحیح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے مجبوراً زکوٰۃ وغیرہ کی رقومات میں تملیک کا راستہ اپنایا جائے تو اس کی شرعاً گنجائش ہے؛ لیکن جہاں ضرورت نہ ہو، یا مصرفِ زکوٰۃ موجود نہ ہو، وہاں حیلۂ تملیک کا استعمال جائز نہ ہوگا، اور ایسے مدرسہ والوں کے لئے زکوٰۃ کی رقم چندہ میں وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استعمل رجلاً على خيبر فجاءه بتمر جنيب، فقال له رسول الله صلى الله عليه وسلم:

أكل تمر خيبر هٰكذا؟ قال: لا والله يا رسول اللّٰه! إنا لنأخذ الصاع من هٰذا بالصاعين والصاعين بالثلث، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فلا تفعل! بع الجمع بالدراهم ثم ابتع بالدراهم جنيبًا. (صحيح مسلم ٢/٦٢)

وأخرج البخاري حديثًا طويلاً طرفه: فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: هو لها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب الصدقة على موالي أزواج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ١/٢٠٢ رقم: ١٧١٤ ف: ٣ ١٩٤)

والحيلة لمن أراد ذٰلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذٰلك بالصرف إلى هٰذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذٰلك الفقير ثواب هٰذا الصرف. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٨ رقم: ١٤١٤ زكريا)

والحق أنه كان ذلك لغرض صحيح فيه رفق للمعذور، وليس فيه إبطال لحق الغير فلا بأس به من ذٰلك كما في قوله تعالى: ﴿وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ وإن كان لغرض فاسد كإسقاط حق الفقراء من الزكاة بتمليك ماله قبل الحول لولده أو نحو ذلك فهو حرام أو مكروه. (عمدة القاري ٩/١٠)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل، فهي مكروهة، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (الفتاوى الهندية ٦/٣٩٠ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جہاں تملیک شرعی پائے جائے وہاں زکوٰۃ دینے سے ادا ہوجاتی ہے

سوال (۲۷۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن مدارس عربیہ میں زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی وعقیقہ وغیرہ تملیک کر کے کئے جاتے ہوں، تو

کیا دینے والے کی زکوٰۃ اس طرح ادا ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تملیک ایک حیلہ ہے؛ لہٰذا جہاں تملیک شرعی طور پر پائی جائے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حیلہ کرنا صرف بوقتِ ضرورت ہی جائز ہوتا ہے؛ لہٰذا جن مدارس میں ضرورتِ شرعی متحقق ہے صرف وہیں تملیک کی اجازت ہوگی، اور جہاں ضرورت متحقق نہیں اور مصرفِ زکوٰۃ بھی موجود نہیں، وہاں حیلۂ تملیک ممنوع ہے۔

کل حیلة یحتال بها الرجل لإبطال حق الغیر أو لإدخال شبهة أو لتمویه باطل فهي مکروهة. (الفتاویٰ الهندیة ۶/ ۳۹۰)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکًا لا إباحةً. (درمختار ۳/ ۲۹۱ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

مدارس میں حیلۂ تملیک

سوال (۲۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیز حیلۂ شرعی کیا ہے؟ مدرسہ والے حیلہ کرکے اس پیسہ سے مدرسین کی تنخواہ دیتے ہیں، تعمیری کام کراتے ہیں، اس حیلہ کا ناجائز فائدہ اٹھا کر بہت سے مدارس والے جو اسکول بھی چلاتے ہیں، تو مدرسہ کی رقم حیلہ کرکے اسکول میں لگاتے ہیں، ایسا کرنا کیسا ہے؟ جو مدارس گورنمنٹ سے ایڈ لیتے ہیں، ان میں بعض عالم کہتے ہیں کہ حیلہ کرکے جو رقم مدرسین کو تنخواہ میں دی جاتی ہے، اس سے بہتر وہ رقم ہے جو ایڈیڈ مدارس میں مدرسین کو گورنمنٹ سے ملتی ہے۔

کچھ لوگ مدارس اسلامیہ کو زکوٰۃ کی رقم اس لئے نہیں دیتے ہیں کہ مدارس والے اس کا حیلہ کرکے غلط طور پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتے ہیں، اس لئے حیلۂ شرعی کی بھی وضاحت فرمادیں؛ تاکہ اس کی روشنی میں لوگوں کو سمجھایا جاسکے۔

نیز آج کل جگہ جگہ مساجد میں اور غیر مساجد میں مکاتب کھلے ہیں، جس میں مقامی بچے ابتدائی تعلیم حاصل کرتے ہیں، بیرونی طلبہ بالکل نہیں ہوتے، ایسے مکاتب والے بھی زکوٰۃ وصول کرتے ہیں اور حیلہ کر کے مدرسین کی تنخواہ اور تعمیر میں رقم خرچ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ اگر زکوٰۃ کی رقم وصول نہ کی جائے تو یہ مکاتب کیسے چلیں گے، جب کہ لوگ عطیہ کی رقم دینے کو تیار نہیں ہیں؟

گوپا گنج میں ایک بڑے مدرسہ نے پندرہ بیس لاکھ کی زمین خریدی اور زکوٰۃ کی رقم پیشگی وصول کر کے حیلہ کر کے اس سے قیمت ادا کی گئی، جس کا اثر رمضان میں مدارس کے چندوں پر پڑا، ایسا کرنا کہاں تک درست ہے؟ امید ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جواب عنایت فرمائیں گے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حیلے کے متعلق دو بحثیں قابل غور ہیں:

پہلی بحث یہ ہے کہ حیلہ کرنا کب جائز ہے؟ تو اس سلسلے میں حکم یہ ہے کہ جہاں کوئی شرعی ضرورت ہو اور اس کی تکمیل حیلے کے بغیر ممکن نہ رہے، تو اس جگہ حیلہ کرنے کی گنجائش ہے، اور جہاں ضرورت نہ ہو یا ضرورت تو ہو مگر حیلے کے بغیر ضرورت پوری ہوسکتی ہو تو وہاں حیلہ کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوگیا کہ اسکول چلانے کے لئے یا تعمیرات کے لئے یا چھوٹے مکاتب کے لئے جن میں مقامی بچے پڑھتے ہیں حیلہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے، اس طرح کے سب کام عطیہ کی رقم سے پورے کرنے چاہئے۔

والحق أنه كان ذلک لغرض صحيح فيه رفق للمعذور، وليس فيه إبطال لحق الغير فلا بأس به من ذٰلک كما في قوله تعالى: ﴿وَخُذْ بِيَدِکَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِهٖ وَلَا تَحْنَثْ﴾ وإن كان لغرض فاسد كإسقاط حق الفقراء من الزكاة بتمليک ماله قبل الحول لولده أو نحو ذلک فهو حرام أو مكروه. (عمدة القاري ۹/ ۱۰۱)

إن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير أو لإدخال شبهة فيه أو

لتمويه باطل، فهي مكروهة، وكل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها إلى حلال فهي حسنة. (الفتاوى الهندية ٦/ ٣٩٠ دار الفكر بيروت)

دوسری بحث یہ ہے کہ حیلہ کا طریقہ کیا ہو؟ تو اس سلسلے میں تین صورتیں اکابر کے زمانے سے جاری ہیں:

الف:- کسی غریب فقیر کو زکوٰۃ کی رقم دے کر کے واقعۃً مالک بنادیا جائے، پھر اسے ترغیب دی جائے کہ وہ ضرورت کی جگہ پر اپنی جانب سے خرچ کرے۔

إن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء والحيلة من أراد ذٰلك أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمر بعد ذٰلك بالصرف إلى هٰذه الوجوه فيكون لصاحب المال ثواب الصدقة ولذٰلك الفقير ثواب هٰذه الصرف. (الفتاویٰ التاتاخانية ٣/ ٢٠٨ زكريا)

والدفع إلى من عليه الدين أولىٰ من الدفع إلى الفقير. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٨ دار الفكر بيروت)

ب:- دوسری صورت یہ ہے کہ فقیر سے کہا جائے کہ وہ کسی سے قرضِ حسنہ لے کر مدارس وغیرہ کی ضرورت میں لگا دے، پھر اس فقیر کا قرضہ زکوٰۃ کی رقم سے ادا کر دیا جائے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۴۷۷ ڈابھیل، آپ کے مسائل اور ان کا حل جدید ۵/ ۱۶۱-۱۶۰)

وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه. (درمختار ٢/ ٢٧١ كراچی، البحر الرائق ٢/ ٢٢٨)

ج:- تیسری صورت یہ ہے کہ طلبہ کی فیس مقرر کی جائے اور ہر مہینے انہیں فیس کی رقم بمد زکوٰۃ دے کر پھر ان سے فیس کی رقم جمع کرالی جائے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/ ۱۵۰، کفایۃ المفتی ۴/ ۲۹۳)

وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد. (درمختار ٢/ ٢٧١ كراچی)

ہمارے نزدیک ان تینوں شکلوں میں سے تیسری شکل زیادہ مناسب اور بے غبار ہے، بہرحال ضرورت کے وقت اگر شرعی حیلہ کر کے وہ رقم مصارفِ ضروریہ میں لگائی جائے گی، تو اس کا لگانا جائز ہوگا۔ (کتاب المسائل ۲/۳۷۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۲/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا وکالت کے ذریعہ اہل مدارس زکوٰۃ کا تمام مصارف میں استعمال کر سکتے ہیں؟

سوال (۲۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس میں صدقاتِ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ کی جو رقوم آتی ہیں، ان کے خرچ کے لئے مختلف حیلے اختیار کئے جاتے ہیں، تو اگر مندرجہ ذیل طریقہ اختیار کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی حرج ہے یا نہیں؟ وہ طریقہ یہ ہے کہ تمام بالغ ونابالغ طلبہ مہتمم مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم اپنے جملہ مصارف میں خرچ کرنے کا وکیل بنادیں، پس مہتمم جس طرح طلباء کی طرف سے زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ پر قبضہ کرنے کا وکیل ہے (بقول حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ) اسی طرح وہ طلبہ کی جانب سے جملہ مصارف، مدرسین وملازمین کی تنخواہیں، تعمیرات، خرید کتب، لائٹ بل وغیرہ میں وکیل بن جائے، جس کی صورت یہ ہے کہ داخلہ کے وقت داخلہ فارم میں ایک کالم پُر کروایا جائے جس میں طالب علم مہتمم مدرسہ کو صراحۃً وکیل بناوے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح داخلہ فارم میں کالم پُر کروانے سے مہتمم طلباء کی جانب سے خرچ کرنے کا وکیل بن جائے گا؟ اور کیا مہتمم کو صدقاتِ واجبہ کی رقوم مدرسہ کے اخراجات میں بلا حیلۂ تملیک صرف کرنے کا اختیار ہوگا؟ امید ہے کہ تسلی بخش جواب سے نوازیں گے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: داخلہ فارم میں توکیل نامہ لکھنے میں ہماری نظر میں دو خرابیاں

واضح ہوئیں:

(۱) یہ توکیل خوش دلی سے نہیں ہوگی؛ بلکہ جبریہ ہوگی؛ اس لئے اس کے ذریعہ سے مصرف اور غیر مصرف میں زکوٰۃ کا استعمال شبہ سے خالی نہیں۔

(۲) اس طریقۂ کار کے رواج سے غیر محتاط ذمہ دارانِ مکاتب و مدارس زکوٰۃ کی رقومات کا بے دریغ اپنی مرضی سے جہاں چاہیں گے استعمال کریں گے، اور جو تھوڑی بہت احتیاط اس وقت تک ہورہی ہے وہ بھی ختم ہوجائے گی، اس لئے ہماری نظر میں یہ فرضی توکیل کافی نہیں ہے، اس کی وجہ سے تملیک کی شرط بے اثر ہوکر رہ جائے گی، حالاں کہ وہ ادائیگی زکوٰۃ کی بنیادی شرط ہے؛ لہٰذا تملیک کی بہترین شکل یہی ہے کہ طلبہ کو وظیفہ کے نام پر رقم دے کر فیس کے نام پر وصول کرلی جائے۔

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة ...... أو لرجل كان له جار مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين لغني. (سنن أبي داؤد ١/٢٣١ رقم: ١٦٣٥، سنن ابن ماجة ١/١٣٢ رقم: ١٨٤١)

والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء. (درمختار مع الشامي ٣/٢٩٣ زكريا)

وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما. (شامي ٢/٢٧١ كراچی، فتاویٰ دار العلوم ٦/١٩٧، كتاب المسائل ٢/٢٧٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۸/۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غریب طالبات کو زکوٰۃ کی رقم سے وظیفہ دے کر بطورِ فیس ان سے واپس لینا؟

سوال (۲۸۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے مدرسہ میں ڈھائی سو طالبات زیرِتعلیم ہیں، جن کے قیام وطعام کا نظم نہیں ہے، تمام طالبات مقامی ہیں، دینی تعلیم عربی سوم اور دنیوی تعلیم پانچویں کلاس تک دی جاتی ہے، اس کے ساتھ سلائی بھی سکھائی جاتی ہے، معلمات کی تنخواہیں بجلی فون، ودیگر اخراجات سالانہ چھ لاکھ سے زیادہ ہیں، معلمات وخدام کا عملہ ۱۶/افراد پر مشتمل ہے، قدیم طالبات سے وقت داخلہ دوسو روپیہ اور جدید طالبات سے تین سو روپیہ داخل فیس لی جاتی ہے، کتابیں خود خرید لیتی ہیں، تعلیم پر ماہانہ کوئی فیس نہیں لی جاتی ہے، مفت تعلیم کا نظم ہے، اکثر طالبات غریب ونادار ہیں، بہت ہی کم طالبات حیثیت والی ہیں، مذکورہ اخراجات چندہ ہی سے پورے ہوتے ہیں، چندہ دہندگان اکثر زکوٰۃ ہی کی رقم دیتے ہیں، حسبۃً للہ یا عطیہ بالکل ہی کم ہوتی ہے۔

دینی تعلیم سے اتنی لاپرواہی وبے رغبتی ہے کہ تعلیم پر ماہانہ فیس کا مطالبہ کیا جائے تو تعلیم موقوف کر دیتی ہیں، جو دینی تعلیم سے محرومی وخسران کا سبب ہے، جس کا انہیں احساس بھی نہیں، ان حالات کے پیشِ نظر کیا زکوٰۃ کی رقم حاصل کر کے غریب طالبات کو مالکہ بنائیں، وہ اپنی تعلیمی فیس ادا کریں، جس کو مدرسہ کے مذکورہ اخراجات میں استعمال کریں یا مہتمم صاحب سکریٹری صاحب طالبات کی طرف سے وکیل بن کر رقم زکوٰۃ حاصل کریں، اس کو اخراجات مدرسہ میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر اس کی اجازت ہے، تو اس کی کیا صورت ہے؟ اگر ناجائز ہے تو اس کی کیا وجہ ہے؟ یا کسی بھی صورت میں جائز نہیں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم غریب طالبات کو وظیفہ کے طور پر دے کر ان سے فیس کے عنوان سے واپس لے کر مدرسہ کی ضروریات پوری کرنے کی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۵۹۰/۹-۶۰۲ ڈابھیل)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لاتحل الصدقة لغني إلا في سبيل اللّٰه، أو ابن السبيل أو جار فقير يتصدق عليه فيهدى لک أو يدعوک. (سنن أبي داؤد، كتاب الزكاة ۲۳۱/۱ رقم: ۱۶۳۷)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً لا يصرف إلى بناء نحو مسجد وكفن ميت وقضاء دينه، والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. (شامي ۳/ ۲۹۱-۲۹۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فارم کا اندراج غلط یا جھوٹ ثابت ہوجانے کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم سے دیا گیا وظیفہ واپس لینا؟

سوال (۲۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فارم پُر کراکر بمد زکوٰۃ جو تعلیمی وظیفے دیئے جاتے ہیں، کیا فارم کے اندراج کے غلط یا جھوٹ ہونے کی صورت میں دیئے ہوئے وظیفے واپس لئے جاسکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر امکانی حد تک تحقیق کے بعد مستحق سمجھ کر تعلیمی وظیفہ زکوٰۃ سے دیا گیا ہے تو دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوگئی، اب بعد میں اگر اس کا غیر مستحق ہونا معلوم ہوا تو اس رقم کو واپس لینے یا دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اس غیر مستحق شخص پر دیانۃً لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی لی ہوئی رقم مستحقین پر خرچ کردے، ورنہ عنداللہ مؤاخذہ دار رہے گا۔

قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

حدثنا أبو الجويرية أن معن بن يزيد رضي اللّٰه عنه حدثه قال: بايعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنا وأبي وجدي وخطب علي فأنكحني وخاصمت إليه كان أبي يزيدُ أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته بها، فقال: واللّٰه ما إياك أردتُ، فخاصمت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: لك ما نويت يا يزيد، ولك ما

أخذت يا معن. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب إذا تصدق على ابنه وهو لا يشعر رقم: ١٤٢٢، فتح الباري ٣٧١/٤ بيروت)

دفع بتحر لمن يظنه مصرفاً فبان أنه عبده أعاد، وإن بان غناه لا يعيد؛ لأنه أتى بما في وسعه. (درمختار) وفي الشامية: ولا يسترد في الولد والغني، وهل يجب له فيه خلاف، وإذا لم يطلب قيل يتصدق، وقيل: يرد على المعطي...... وفيه: واعلم أن المدفوع إليه لو كان جالسًا في صف الفقراء يصنع صنعهم أو كان عليه زيهم أو سأله فأعطاه كانت هٰذه الأسباب بمنزلة التحري، وكذا في المبسوط: حتى لو ظهر غناه لم يعد. (درمختار مع الشامي / مطلب: في الحوائج الأصلية ٣/ ٣٠٢-٣٠٣ زكريا)

دفع بتحر أي يظن أنه مصرف، فظهر كونه عبده أو مكاتبه يعيدها؛ لأنه بالدفع إلى عبده لم يخرجه عن ملكه، والتمليك ركن، ولو ظهر غناه أو كفره أو أنه أبوه أو ابنه أو هاشمي لا يعيدها؛ لأن الوقوف على هٰذه الأشياء بالاجتهاد لا القطع، فيبني الأمر على ما يقع عنده كما إذا اشتبهت عليه القبلة، ولو أمر بالإعادة لكان مجتهداً فيه فلا فائدة فيه. (درر الحكام شرح غرر الأحكام / بناء المساجد من مال الزكاة ١٩١/١ المكتبة الشاملة، كذا في البحر الرائق ٢٤٧/٢ كوئٹہ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم غریب طلبہ کے والدین کو دے کر تملیک کرا کے فیس کے ذریعہ اُن سے وصول کرنا؟

سوال (۲۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صوبہ اتراکھنڈ کاشی پور کے اطراف دیہی علاقہ میں ایک ادارہ بنام ''جامعۃ القرآن'' اپنے تعلیمی کام میں مشغول ہے، جو تقریباً پانچ سال قبل حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب مرحوم سابق

نائب مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد کی زیرِ سرپرستی قائم ہوا تھا، ادارہ کے جملہ مصارف توکل علی اللہ پورے ہوتے ہیں، طریقہ کار کچھ اس طرح ہے:

جو رقومات زکوٰۃ کی مد میں آتی ہیں، منتظمین یہ کرتے ہیں کہ جتنے بھی طلبہ زیرِ تعلیم ہیں، ان سب کی فیس مقرر کر رکھی ہے خواہ وہ غریب ہو یا مال دار؛ البتہ جو طلبہ غریب نادار ہیں اور فیس ادا کرنے پر قادر نہیں ہیں، تو ان کے والدین کو بلا کر مذکورہ رقم سے ان کو دے دیا جاتا ہے، جس سے وہ اپنے بچوں کی فیس، کتب وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، منتظمین اس طرح زکوٰۃ کی تملیک کرتے ہیں، تو کیا اس طرح کرنا درست ہے؟ واضح رہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو طلبہ کے والدین کو دی جاتی ہے، اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ طالب علم بیرونی ہو؛ بلکہ ابھی دار الاقامہ میں رہنے والے طلبہ کا نظم نہیں ہے، مگر جو مقیم طلبہ ہیں وہ اطراف میں تین چار کلومیٹر سے آتے ہیں اور پھر اپنے گھر واپس چلے جاتے ہیں، ان میں جو غریب نادار بچے ہیں، ان کے والدین کو بطور تملیک کچھ رقم دے دی جاتی ہے؛ تاکہ یہ نادار بچے بھی تعلیم سے محروم نہ رہ سکیں، نصاب تعلیم میں قرآنِ پاک، دینیات، اردو، پرائمری تک کی تعلیم ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حسبِ تحریرِ سوال جب کہ غریب نادار والدین کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا کر ان ہی کے ذریعہ سے وہ رقم غریب بچوں پر خرچ کرائی جاتی ہے، تو تملیک کا یہ طریقہ شرعاً درست ہے، اور اس طریقہ سے مالکین کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

هو فقير: وهو من له أدنى شيء الخ، يعرف المزكي إلى كلهم، أو إلى بعضهم، ولو واحدا من أي صنف كان. (درمختار مع الشامي ۳/ ۲٦۲-۲٦۳ بيروت)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا...... والحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الأشياء. (شامي ۳/ ۲۹۳- ۲۹۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طلبۂ مدارس کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم؟

سوال (۲۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طلبۂ مدارس کو ایک ساتھ بیٹھا کر کھانا کھلانے سے زکوٰۃ کی ادائیگی ہوتی ہے یا نہیں؟ اس تملیک کی شکل موجود ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر پہلے سے حیلۂ تملیک اختیار کرنے کے بعد مطبخ میں کھانا پکایا گیا ہے، تو اس کھانے کو بٹھا کر کھلانے میں حرج نہیں؛ لیکن اگر پہلے سے تملیک نہیں کی گئی ہے، تو ایسے زکوٰۃ کے کھانے کو بٹھا کر طلبہ کو کھلانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؛ کیوں کہ یہ کھلانا تملیک کا نہیں ہوتا؛ بلکہ اباحۃً ہوتا ہے، اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ (فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۲۳۴)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا إباحة، فلا یکفي فیها الإطعام إلا بطریق التملیک. (شامي ۳/ ۲۹۱ زکریا، کذا في مجمع الأنهر ۱/ ۲۸٤ بیروت، البحر الرائق / باب المصرف ۲/ ٤۲٤ رشیدیة) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۲/ ۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی ضروریات میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانے کے لئے شرعی حیلۂ تملیک اختیار کرنا؟

سوال (۲۸۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارسِ عربیہ میں عام طور پر صدقات کی رقوم بمقابلہ امدادی رقوم کے زیادہ آتی ہے، اور خرچ دوسرے مدات یعنی امدادی رقوم کے زیادہ ہوتے ہیں، مثلاً ملازمین مدرسین کی تنخواہیں،

تعمیرات، نشر واشاعت وغیرہ، جن پر زکوٰۃ وصدقات کی رقوم خرچ نہیں کی جاسکتی؛ لہٰذا کیا صورت اختیار کی جائے کہ مدرسہ کے سبھی اموراور ضرورتیں بروقت پوری ہوتی رہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زکوٰۃ کا روپیہ لگائے بغیر مدارس کا چلانا دشوار ہو جن میں فقہ وحدیث کی تعلیم ہوتی ہو اور ان میں زکوٰۃ کے مصرف طلبہ موجود ہوں، تو مدارس کی دیگر ضروریات کی تکمیل کے لئے شرعی حیلۂ تملیک اختیار کرنے کی گنجائش ہے، یعنی زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقومات کا واقعۃً کسی مستحق کو مالک بنادیا جائے، پھر وہ اپنی جانب سے برضا ورغبت مدارس کی ضروریات میں وہ رقم خرچ کرے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت كان في بريرة ثلاث سنن ...... ودخل رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم والبرمة تفور بلحم، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر برمة فيها لحم؟ قالوا: بلىٰ! ولكن ذٰلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، الطلاق / باب لا يكون بيع الأمة طلاقاً رقم: ٥٢٧٩، فتح الباري ١٢/ ٥٠٥ دار الكتب العلمية بيروت)

وقال الملا علي القاري: قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه، فله أن يهدي به إلى غيره الخ، وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٩٢ دار الكتب العلمية بيروت)

لو أراد صرفها إلى بناء المسجد أو القنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذٰلك كذا في الذخيرة. (الفتاوىٰ الهندية ٢/ ٤٧٣)

ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد؛ لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا

تـمـلـيـک فيـه، وإن أريـد الـصـرف إلـى هٰـذه الـوجـوه صرف إلى فقير، ثم يأمر بالصرف إليها فيثاب المزكي والفقير. (مجمع الأنهر ۲۲۲/۱ دار إحياء التراث بيروت)

وقـدمنا أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء وهل له أن يخالف أمره لم أره والظاهر نعم. (درمختار مع الشامي ۲/ ٤٥ ۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۲/۱۴۱۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کے طلبہ پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا؟

سوال (۲۸۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دینی مدارس میں علم دین حاصل کرنے والے باہر کے غریب طلبہ پر زکوٰۃ، چرم قربانی اور صدقۃ الفطر کی رقم کس طرح استعمال کی جائے؟ استعمال کا جائز اور آسان طریقہ کیا ہے؟ جو کہ کھانے وغیرہ میں بھی چل سکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: یہ رقم مستحقین طلبہ کے لئے وظائف مقرر کرنے، کپڑے بنادینے اور روزانہ کھانا کھلانے میں استعمال کی جاسکتی ہے، اس کے لئے احتیاط کے ساتھ جو بھی نظام بن سکے، بنالیا جائے؛ البتہ اس کا خیال رکھیں کہ جو چیز بھی طلبہ کو دی جائے وہ بطور تملیک ہو؛ اس لئے کہ زکوٰۃ کی صحت کے لئے مستحق کا زکوٰۃ پر پوری طرح قبضہ کرلینا ضروری ہے۔

قـال الـقـدوري في كتابه: ولا يجوز الزكاة إلا إذا قبضها الفقير. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱۲ زکریا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة. (شامي ۳/ ۲٦۳ بيروت، الفتاوى الهندية ۱/ ۱۹۰ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۳/۱۱/۱۴۱۳ھ

اہلِ مدارس زکوٰۃ لینے کے بعد صحیح مصرف پر لگانے کے خود ذمہ دار ہیں

سوال (۲۸۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس مدارس اور ادارے والے احباب آ کر اپنے مدرسہ کے اخراجات اور تعمیرات کو بتلا کر یہ کہتے ہیں کہ جتنا ہو سکے تعاون کریں، اس وقت ہم اس مدرسہ کو زکوٰۃ کی رقم دے کر وضاحت بھی کر دیتے ہیں، اب ہمارے دل میں یہ سوال ہوتا ہے کہ کیا یہ رقم طلبہ پر خرچ ہوتی ہوگی، یا تعمیرات پر؟ ہماری ذمہ داری ہماری زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کہاں تک ہے؟ کیا ان سفراء کو دے دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، یا اس کے صحیح مصرف میں آنے تک ہماری ذمہ داری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ والوں پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی رقم مستحق طلبہ پر ہی خرچ کریں اور تملیک کے بغیر یہ رقم تعمیرات وغیرہ میں نہ لگائیں، اگر وہ اس کے خلاف کریں گے تو وہ خود ذمہ دار رہوں گے، دینے والا ذمہ دار نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۵۳۴/۱۴، ۲۶/۳)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أنه قال: أتى رجل من بني تميم إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: فقال: يا رسول اللّٰه! إذا أديت الزكاة إلى رسولک فقد برئت منها إلى اللّٰه وإلى رسوله، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: نعم إذا أديت الزكاة إلى رسولي فقد برئت منها لک أجرها وإثمها على من بدلها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة / باب الزكاة تتلف في يدي الساعي ٣٢٣/٤ رقم: ٧٢٨٣، المصنف لعبد الرزاق، الزكاة / باب موضع الصدقة ٤٥/٤ رقم: ٦٩١٩) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حیلۂ تملیک کی اجازت عام نہیں ہے

سوال (۲۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: حیلۂ تملیک کی اجازت عام ہے یا بدرجہ ضرورت ومجبوری ہے؟ اگر بصورتِ ضرورت ومجبوری ہے تو اس کی وضاحت فرمادیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلۂ تملیک کی اجازت عام نہیں ہے؛ بلکہ صرف اسی وقت ہے جب کہ اس کے بغیر ادارہ چلانا ممکن نہ رہے۔ (کتاب المسائل ۲/۱۹۲، کفایۃ المفتی ۴/۲۸۵)

وفي العیون وفي جامع الفتاویٰ: لا یسعه ذٰلک، وکل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام أو لیتوصل بها إلی حلال فهي حسنة. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۱۰/۳۱۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۱/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکتب کے مصارف کے لئے حیلۂ تملیک؟

سوال (۲۸۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مکان چونکہ بوسیدہ ہے، اب اس کو مدرسہ کی نوعیت سے بنانا ہے؛ لہٰذا اس صورت میں کافی سرمایہ کی ضرورت ہے، تو اس کی تعمیر اور مدرسین کی تنخواہوں اور طالبِ علم وغیرہ کی ضرورتوں کے لئے چندہ زکوٰۃ وصدقۃ الفطر وچرم قربانی جمع کر کے علماء کے مروجہ حیلۂ تملیک کے طریقہ کے بعد مذکورہ جگہوں پر خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حیلۂ تملیک کی تو ضرورت اس وقت پڑے گی جب کہ مدرسہ اور مسجد کے لئے زکوٰۃ وصدقات کے علاوہ دوسری رقومات سے چندہ نہ کیا جاسکتا ہو؛ لہٰذا پوری کوشش یہ کرنی چاہئے کہ زکوٰۃ وغیرہ کے علاوہ سے مدرسہ کی تعمیر کی جائے، اگر بالفرض کوئی صورت نہ نکل سکے، تو مجبوری میں تملیک کی اجازت دی جائے گی۔

عن عطاء بن يسار أن رسول اللّٰه صلى الله عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني إلا لخمسة ...... أو لرجل له مسكين فتصدق على المسكين فأهداها المسكين لغني. (سنن أبي داؤد ١/ ٢٣١، سنن ابن ماجة ١/ ١٣٢)

أما الإحتيال لإبطال حق المسلم فإثم وعدوان، وقال النسفي: في الكافي عن محمد ابن الحسن قال ليس من أخلاق المؤمنين الفرار من أحكام اللّٰه بالحيل الموصلة إلى إبطال الحق. (عمدة القاري ٢٤/ ١٠٩)

من عليه الزكوٰة لو أراد صرفها إلىٰ بناء المسجد أو القنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة فالحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذٰلک، كذا في الذخيرة. (عالمگيري ٢/ ٤٧٣)

وأما الرجل الذي له جار مسكين فتصدق على المسكين، فأهداها المسكين إلى غني فإنما يحل له؛ لأنه ملكها بالهدية. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٢٠٣ رقم: ٤١٣٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۷/ ۱۱/ ۱۴۱۰ھ

بڑے مدارس پر قیاس کرکے مقامی بچوں کے مکتب کیلئے حیلہ کرکے زکوٰۃ لینا؟

سوال (۲۹۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل نورانی قاعدہ کی لہر چل رہی ہے، جگہ جگہ مساجد میں دینی مکاتب قائم ہورہے ہیں، جس میں صرف مقامی چھوٹے چھوٹے بچے ہوتے ہیں، بیرونی طلبہ ایسے مکاتب میں بالکل نہیں ہوتے، ان مکاتب کو چلانے کے لئے زکوٰۃ کی رقمیں وصول کی جاتی ہیں، اور شرعی حیلہ کرکے مدرسین اور انتظام پر خرچ کی جاتی ہیں اور دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں کہ بڑے بڑے مدارس بھی

حیلۂ شرعی کے ذریعہ مدرسین کی تنخواہیں دیتے ہیں، زمین خریدتے ہیں، بلڈنگیں بنواتے ہیں، جب ان کے لئے جائز ہے تب دوسروں کے لئے عدم جواز کی وجہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے مکاتب جن میں صرف مقامی بچے پڑھتے ہوں ان میں زکوٰۃ کا مصرف نہیں پایا جاتا؛ لہٰذا وہاں زکوٰۃ کا استعمال جائز نہیں ہوگا، اور بڑے مدارس میں چوں کہ دارالاقامہ کے اندر مقیم طلبہ رہتے ہیں؛ اس لئے وہاں زکوٰۃ کا مصرف پایا جاتا ہے، ان میں ضرورت کے وقت حیلۂ تملیک کرنے کی بھی گنجائش ہے۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۱۶۴)

وركن الزكاة: هو إخراج جزء من النصاب إلى اللّٰه تعالى، وتسليم ذلك إليه، يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه إليه. (بدائع الصنائع ۲/۱٤۲ زكريا)

ولا يجوز الزكاة إلا بقبض الفقراء. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٠٦ تحت رقم: ٤١٣٦ زكريا)

أخرج عبد الرزاق عن الشعبي أن شريحًا ومسروقًا كانا لا يجيزان الصدقة حتى تقبض. (المصنف لعبد الرزاق ۹/۱۲۲ رقم: ١٦٥٩١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملکیت ہیں یا طلبہ کی؟

سوال (۲۹۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ میں اجتماعی طور پر طلبہ کو کھانا کھلانے کی صورت میں روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملکیت ہیں یا طلبہ کی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مدرسہ کی طرف سے بطور اِباحت طلبہ کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور انہیں مالک نہیں بنایا جاتا، تو ایسی صورت میں روٹی کے بچے ہوئے ٹکڑے مدرسہ کی ملک

ہیں؛ کیوں کہ تملیک طلبہ کی نہیں پائی گئی۔

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا (شامي ۳/ ۲۹۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۲/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کو حلال کرنے کے لئے بیوی سے تملیک کرانا؟

سوال (۲۹۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری پریشانی کی وجہ سے میرے ایک دوست نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے، اور کہا ہے کہ اپنی اہلیہ سے تملیک کروالینا، اور میری اہلیہ کا حال یہ ہے کہ اس کے پاس کوئی سونا چاندی روپیہ نہیں ہے؛ البتہ ایک گھر کا پلاٹ ہے جس کی قیمت پچاس ہزار روپیہ فی الحال ہے؛ لیکن اسی کے ساتھ میں نے اپنی اہلیہ کو حج اس شرط پر کروادیا تھا کہ حج کی رقم قرض رہے گی، جب تمہارے پاس آجائے تو دینا ہوگا، اور کچھ رقم ادا بھی کردی، فی الحال ۴۳؍ ہزار کو الگ کردیں (جو قرض کے طور پر باقی ہے) تو پھر سات ہزار روپئے باقی رہتے ہیں، اس کے علاوہ میری اہلیہ کے پاس دوسری کوئی جائداد کی رقم نہیں ہے، تو کیا زکوٰۃ کی رقم وہ لے سکتی ہے، اور میں ان کو دے سکتا ہوں جب کہ سات ہزار روپئے ساڑھے باون تولہ چاندی کے نصاب کے برابر نہیں ہے، اگر اہلیہ کو زکوٰۃ کی رقم دینا جائز ہو، تو اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دی جائے، اب میری اہلیہ وہ رقم قرض میں دینے کے بجائے اپنی خوشی سے مجھے (خاوند) کو ہدیہ کے طور پر دے تو کیا جائز ہے؟

اگر اوپر والی صورت آپ کے نزدیک ناجائز اور حرام کے درجہ تک ہو، تو آپ صرف حرام اور ناجائز لکھ کر بھیج مت دینا؛ بلکہ میری پریشانی ہے اور میں نے اپنے ہمدرد کے سامنے رکھی ہے، علماء ہی اُمت کے سب سے بڑے ہمدرد ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ لوگوں کے مال کا میل کچیل ہے جو صرف مستحقین فقراء ومساکین ہی کے لئے لینا جائز ہے، اور کسی بھی حیلہ بازی کے ذریعہ مستحقین کے حق کو تلف

کرنے کی اجازت نہیں؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر آپ واقعۃً مستحق زکوٰۃ ہیں، تو آپ کو بیوی وغیرہ کے ذریعہ تملیک کرانے کی کوئی ضرورت نہیں، براہِ راست ہی زکوٰۃ وصول کریں، اور اگر آپ خود مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں اور اپنے واسطے زبردستی زکوٰۃ کو حلال کرنے کے لئے حیلۂ تملیک کا سہارا لے رہے ہیں، تو اس طرح کے باطل حیلہ کی شریعت میں اجازت نہیں ہے، آپ کو چاہئے کہ حیلہ بازی کا راستہ چھوڑ کر صاف ستھرا طریقہ اپنائیں، تعاون کرنے والے حضرات کے سامنے اپنی ضرورت ظاہر کر کے مدد کے طالب ہوں؛ تاکہ کسی طرح کا کوئی شرعی اشکال نہ رہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن النعمان بن بشير رضي اللّٰه عنه يقول: سمعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: الحلال بيّن والحرام بيّنٌ وبينهما مشتبهات، لا يعلمها كثير من الناس فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه، ومن وقع في الشبهات، كراع يرعي حول الحمى، يوشک أن يواقعه ......الخ. (صحيح البخاري ١/ ١٣٠ رقم: ٥٢)

عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تحل الصدقة لغني، ولا لذي مرة سويٍّ. (سنن أبي داؤد / باب من يعطي من الصدقة وحد الغني ١/ ٢٣١ رقم: ١٦٣٤)

عن ابن الفراسي أن الفراسيَّ رضي اللّٰه عنه قال لرسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أسأل يا رسولَ اللّٰه؟ فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لا، وإن كنت لا بد فسل الصالحين. (سنن أبي داؤد ١/ ٢٣٣ رقم: ١٦٤٦، سنن النسائي رقم: ٢٥٨٦)

أي وإن كنت تريد أن تسأل الناس ولا بد لک من ذٰلک لحاجة أو فاقة فسل الصالحين لكرمهم وكون رزقهم حلالاً. (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٣١٦ دار النوادر)

عن عبد المطلب بن ربيعة قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إن هٰذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس......الخ. (صحيح مسلم رقم: ١٠٧٢، كذا عند أبي داؤد في حديث طويل٢/ ٤١٨ رقم: ٢٩٨٥)

نقول: مذهب علمائنا أن كل حيلة يحتال بها الرجل لإبطال حق الغير، أو لإدخال شبهة فيه أو لتمويه باطل فهي مكروهة. (الفتاوى الهندية ٦/ ٣٩٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۷/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ لے کر اس پیسے سے کسی اور کو زکوٰۃ خیرات دینا

سوال (۲۹۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص نے زکوٰۃ لی ہو، اس پیسے سے کسی اور کو زکوٰۃ خیرات وغیرہ کرسکتا ہے؟ ایک آدمی جو خود زکوٰۃ لے رہا ہے، اپنے سے بڑے کی مدد کرسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مستحق زکوٰۃ شخص خود زکوٰۃ لے کر اپنی طرف سے دوسروں کی مدد کرسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔

مستفاد: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم في قصة بريرة رضي اللّٰه عنها: هو لها صدقة ولنا هدية. (صحيح مسلم ١/ ٣٤٥)

قال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي تحت قوله: ''ولنا هدية'' أي إن أهدتها إلينا بريرة، ...... فإذا تصدق على الفقير شيء صار ملكه، فله أن يهديه ويهبه للغني، ولكل من لا تحل له الصدقة. (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٩٢ دار النوادر)

وقال الملا علي القاري: قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملكه، فله أن يهدي به إلى غيره الخ، وهو معنى قول ابن الملك: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٩٢ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فقیر کو دی ہوئی زکوٰۃ کی رقم سے زکوٰۃ دہندہ کا ولیمہ کھانا؟

سوال (۲۹۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے لوگ شادی بیاہ کے وقت نقد رقم اور نقدی سامانوں کا مطالبہ کرتے ہیں، ایسی رقم کو لے کر دیگر اخراجات کے ساتھ ساتھ ولیمہ بھی کرتے ہیں، تو ان پیسوں سے ولیمہ کرنا اور اس دعوتِ ولیمہ میں جان بوجھ کر جانا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی فقیر شخص کو اس کی ناداری کی وجہ سے تقریب میں تعاون کی غرض سے صدقہ کی رقم دی جائے اور پھر وہ فقیر اسی رقم سے ولیمہ کی دعوت کرے تو صدقہ دینے والے کے لئے اس کا کھانا جائز ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... ألم أر برمة فيها لحم، قالوا: بلىٰ! ولكن ذٰلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: عليها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري ٢/ ٥٧٩ رقم: ٥٠٧٩ ف: ٥٢٧٩)

قال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي تحت قوله: "ولنا هدية" أي إن أهدتها إلينا بريرة، ...... فإذا تصدق على الفقير شيء صار ملكه، فله أن يهديه ويهبه للغني، ولكل من لا تحل له الصدقة. (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٩٢ دار النوادر)

وفي رواية مسلم: فكرهنا أن نطعمك منه فقال: هو عليها صدقة وهو منها لنا هدية. (صحيح مسلم ١/ ٤٩٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۳۲/۱۱/۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفراء کوزکوٰۃ دینا اور تنخواہ وتعمیر وغیرہ میں زکوٰۃ صرف کرنا

چندہ محصلین کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

سوال (۲۹۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس اسلامیہ کے محصلین کی شرعاً حیثیت کیا ہے؟ کیا ان سے زکوٰۃ کی رقم کی رسید حاصل کر لینے سے زکوٰۃ دینے والا بری الذمہ ہو جاتا ہے؟ یا یہ کہ جب تک طلبہ پر صرف نہ ہو اس وقت تک ادا نہیں ہوتی ہے، اگر کسی محصل کا روپیہ چوری ہو جائے یا گر جائے تو جن لوگوں نے زکوٰۃ کی رقم دی ہے، اس کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: چندہ محصلین جس طرح چندہ دہندگان کے وکیل ہیں، اسی طرح مہتمم مدرسہ کے توسط سے طلبہ مستحقین کے بھی وکیل ہیں، اس لئے ان کو زکوٰۃ کی رقم دینے سے چندہ دہندگان کا ذمہ فی نفسہٖ بری جائے گا، چندہ دینے کے بعد ان محصلین کی حیثیت اَمین کی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ اگر اَمانت اَمین کے ہاتھ میں لاپروائی کی وجہ سے ضائع ہو جائے، تو امین اس کا ضامن ہوتا ہے، اور اگر حفاظت کے تمام انتظامات کے باوجود ضائع ہو جائے تو اَمین ضامن نہیں ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر یہ رقم بلاتعدی ضائع ہوئی ہے، تو چندہ دہندگان کی زکوٰۃ ادا سمجھی جائے گی، اور کسی پر اس کا ضمان نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/ ۵۱ جدید، فتاویٰ خلیلیہ ۳۱۹، امداد الفتاویٰ ۳/ ۳۱۵، جواہر الفقہ ۴/ ۳۸۷، امداد المفتیین ۱۰۸۵، فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۵۱۴ ڈابھیل)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أنه قال: أتی رجل من بني تمیم إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: فقال: یا رسول اللّٰه! إذا أدیت الزکاة إلی رسولک فقد برئت منها إلی اللّٰه وإلی رسوله، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: نعم إذا أدیت الزکاة إلی رسولي فقد برئت منها لک أجرها وإثمها علی من بَدّلها. (السنن الکبریٰ للبیهقي، الزکاة / باب الزکاة تتلف في یدي الساعي ٥٠٢/٥ رقم: ٧٣٨٠، المصنف لعبد الرزاق، الزکاة / باب موضع الصدقة ٤٥/٤ رقم: ٦٩١٩)

بخلاف ما إذا ضاعت في ید الساعي؛ لأن یده کید الفقراء. (رد المحتار / کتاب الزکاة ٢٧٠/٢ کراچی)

في النوازل: إذا قال المودع: سقطت الودیعة أو ''بیفتاد أزمن'' لا یضمن، ولو قال: لا أدري أضعتها أو لم أضع یضمن. (الفتاویٰ الهندیة ٣٤٢/٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا سفراء کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

سوال (۲۹٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دینی مدارس کے لئے سفیر حضرات رسید بک لے کر کثیر تعداد میں دوسرے شہروں، قصبوں اور دیہاتوں سے چندہ مانگنے آتے ہیں، ان میں سے اکثر حضرات چندہ کی رقم میں سے حصۂ مقررہ پر چندہ کرتے ہیں اور بعض کی تنخواہیں ہوتی ہیں، اگر زکوٰۃ کی رقم ان کو دی جائے تو کیا زکوٰۃ کا فرض ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ کیوں کہ سننے میں آیا ہے کہ چندہ مانگنے والوں میں بعض کا حصہ ہوتا ہے، تو پوری رقم مدرسہ میں نہیں پہنچتی ہے، نیز مسئلہ بتایا جاتا ہے کہ مدارس میں جو زکوٰۃ دی جاتی ہے اگر وہ صحیح مصرف میں خرچ کریں گے تو زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں، اور یہ معلوم ہونا بہت مشکل ہے کہ زکوٰۃ کی رقم جو سفیر کو دی گئی ہے اسے صحیح مصرف میں خرچ کیا جاتا ہے یا نہیں؟ کیوں کہ چندہ مانگنے کے لئے

جن مدارس کی طرف سے یہ اپنے کو سفیر بتاتے ہیں، ان مدارس والے حضرات کے کوائف سے صحیح واقفیت کا حاصل ہونا کارے دارد ہے، ایسے میں اطمینانِ قلب کی کیا صورت ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کو کسی سفیر یا مدرسہ کے بارے میں اطمینان ہو جائے اور آپ بلا تکلف اس کو زکوٰۃ کی رقم دے دیں، تو آپ کے ذمہ سے فریضہ ساقط ہو جائے گا، اب سفیر پر لازم ہے کہ وہ پوری رقم حسبِ ضابطہ مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرے، اس کے بعد ہی اپنا طے شدہ حق المحنت حاصل کرے، اگر وہ سفیر اس میں کوتاہی کرتا ہے تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا، اور زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۵۱۳ ڈابھیل، کفایۃ المفتی ۴/۲۵۶)

حدثنا أبو الجويرية أن معن بن يزيد رضي اللّٰه عنه حدثه قال: بايعت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أنا وأبي وجدي وخطب علي فأنكحني وخاصمت إليه كان أبي يزيدُ أخرج دنانير يتصدق بها فوضعها عند رجل في المسجد فجئت فأخذتها فأتيته بها، فقال: واللّٰه ما إياک أردتُ، فخاصمت إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: لک ما نويت يا يزيد، ولک ما أخذت يا معن. (صحيح البخاري، كتاب الزكاة / باب إذا تصدق على ابنه وهو لا يشعر ۱/۱۹۱ رقم: ۱۴۲۲، فتح الباري ۴/۳۷۱ بيروت)

سئل ابن الفضل عمن دفع جواهر إلى رجل ليبيعها فقال القابض أنا أريها تاجراً لأعرف قيمتها فضاعت الجواهر قبل أن يريها قال: إن ضاعت أو سقطت بحركتهٖ ضمن، وإن سرقت منه أو سقطت لمزاحمة أصابته من غيره لم يضمن. (الفتاوى الهندية ۴/۳۴۲ دار الفكر بيروت)

ولو دفع بتحر فبان أنه غني أو هاشمي أو كافر أو أبوه أو ابنه صح

لـحـديـث البخاري لک ما نويت يا يزيد! لک ما أخذت يا معن! حين دفعها يزيد إلى ولده معن. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٧ کراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمیشن طے کر کے زکوٰۃ وصول کرنا؟

سوال (۲۹۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان وغیرہ میں زکوٰۃ کی وصول یابی پر مقرر کردہ محصلین کے لئے فیصد اور کمیشن طے کر کے زکوٰۃ وصول کرنا شرعاً کیسا ہے؟ نیز ایسے مدرسوں کو جن کی زکوٰۃ وصول کرنے والے کمیشن پر کام کرتے ہوں، زکوٰۃ دی جائے تو ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیشن پر زکوٰۃ وصول کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ اِجارۂ مجہولہ ہے، اور جو ذمہ دارانِ مدارس زکوٰۃ کے مال سے کمیشن دیتے ہیں اور جو سفراء کمیشن لیتے ہیں، ان سے عنداللہ مؤاخذہ ہوگا؛ کیوں کہ وہ فقیر طلبہ کے وکیل بن کر ان کی حق تلفی کرنے والے ہیں؛ تاہم زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؛ کیوں کہ انہوں نے فقراء کے وکیل کے قبضہ تک زکوٰۃ کو پہنچا دیا ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۶/ ۴۶۷)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ٩/ ٣٩ رقم: ١١٨٥٥)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: نهى عن عسب الفعل، زاد عبيد اللّٰه وعن قفيز الطحان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥/ ٥٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

الإجارة هي بيع منفعة معلومة بأجرة معلومة. (البحر الرائق ٨/ ٢ زكريا)

لأنها استئجار ببعض ما يخرج من عمله فتكون بمعناه، وقد نهى عنه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، وهو أن يستأجر رجلا ليطحن له كذا من الحنطة بقفيز من دقيقها. (شامي، كتاب المزارعة ۹/ ۹۸ ۳ زكريا، شامي ٦/ ٢٧٥ كراچی)

لو هلک المال في يد العامل سقط حقه وأجزی عن الزكاة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۱۹۹ رقم: ٤١٢٤ زكريا، الفتاوى الهندية ١/ ١٨٨، أحسن الفتاوى ٦/ ٤٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے چندہ کنندگان کا اپنی تنخواہ وصول کرنا؟

سوال (۲۹۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں چند مدارس ایسے ہیں، جن میں قانون ہے کہ اساتذہ اپنی اپنی تنخواہ چندہ کرکے لیں گے مدرسہ کی طرف سے نہیں دی جائے گی۔ تو پوچھنا یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں جمع نہیں ہو پاتی کہ اساتذہ سفر میں یا اپنے گھر کی ضرورتوں میں خرچ کرڈالتے ہیں، تو کیا یہ صورت جائز ہے؟ زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ جب کہ وہ اساتذہ اور چندہ کرنے والے غریب اور شرعاً زکوٰۃ کے مستحق بھی ہیں؟ بصورتِ دیگر جواز کی شکل بھی تحریر فرمائی جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ فقیر اور مستحق کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنایا جائے۔ بریں بنا مذکورہ صورت میں اساتذہ کا چندہ کرکے زکوٰۃ کی رقم مہتمم یا ذمہ دارِ مدرسہ کے حوالہ کئے بغیر اپنی ضروریات میں استعمال کرنا اور اس سے اپنی تنخواہ وصول کرنا جائز نہیں ہے، خواہ وہ غریب ہی کیوں نہ ہوں؟ اور اگر یہ رقم براہِ راست استعمال کرلی یا اس سے تنخواہ کے بقدر روپئے الگ کرلئے، تو خرچ کرنے والا اس کا ضامن ہوگا، اور اتنی رقم مدرسہ میں جمع کرانی ہوگی، اور مدرسہ میں جمع کرانے کے بعد انجام کار زکوٰۃ ادا کرنے والے کی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۲۵۲)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أنه قال: أتی رجل من بني تمیم إلی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم فقال: یا رسول اللّٰه! إذا أدیت الزکاة إلی رسولک فقد برئت منها إلی اللّٰه وإلی رسوله، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: نعم! إذا أدیت الزکاة إلی رسولي فقد برئتَ منها، لک أجرها وإثمها علی من بدّلها. (السنن الکبریٰ للبیهقي ۱۶۴/٤ رقم: ۷۲۸۳ دار الکتب العلمیة بیروت)

مستفاد: عن أبي حمید الساعدي رضي اللّٰه عنه قال: استعمل النبي صلی اللّٰه علیه وسلم رجلاً من بني أسد یقال له ابن الأتبیة علی صدقة، فلما قدم قال: هٰذا لکم، وهٰذا أهدی لي، فقام النبي صلی اللّٰه علیه وسلم علی المنبر ...... ثم قال: ما بال العامل نبعثه فیأتي فیقول: هٰذا لک وهٰذا لي، فهلا جلس في بیت أبیه وأمه فینظر أیهدی له أم لا؟ والذي نفسي بیده لا یأتي بشيء إلا جاء به یوم القیامة یحمله علی رقبته ...... الخ. (صحیح البخاري، کتاب الأحکام / باب هدایا العمال ۱۰٦٤/۲ رقم: ۷۱۷٤، فتح الباري ۲۰٤/۱٦ دار الکتب العلمیة بیروت)

عن بریدة مرفوعاً: أیما عامل استعملناه وفرضنا له رزقا فما أصاب بعد رزقه فهو غلول. (رواه الحاکم في المستدرک کذا في التلخیص الحبیر ۴۰۳/۲، ومثله عند أبي داؤد في سننه رقم: ۲۹٤۳، إعلاء السنن ۷۹/۱٥ دار الکتب العلمیة بیروت)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة. (درمختار ۳٤۷/۲ کراچی، الفتاویٰ الهندیة ۱۸۹/۱)

لا یجوز الزکاة إلا إذا قبضها الفقیر أو قبضها من یجوز القبض له لولایته علیه. (المحیط البرهاني ٤۳٤/۲ کوئٹه)

لا یجوز إلا إذا قبضه من یقبض له. (فتاویٰ السراجیة ۱٥۳)

إذا ضاعت الودیعة أو هلکت لزم الضمان. (شرح المجلة ٤۳۳/۱ رقم: ۷۸۲)

سئل عمر الحافظ رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له هٰذا زكٰوة مالي فأدفعها إلى فلان، فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ فقال نعم، له التعيين. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۸۸/۳ زکریا، شامي ۲۶۹/۲ کراچی، البحر الرائق ۳۷۱/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۳/۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا کمیشن پر چندہ کرنے والوں کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

سوال (۲۹۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس کے لئے جو احباب کمیشن کے ذریعہ چندہ وصول کرتے ہیں، ان کو چندہ میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کمیشن پر چندہ کرنا جائز نہیں ہے؛ اس لئے کہ یہ اِجارہ مجہولہ ہے، سفیر پر لازم ہے کہ وہ زکوٰۃ کی وصول شدہ پوری رقم مدرسہ کے فنڈ میں جمع کرے، جب تک وہ پوری رقم جمع نہ کرے اسے معاوضہ وغیرہ لینا جائز نہیں ہے؛ تاہم چوں کہ وہ مدرسہ کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل ہے، اس لئے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اب اگر وہ جمع کرنے میں کوتاہی کرے گا تو وہ خود اس کا ذمہ دار ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۱۷-۵۶۷ ڈابھیل، ایضاح المسائل ۱۲۲)

قال اللّٰہ تعالی: ﴿اِنَّ اللّٰہَ یَأْمُرُکُمْ أَنْ تُؤَدُّوْا الْأَمَانَاتِ إِلٰی أَهْلِهَا﴾. [النساء: ۵۸]

عن أنس بن مالک رضي اللّٰہ عنه أنه قال: أتی رجل من بني تمیم إلی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: فقال: یا رسول اللّٰہ! إذا أدیت الزکاة إلی رسولک فقد برئت منها إلی اللّٰہ وإلی رسوله، فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: نعم إذا أدیت الزکاة إلی رسولي فقد برئت منها ولک أجرها وإثمها

على من بدلها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الزكاة / باب الزكاة تتلف في يدي الساعي ٥/٢ ٥٠ رقم: ٧٣٨٠، المصنف لعبد الرزاق، الزكاة / باب موضع الصدقة ٤/ ٤٥ رقم: ٦٩١٩)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن استيجار الأجير يعني حتى يبين له أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب لا تجوز الإجارة حتى تكون معلومة ٩/ ٣٩ رقم: ١١٨٥٥)

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: نهى عن عسب الفعل، زاد عبيد الله وعن قفيز الطحان. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥/ ٥٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

الإجارة هي بيع منفعة معلومة بأجرة معلومة. (البحر الرائق ٨/ ٥ زكريا)

وأما حكمها فوجوب الحفظ على المودع وصيرورة المال أمانة في يده ووجوب أدائه عند طلب مالكه والوديعة لا تودع ولا تعار ولا تواجر ولا ترهن وإن فعل شيئاً فيها ضمن. (الفتاوىٰ الهندية ٤/ ٣٣٨، البحر الرائق ٧/ ٤٦٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

زکوٰۃ کی رقم سے سفیر کو ڈبل تنخواہ دینا

سوال (۳۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارسِ اسلامیہ میں ماہِ رمضان میں سفراء وصول یابی کے لئے جس میں زکوٰۃ کی وصولی خاص ہوتی ہے، اس کارکردگی کی وجہ سے ماہِ رمضان کی ڈبل تنخواہ ملتی ہے اور یہ ڈبل تنخواہ مدزکوٰۃ سے ملتی ہے، تو ڈبل تنخواہ مدزکوٰۃ سے لینا دینا جائز ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے سفیر یا کسی بھی ملازم کو اصل یا ڈبل کوئی بھی تنخواہ دینا جائز نہیں ہے، اگر مجبوری کی حالت ہو تو پہلے زکوٰۃ کی رقوم کی شرعی ضوابط کے مطابق تملیک کرانی ہوگی، اس کے بعد ہی وہ رقم تنخواہ میں خرچ کی جاسکتی ہے۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

لأن الـز كوٰة يجب فيها تمليک المال لأن الإيتاء في قوله تعالیٰ: ﴿وَآتُوْا الزَّكوٰةَ﴾ يقتضي التمليک. (تبيين الحقائق ١١٨/٢، البحر الرائق ٢٠١/٢ كوئٹه)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا ...... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت – إلى قوله – لعدم التمليک وهو الركن. (شامي ٢٩١/٣-٢٩٣ زكريا، ٣٤٤/٢ كراچی)

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما في معناه. (درمختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا، البحر الرائق ١٧٨/٨، الهداية، الأضحية ٤٥٠/٤)

قوله: وإلا لا، أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض. (كذا في الشامي ٢٥٦/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۵/۱۱/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امام ومؤذن کی تنخواہوں میں زکوٰۃ کی رقم صرف کرنا؟

سوال (۳۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے شہر میں ماہ رمضان المبارک میں مسجدوں کے امام اور مؤذنوں کی امداد کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، اس چندہ میں مسجد کے امام اور مؤذن کے لئے بطور امداد زکوٰۃ صدقۃ الفطر اور چرمِ قربانی کی رقم دینا کہاں تک درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امام اور مؤذن کی تنخواہوں میں زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقومات صرف کرنا جائز نہیں ہے، ہاں کوئی امام یا مؤذن غریب اور مستحق زکوٰۃ ہو تو اسے بطور مدد زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم ۲۱۳/۶)

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

لأن الزكوٰة يجب فيها تمليک المال لأن الإيتاء في قوله تعالیٰ: ﴿وَآتُوا الزَّكوٰةَ﴾ يقتضي التمليک. (تبيين الحقائق ١١٨/٢، البحر الرائق ٢٠١/٢ كوئٹه)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكا ...... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ولا إلى كفن ميت – إلى قوله – لعدم التمليک وهو الركن. (شامي ٢٩١/٣-٢٩٣ زكريا، ٣٤٤/٢ كراچی)

ولا يعطى أجر الجزار منها؛ لأنه كبيع؛ لأن كلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما يعطى الجزار بمقابلة جزره، والبيع مكروه، فكذا ما في معناه. (درمختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زكريا، البحر الرائق ١٧٨/٨، الهداية، الأضحية ٤٥٠/٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۵/۶/۱۴۱۵ھ

زکوٰۃ اور چرم قربانی کے پیسہ سے مدرسین کی تنخواہ دینا؟

سوال (۳۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہماری بستی میں ایک مکتب ہے جس میں تقریباً ۱۵۰/ بچے پڑھتے ہیں، وہ سب بچے بستی کے ہیں نہ کہ باہر کے، ایک تو محلّہ کے امام پڑھاتے ہیں اور ایک مدرس اور پڑھاتے ہیں، ان کی تنخواہ سترہ سو روپیہ ہے، امام صاحب کا مسجد سے تقریباً پندرہ کوئنٹل اناج ہے، کچھ بچوں سے بہت تھوڑی سی فیس بھی وصول ہوتی ہے، تقریباً ۶۰۰/ روپئے ہیں، تین سو امام صاحب کو ملتے ہیں اور تین سو مدرس کی تنخواہ میں شامل ہوجاتے ہیں، اور تقریباً ۱۴/سو روپیہ امدادی چندہ سے دئے جاتے ہیں، اس سے پورے سال کی تنخواہ پوری نہیں ہوتی، بستی والوں کا خیال ہے کہ چرم قربانی وزکوٰۃ کا پیسہ اکٹھا کیا جائے اور مدرس کی تنخواہ اس میں سے ادا کی جائے، آیا یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہماری بستی کے چار آدمی فضیلۃ الدکتور...... فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سعودیہ عربیہ کے پاس بجنور پہنچے، اور چرم قربانی اور زکوٰۃ کے بارے میں معلومات کی، انہوں نے اس پر بلا دلیل فرمادیا کہ ہر جگہ مدرسہ میں

چرم قربانی یا زکوٰۃ کا پیسہ لگایا جاسکتا ہے، ان صاحب نے جب یہ رقم لگانے کی اجازت دے دی، تو بستی والے اس ضد پر ہیں کہ چرم وغیرہ کا پیسہ لگایا جائے؟ آپ جواب تحریر فرمائیں کہ کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور چرم قربانی کی قیمت کا مصرف فقراء ہیں، اور اس کی ادائیگی کے لئے لازم ہے کہ فقراء ومستحقین کو بلاعوض مالک بنادیا جائے، اور تنخواہ میں اس رقم کا خرچ کرنا بلاعوض نہیں؛ بلکہ خدمت کے عوض ہوتا ہے، اس لئے زکوٰۃ وچرم قربانی کا پیسہ براہِ راست مدرسین کی تنخواہ میں خرچ کرنا درست نہیں، بستی والوں کو چاہئے کہ وہ تنخواہ کا انتظام امدادی چندہ سے کریں اور اس مقصد کے لئے صدقہ کی رقومات جمع نہ کریں۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبۃ: ٦٠]

لأن الزکوٰۃ یجب فیها تملیک المال لأن الإیتاء في قوله تعالیٰ: ﴿وَآتُوا الزَّكوٰةَ﴾ یقتضي التملیک. (تبیین الحقائق ١٨/٢ ١، البحر الرائق ٢٠١/٢ کوئٹہ)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکا ...... لا یصرف إلی بناء نحو مسجد ولا إلی کفن میت – إلی قوله – لعدم التملیک وهو الرکن. (شامي ٢٩١/٣–٢٩٣ زکریا، ٣٤٤/٢ کراچی)

ولا یعطی أجر الجزار منها؛ لأنه کبیع؛ لأن کلا منهما معاوضة؛ لأنه إنما یعطی الجزار بمقابلة جزره، والبیع مکروه، فکذا ما في معناه. (درمختار مع الشامي ٤٧٥/٩ زکریا، البحر الرائق ١٧٨/٨، الهدایة، الأضحیة ٤٥٠/٤) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۱۱/۲۳ھ

سخت مالی بحران کے سبب حیلۂ تملیک کرکے زکوٰۃ کی رقم سے تنخواہ دینا؟

سوال (۳۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید ایک صاحبِ نصاب شخص ہے، اس کے علاقہ میں ایک مکتب ومدرسہ تقریبا ۲۵ یا ۳۰ سال قبل بچوں کوضروری دینی تعلیم دینے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا، زمانہ قیام کے چند برسوں کے بعد مکتب و مدرسہ مذکورہ مسلکی اختلاف کا شکار ہوا، متعلقہ موضع اوراطراف کے باشندگان کے عدم مالی وفکری تعاون کی وجہ سے مکتب و مدرسہ مذکور میں تعلیم وتدریس کا کام عرصہ سے ملتوی رہا، انہیں حالات کے پیش نظر متولی مدرسہ نے بچوں کوضروریات دین کی بنیادی تعلیم دینے کے لئے ایک مدرس کانظم کیا اور ملازم کی تنخواہ اور دیگرضروریات مدرسہ کے واسطہ مالی تعاون کی درخواست کی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ مکتب و مدرسہ میں نادارطلبہ کوضروریاتِ دین کی تعلیم دینے کی غرض سے مقرر کئے گئے مدرس یاملازم کی تنخواہ اور دیگراخراجات کے لئے امدادی یاچندے کی رقم مہیا نہ ہونے کی وجہ سے انتہائی دقت و پریشانی کا سامنا ہونے کےسبب شدید مجبوری کی حالت میں حیلۂ تملیک کے ذریعہ مدزکوٰۃ کی رقم کا استعمال کیا جاسکتا ہے یانہیں؟ اورمکتب و مدرسہ مذکورکی اعانت مدزکوٰۃ سے مذکورہ حالات کے پیشِ نظرکی جاسکتی ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شدیدضرورت کے پیشِ نظرزکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقومات حیلۂ تملیک کے بعد مدرسین کی تنخواہوں میں لگانے کی گنجائش ہے، پھر بھی حتی الامکان کوشش کی جائے کہ زکوٰۃ کے علاوہ امدادی رقومات حاصل ہوں، اور ان سے مدرسہ کی ضروریات پوری کی جائیں۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت كان في بريرة ثلاث سنن ...... ودخل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم والبرمة تفور بلحم، فقرب إليه خبز وأدم من أدم البيت، فقال: ألم أر برمة فيها لحم؟ قالوا: بلىٰ! ولكن ذٰلك لحم تصدق به على بريرة، وأنت لا تأكل الصدقة، قال: هو عليها صدقة ولنا هدية. (صحيح البخاري، الطلاق / باب لا يكون بيع الأمة طلاقاً رقم: ٥٢٧٩، فتح الباري ٢/١٥٠٥ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الشيخ عبد الحق المحدث الدهلوي تحت قوله: ''ولنا هدية'' أي إن

أهـدتهـا إلينـا بـريرة، ...... فإذا تصدق على الفقير شيء صار ملكه، فله أن يهديه ويهبـه لـلغني، ولكل من لا تحل له الصدقة. (لـمـعـات التـنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٢٩٢/٤ دار النوادر)

وقـال الـمـلا عـلـي القاري: قال الطيبي: إذا تصدق على المحتاج بشيء ملـكـه، فلـه أن يهـدي بـه إلـى غيـره الـخ، وهو معنى قول ابن الملک: فيحل التصدق على من حرم عليه بطريق الهدية. (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ٢٩٢/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

لـو أراد صـرفهـا إلـى بـناء المسجد أو القنطرة لا يجوز، فإن أراد الحيلة فـالـحيلة أن يتصدق به المتولي على الفقراء، ثم الفقراء يدفعونه إلى المتولي، ثم المتولي يصرف إلى ذٰلک كذا في الذخيرة. (الفتاوى الهندية ٤٧٣/٢ دار الفكر بيروت)

وقـدمـنـا أن الـحيـلة أن يتـصـدق عـلـى الفقير ثم يأمره بفعل هٰذه الأشياء.

(درمختار / باب المصرف ٢٦٤/٣ دار إحياء التراث العربي بيروت، ٢٩٣/٣ زكريا، تبيين الحقائق ١٢٠/٢)

والـحيلة لمن أراد ذٰلک أن يتصدق ينوي الزكاة على فقير، ثم يأمره بعد ذٰلک بـالـصـرف إلـى هٰـذه الـوجـوه، فيـكـون لـصـاحب المال ثواب الصدقة، ولذٰلک الفقير ثواب هٰذه الصرف. (الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠٨/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳؍۱؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

لوگوں کے چندہ نہ دینے کی وجہ سے زکوٰۃ کی رقم تملیک کر کے تنخواہ میں خرچ کرنا؟

سوال (۳۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے علاقہ میں ایک مکتب عرصہ دراز سے چل رہا ہے، جس میں ۶؍ مدرسین تعلیمی کام کو

انجام دے رہے ہیں، مکتب میں اس وقت تقریباً ۳۰۰ ر بچے تعلیم حاصل کررہے ہیں، امداد کی رقم سے اس مدرسہ کو اب تک چلایا جاتا رہا ہے؛ لیکن علاقہ کی خاصی بے توجہی کی وجہ سے مدرسین کی تنخواہ پوری کرنا مشکل ہورہا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں مکتب کے لئے زکوٰۃ کی رقم تنخواہ میں استعمال کرنے کے لئے شریعتِ مطہرہ میں کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں زکوٰۃ کی رقم کی تملیک کر کے مدرسوں کی تنخواہوں میں خرچ کرنا ضرورۃً جائز ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۶/۱۰۴)

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني ...... أو جار فقير يتصدق عليه فيهدي لک أو يدعوک. (سنن أبي داؤد ۱/۲۳۲ رقم: ۱۸٤۱)

وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (شامي ۳/۱۹۱ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں لگانے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی؟

سوال (۳۰۵): - اگر زکوٰۃ کا روپیہ بغیر تملیک کے تعمیر میں لگا دیا گیا، تو زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا ہونے اور تعمیر کے صحیح ہونے کی کیا صورت ہوگی؟ کیا تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانے سے زکوٰۃ دہندہ کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم تعمیر میں لگانے سے معطیین کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، اور اس رقم کو تعمیر پر خرچ کرنے والے لوگ صرف شدہ رقمِ زکوٰۃ کے ضامن ہوں گے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۵۷۰ ڈابھیل)

عـن أنـس بـن مـالک رضـي اللّٰه عنه أنه قال: أتى رجل من بني تميم إلى رسـول الـلّٰـه صـلـى الـلّٰـه عـليـه وسلم فقال: يا رسول اللّٰه! إذا أديت الزكاة إلى رسـولک فـقـد برئت منها إلى اللّٰه وإلى رسوله، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم: نـعـم! إذا أديـت الزكاة إلى رسولي فقد برئتَ منها، لک أجرها وإثمها على من بدَّلها. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/ ١٦٤ رقم: ٧٢٨٣ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا يـصـرف إلـى بـنـاء نـحـو مسـجد كبناء القناطير السقايات وإصلاح الطرقات ...... وكل ما لا تمليک فيه. (شامي ٢/ ٣٤٤ كراچی، ٣/ ٢٩١ زكريا)

ولا يجوز أن يبني بالزكاة المسجد، وكذا القناطر. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ١٨٨)

كما تستفاد من عبارة الـدر: ولو خلط زكاة موكليه ضمن وكان متبرعاً.

(درمختار ٢/ ٢٦٩ كراچی، ٣/ ١٨٨ زكريا)

سئـل عمر الحافظ عن رجل دفع إلى الآخر مالاً، فقال له هٰذا زكاة مالي، فـادفعهـا إلـي فلان فدفعها الوكيل إلى الآخر، هل يضمن؟ قال نعم، وله التعيين.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٢٢٨ زكريا، البحر الرائق ٢/ ٣٧١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۱۱/۵ھ

سخت مجبوری میں زکوٰۃ، صدقات اور چرم کی رقم تملیک کے بعد مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں لگانا؟

سوال (۳۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا زکوٰۃ صدقۂ فطر اور چرم قربانی کی رقم تعمیر مسجد وعیدگاہ اور تعمیر مدرسہ میں صرف ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ اگر صرف نہیں ہوسکتی تو ان رقومات کا ان مقامات میں صرف کرنے یا جائز سمجھنے والے کے بارے میں شرع کا کیا حکم ہے؟ ان سے کہا جاتا ہے کہ ایسا کیوں کیا گیا؟ تو کہتے ہیں کہ ہم نے بطور

قرض لے لیا ہے، یا تحویل یا حیلہ کرلیا ہے، تو شرعاً کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ، صدقات اور چرم قربانی کی رقم مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں صرف نہیں کی جاسکتی ہے، اور اس مقصد کے لئے مروجہ حیلۂ تملیک بھی جائز نہیں ہے؛ تاہم اگر سخت ضرورت کی وجہ سے شرعی حیلۂ تملیک کے بعد یہ رقم لگائی گئی ہے، تو اس جگہ سے انتفاع میں حرج نہیں۔

عن أبي سعيد الخدري قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تحل الصدقة لغني ...... أو جار فقير يتصدق عليه فيهدي لک أو يدعوک. (سنن أبي داؤد ١٣٢/١ رقم: ١٨٤١)

ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد، وكل ما لا تمليک فيه، وإن أريد الصرف إلى هٰذه الوجوه صرف إلى فقير، ثم يأمر بالصرف إليها فيثاب المزكي والفقير. (مجمع الأنهر ٢٢٢/١ دار إحياء التراث بيروت)

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات، وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار، والحج والجهاد، وكل ما لا تمليک فيه. (شامي ٢٩١/٣ زكريا)

وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير، ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد. (شامي ١٩١/٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۷/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں زکوٰۃ کا پیسہ صرف کرنا؟

سوال (۳۰۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محلّہ محل سرائے میں مسجد کی تعمیر ہورہی ہے، وہاں پر چندہ کی رسید پر ''مسجد و مدرسہ'' ایک ہی پرچہ پر چھپا ہوا ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ پیسہ مسجد و مدرسہ دونوں میں سے کسی ایک پر یا دونوں

پر برابر یا کم وبیش کر کے حسبِ موقع خرچ کیا جاسکتا ہے، اس طرح کی رسیدات وچندہ وخرچہ کہاں تک مناسب ہے؟ کیا اس طرح کے چندہ میں زکوٰۃ کا روپیہ وپیسہ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تعمیر خواہ مدرسہ کی ہو یا مسجد کی، اس میں زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لگایا جاسکتا، زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مصرف کا پایا جانا ضروری ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن الثوري قال: الرجل لا یعطي زکاۃ مالہ ...... في کفن میت ولا دین میت ولا بناء مسجد ......الخ. (المصنف لعبد الرزاق ١١٢/٤ رقم: ٧١٦٣)

لا یصرف إلی بناء نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات. (شامي ٣٤٤/٢ کراچی، ٢٩١/٣ زکریا)

لا إلی ذمي ...... وبناء مسجد. (البحر الرائق ٢٤٣/٢ کوئٹہ)

لا یجوز أن یبنی بالزکاۃ؛ لأن التملیک شرط فیھا، ولم یوجد، وکذا لا یبنی لھا القناطر والسقایات. (تبیین الحقائق / باب المصرف ١٢٠/٢ دار الکتب العلمیة بیروت)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۹/۷ھ

زکوٰۃ کی رقم سے مکتب یا مدرسہ کے لئے جگہ خریدنا؟

سوال (۳۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کی رقم سے مکتب یا مدرسہ کے لئے جگہ کا خریدنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم سے براہِ راست مکتب یا مدرسہ کی جگہ خریدنا جائز نہیں ہے، یہ غریبوں کا حق ہے؛ لہٰذا انہیں پر خرچ کرنا لازم ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

أما ركنه فهو: التمليك لقوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ [الأعراف: ١٤١]

والإيتاء: هو التمليك لقوله تعالیٰ: ﴿وَاٰتُوا الزَّكَاةَ﴾ فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك رأساً من بناء المساجد ونحو ذٰلک، وبما ليس بتمليک من كل وجه. (بدائع الصنائع / ما يسقط بعد الوجوب ١٨٩/٢ زكريا)

وعلى هٰذا يخرج صرف الزكاة إلى وجوه البر من بناء المساجد والرباطات والسقايات وإصلاح القناطر، وتكفين الموتى ودفنهم أنه لا يجوز؛ لأنه لم يوجد التمليک أصلاً. (بدائع الصنائع / ركن الزكاة ١٤٢/٢ زكريا، شامي ٦٢/٢ كراچی، ٢٩١/٣ زكريا،الفتاوى الهندية ١٨٨/١، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٢٠٨/٣ زكريا، مجمع الأنهر ٢٢٢/١ دار إحياء التراث العربي بيروت، البحر الرائق ٢٤٣/٢ كوئٹه)

لا إلى بناء مسجد. (درر الحكام شرح غرر الأحكام / بناء المساجد من مال الزكاة ١٨٩/١ الشاملة)

قال – رحمه اللّٰه –: ''وبناء مسجد'' أي لا يجوز أن يبنى بالزكاة السمجد؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا لا يُبنى بها القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليک فيه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق / باب المصرف ١٢٠/٢، وفي الشاملة ٣٠٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۸/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ اسلامیہ کی چھت تعمیر کرنا؟

سوال (۳۰۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ اسلامیہ میں زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ اسلامیہ کی چھت تعمیر ہوسکتی ہے یا نہیں؟ یا کس طرح

لگاسکتے ہیں؟ جب کہ مدرسہ ہٰذا میں بیرونی طلبہ بھی رہتے ہیں، قیام وطعام کا مدرسہ ہی کفیل ہے، طلبہ کے قیام کی زیادہ پریشانی ہے؛ لہٰذا درخواست ہے کہ قرآن وحدیث کی روشنی میں آگاہ فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم براہِ راست کسی مدرسہ کی تعمیر اور تنخواہ میں لگانی جائز نہیں ہے، اور چھوٹے چھوٹے مکاتب جن کے مصارفِ زکوٰۃ کی رقم کے بغیر بھی پورے ہوسکتے ہوں، ان کے لئے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ وہاں مصرفِ زکوٰۃ موجود نہیں ہے۔ (امداد الاحکام ۳/۶۴، ایضاح المسائل ۱۱۸)

ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا إباحة کما مر، لا یصرف إلی بناء نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات وإصلاح الطرقات وکری الأنهار، وکل ما لا تملیک فیه. (شامي ۲/ ۳٤٤ کراچی، ۳/ ۲۹۱ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/ ۲/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مسجد میں زکوٰۃ کا پیسہ لگانے کی کوئی صورت ہے؟

سوال (۳۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ کا پیسہ مسجد میں کس صورت میں لگایا جاسکتا ہے کہ زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے اور پیسہ بھی پاک ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد میں زکوٰۃ کا روپیہ لگانے کی کوئی صورت نہیں ہے۔

(فتاویٰ محمودیہ ۹/ ۵۷۰ ڈابھیل)

لا یصرف إلی بناء نحو مسجد. (درمختار ۲/ ۳٤٤ کراچی، ۳/ ۲۹۱ زکریا)

ولا یجوز الحج والعتق وبناء المسجد من زکاة ماله؛ لأنهم مأمورون

بـالإيتاء للفقير، وهو عبارة عن التمليک من الفقير، ولم يوجد. (الفتاویٰ الولوالجية، الزكاة / فيما يقع عن الزكاة وفيما لا يقع إلى آخره ۱/ ۱۸۰ دار الکتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۷/۹/۱۴۱۳ھ

زکوٰۃ کے پیسہ سے مسجد کا سامان خریدنا؟

سوال (۳۱۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صدقہ وزکوٰۃ کے روپئے سے مسجد کے لئے نل، غسل خانہ کی بالٹی اور وضو کے لوٹے خرید سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقاتِ واجبہ اورزکوٰۃ کی رقم مسجد کے کسی کام میں نہیں لگائی جاسکتی، اس میں صرف امداد ہی کا پیسہ لگانا چاہئے۔

أما ركنه فهو: التمليک لقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ [الأعراف: ۱٤۱] **والإيتاء: هو التمليک لقوله تعالىٰ: ﴿وَاٰتُوْا الزَّكَاةَ﴾ فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليک رأساً من بناء المساجد ونحو ذٰلک، وبما ليس بتمليک من كل وجه.** (بدائع الصنائع / ما يسقط بعد الوجوب ۲/ ۱۸۹ زكريا)

وعلى هٰذا يخرج صرف الزكاة إلى وجوه البر من بناء المساجد ...... أنه لا يجوز؛ لأنه لم يوجد التمليک أصلاً. (بدائع الصنائع / ركن الزكاة ۲/ ۱٤۲ زكريا، مجمع الأنهر ۱/ ۲۲۲ دار إحياء التراث العربي بيروت، البحر الرائق ۲/ ۲٤۳ كوئٹه)

قال – رحمه اللّٰه –: ''وبناء مسجد'' أي لا يجوز أن يبنى بالزكاة السمجد؛ لأن التمليک شرط فيها ولم يوجد، وكذا لا يُبنى بها القناطر والسقايات وإصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليک فيه. (تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق / باب المصرف ۲/ ۱۲۰، وفي الشاملة ۱/ ۳۰۰)

ولا يجوز أن يبنى بالزكوٰة المسجد ......، وكل ما لا تمليك منه. (الفتاوى الهندية ۱۸۸/۱، شامي ۶۲/۲ كراچی، ۲۹۱/۳ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ۲۰۸/۳ زكريا، درر الحكام شرح غرر الأحكام ۱۸۹/۱ الشاملة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱۲/۲۳ھ

زکوٰۃ، صدقہ اور چرمِ قربانی کی رقم مسجد کے بیت المال میں جمع کرنا؟

سوال (۳۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرمِ قربانی کی رقم مسجد کے بیت المال کے لئے جمع کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسجد کے فنڈ میں زکوٰۃ فطرہ چرمِ قربانی وغیرہ کی رقم جمع کرنا جائز نہیں؛ کیوں کہ مسجد میں زکوٰۃ وغیرہ کا مصرف نہیں پایا جاتا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ۶۰]

ومصرف الزكاة هو فقير، وهو من له أدنى شيء ومسكين من لا شيء له، ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً. (شامي ۲۸۳/۳-۲۹۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدارس میں رقومِ زکوٰۃ کی فراہمی اور طریقۂ استعمال

نوٹ: - ذیل میں استفادہ کے لئے حضرت الاستاذ کا ''مدارس میں رقومِ زکوٰۃ کی فراہمی اور طریقۂ استعمال سے متعلق ادارۃ المباحث الفقہیۃ (جمعیۃ علماء ہند) کے دسویں فقہی اجتماع (منعقدہ ممبئی حج ہاؤس ۱۴۳۴ھ) کے لئے لکھا گیا مقالہ قارئین کی خدمت میں پیش ہے۔ (از مرتب)

سوال (۳۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مدارسِ اسلامیہ کے نظام کو چلانے کے لئے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم مسلمانوں سے

وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کیا ہر چھوٹے بڑے مدرسہ کے لئے؟ یا کچھ مخصوص صفات یا معیار کے حامل مدرسوں کے لئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس مدارس میں مصارف زکوۃ بالفعل موجود ہیں، مثلاً: وہاں نادار اور غریب بچے مقیم ہوں اور ان کے قیام و طعام کا انتظام من جانب مدرسہ ہو، تو ایسے مدارس میں اخراجات کی تکمیل کے لئے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات وصول کرنا اور انہیں مصارف پر خرچ کرنا بلا شبہ جائز اور درست ہے؛ لیکن وہ مدارس جہاں مصرف زکوٰۃ بالفعل موجود نہ ہوں، مثلا: چھوٹے مکاتب جہاں مقامی بچے آتے ہیں اور پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کے قیام وطعام کا انتظام نہیں ہے، ایسے مدارس کے اخراجات صرف امدادی رقومات سے پورے کئے جانے چاہئے، ان کے لئے زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات وصول کرنا جائز نہیں ہوگا، زکوٰۃ کا تعلق چونکہ ایک فرض کی ادائیگی سے ہے اس لئے اربابِ مدارس کو خوفِ آخرت پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی نازک ذمہ داری ادا کرنی چاہئے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۵۹۴ ڈابھیل، محمودیہ ۱۴/۲۹۷-۲۹۸، میرٹھ کتاب المسائل ۲/۲۷۴)

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِيْ الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ﴾ [التوبة: ٦٠]

مصرف الزكاة ...... هو فقير ...... وفي سبيل الله ...... قيل: طلبة العلم ...... يصرف المزكي إلى كلهم أو إلى بعضهم ...... ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً...... فلا يكفي فيها الإطعام إلا بطريق التمليك. (شامي / باب المصرف ٣٤٠/٢-٣٤٤ كراچی)

ولا يحل أن يسأل شيئا من القوت من له قوت يومه بالفعل أو بالقوة كالصحيح المكتسب ولو سأل الكسوة لا شتغاله عن الكسب بالجهاد أو طلب العلم جاز أو محتاجاً. (شامي ٢٥٧/٢ كراچی)

سئل عن معلم له خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب

ألـواحهـم ولم يستأجره بشيءٍ معلوم وما اشترط شيئاً والمعلم يعطيه في الأحايين دراهـم بـنية الـزكـاة هـل يجوز عن الزكاة؟ قال: نعم! إلا أن يكون بحيث لو لم يعطه لم يعمل له ذلک في مكتبه . (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۲۰۹-۲۱۰ زکریا)

سوال (۳۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا طلبہ علم دین اور دینی کاموں (مثلاً تدریس، تصنیف اور تبلیغ) میں مصروف علماء دین زکوٰۃ کا مصرف ہیں؟ اگر ہیں تو کیا فقر کی شرط کے ساتھ یا غنی ہو کر بھی؟ نیز مصارفِ زکوٰۃ کی منصوصہ مدات میں سے کس مد میں شامل ہو کر یہ مصرف بنیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طلبہ علوم دین اور دینی کاموں میں مصروف علماء وغیرہ اگر فقیر ونادار ہوں (اور دیگر کوئی مانع بھی نہ ہو) تو زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات سے ان کی مدد کرنا بلاشبہ جائز ہے؛ لیکن یہ شرط ہے کہ یہ تعاون کسی عمل کے عوض میں نہ ہو یعنی تنخواہ وغیرہ کے طور پر نہ دیا جائے بلکہ بطور تبرع بلاعوض دیا جائے۔

اور اگر دینی مدارس کے طلبہ مالدار ہوں اور وہ مسلسل طلب علم میں مشغول ہوں تو اگر چہ بعض فقہی عبارتوں سے ایسے طلبہ پر براہ راست زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے؛ لیکن علامہ شامیؒ کی نظر میں احوط اور اوجہ بات یہ ہے کہ یہ جواز فقر کے ساتھ مشروط ہو، اور صاحب درمختار علامہ حصکفی رحمہ اللہ کا ایسے طلباء کے لئے زکوٰۃ کے جواز کو ﴿اَلْعَامِلِیْنَ عَلَیْهَا﴾ پر قیاس کرنا محل نظر ہے؛ کیوں کہ عاملین بیت المال کے لئے کام کرتے ہیں، جب کہ طلبہ خود اپنی ذات کے لئے تحصیل علم میں مشغول ہیں دونوں کو ایک درجہ میں رکھنا سمجھ میں نہیں آتا۔

أما قوله تعالى: ﴿وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة اللّٰه تعالى وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً. (بدائع الصنائع ۲/ ۱۵٤ زکریا)

قـلـت: وهو كذٰلک، والأوجه تقييده بالفقير ويكون طلب العلم مرخصاً لـجـواز سؤال من الزكوٰة وغيرها، وإن كان قادراً على الكسب إذ بدونه لا يحل

له السؤال. (شامي ٣/٢٨٦ زكريا)

ولو دفعها المعلم خليفة إن كان بحيث يعمل له لم يعطه صح وإلا (وتحته في الشامية) قوله: إلا لا، أي لأن المدفوع يكون بمنزلة العوض. (شامي ٢/٣٥٦ كراچي)

سئل عن معلم له خليفة في المكتب يعلم الصبيان ويحفظهم ويكتب ألواحهم ولم يستأجره بشئ معلوم، وما اشترط شيئا والمعلم يعطيه في الأحايين دراهم بنية الزكاة هل يجوز عن الزكاة؟ قال: نعم: إلا أن يكون بحيث لو لم يعطه لم يعمل له ذلك في مكتبه. (الفتاویٰ التاتارخانية / كتاب الزكاة ٢/٢٠٩ - ٢١٠، قديم، مسائل بهشتی زیور ٣٢٤)

سوال (۳۱۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: الف: کیا زکوٰۃ وغیرہ صدقاتِ واجبہ کی رقوم کا طلبہ کو مالک بنانا ہی ضروری ہے؟ یا مالک بنائے بغیر بھی طلبہ کی مصلحتوں اور ضروریات میں مہتمم صاحب کا اپنے طور پر خرچ کردینا مالک بنانے کے قائم مقام ہو جائے گا؟

ب:- طلبہ علم دین اور دینی امور میں مصروف عمل علماء دین کو ''فی سبیل اللہ'' کے تحت شامل مانتے ہوئے انہیں زکوٰۃ کا مصرف قرار دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: الف: - زکوۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم یا رقم سے خریدی گئی اشیاء مصرف میں خرچ کرنا ضروری ہے؛ لہٰذا مہتمم ضرورت مند طلبہ کو براہ راست زکوٰۃ کی رقم تملیکاً دینے کا بھی مجاز ہے، اور اس رقم سے ان کے کھانے، پینے کپڑے وغیرہ کا انتظام بھی کرسکتا ہے؛ تاکہ یہ اشیاء ضرورت مند طلبہ پر براہ راست صرف ہو جائیں، لیکن ایسی ضرورتیں جن میں تملیک نہیں پائی جاتی، مثلاً: بجلی، عمارت اور کتابیں وغیرہ تو ان مدات میں براہ راست زکوۃ وصدقات واجبہ کی رقومات صرف کرنا مہتمم کے لئے درست نہ ہوگا؛ بلکہ ان مدات میں صرف کرنے سے پہلے تملیک ضروری ہے۔

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً (وتحته فی الشامية) فلا يكفی فيها الإطعام إلا بطريق التمليک. (شامي ۳/ ۲۹۱ زكريا)

إذا كان يعول يتيماً ويجعل مايكسوه ويطعمه من زكوٰة ماله ففي الكسوة لا شک في الجواز لوجود الركن وهو التمليک، وأما الطعام فما يدفعه إليه بيده يجوز أيضاً لما قلنا بخلاف ما يأكله بلا دفعٍ إليه. (شامي ۳/ ۱۷۲ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۱٤ رقم: ٤١٥٩ زكريا)

ب: -اور طلباء اور علماء کو اجر وثواب اور عمومی مصداق کے اعتبار سے تو فی سبیل اللہ کے تحت داخل کیا جاسکتا ہے لیکن مصرف زکوٰۃ کے اعتبار سے فی سبیل اللہ کا مصداق مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں؛ لہٰذا اس کو بنیاد بنا کر طلباء وعلماء پر براہ راست زکوٰۃ صدقات کی رقومات صرف کرنا صحیح نہ ہوگا۔

وقيل طلبة العلم (درمختار) وقال الشامي: وهل يبلغ طالب رتبة من لازم صحبة النبي صلى الله عليه وسلم تلقى الأحكام عنه كأصحاب الصفة، فالتفسير بطالب العلم وجيه خصوصاً. (شامي ۲/ ۳٤۲ كراچی)

وفي سبيل الله وهم الغزاة وموضع الرباط يعطون ما ينفقون في غزوهم كانوا أغنياء أو فقراء. (تفسير قرطبي ۸/ ۱۸۵)

وأما قوله تعالىٰ: ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ – إلى قوله – فالمراد هو الغازي الفقير رقبةً ويداً أو رقبة بأن كان منقطعاً عن ماله فيكون فقيراً يداً غنياً رقبةً . وفي المضمرات: إن ابن السبيل هو الذي لا يقدر على ماله وهو غني. (فتاویٰ تاتارخانية زكريا ۳/ ۲۰٤ رقم: ٤١٣٥)

وأما قوله تعالى: ﴿وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ عبارة عن جميع القرب فيدخل فيه كل من سعى في طاعة الله تعالىٰ وسبيل الخيرات إذا كان محتاجاً. (بدائع الصنائع ۲/ ۱۵٤ زكريا)

سوال (۳۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر تملیک ضروری ہی ہو تو مدارس میں تملیک کا جو مروجہ طریقہ ہے، جس میں مستحق پر کسی نہ کسی درجہ میں دباؤ ہوتا ہے کہ وہ بہر صورت مدرسہ کو واپس ہی کردے، وہ کہاں تک درست ہے؟ کیا اس طریقہ پر تملیک کا عمل مکمل ہوجاتا ہے، یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کی کوئی بے غبار صورت آپ کے ذہن میں ہو تو تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ تملیک میں فقیر کو مالک بنادینے کے بعد مصارف میں خرچ کرنے کی ترغیب تو دی جاسکتی ہے، لیکن اس پر دباؤ بنانے کی شرعاً اجازت نہیں ہے، بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ ایسے شخص سے تملیک کرائی جائے جو اچھی طرح مسئلہ سے اور اسکی نزاکت سے واقف ہو اور اجر وثواب کے حصول کے ذوق وشوق میں وہ اپنی ملکیت کو بشاشت کے ساتھ مصارف میں خرچ کرنے پر راضی ہو، اور اس طرح ذہن سازی ارباب مدارس کیلئے کوئی مشکل نہیں ہے، اور ضرورت کے وقت اس طرح کا حیلہ کرنے کی گنجائش فقہاء کی عبارت سے ماخوذ ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: أتی بلحمٍ تصدق به علی بریرة فقال هو علها صدقة وهو لنا هدیة. (صحیح البخاري ۲۰۲/۱ رقم: ۱٤۷۳، مسلم شریف ۳٤٥/۱ رقم: ۱۰۷٤)

والحیلة له أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمره بعد ذلک بالصرف إلی هذه الوجوه، فیکون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلک الفقیر ثواب بناء المسجد والقنطرة. (الفتاویٰ الهندیة ۳۹۲/٦، الفتاویٰ التاتارخانیة ۲۰۸/۳ رقم: ٤۱۱ زکریا، شامي ۱۹۱/۳ زکریا)

لایجوز الزکاة الا إذا قبضها الفقیر. (المحیط البرهاني ۲۱٤/۳ کوئٹه)

سوال (۳۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: بعض مدارس میں یہ طریقہ ہے کہ کسی مستحق یا محتاج شخص سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے طور پر قرض لے کر مدرسہ کی فلاں ضرورت میں خرچ کر دو، اور خرچ کے بعد اس کو مد زکوٰۃ سے اتنی رقم دے دی جاتی ہے، جس سے وہ اپنے قرض کی ادائیگی کر سکے، کیا یہ صورت درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ سے وابستہ کوئی سرمایہ دار شخص اگر اپنی ذاتی رقم سے کسی فقیر شخص کو قرض دے اور یہ فقیر شخص اس رقم کو ضروریات مدرسہ میں لگالے تو اس فقیر کے قرضہ کی ادائیگی میں مدرسہ میں موجود زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کی گنجائش ہوگی، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ نے اس تدبیر کی تائید فرمائی، اور ضرورت کے وقت یہ صورت اپنانے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی قدیم: ۴/ ۲۱۸، جدید ۲/ ۵۰)

الدفع إلی من علیه الدین أو من الدفع إلی الفقیر کذا في المضمرات.

(الفتاوی الهندية ۱/ ۱۸۸)

سوال (۳۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی عمارت کی تعمیر کے سلسلہ میں بعض دفعہ مہتمم صاحب کسی ایک مال دار شخص یا چند افراد کی کمیٹی سے کہتے ہیں کہ آپ خود یا لوگوں سے قرض لے کر مدرسہ کی عمارت بنوادیں، پھر ہم اس کی ادائیگی کسی طرح کر دیں گے، پھر مہتمم صاحب زکوٰۃ کی رقم سے ان حضرات کا دین ادا کر دیتے ہیں تو کیا رقومِ زکوٰۃ یا دیگر صدقاتِ واجبہ سے ان حضرات کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور یہ صورت ﴿والغارمین﴾ کے تحت شامل ہوکر جائز قرار دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مدرسہ کی تعمیر کے سلسلہ میں سوال میں جو صورت لکھی گئی ہے اس میں زکوٰۃ وصدقات واجبہ کی رقومات لگانا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ جو مالدار شخص یا کمیٹی کے افراد خود یا دوسروں سے قرضہ لے کر عمارت میں لگا رہے ہیں وہ بذات خود مستحق زکوٰۃ نہیں ہیں

اس لئے ان کوزکوٰۃ کی رقم دینا جائز نہیں۔ نیز جوعمارت بنائی گئی ہے اسکے طلبہ مالک نہیں ہیں؛ لہٰذا طلبہ کی طرف سے اس رقم کی ادائیگی کی بھی کوئی وجہ نہیں ہے، اور اسے ’’والغارمین‘‘ میں شامل کرنا درست نہیں کیونکہ اس سے وہی غارمین مراد ہیں جومفلوک الحال ہوں۔

قوله تعالى: ﴿وَالْغَارِمِيْنَ﴾ هم الذين ركبهم الدَّين ولا وفاء عندهم به ولا خلاف فيه روى مسلم عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه تعالىٰ عنه قال: أصيب رجل في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم في ثمارٍ إبتاعها فكثر دينه، فقال رسول اللّٰه صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم: تصدقوا عليه، فتصدق الناس عليه. (تفسير قرطبي ١٨٣/٨-١٨٤)

سوال (۳۱۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض مدارس میں یہ طریقہ بھی رائج ہے کہ جتنا ماہانہ خرچ بشمول مطبخ، تعلیم وتنخواہ ومدرسین وغیرہ آتا ہے، اس کوطلبہ کی تعداد پر تقسیم کرکے ہر ایک کے حصہ میں آنے والی رقم بطور فیس مقرر کردی جاتی ہے، اور ہر مہینہ فیس کے بقدر رقم بطور وظیفہ طالب علم کو مدزکوٰۃ سے دے کر اس سے مذکورہ فیس میں وصول کرلی جاتی ہے، یہ صورت کہاں تک جائز ہے؟ وضاحت فرمائیں۔ واضح رہے کہ چھوٹے مدارس میں تو کسی حدتک اس پر عمل کیا جاسکتا ہے؛ لیکن بڑے مدارس جہاں طلبہ کی تعداد ہزاروں میں ہوتی ہے، وہاں اس پر عمل درآمد غالباً مشکل ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: سوال میں ذکرکردہ صورت بہترین اور بےغبار ہے اور اگر توجہ کی جائے تو نہ صرف چھوٹے مدارس میں بلکہ بڑے مدارس میں بھی یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے، اور اس میں یہ ضروری نہیں ہے کہ صرف ہر مہینہ کی رقم کے بقدر وظیفہ کا اہتمام ہو بلکہ سالانہ یا چھ مہینہ کے حساب کے اعتبار سے بھی فیس کی ادائیگی اور وصولی کی شکل اپنائی جاسکتی ہے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲/۳۲۷، فتاویٰ رحیمیہ ۱۵۰/۵، فتاویٰ محمودیہ ۶۰۳/۹ ڈابھیل، محمود الفتاویٰ ۴۷/۲)

لايـصرف إلى بناء نحو مسجد، وتحته في الشامية: وكل ما لاتمليك فيه.

(شامي ۲۹۱/۳ زكريا)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحةً. (شامي ۲۹۱/۳ زكريا)

ســـوال (۳۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے مہتمم صاحب یا ان کے مقرر کردہ سفیر کی حیثیت کیا ہے؟ کیا مہتمم صاحب کو امیر المؤمنین اور ان کے مقرر کردہ سفیر کو اسلامی حکومت کے عامل صدقات کا درجہ دیا جاسکتا ہے؟ اس سلسلہ میں قرآن وحدیث کی نصوص اور فقہی تصریحات کے علاوہ حضراتِ اکابر علماء حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع دیوبندی اور حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی رحمہم اللہ کی تحریرات وفتاویٰ میں جو کچھ نفیاً واثباتاً درج ہے، اسے بھی پیش نظر رکھتے ہوئے مدلل واطمینان بخش موقف کی وضاحت فرمائیں، نیز مہتمم بحیثیت امیر المؤمنین زکوٰۃ وصول کر کے اس میں سے سفیر کا محنتانہ اور مستحقین کی ضروریات میں از خود صرف کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر کرسکتا ہے تو کس حد تک؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبالله التوفيق: مدرسہ کے مہتمم حضرات من وجہ طلبہ کی طرف سے اور من وجہ معطی حضرات کی جانب سے وکیل ہیں، طلبہ کے وکیل ہونے کے اعتبار سے زکوٰۃ کی رقم سفراء اور مہتمم کے قبضہ میں آتے ہی معطی حضرات کی زکوٰۃ کی ادائیگی سمجھی جاتی ہے؛ لیکن جب تک یہ رقم اصل مصارف میں خرچ نہ ہو معطی حضرات کے وکیل ہونے کی حیثیت سے مہتمم کا ذمہ بری نہیں ہوسکتا، اور مہتمم کو مطلقاً امیر المؤمنین کے درجہ میں اور اس کے سفراء کو عاملینِ صدقات کے درجہ میں نہیں رکھا جاسکتا اسلئے کہ اسلامی حکومت کے عاملین فقراء کی طرف سے وکیل ہوتے ہیں، ان میں دونوں جہتیں نہیں پائی جاتیں، اور ہمارے اکابر میں صرف مفتی اعظم حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے سفراء مدارس کو عاملینِ صدقات کے درجہ میں رکھ کر انکے لئے بمد زکوٰۃ محنتانہ لینے کی

گنجائش دی ہے؛ لیکن دیگر اکابر سے اس کی تائید منقول نہیں ہے اور اگر بالفرض مہتمم کو امیر المؤمنین کے درجہ میں رکھا جائے تو اس کی بنیاد پر اسے زکوٰۃ کی رقومات غیر مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہوگی اسلئے کہ واقعی امیر المومنین کو بھی شریعت میں پابند کیا گیا ہے کہ وہ بیت المال کی مختلف مدات کی رقومات الگ الگ رکھیں اور خلط ملط کر کے نہ رکھیں تو جب امیر المومنین کو غیر مصارف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں ہے تو مہتمم اور سفراء کو کیسے اجازت ہو سکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاوی ۳/۳۱۶، فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۲۷۵ میرٹھ، ۹/۵۱۱ ڈابھیل)

مستفاد: بخلاف ما إذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء.

(شامي ۲ / ۲۷۰ کراچی)

ما يوضع في بيت المال أربعة أنواع: الأول: زكاة السوائم والعشور ...... والثاني: خمس الغنائم والمعادن والركاز...... والثالث: الخراج والجزية وما صولح عليه، والرابع: اللقطات...... وما أخذ من تركة الميت الذي مات ولم يترك وارثاً. (الفتاویٰ الهندية ۱ / ۱۹۰- ۱۹۱)

قال محمدؒ: يجب أن تكون بيوت الأموال أربعة، أحدها: بيت مال الزكاة العشر والكفارات...... والثاني: بيت مال الخراج والجزية...... والثالث: بيت مال الخمس...... والرابع: بيت مال اللقطات والتركات. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۳٤۸ رقم: ٤٥٤٠ زكريا)

سوال (۳۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر مہتمم مدرسہ کی حیثیت امیر المؤمنین کی ہے، تو اس سلسلہ میں اشکال ہوگا کہ اس کی ولایت عام نہیں ہے، تو کیا ولایت کے حصول کے لئے طلبہ کی جانب سے کسی وکالت نامہ پر دستخط کرالینا، جس میں مہتمم صاحب کو ان کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار دیا گیا ہو، کافی ہوگا یا نہیں؟ واضح رہے کہ بعض مدارس میں یہ طریقہ بھی رائج ہے۔

اگر وکالت نامہ کافی ہوتو کیا صرف رقم زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کی حد تک؟ یا طلبہ کی ضروریات ومصالح میں اپنے اختیار سے خرچ کرنے کا بھی مہتمم صاحب کو اختیار رہوگا؟ اور اگر وکالت نامہ میں حسب صواب دید مہتمم صاحب کو طلبہ کی جانب سے صرف کرنے کا بھی اختیار دے دیا جائے تو مندرجہ ذیل صورتیں تحقیق طلب ہیں:

الف: - کیا صرف وظیفہ نقد، طعام، تنخواہ معلمین وخدام، روشنی اور پانی کے مصارف وغیرہ استہلاء کی مصارف میں مہتمم صاحب خرچ کرنے کے مجاز ہوں گے؟

ب: - یا دارالاقامہ، درس گاہوں، کتب خانوں، دفاتر اور مطبخ وغیرہ کی تعمیر نیز کتب خانہ کے لئے کتابوں کی فراہمی میں بھی صرف کر سکتے ہیں، جو غیر استہلاء کے مصارف ہیں؟

ج: - نیز کیا ایسے استہلاء کے مصارف جن سے براہِ راست طلبہ کی منفعت وابستہ نہیں ہوتی، مثلاً: مہمان نوازی، اجراء رسائل، دارالافتاء، شعبہ اصلاح معاشرہ اور تبلیغ وغیرہ کے اخراجات، کیا ان میں مہتمم صاحب براہِ راست رقم زکوٰۃ صرف فرما سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس کی کوئی صورت نکل سکتی ہے؟ کیوں کہ نظامِ مدارس کے لئے یہ امور تقریباً ضروری یا دینی اعتبار سے مفید ہیں؟ بینوا توجروا

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض مدارس میں وکالت نامہ پر دستخط کا جو سلسلہ جاری ہے اس پر احقر کو شرح صدر نہیں ہے اس لئے کہ اس پورے عمل میں طالب علم کو خود تصرف کا کہیں بھی اختیار نہیں ہوتا اور شروع سے اخیر تک یہ پورا معاملہ مجہول رہتا ہے، حالانکہ ہونا یہ چاہئے کہ جب کوئی طالب علم اپنی طرف سے ذاتی طور پر صدقات وصول کرنے کا وکیل بنائے تو وصول کرنے کے بعد محصلہ رقم پر اس طالب علم کو تصرف کا اختیار ملنا چاہئے حالانکہ مدارس میں یہ اختیار تو کجا اسکا تصور بھی نہیں ہوتا اور یہ توکیل محض کاغذی کارروائی اور دل مطمئن کرنے والی بات بن کر رہ جاتی ہے البتہ یہ حیلہ اس وقت درست ہوسکتا ہے، جب کہ ارباب مدرسہ ہر طالب علم کے نام الگ کھاتہ

کھول کراس کی طرف کوئی خاص رقم منتقل کریں جس میں وہ خود تصرف کرنے کا مجاز ہو پھر وہ مہتمم مدرسہ کو اپنے اسی کھاتے سے رقم نکالنے کی اجازت دیدے تو یہ اجازت معتبر مانی جائے گی اور پھر یہ فقیر طالب علم جن جن مدات میں خرچ کرنے کی اجازت دے گا ان میں بلا تکلف اس کی طرف سے اسے خرچ کرنا جائز ہوگا چاہے وہ استقلالی مصارف ہوں یا غیر استقلالی، حتی کہ مدرسہ کی خارجی ضروریات میں بھی خرچ کرنے کی گنجائش ہوگی۔ (مستفاد: محمود الفتاوی ۲/۴۲-۴۳)

سوال (۳۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدارس کے علاوہ دیگر دینی وملی اداروں (مثلاً جمعیۃ علماء ہند، مسلم پرسنل لاء بورڈ وغیرہ) کے لئے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقوم وصول کرنا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو اس کے استعمال کا کیا طریقہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو ملی ادارے ملی خدمات میں مشغول ہیں ان کے لئے اولاً تو امدادی فنڈ سے رقم جمع کرنے کی کوشش ہونی چاہئے؛ لیکن اگر ضرورت متقاضی ہو تو زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ کی رقومات بھی جمع کر سکتے ہیں؛ مگر خرچ کرتے وقت حکمِ شرعی کی رعایت کرنا ضروری ہے یعنی غیر مصرف میں بلا شرعی تملیک کے ان کو خرچ کرنا درست نہ ہوگا۔ (مستفاد: کفایت المفتی ۴/۲۸۵)

كل حيلة يحتال بها الرجل ليتخلص بها عن حرام أو ليتوصل بها الى حلال فهي حسنة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳۱۳/۱۰ زکریا)

والزكاة يجب فيها تمليك المال لأن الايتاء في قوله تعالى: ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ حقيقي التمليك. (تبيين الحقائق ۱۱۸/۲، البحر الرائق ۲۰۱/۲) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۵/۵ھ

پیداوار پر زکوٰۃ اور عشر وخراج

کھیتی کے غلہ اور اس کی قیمت پر حولان حول شرط ہے یا نہیں؟

سوال (۳۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی اکثر زمین ایسی ہے جس پر عشر واجب نہیں ہے، اب کھیتی وغیرہ کی فصل یا غلہ پر زکوٰۃ واجب ہوگی، تو اس کے لئے حولانِ حول شرط ہے یا نہیں؟ اسی طرح اس کی قیمت پر حولانِ حول شرط ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کی اکثر زمینیں غیر عشری ہیں، ان کی آمدنی کی قیمت کو دیگر نصاب کے ساتھ شامل کیا جائے گا، اور سال کے شروع میں اگر سونے چاندی یا روپئے کا نصاب مکمل ہے، تو بیچ میں کھیتی کی آمدنی شامل ہونے سے الگ سے حولانِ حول کی شرط نہ ہوگی؛ بلکہ سابقہ نصاب میں شامل مان کر جب اس کا سال پورا ہوگا تو اس آمدنی کی زکوٰۃ بھی نکالی جائے گی۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۴۴۶ ڈابھیل)

عن مجاهد قال: سألته عن زكاة الطعام، فقال: فيما قل منه أو كثر، العشر ونصف العشر. (شرح معاني الآثار للطحاوي ۲/۸۸)

عن الزهري أنه لا يؤقت في الثمرة شيئاً، وقال: العشر ونصف العشر.

(المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٣٩ رقم: ١٠١٢٦)

بلا شرط نصاب ولا شرط بقاء وحولان حول؛ لأن فيه معنى المؤنة.

(درمختار) فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعًا، وقيل: نصفه، وفي الخضروات التي لا تبقى، وهٰذا قول الإمام، وهو الصحيح كما في التحفة. قوله: و"حولان حول" حتى لو أخرجت الأرض مراراً وجب في كل مرة لإطلاق النصوص عن قيد الحول، قوله: "لأن فيه معن المؤنة" أي في العشر معنى مؤنة الأرض: أي أجزئتها فليس بعبادة محضة. (درمختار مع الشامي / باب العشر والخراج ۲٦٦/۳ زكريا)

ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه، سواء كان المستفاد من نمائه أو لا، وبأي وجه استفاد ضمه، سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذٰلک. (الفتاویٰ الهندية ۱۷۵/۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۴/۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فصل خراب ہوجانے کے بعد مابقیہ پیداوار میں زکوٰۃ کا حکم

سوال (۳۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: غیر عشری زمین میں اگر کسی سال فصل خراب ہوگئی اور لاگت کے برابر یا اس سے کچھ کم وبیش فصل ہوئی، تو اس صورت میں زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر شرعی وغیر خراجی زمینوں میں پیداوار کا حساب نہیں لگایا جاتا؛ بلکہ لاگت کو نکال کر صرف نفع کی رقم کو دیکھا جائے گا، اگر وہ خود یا دیگر جمع شدہ روپے پیسے سے مل کر نصاب تک پہنچتی ہے تو اس میں حسبِ ضابطہ زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ليس فيما دون خمسة أوسق من التمر صدقة، وليس فيما دون خمس أواق من الورق صدقة، وليس فيما دون خمس ذود من الإبل صدقة. (صحيح البخاري رقم: ۱٤٥۹، صحيح مسلم ۹۷۹، مشكاة المصابيح رقم: ۱۷۹٤)

وسبب افتراضها نصاب حولي فارغ عن حاجته الأصلية. (تنوير الأبصار على الدر المختار ۳/۱۷٤ زكريا)

وقيمة الأرض تضم إلى الثمنين، وفي الشامية: ويضمن أحد النقدين إلى الآخر قيمة. (شامي ۳/۲۳٤ زكريا)

ويسقط بهلاک الخارج من غير صنعه، وبهلاک البعض يسقط بقدره. (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۸٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مزارع اور ربُ الارض میں سے کس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

سوال (۳۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص نصفا نصف (ایک کی زمین دوسرے کا بیج اور محنت، حاصل شدہ فصل آدھی آدھی) معاملہ کرکے کھیتی کرتا ہے، تو زکوٰۃ کس کے ذمہ کتنی ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زمین دار اور کاشت کار دونوں پر اپنی اپنی ملکیت فروخت کرنے کے بعد جو آمدنی ہو، اس میں حسبِ ضابطہ عشر یا زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وفي المزارعة: إن كان البذر من رب الأرض فعليه ولو من العامل، فعليهما بالحصة. (درمختار، باب العشر / مطلب: هل يجب العشر على المزارعين ۳/۲۷۸ زكريا)

وفي المزارعة على قولهما العشر عليهما بالحصة وعلى قوله على رب الأرض؛ لكن يجب في حصته في عينه وفي حصة المزارع يكون دينا في ذمته.

(البحر الرائق / باب العشر ۲/۲۳۷ کوئٹہ، الفتاویٰ الهندية / باب زكاة الزرع والثمار ۱/۱۸۷ کوئٹہ)

إذا زارع رجل رجلاً بالنصف، والبذر من رب الأرض أو من العامل

فأخرجت الأرض خمسة أوسق ففيها العشر، وإن كان البذرُ بينهما نصفين فلا عشر فيها إلا أن يبلغ نصيب كل واحد منهما خمسة أوسق. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۲۸۱/۳ رقم: ٤٣٧٥ زكريا)

وإن كانت الأرض مشتركة بين جماعة فأخرجت طعاماً فعلى قول محمد رحمه اللّٰه تعالىٰ: يعشر إن بلغ نصيب كل واحد منهم خمسة أوسق كما بينا في السوائم. (كتاب المبسوط للسرخسي / باب عشر الأرضين ٤٣٧/٢ دار الفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸؍۱۱؍۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

زرعی زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ نکالنا؟

سوال (۳۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص نے زرعی زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ اپنی ضروریات سے بچے ہوئے مال پر سال کے آخر میں ادا کیا، کیا اس کا یہ عمل شرعی اعتبار سے درست ہے؟ جب کہ زمین عشری نہیں ہے؟

(۲) ایک شخص نے اپنی سالانہ آمدنی میں جائیداد کے کرایہ اور زرعی زمین کی پیداوار کا کل حساب کرکے سال کے آخر میں جو رقم اس کے پاس بچی اس کا چالیسواں حصہ بمد زکوٰۃ ادا کیا، تو کیا یہ عمل کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) اگر مذکورہ زمین عشری یا خراجی نہیں ہے (جیسا کہ آج کل ہندوستان کی اکثر زمینوں کا حال ہے) تو اس کی پیداوار میں عشر یا خراج واجب نہیں ہے؛ بلکہ اس حاصل شدہ آمدنی میں مالِ زکوٰۃ کا ضابطہ جاری ہوگا، اور چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگا؛ لہٰذا مذکورہ شخص کا یہ عمل درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۱۷، فتاویٰ محمودیہ ۴۵/۳)

(۲) یہ عمل بھی درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المسائل ۱۰۵، فتاویٰ دارالعلوم ۱۱۵/۶)

عن علي قال زهير: أحسبه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: هاتوا ربع العشر من كل أربعين درهماً درهم، وليس عليكم شيء حتى تتم مائتي درهم، فإذا كانت مائتي درهم ففيها خمسة دراهم، فما زاد فبحساب ذٰلک الخ. (سنن أبي داؤد ۱/ ۲۲۰- ۲۲۱ رقم: ۱۵۷۳)

وسببه أي سبب افتراضها ملک نصاب مولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد وعن حاجته الأصلية. (الدر المختار مع الرد المحتار / كتاب الزكاة ۳/ ۱۷٤ زكريا، ۲/ ۲۵۸ كراچی، تبيين الحقائق / كتاب الزكاة ۲/ ۹۱ دار الكتب العلمية بيروت، هداية على فتح القدير ۲/ ۱۵۳ دار الفكر بيروت)

ليس فيما دون مائتي درهم صدقة لقوله عليه السلام: ليس فيما خمس أواق صدقة والأوقية أربعون درهمًا، فإذا مائتين وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم؛ لأنه عليه السلام كتب إلى معاذ أن خذ من كل مائتي درهم خمسة دراهم ومن كل عشرين مثقالاً من ذهب نصف مثقال. (هداية / باب زكاة المال ۱/ ۲۱۰ مكتبة بلال ديوبند)

والحديث أخرجه الإمام الدار قطني في سننه / باب ليس في الخضروات صدقة. (۲/ ۸٤ رقم: ۱۹۰۵) والثاني: أخرجه أيضاً / باب ليس في الكسر شيء. (۲/ ۸۰ رقم: ۱۸۸٦) والبيهقي في سننه الكبرىٰ / باب ذكر الخبر الذي ورد في وقص الورق. (٤/ ۲۲۸ رقم: ۷۵۲٤)

ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب، فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامي ۳/ ۲۵۷ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/ ۲/ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پیداوار کا چالیسواں حصہ ادا کرنے سے عشر ساقط ہوجائے گا؟

سوال (۳۲۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا کھیت کی آمدنی پر زکاۃ کی طرح چالیسواں حصہ ادا کرنا عشر کی فرضیت کو ساقط کردیگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عشر اس زمین میں واجب ہوتا ہے جو مسلم حکومت (مثلاً مغلیہ حکومت) سے لے کر آج تک برابر کسی مسلمان کی ملکیت میں رہی ہو، یا عرصۂ دراز سے مسلمان کی ملک ہو اور اس کا کچھ پتہ نہ ہو کہ وہ کسی غیر مسلم کی ملکیت میں رہی ہے، تو ایسی زمین پر عشر واجب ہے، اگر آپ کی زمین اس دائرہ میں آتی ہے تو پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، محض چالیسواں حصہ نکالنے سے ذمہ ساقط نہ ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۴۳۶-۴۳۶ ڈابھیل)

عن سالم بن عبد اللّٰہ عن أبیه عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: فیما سقت السماء والعیون أو کان عشریاً العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحیح البخاري ۱/۲۰۱ رقم: ۱٤٦۱، صحیح مسلم ۱/۳۱٦ رقم: ۹۸۱)

عن العلاء بن الحضرمي رضي اللّٰہ عنه قال: بعثني رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم إلی البحرین أو إلی هجر، فکنت أتی الحائط یکون بین الإخوة یسلم أحدهم فأخذ من المسلم العشر ومن الشرک الخراج. (سنن ابن ماجة، الزکاة / باب العشر والخراج ۱/۱۳۱ رقم: ۱۸۳۱ أشرفیة)

قال العلامة السندي في قوله: ''فأخذ من المسلم العشر'' یدل علی أن الأرض الخراجیة، إذا أسلم أهلها تصیر عشریة. (حاشیة السندي علی سنن ابن ماجة ٤۲۹ دار الفکر بیروت)

کل أرض أسلم أهلها أو فتحت عنوة وقسمت بین الغانمین فهي أرض عشر؛ لأن الحاجة إلی ابتداء التوظیف علی المسلم، والعشر ألیق به لما فیه

معنی العبادة ...... في جامع الصغير: كل أرض فتحت عنوة فوصل إليها ماء الأنهار فهي أرض خراج، وما لم يصل إليها ماء الأنهار و استُخرج منها عين فهي أرض عشر. (هداية، كتاب السير / باب العشر والخراج ۲/ ٥٧٤ مكتبة بلال ديوبند، كذا في الدر المختار مع الشامي، كتاب الجهاد / باب العشر والخراج ٦/ ۲۹۰ زكريا، مجمع الأنهر ١/ ٦٦١ دار إحياء التراث العربي)

وكذلك كل أرض أسلم عليها أهلها طوعا. وفي الحجة: بلا قتال و لا دعوة إلى الإسلام فإنها تكون عشرية. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٢٨٧ رقم: ٤٣٩٤ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۵/۲۴ ۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عشری زمین کا چالسواں حصہ نکالنے سے عشر ساقط ہوجائے گا؟

سوال (۳۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عشری زمین کی پیداوار کا چالیسواں حصہ نکالنے سے عشر ساقط ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب باللّٰہ التوفیق: اگر کسی جگہ واقعۃً عشری زمین پائی جائے، تو اگر اس کو قدرتی پانی مثلاً بارش یا دریا سے سیراب کیا جاتا ہے، تو کل پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا واجب ہے، اور اگر اس زمین کو ٹیوب ویل وغیرہ کے پانی سے سینچا جاتا ہے، تو اس کل پیداوار میں سے بیسواں حصہ نکالنا ضروری ہے؛ لہٰذا اگر ایسی زمین کی آمدنی میں سے صرف چالیسواں حصہ نکالا جائے گا تو کافی نہ ہوگا؛ بلکہ درج بالا تفصیل کے مطابق پورا حصہ نکالنا ضروری ہوگا۔

أخرج البخاري عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فيما سقت السماء والعيون أو كان عشريا، العشر وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري ١/ ٢٠١، سنن الترمذي ١/ ١٣٩)

وأخرج مسلم عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه يذكر أنه سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فيما سقت الأنهار والغيم العشور وفيما سقي بالسانية نصف العشر. (صحيح مسلم ۱/ ۳۱٦، سنن ابن ماجة ۱/ ۱۳۰)

وفي المحيط: وما سقته السماء أو سقي سيحا ففيه العشر، وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر، وإذا سقي في بعض السنة سيحا وفي بعضها بآلة فالمعتبر هو الأغلب. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲/ ۲۷۷ رقم: ٤۳٥۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۰/ ۲/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پیداوار کی زکوٰۃ کا مصرف کیا ہے؟

سوال (۳۲۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہ غلہ مال کی زکوٰۃ کی طرح مستحقین کو مالک بناکر دینا ضروری ہے، یا دیگر صدقۂ نافلہ کے مصارف مثلاً مسجد ومدرسہ کی تعمیر اور مکاتب کے اساتذہ کی تنخواہ میں اس کی رقم دی جاسکتی ہے؟ غلہ کی زکوٰۃ سے متعلق جو اہم اور بنیادی امور ہوں ان کو بھی تحریر فرمائیں، نوازش ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پیداوار کی زکوٰۃ کا مصرف عام زکوٰۃ کی طرح ہے؛ لہٰذا اسے بھی کسی مستحق زکوٰۃ کو مالک بناکر دینا ضروری ہوگا۔ صدقاتِ نافلہ کے مصارف میں اس رقم کو خرچ کرنا صحیح نہیں۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦۰]

الزكاة هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير. (شامي ۳/ ۱۷۲ زكريا)

ومصرف الجزية والخراج ...... مصالحنا. (درمختار) وفي الشامية: قيد بالخراج؛ لأن العشر مصرفه مصرف الزكاة كما مر. (درمختار مع الشامي ٦/ ۳٤۸ زكريا)

مـصرف العشر والزكاة هو فقير: وهو من له أدنى شيء، ومسكين: من لا شيء له، وعامل الخ. (درمختار ۲۸۳/۳ زكريا)

''بـاب الـمـصـرف'' قـال العلامة الشيخ زين الدين الشهير بابن نجيم في شـرح كـنز الدقائق لم يقيده في الكتاب بمصرف الزكاة ليتناول الزكاة والعشر وخـمـس الـمـعـادن مـمـا قـدمه كما أشير إليه في النهاية. هو الفقير والمسكين والـعـامـل والـمكاتب والمديون ومنقطع الغزاة وابن السبيل فيدفع إلى كلهم أو إلى صنف. (البحر الرائق / باب المصرف ۲۴۰/۲، كذا في مجمع الأنهر ۲۱۹/۱ دار إحياء التراث العربي، و بدر المنتقى في شرح الملتقى ۲۱۹/۱)

ثـم اعـلـم أن أمـوال بيـت الـمـال أربـعة ...... الثـانـي: الزكـاة والعشر، ومصرفهما ما بين في باب المصرف من الزكاة. (البحر الرائق ۱۱۹/۵ كوئٹه)

ويشترط أن يكون الصرف تمليكًا. (شامي ۲۹۱/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان کی زمین عشری ہے یا نہیں؟

سـوال (۳۳۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی زمین عشری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجـواب وبـالـلّٰه التوفيق: جن صوبہ جات میں خاتمۂ زمین داری قانون نافذ العمل ہو چکا ہے، وہاں کی زمینوں پر عشر وخراج واجب نہیں؛ کیوں کہ وہاں اصل ملکیت حکومت کی ہوتی ہے، اور جن صوبوں میں یہ قانون نہیں وہاں عام اصول کے مطابق عشر وخراج واجب ہوگا؛ تاہم بعض اکابر مفتیان کی رائے یہ ہے کہ ہر جگہ علی الاطلاق عشر وخراج کا حکم ہوگا۔ (مستفاد: عزیز

الفتاویٰ ۳۵۸، فتاویٰ محمودیہ ۴۵۳/۹-۴۵۴ ڈابھیل، امداد الفتاویٰ ۵۹/۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟

سوال (۳۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی زمینیں عشری ہیں یا خراجی؟ بہرصورت ان کے صدقہ کی ادائیگی کس طرح ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کی زمینوں پر عام طور سے عشر وخراج کا حکم منطبق نہیں ہوتا؛ اس لئے اس کی آمدنی پر پیداوار کی زکوٰۃ کے احکام جاری نہ ہوں گے؛ البتہ دیگر اَموال میں جن اُصول وضوابط کے مطابق زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان ہی باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے پیداوار کو فروخت کرنے کے بعد اس کی آمدنی میں سال گذرنے پر چالیسواں حصہ بطور زکوٰۃ واجب ہوگا؛ تاہم اگر کوئی شخص اپنی خوشی سے عشر کے حساب سے غلہ ادا کردے تو یہ یقیناً خوشی کی بات ہوگی۔

قال الشيخ: اعلم أن أراضي بلاد الهند ليست بعشرية؛ لأنها أصبحت من دار الحرب، وهٰكذا تحقق عندي من كتب الفقه، وكذا صرح الشيخ رشيد أحمد الكنكوهي: بأن أراضيها أراضي دار الحرب، أقول: وكذا صرح قبله الشيخ الشاه عبد العزيز الدهلوي في فتاواه قال: وذكر الشيخ "محمد أعلى التهانوي" في رسالة له: بأن أراضي الهند ليست بعشرية ولا خراجية، وإنما هي الأراضي المملكة وأراضي الحوزة، وهي أراضي بيت المال. أقول: حكاه الشاه عبد العزيز في فتاواه وكذا حكى رسالة أخرى في مثله للشيخ جلال الدين التهانيسري. ثم وقفت على رسالة الشيخ جلال الدين التهانيسري ذكر فيها: أن أراضي ولاية الهند ليست على سنن واحد، ثم ذكر منها أنواعًا شتى ...... إلى أن

قال: إن الأراضي إذا كانت على هٰذه الأنواع المختلفة التي سبق ذكرها لا يجوز الحكم بملكيتها أو بعدم ملكيتها ما لم يعلم أنها من أي الأنواع، فإذا علم على وجه اليقين على نوع معين من أنواع حكم على ذٰلک النوع المعين، وأما قبل العلم بذٰلک فلا يبادر إلى الفتوىٰ الخ. وراجعها ص: ١١-٤١. (معارف السنن / باب ما جاء في زكاة العسل، مبحث تحقيق أراضي الهند ٥/٢١٨-٢١٩ مكتبة بنورية ديوبند)

هٰذا نوع ثالث لا عشرية ولا خراجية من الأراضي تسمى أراضي المملكة. (شامي، الجهاد / باب العشر والخراج، مطلب: لا شيء على زراع الأراضي ٤/١٧٨ كراچی، ٦/٢٩٤ زكريا)

ما وجد في دار الحرب، فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامي / باب الركاز ٣/٢٥٧ زكريا)

وسبب افتراضها ملك نصاب حولي ...... فارغ عن حاجته الأصلية. (تنوير الأبصار على الدر المختار ٣/١٧٤-١٧٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندوستان کی اراضی اِصالۃً کس کی ملک ہیں؟ نیز کیا اَراضی ہند پر عشر واجب ہے؟

سوال (۳۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندوستان کی زمین پر کیا عشر واجب ہے؟ جیسا کہ حضرت تھانویؒ، حضرت گنگوہیؒ، حضرت مفتی محمد شفیعؒ، مولانا عبدالشکورؒ وغیرہم نے تحریر فرمایا ہے، یا واجب نہیں؟ جیسا کہ صاحب مالا بدمنہ اور مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ کی رائے ہے۔ نیز کیا ہندوستان میں جو زمین مسلمانوں کے پاس ہیں وہ ان کی ملک ہیں یا حکومت کی ملکیت ہیں؟ حکومت نے مسلمانوں یا دیگر لوگوں کو محض

کاشت کاری کے لئے دے رکھی ہے؟ جواب جلد از جلد تحریر فرمادیں تو بہتر ہوگا۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی زمین جو زمین داری قانون کے تحت آ کر اصالۃً حکومت کے قبضہ میں آ گئی ہیں، ان پر عشر وخراج واجب نہیں ہے۔ فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۳۵ پر یہی صراحت ہے۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/۳۳۵ میرٹھ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۸/۸/۱۴۱۷ھ

ہندوستانی زمینوں میں عشر نہیں، پیداوار پر زکوٰۃ ہے

سوال (۳۳۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس چار بیگھہ کھیت ہے اس میں ہر سال ساٹھ من غلہ پیدا ہوتا ہے؛ لیکن پانی اس میں مزدوری پر بٹایا جاتا ہے اس میں عشر کتنا نکلے گا؟ اور یہ عشر نکالنا حکومتِ ہند (موجودہ) میں ہم ہندوستانیوں کے لئے واجب ہے یا سنت یا مستحب؟ اگر عشر نہ نکالا جائے تو کیا ہم ہندوستانیوں میں زمین رکھنے والوں کو گناہ ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اکثر ہندوستانی زمین اس وقت نہ عشری ہے نہ خراجی؛ لہٰذا ان کا عشر نکالنا واجب نہیں؛ البتہ جتنی آمدنی ہو تو نصاب تک پہنچنے اور اس پر سال گزرنے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی؛ تاہم اگر کوئی شخص عشر دیدے تو موجبِ خیر و برکت اور باعثِ ثواب ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۹/۴۵۵ ڈابھیل)

عن علي رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: فإذا كانت لك مأتا درهم وحال عليها الحول ففيها خمسة دراهم. (سنن أبي داؤد ۱/۲۲۱)

وسبب افتراضها ملك نصاب حولي تام فارغ عن دين له مطالب من جهة

العباد وفارغ عن حاجته الأصلية. (تنویر الأبصار علی الدر المختار۳/ ۱۷٤-۱۷۸ زکریا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۳ھ

عشری زمینوں میں کل پیداوار کا عشر نکالا جائے گا

سوال (۳۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک کاشتکار نے اپنی زمین کے اندر کاشت کرنے کے لئے بیس ہزار روپیہ بیج کھاد وآب پاشی ودیگر مزدوری میں خرچ کیا، اور اس خرچ اور اس کی محنت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے اس کی زمین میں تیس ہزار روپیہ کا غلہ پیدا کیا، غلہ کی پیداوار کے بعد یہ شخص اس میں سے عشر عشرین یا اربعین نکالنا چاہتا ہے تو آیا یہ تیس ہزار کا عشر عشرین یا اربعین نکالے گا یا خرچ کردہ رقم مبلغ بیس ہزار روپیہ منہا کرکے باقی دس ہزار روپیہ میں عشر عشرین یا اربعین نکالے گا۔ مفصل تحریر فرمائیں تاکہ ادائیگی کے سلسلہ میں خلجان رفع ہوسکے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی بہ قول کے مطابق ہندوستان کی زمین عشری یا خراجی نہیں ہیں، بریں بنا ان کی پیداوار میں عشر یا خراج نکالنا فرض نہیں ہے؛ البتہ نصاب پورا ہونے اور پیداوار کی فروختگی کے بعد اس کی قیمت پر بعد حولانِ حول چالیسواں حصہ نکالا جائے گا۔

وفي الشامي بحثاً في باب الركاز: ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دارالحرب؛ فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر. (شامي ۲/ ۲۷۰ کراچی، ۳/ ۲۵۷ زکریا، فتاویٰ محمودیہ ۳/ ٤٥-٤٦، امداد الفتاویٰ ۲/ ۷۱)

تاہم اگر دنیا کے کسی حصہ میں عشری زمینیں پائی جائیں تو اس کی کل پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا ضروری ہے، زراعت وغیرہ کا خرچ منہا نہیں کریں گے۔

عن ابن عمر وابن عباس رضي اللّٰہ عنهما في الرجل ينفق على ثمرته فقال أحدهما: يزكيها، وقال الآخر: يرفع النفقة ويزكي ما بقي. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٤٥٦ رقم: ١٠١٩٢ المجلس العلمي)

وكل شيء أخرجته الأرض مما فيه العشر لا يحتسب فيه أجرة العمال ونفقة البقر، وفي الينابيع: ولا يحتسب لصاحب الأرض ما أنفق على الغلّة من سقي، أو عمارة أو أجرة حافظ؛ بل يجب العشر في جميع الخارج. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٢٧٧ زكريا، المحيط البرهاني ٣/٢٩٠، ومثله في البدائع الصنائع ٢/١٨٥)

بلا رفع مؤن أي كلف الزرع وبلا إخراج البذر لتصريحهم بالعشر في كل الخارج. (درمختار ٣/٢٦٩-٢٧٠ زكريا)

وكل شيء أخرجته الأرض مما فيه العشر لايحتسب فيه أجر العمال ونفقة البقر. (هداية / زكاة الزروع والثمار ١/٢٠٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۶/۲۵ھ

عشری زمین میں کل پیداوار سے عشر نکالا جائے گا

سوال (۳۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عشری زمین کا عشر نکالتے وقت کاشت پر جو اخراجات آئے ہیں وہ وضع ہوں گے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفيق: اولاً یہ واضح رہنا چاہئے کہ موجودہ دور میں ہندوستانی زمین عشری یا خراجی نہیں ہے؛ لہٰذا ان کی پیداوار میں عشر یا خراج واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۳/۴۵-۴۶) اب مطلقاً عشری زمینوں کے بارے میں نفس مسئلہ کے طور پر سوال کا جواب ذیل میں تحریر کیا جاتا ہے:

عشری زمین میں پیداوار کی کاشت پر جواخراجات آئے ہیں وہ منہا نہیں کئے جائیں گے؛ بلکہ پوری اصل پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، ہاں اگر وہ زمین ڈول یا ٹیوب ویل وغیرہ سے سیراب کی گئی ہے تو پھر اس میں عشر نہیں؛ بلکہ نصف عشر یعنی بیسواں حصہ نکالنا واجب ہوتا ہے۔

عن سالم بن عبد اللّٰه عن أبيه رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أنه قال: فيما سقت الماء والعيون أو كان عثريًا العشر، وما سقي بالنضح نصف العشر. (صحيح البخاري / باب العشر فيما يسقي من ماء السماء رقم: ١٤٨٣، فتح الباري ٤٤٣/٤ دار الكتب العلمية بيروت)

استدل العلامة الكاساني بهٰذا الحديث على وجوب العشر من غير احتساب الأجرة والنفقة، قال: ولا يحتسب لصاحب الأرض ما أنفق على الغلة من سقي أو عمارة أو أجر الحافظ أو أجر العمال أو نفقة البقر لقوله عليه السلام: "وما سقته السماء ففيه العشر، وما سقي بغرب أو دالية أو سانية ففيه نصف العشر". أوجب العشر ونصف العشر مطلقاً عن احتساب هٰذه المؤن ولأن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أوجب الحق على التفاوت لتفاوت المؤن، ولو رفعت المؤن لارتفع التفاوت. (بدائع الصنائع للكاساني / بيان مقدار الواجب ١٨٥/٢ زكريا)

لايحتسب فيه أجرة العمال ونفقة البقر؛ لأن النبي ﷺ حكم بتفاوت الواجب لتفاوت المؤنة فلا معنى لرفعها. (هداية ٢٠٣/١ زكوٰة الزروع والثمار)

وفي الهندية: ولا تحسب أجرة العمال ونفقة البقر وكرى الأنهار وأجرة الحافظ وغير ذٰلك، فيجب إخراج الواجب من جميع ما أخرجته الأرض عشراً أو نصفاً. كذا في البحر. (الفتاوىٰ الهندية ١٨٧/١، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٢٧٧/٣، المحيط البرهاني ٢٩٠/٣، الدر المختار ٢٦٩/٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جس کھیت کی پیداوار سیلاب کی زد میں آ جائے اس کا عشر کس طرح نکالیں؟

سوال (۲۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی زمین زرخیز نہیں ہے، اکثر سیلاب کی زد میں آ جاتی ہے، پیداوار سے زیادہ اس میں لاگت ہو جاتی ہے، کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پوری کھیتی سیلاب کی نذر ہو جاتی ہے، اور پھر دوبارہ لاگت لگا کر کھیتی کرنی پڑتی ہے، ان کھیتوں کا سرکار کو سالانہ بیگھہ کے حساب سے ٹیکس بھی دینا پڑتا ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ ہم اس کھیت کا عشر نکالیں تو کس حساب سے نکالیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان کی زیادہ تر زمینیں نہ عشری ہیں اور نہ خراجی، اس لئے ان کی آمدنی پر عشر یا خراج کچھ واجب نہ ہوگا؛ بلکہ حسبِ ضابطہ اگر مالک صاحبِ نصاب ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ اور اگر پوری کھیتی سیلاب کی نذر ہو جائے یا پیداوار سے زیادہ اس میں لاگت لگ جائے تو ایسی صورت میں اس زمین پر کچھ بھی واجب نہ ہوگا۔ (مستفاد: ایضاح النوادر ۲/۱۷۱، فتاویٰ محمودیہ ۹/۵۵-۴۵۴ ڈابھیل)

قال الحسن: وأما أراضيهم فعليها الخراج ...... وإن عجزوا عن ذٰلک خفف عنهم ولا يكلفون فوق طاقتهم كما قال عمر رضي اللّٰه عنه. (إعلاء السنن ۱۲/۴۳۷ رقم: ۴۱۰۰ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عطاء في الرجل إذا أخرج زكاة ماله فضاعت أنها تجزئ عنه.

(المصنف لابن أبي شيبة ۲/۴۰۸ رقم: ۱۰۴۹۱ دار الكتب العلمية بيروت)

مستفاد: وإن غلب على أرض الخراج الماء أو انقطع عنها أو اصطلم الزرع آفة فلا خراج عليهم. (القدوري مع الشرح الثميري ۴/۳۰)

وإن هلک المال بعد وجوب الزكاة سقطت الزكاة، ولنا أن الواجب جزء من النصاب تحقيقاً للتيسير فيسقط بهلاک محله. (هداية ۱/۰ ۲۱ مكتبة بلال ديوبند)

فأما وجوب العشر فلا يمنع؛ لأنه متعلق بالطعام يبقى ببقائه ويهلک بهلاكه. (بدائع الصنائع ۸۵/۲ زكريا)

وأما بيان ما يسقطها بعد وجوبها فالسقط لها بعد الوجوب أحد الأشياء الثلاثة منها هلاک النصاب بعد الحول قبل التمكن من الأداء وبعده عندنا.

(بدائع الصنائع ۱٦٧/۲ زكريا)

وسبب افتراضها ملک نصاب حولي ...... فارغ عن حاجته الأصلية.

(تنوير الأبصار على الدر المختار ۱۷٤/۳ زكريا)

ويحتمل أن يكون احترازاً عما وجد في دار الحرب، فإن أرضها ليست أرض خراج، أو عشر. (شامي ۲٥٧/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عشری زمینوں کو بٹائی پر دینے کے بعد عشر کس پر واجب ہوگا؟

سوال (۳۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جن کے پاس کھیت ہیں، کھیت والا بٹائی پر کھیت دے دیتا ہے، تو کیا دونوں کے اوپر عشر واجب ہے یا ایک پر؟ اور ہے تو کتنی کتنی مقدار ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستانی زمینوں میں اگرچہ عشر واجب نہیں؛ لیکن جہاں عشر واجب ہو وہاں حکم یہ ہے کہ اگر بیج بٹائی پر لینے والے نے ڈالا ہے تو عشر دونوں (مالک زمین اور عامل) پر اپنے اپنے حصہ کے بقدر واجب ہوتا ہے، اور اگر بیج صاحبِ زمین کا ہے تو اسی پر عشر لازم ہے۔

الخانية: وإن دفع أرضه العشرية مزارعة إن كان البذر من قبل العامل فعلى قياس قول أبي حنيفة يكون العشر على صاحب الأرض كما في الإعارة، وعندهما في الزرع كما في الإجارة، وإن كان البذر من قبل صاحب الأرض كان العشر على صاحب الأرض في قولهم. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۲۸۱ زکریا)

وفي المزارعة إن كان البذر من دب الأرض فعليه، ولو من العامل فعليهما بالحصة. (درمختار ۲/ ۳۳۵ کراچی، ۳/ ۲۷۸ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/ ۱۰/ ۱۴۱۳ھ

کیریاں (کچے آموں) کا عشر کس پر واجب ہے؟

سوال (۳۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچے آموں کا استعمال (کیریاں) میں بھی ہوتا ہے، اس صورت میں عشر نکالنے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر مشتری باغ خریدتے ہی کیریاں توڑلیتا ہے تو عشر بائع پر واجب ہوگا اور اگر پکنے کے بعد توڑتا ہے تو مشتری پر لازم ہوگا۔

قال في الهندية: ولو باعها والزرع بقل إن قصله المشتري في الحال يجب على البائع، ولو تركه حتى أدرک فعشره على المشتري. كذا في شرح الطحاوي. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱۸۷)

إذا كان للرجل أرض عشرية فيها زرع ...... وإذا كان الزرع بقلاً وباع الأرض مع البقل فأدرک الزرع فالعشر على المشتري، هٰذا إذا باع الأرض مع الزرع، فأما إذا باع الزرع دون الأرض، والزرع قصيل، فإن كان البيع بشرط أن

يـقصله المشتري فقصله، فالعشر على البائع، وإن كان البيع مطلقًا من غير شرط وتـرک الزرع حتى أدرک، فإن كان الترک بغير أجر ذكر في الأصل أن العشر على المشتري ولم يذكر فيه خلافاً. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۸۳/۳ رقم: ٤٣٨٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عشری زمین خریدنے پر مشتری پر ہی عشر واجب ہوگا

سوال (۳۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل عام طور سے سنترے اور آموں کی فصلیں مالکان باغ پیشگی فروخت کردیتے ہیں، اس صورت میں عشر مالکانِ باغ پر ہوگا یا خریدار پر؟ اور مشتری اس نے جو رقم باغ کے مالک کو دی ہے، اس کو عشر میں سے وضع کیا جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: اس صورت میں عشر خریدار پر واجب ہوگا اور جو رقم اس نے مالک کو دی ہے اسے وضع نہیں کیا جائے گا۔

ولـو بـاع الـزرع إن قبـل إدراكـه فالعشر على المشتري (درمختار) وفي الشـامـي: وشـمـل ما إذا باعه وتركه المشتري بإذن البائع حتى أدرک فعندهما عشره على المشتري. (شامي ۳۳۳/۲ كراچی، درمختار مع الشامي ۲۷٦/۳ زكريا)

رجـل لـه أرض عشـرية فيها نخل وفي النخل طلع باع ذٰلک كله بما في الـنـخـل من الثمر، قال أبو حنيفة: العشر على المشتري الذي يدرک ذٰلک في يده. (الفتاویٰ التاتارخانية ۲۸٤/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۰/۷/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ کی عشری زمین کے نصف عشر کا غلہ مدرسہ کے طلبہ کو کھلانا؟

سوال (۳۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مدرسہ کے پاس دس بیگھہ عشری زمین ہے جب فصل پر نصف عشر نکالتے ہیں، تو کیا یہ عشر کا غلہ اپنے ہی مدرسہ کے طلبہ پر خرچ کر سکتے ہیں یا دوسری جگہ دینا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل ہندوستان میں اکثر زمینیں غیرعشری ہیں جن میں عشر واجب نہیں ہوتا ہے؛ تاہم بالفرض اگر کسی جگہ عشری زمین کسی مدرسے کی ملکیت میں پائی جائے، تو اس کا نصف عشر مدرسہ کے مستحق طلبہ پر خرچ کرنا درست ہوگا اور مابقیہ زمین کی آمدنی حسبِ شرائط واقف مدرسہ کی ضروریات وغیرہ میں خرچ کی جائے گی۔

مصرف الزكاة والعشر هو الفقير وهو من له أدنیٰ شيء، ومسكين من لا شيء له وعامل ومكاتب ومديون وفي سبيل اللّٰه وابن السبيل. (شامي ۲۸۳/۳ زکریا)

إن العشر مصرفه مصرف الزكاة. (شامي ۳٤۸/٦ زکریا)

ثم اعلم أن أموال بيت المال أربعة ...... الثاني الزكاة والعشر، ومصرفهما ما بين في باب المصرف من الزكاة. (البحر الرائق ۱۱۹/٥ کوئٹہ)

قال: وإن وضع العشر أو الزكاة في صنف واحد من غير أن يأتي به السلطان، وسعه ذٰلک بينه وبين اللّٰه تعالیٰ. واعلم أن مصارف العشر والزكاة ما يتلى في كتاب اللّٰه عز وجل في قوله تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ﴾ (كتاب المبسوط للسرخسي / باب عشر الأرضين ٤٠/٢ دار الفكر بيروت)

مراعاة غرض الواقفين واجبة. (شامي ٥٤٩/٦ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/۱۱/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

عشر میں غلہ کے بجائے اس کی قیمت کسی ادارے کو منی آرڈر کرنا؟

سوال (۳۴۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عشر فصل بیچ کر حاصل شدہ رقم دور دراز کے ادارے کو بذریعہ منی آرڈر یا ڈرافٹ وغیرہ بھیجنا درست ہے یا نہیں؟ جزوی طور پر ایسا کرنے سے عشر کی ادائیگی ہوئی یا نہیں، یا صرف فصل ہی دے کر ادائیگی ہوگی؟ واضح ہو کہ یہاں دینے والے کی نیت خاص طور پر یہ ہے کہ مقامی ادارے کو فصل ہی دیتا ہے؛ لیکن عشر فصل میں دور دراز کے ادارے کو بھی دینا چاہتا ہے جہاں محصل نہیں آتا یا نہیں آسکتا، اور نہ کسی دیگر ذرائع سے عشر فصل بھیجا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جن زمینوں میں عشر واجب ہے ان میں عشر کا غلہ نکال کر اس کی رقم منی آرڈر وغیرہ سے کہیں اور دینی اِدارے میں بھیج دی جائے تو یہ بھی درست ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۲۵۹)

اور عشر میں غلہ اور پھل دینا ضروری نہیں؛ بلکہ قیمت بھی دے سکتا ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲/۵۹)

عن الضحاک قال: ضعِ الزکاة في القریة التي أنت فیها، فإن لم یکن فیها فقراء فإلی التي تلیها.

عن میمون قال: کان یستحب أن یرسل بالصدقة إلی أبناء المهاجرین والأنصار الذین بالمدینة. (المصنف لابن أبي شیبة ٦/٤٩٥-٤٩٦ رقم: ١٠٤١١-١٠٤١٥)

قال العلامة ابن الهمام: ووجهه ما قدمناه من دفع القیم من قول معاذ لأهل الیمن، قال طاؤس: قال معاذ لأهل الیمن: إئتوني بخمیس أو لبیس مکان الذرة والشعیر أهون علیکم وخیر لأصحاب رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم بالمدینة. (صحیح البخاري تعلیقاً / باب العرض في الزکاة علی رقم: ١٤٤٨، فتح الباري ٣٩٧/٤ دار الکتب العلمیة بیروت، فتح القدیر ١٩٣/٢-٢٨٠ دار الفکر بیروت)

قال الحافظ في الفتح: وقد احتج به من يجيز نقل الزكاة من بلد إلى بلد.

(فتح الباري ٤/ ٣٩٩ بيروت)

عن طاؤس قال: بعث رسول الله صلى الله عليه وسلم معاذاً إلى اليمن وأمره أن يأخذ الصدقة من الحنطة والشعير، فأخذ العروض الثياب من الحنطة والشعير. (مصنف لابن أبي شيبة ٦/ ٥٢٢ رقم: ١٠٥٣٨)

ويكره نقل الزكاة من بلد إلى بلد ...... إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج من أهل بلده لما فيه من الصلة أو زيادة دفع الحاجة. (هداية ١/ ٢٠٨)

وعدم الكراهة في نقلها للقريب للجمع بين أجرى الصدقة والصلة وللأحوج؛ لأن المقصود منها سدّ خلة المحتاج فمن كان أحوج كان أولىٰ وليس عدم الكراهة منحصراً في هاتين؛ لأنه لو نقلها إلى فقير في بلد آخر أورع وأصلح كما فعل معاذ لا يكره، ولهٰذا قيل: التصدق على العالم الفقير أفضل كذا في المعراج. (البحر الرائق ٢/ ٢٥٠ كوئٹه)

قوله: ''كره'' لأن فيه رعاية حق الجوار فكان أولىٰ، والمتبادر منه أن الكراهة تنزيهية، تأمل. فلو نقلها جاز؛ لأن المصرف مطلق الفقراء، درر. (الدر المحتار مع الشامي / باب المصرف ٣/ ٣٠٤ زكريا، كذا في الهندية ١/ ١٩٠، ومثله في المحيط البرهاني ٢/ ٤٤٠، مجمع الأنهر ١/ ٢٢٦ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۵/۱۲/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقۃ الفطر کے مسائل

صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں کیا فرق ہے؟

سوال (۳۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صدقۂ فطر اور زکوٰۃ میں بنیادی فرق کیا ہے؟ کن کن صورتوں میں یہ لازم وواجب ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقہ کا لفظ عام ہے، جسے واجبہ اور غیر واجبہ دونوں کے لئے بولا جاسکتا ہے۔ فطرہ اس صدقہ کو کہتے ہیں جو صاحبِ نصاب شخص پر عید الفطر میں واجب ہوتا ہے، اس کے وجوب کے لئے نصاب پر سال گذرنے کی شرط نہیں ہے۔

اور زکوٰۃ اس صدقۂ فرض کو کہتے ہیں جو صاحبِ نصاب پر سال گذرنے کے بعد فرض ہوتا ہے، جس کا تناسب چالیسواں حصہ ہے، جس کی تفصیلات کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

الزكاة في اللغة: النماء والزيادة ...... وتطلق على المال المؤدي، وعلى أدائه على الوجه المخصوص المعين في الشرع. (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٢٧ دار النوادر)

وفي اصطلاح الفقهاء ما ذكره المصنف قوله: هي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي، وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام، وملك نصاب حولي فارغ عن الدين وحوائجه الأصلية. (كنز الدقائق على البحر الرائق ٢/ ٢٠١-٢٠٢ كوئٹه)

وهو ربع عشر النصاب. (طحطاوي على مراقي الفلاح ٣٨٩)

وفي الشرع: تمليك جزء مالٍ عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجهٍ للّٰه تعالىٰ. (قواعد الفقه ٣١٤)

صدقة الفطر: هي ما تجب في صبح يوم عيد الفطر من الصدقة. (قواعد الفقه ٣٤٨)

وشرط عندنا ملك النصاب الفاضل عن حاجته الأصلية من غير اشتراط النماء. (لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٢٨١/٤ دار النوادر)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: فرض رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين، وأمر بها أن تودّى قبل خروج الناس إلى الصلاة.

(صحيح البخاري ٢٠٤/١ رقم: ١٥٠٣، صحيح مسلم ٣١٨/١ رقم: ٩٨٦، مشكاة المصابيح رقم: ١٨١٥)

تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته وإن لم يحل عليه الحول. (مراقي الفلاح مع الطحطاوي / باب صدقة الفطر ٥٩٥ مصري) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۱۹/۶/۱۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقۂ فطر کے وزن کے بارے میں مدرسہ شاہی کا فتویٰ

سوال (۳۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صدقۂ فطر کا وزن آج کے مروجہ وزن سے دار العلوم اور مدرسہ شاہی میں دو کلو ہے، جب کہ دوسرے مدارس میں دو کلو پینتالیس گرام ہے، ایسا کیوں؟ اس کی تحقیق چاہئے، آپ اس کا جواب کتبِ معتبرہ سے عنایت فرما کر مشکور فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: صدقۂ فطر کے لئے اصل وزن نصف صاع ہے، جس

کا وزن موجودہ اوزان کے اعتبار سے ۱رکلو۶۷۵رگرام ۶۴۰رملی گرام ہوتا ہے، مدرسہ شاہی کی طرف سے اسی وزن کا اعلان کیا جاتا ہے،اور پوری تحقیق کے بعد یہ وزن مقرر کیا گیا ہے، جولوگ اس کے خلاف اعلان کرتے ہیں،اس کی تحقیق انہیں سے کرنی چاہئے ۔(مستفاد: ایضاح المسائل ۵۸)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: فرض رسول الله صلى الله عليه وسلم زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير على العبد والحر والذكر والأنثى والصغير والكبير من المسلمين، وأمر بها أن تودّى قبل خروج الناس إلى الصلاة.

(صحيح البخاري ۱/۲۰٤ رقم: ۱۵۰۳، صحيح مسلم ۱/۳۱۸ رقم: ۹۸٦، مشكاة المصابيح رقم: ۱۸۱۵)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير. (حاشية الطحطاوي على المراقي ۳۹۵)

تجب نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه. (تنوير الأبصار على الدر المختار ۳/۳۱۸ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۴/۳/۱۴۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقدارِ صاع سے متعلق مفتی رشید احمدؒ کی تحقیق اور دار العلوم ومدرسہ شاہی کا فتویٰ

سوال (۳۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احسن الفتاویٰ جلد ۴/۳۷۵ پر ''بسط الباع لتحقیق الصاع'' رسالہ چسپاں ہے،جس میں صدقۃ الفطر کی مقدار متعین کرنے میں بہت جدوجہد کی ہے، مذکورہ بالا رسالہ کے صفحہ ۱۰/ پر اصل فتاویٰ کے ۳۸۴/ پر کچھ بحث وحساب کر لینے کے بعد تحریر فرمایا۔ تفصیل بالا سے ثابت ہوا کہ گیہوں کے ذریعہ صدقۃ الفطر ادا کرنا چاہیں تو یقینی طور پر بری الذمہ ہونے کے لئے ماشہ کے وزن ۲/سیر ۶ ۳/تولہ =۲٫۸۵۹ /کلوگرام گیہوں دینا ضروری ہے، نیچے تفصیل مذکور کا نقشہ دیا ہے، مذکورہ رسالہ کے

بالکل ختم پر لکھا ہے کہ اگر صدقۃ الفطر میں گیہوں یا گیہوں کا آٹا دیا جائے، تو وزن ماشہ کے مطابق ۲ء۳۲ ۲رکلوگرام دینا لازم ہے؛ البتہ اگر قیمت دینا چاہیں تو ۲ء۲۵ ۲رکلوگرام گیہوں کی قیمت دینے کی بھی گنجائش ہے، مع ہذا ۲ء۳۲۱ ۲رکلوگرام کی قیمت ادا کرنا افضل ہے، صدقۃ الفطر کی مقدار جو اوپر مذکور ہے اس کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہمارے یہاں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ودیگر مفتیانِ دارالعلوم کی تحقیق پر فتویٰ دیا جاتا ہے، یعنی نصف صاع کی مقدار ۱۳۵ر تولہ ہے، جس کا واقعی موجودہ وزن ۱رکلو ۵۷۶ رگرام ۶۴۰ رملی گرام ہوتا ہے، اس پر حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب نے ایضاح المسائل ۹۸-۱۰۱ پر اچھی بحث کی ہے، اس کا مطالعہ کیا جائے۔

قال الجوهري: الصاع الذي يكال به وهو أربعة أمداد. (الصحاح، فصل الصاد / باب العين ٣/٦٢٥)

وقال ابن الأثير: الصاع مكيال يسع أربعة أمداد. (النهاية / باب الصاد مع الواو ٢/٧٨٤، نخب الأفكار ١٠/٤٠٨ دار اليسر) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۳/۱۰/۱۴۱۳ھ

صدقۂ فطر کا وزن قدیم اور جدید اَوزان کے اعتبار سے

سوال (۳۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عید الفطر کے دن جو صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے، اس کا وزن پرانی تول (پکے سیر والی) سے کتنے تولہ ہوتا ہے، اور موجودہ تول سے کتنے کلو اور کتنے گرام صدقۂ فطر کا وزن ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیث صریحہ مرفوعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ کھجور، کشمش اور جو کے ذریعہ صدقۂ فطر کی مقدار ایک صاع ہے، اور گیہوں یا اس کا آٹا یا ستو کے ذریعہ صدقۂ فطر کی مقدار

نصف صاع ہے، اورنصف صاع کی مقدار قدیم پیمانوں کے حساب سے دو مد ہے، اور ایک صاع کی مقدار چار مد، پھر مد کی مقدار کے بارے میں حدیث میں ہے کہ مد دو رطل کا ہوتا ہے (جواہر الفقہ ۱/۴۲۴)

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يتوضأ بالمد وهو رطلان. وفي رواية: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يتوضأ برطلين ويغتسل بالصاع. (شرح معاني الآثار ۱/۳۵۲)

مد صاع کا چوتھائی ہوتا ہے، اس حساب سے ایک صاع چار مد کا ہوا، اور ایک مد چار رطل کا ہوتا ہے، تو ایک صاع ۸/ رطل کا ہوا، جیسا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ:

كان النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يتوضأ بالمد، رطلين، ويغتسل بالصاع ثمانية أرطالٍ. (الكامل لابن عدي ۱۲/۵ ترجمة: عمر بن موسىٰ بن وجيه رقم: ۱۱۸۷)

وعن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يتوضأ برطلين ويغتسل بالصاع ثمانية أرطال. (سنن الدارقطني رقم: ۲۱۱۹)

حضرت علامہ کشمیریؒ نے بہت تحقیق کے ساتھ صریح اور مرفوع احادیث اور خلفاء راشدین نیز کبار صحابہ وتابعین اور فقہاء مجتہدین کے اقوال وآثار سے یہ بات ثابت کی ہے کہ صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں یا اس کے آٹے اور ستو کے ذریعہ نصف صاع یعنی ۲/ مد اور ۴/ رطل ہے۔

عن أسماء بنت أبي بكر رضي اللّٰه عنها قالت: كنا نؤدي زكاة الفطر على عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم مدين من قمح. وفي رواية: مدين من حنطة، فهٰذه أسماء تخبر أنهم كانوا يؤدون في عهد رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم زكاة الفطر مدين من قمح، ومحال أن يكونوا يفعلون هٰذا إلا بأمر رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم؛ لأن هٰذا لا يؤخذ حينئذ إلا من جهة توقيفية إياهم على ما يجب عليهم من ذٰلک.

معلوم ہوا کہ جن حضرات نے حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ”صاعاً من طعام“ میں طعام سے گیہوں مراد لے کر گیہوں کے ذریعہ صدقۂ فطر کی مقدار کو کشمش اور کھجور کی

طرح ایک صاع متعین کیا ہے، یہ تطوع اور نفل پر محمول ہے۔

چناں چہ علامہ بنوریؒ حضرت کشمیریؒ کی امالی نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحمل الزيادة في حديث أبي سعيد على التطوع بدليل أن مروان بعث إلى أبي سعيد ''أن ابعث إلي بزكاة رقيقک'' فقال أبوسعيد للرسول: إن مروان لا يعلم أنما علينا أن تعطي لكل رأس عند كل فطر صاعاً من تمر أو نصف صاع من بر، قال: فدل على أن ما روي عنه مما زاد على ذٰلک كان اختياراً منه ولم يكن فرضًا. (معارف السنن ۳۰۷/۵ بنورية ديوبند)

درج ذیل احادیث وآثار سے بھی حنفیہ کا موقف "**نصف صاع من بر**" کی تائید ہوتی ہے۔

عن نافع عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: أمر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم بصدقة الفطر عن كل صغير وكبير حر وعبدٍ صاعاً من شعير أو صاعاً من تمر، قال: فعد له الناس بمدين من حنطة.

عن ثعلبة بن أبي صغير عن أبيه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أدوا زكاة الفطر صاعًا من تمر أو صاعًا من شعير أو نصف صاع من بر أو قال قمح الخ. وروي عن علي مثل ذٰلک، وسنذكر ذٰلک في موضعه مع أنه قد روي عن عمرو عن أبي بكر أيضاً، وعن عثمان بن عفان في صدقة الفطر أنها من الحنطة نصف صاع.

عن أبي قلابة قال: أخبرني من دفع إلى أبي بكر صاع بر بين اثنين.

عن عبد اللّٰه بن نافع أن أباه سأل عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه فقال: إن رجل مملوک فهل في مال زكاة؟ فقال عمر: إنما زكاتک على سيدک أن يؤدي عنک عند كل فطر صاعاً من شعير أو تمر أو نصف صاع من برٍّ.

عن أبي الأشعث قال: خطبنا عثمان بن عفان رضي اللّٰه عنه فقال في خطبته: أدوا زكاة الفطر صاعاً من تمر أو صاعاً من شعير الخ. وفي رواية: عن

عثمان أنه خطبهم فقال: أدوا زكاة الفطر مدين من حنطة. قال الإمام الطحاوي: فهٰذا أبوبكر وعمر وعثمان قد أجمعوا على ذٰلک مما ذكرنا. (شرح معاني الآثار ۳٤۹/۱-۳٥۰، نخب الأفكار للعيني ٤۲۸/۱۰-٤۲۹ دار اليسر)

اس کے علاوہ حضرت ابوہریرہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اس مضمون کے آثار مروی ہیں۔

مذکورہ دلائل سے یہ بات اچھی طرح مدلل طور پر واضح ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک صدقۂ فطر کی مقدار گندم اور گیہوں یا اس کے آٹا ستو کے ذریعہ نصف صاع یا ۱۳۵ر تولہ واجب ہے، اب موجودہ زمانہ کے اعتبار سے نصف صاع کی کتنی مقدار ہے؟ اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی کی تحقیق اور یہی مدرسہ شاہی کا متفقہ موقف بھی ہے کہ موجودہ زمانہ کے اوزان کے اعتبار سے نصف صاع کی مقدار ایک کلو ۵۷۴ر گرام ۶۴۶ر ملی گرام ہے، اور ہم نے یہ مقدار حضرت مفتی محمد شفیع صاحب اور دیگر اکابر مفتیانِ دارالعلوم دیوبند کی تحقیق پر تجویز کی ہے۔ (دیکھئے: ایضاح المسائل ۹۸-۹۹)

تجب نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه. (تنوير الأبصار على الدر المختار ۳۱۸/۳ زكريا)

وهي نصف صاع من بر وصاع من شعير. (الفتاویٰ الهندية ۱۹۱/۱ كوئٹه)

وهي نصف صاع من بر أو دقيقه أو سويقه أو صاع تمر أو زبيب أو شعير. (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ۳۹٥ كراچی، مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح ۲٦۳ دار الكتب العلمية بيروت)

ومقدارها في الحنطة نصف صاع عند أبي حنيفة ومن الشعير والتمر صاع. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٥٤/۳ زكريا، مجمع الأنهر ۲۲۸/۱-۲۲۹ دار إحياء التراث العربي)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عندالاحناف صدقۂ فطر میں صاع عراقی معتبر ہے

سوال (۳۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: صدقۂ فطر میں کس صاع کا اعتبار کیا گیا ہے؟ ائمۂ کرام ومجتہدین کا اختلاف قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل واضح کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احناف کے نزدیک صاع عراقی معتبر ہے جو قدیم حساب کے اعتبار سے ۲۷۰؍تولہ کا ہوتا ہے۔ اور جدید اوزان کے اعتبار سے ۳؍کلو ۱۴۹؍گرام ۲۸۰؍ ملی گرام ہے۔ (جواہر الفقہ اوزان شرعیہ ۲۲۴)

والصاع عند أبي حنيفة ومحمد ثمانية أرطالٍ بالعراقي ...... ولنا ما روي أنه عليه السلام كان يتوضأ بالمد رطلين ويغسل بالصاع ثمانية أرطالٍ، وهٰكذا كان صاع عمر رضي اللّٰه عنه. (هداية ١/ ٢١٠، **والحديث:** أخرجه الإمام الدارقطني في سننه ٢/ ١٣٤ رقم: ٢١١٩، والبيهقي في سننه الكبرىٰ ٤/ ٢٨٧ رقم: ٧٧٢٤)

اختلف في الصاع فقال الطرفان: ثمانية أرطالٍ بالعراقي، وقال الثاني خمسة أرطال وثلاث، وقيل: لا خلاف؛ لأن الثاني قدره برطل المدينة؛ لأنه ثلاثون استاراً، والعراقي عشرون، وإذا قابلت ثمانية بالعراقي بخمسة وثلاث بالمديني وجدتهما سواء. (رد المحتار على الدر المختار شرح تنوير الأبصار/ باب صدقة الفطر ٣/ ٣٢٠ زكريا)

وهو ثمانية أرطال بالعراقي، والعراقي مائة وثلاثون درهماً، فالصاع ما يسع ألفاً وأربعين درهماً، وقول أبي يوسف: الصاع ما يسع خمسة أرطال وثلثاً مراده بالرطل رطل المدينة وهو ثلاثون أستاراً و رطل العراق عشرون أستاراً فيكون المجموع على القولين مائة وستين أستاراً، والأستار ستة دراهم ونصف.

(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح ٣٩٥ كراچی)

قال ابن الأثير: الصاع مكيال يسع أربعة أمداد، والمد مختلف فيه ......

وقيل: هو رطلان، وبه أخذ أبو حنيفة وفقهاء العراق فيكون الصاع ثمانية أرطالٍ.
(النهاية ۷۸٤/۲ بحواله: نخب الأفكار ۱۰/ ٤۰۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۹/۱/۱۴۱۲ھ

غریب آدمی پر صدقۂ فطر دینا واجب نہیں

سوال (۳۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ہے جو کہ غریب ہے وہ صاحبِ نصاب بھی نہیں ہے، اور زکوۃ دینے کی حالت میں بھی نہیں ہے، تو وہ فطرہ دے سکتا ہے، کیا اسے اپنا اور اپنے بچوں کا فطرہ دینا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: جو شخص غریب ہو اس پر صدقۂ فطر دینا لازم نہیں ہے، اور اگر ادا کردے تو منع بھی نہیں۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ [البقرة: ۱٥۸]

قال النبي صلى الله عليه وسلم: لا صدقة إلا عن ظهر غنًى. (ذكره البخاري تعليقاً ۳۸٤/۱، وقد وصله الإمام أحمد في مسنده عن أبي هريرة ۲۳۰/۲)

باب صدقة الفطر: تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته، وإن لم يحل عليه الحول عند طلوع فجر يوم الفطر ولم يكن للتجارة فارغ عن الدين وحاجته الأصلية وحوائج عياله. (نور الإيضاح على مراقي الفلاح / باب صدقة الفطر ۲٦۳ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا تجب هٰذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغنى أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٥۳/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے پاس دومنزلہ مکان ہو اس پر فطرہ واجب ہے یا نہیں؟

سوال (۳۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے مکان کے دو حصے یا دو منزل ہیں، ایک میں وہ رہتا ہے، دوسرا کرایہ پر ہے، تو اس شخص پر فطرہ واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ فطر کے وجوب کا مدار مکان کی ملکیت پر نہیں ہے؛ بلکہ نصاب کے بقدر عید کے دن ضرورتِ اصلیہ سے زائد مال کی ملکیت پر ہے۔ بریں بنا اگر مذکورہ شخص کے پاس عید کے دن روپیہ پیسہ یا مالِ تجارت یا ضرورت سے زائد مال ہو تو فطرہ واجب ہے ورنہ نہیں۔

قال النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا صدقة إلا عن ظهر غنًی. (ذكره البخاري تعليقاً ۱/ ۳۸٤، وقد وصله الإمام أحمد في مسنده عن أبي هريرة ۲/ ۲۳۰)

يجب على كل مسلم ذي نصابٍ فاضلٍ عن حاجته الأصلية، كدينه وحوائج عياله بطلوع فجر الفطر. (تنوير الأبصار مع الدر ۳/ ۳۱۰- ۳۲۲ زكريا)

باب صدقة الفطر: تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته، وإن لم يحل عليه الحول عند طلوع فجر يوم الفطر ولم يكن للتجارة فارغ عن الدين وحاجته الأصلية وحوائج عياله. (نور الإيضاح على مراقي الفلاح / باب صدقة الفطر ۲٦۳ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا تجب هٰذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغنى أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ٤٥۳ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱۱/۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

فطرہ کی رقم کا مصرف؟

سوال (۳۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فطرہ کی رقم کس مد میں دی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فطرہ فقیر، مسکین اور مسافر وغیرہ کو دے سکتے ہیں، اور غنی، سید، بیوی، شوہر اور اصول وفروع کو نہیں دے سکتے۔ اسی طرح زکوٰۃ کی رقم کسی کافر کو نہیں دے سکتے؛ البتہ فطرہ کے بارے میں ایک روایت حضرات طرفینؒ سے جواز کی ملتی ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

وفي الحديث المرفوع الصحيح قال عليه السلام: تؤخذ من أغنيائهم فترد على فقرائهم ...... الخ. (متفق عليه، مشكاة المصابيح رقم: ١٧٧٢، صحيح البخاري رقم: ١٤٩٦، صحيح مسلم رقم: ١٩)

قال علي بن أبي طالب رضي اللّٰہ عنه: ليس لوالد حق في صدقة مفروضة الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٣٠/١٠ رقم: ١٣٥٠٩ دار الكتب العلمية بيروت)

ومصرف هٰذه الصدقة ما هو مصرف الزكوٰة. (الفتاوىٰ الهندية ١٩٤/١)

ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل، ولا يجوز دفع الزكاة إلى من يملك نصاباً. ولا يدفع إلى بني هاشم ......، وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق، واختلفوا في صدقة الفطر والنذور والكفارات، قال أبو حنيفة ومحمدؒ: يجوز إلا أن فقراء المسلمين أحب إلينا. (الفتاوى الهندية ١٨٨/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۲/۸/۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نانا، نانی اور بہن کوصدقۂ فطر دینا؟

سوال (۳۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر نانا یا نانی یا بہن کوصدقۂ فطر دے دیا تو ادا ہوجائے گا یا نہیں؟ ائمۂ کرام ومجتہدین کا اختلاف قرآن وحدیث کی روشنی میں مدلل واضح کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نانا یانانی کوصدقۂ فطر دینے سے ادا نہ ہوگا، بہن کو دینے سے ادا ہوجائے گا۔

أي أصله وإن علا كأبويه وأجداده وجداته من قبلها. (شامي ۳٤٦/۲ کراچی، ۲۹۳/۳ زکریا)

ولا يدفع إلى أصله وإن علا، وفرعه وإن سفل. (الفتاوى الهندية ۱۸۸/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۱/۹ھ

صدقہ کی رقم بھانجی کو دینا؟

سوال (۳۵۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سائل کی حقیقی بھانجی بیوہ ہوگئی ہے، بیوہ کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، وہ محنت ومزدوری اور امدادِ عزیز واقارب سے زندگی بسر کررہی ہے، تو کیا وہ صدقہ کی مستحق ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقہ کی رقم آپ اپنی حاجت مند بھانجی کو دے سکتے ہیں۔

عن سلمان بن عامر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم اثنان صدقة وصلة. (صحيح ابن حبان ١٤٣/٥ رقم: ٣٣٣٣ دار الفكر بيروت، صحيح البخاري ١٩٨/١ رقم: ١٤٦٦)

ويجوز صرفها إلى من لا يحل له السوال إذا لم يملك نصاباً. (عالمگيري ١٨٩/١)

قال في الهندية: الأفضل في الزكاة والفطر والنذور الصرف أولاً إلى الإخوة والأخوات ثم إلى أولادهم. (الفتاوى الهندية ١٩٠/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۱/۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس پر فطرہ واجب نہ ہو اس کا فطرہ دینا؟

سوال (۳۵۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ وہ فطرہ دے سکے، تو کیا اس کے اوپر بھی فطرہ واجب ہے یا نہیں؟ اور اگر واجب ہے تو کیا وہ اپنے اوپر خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو صاحبِ نصاب نہ ہو اس پر فطرہ واجب نہیں ہے۔

قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا صدقة إلا عن ظهر غنًى. (ذكره البخاري تعليقاً ٣٨٤/١، وقد وصله الإمام أحمد في مسنده عن أبي هريرة ٢٣٠/٢)

باب صدقة الفطر: تجب على حر مسلم مكلف مالك لنصاب أو قيمته، وإن لم يحل عليه الحول عند طلوع فجر يوم الفطر ولم يكن للتجارة فارغ عن الدين وحاجته الأصلية وحوائج عياله. (نور الإيضاح على مراقي الفلاح / باب صدقة الفطر ٢٦٣ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا تجب هٰذه الصدقة إلا على حر مسلم غني، والغنى أن يملك نصاباً أو ما قيمته قيمة النصاب فاضلاً عن مسكنه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٥٣/٣ زكريا)

تجب الخ على ذي نصاب فاضل عن حاجته الأصلية. (التنوير مع الدر المختار ٣٦٠/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۱۴ھ

فطرہ کی آمدنی مسجد مدرسہ کی دیوار یا غسل خانہ میں لگانا؟

سوال (۳۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: فطرہ کی آمد کو مسجد یا مدرسہ کی دیواریں یا غسل خانہ یا وضو خانہ میں کہیں لگا سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فطرہ کی آمدنی صرف غرباء کا حق ہے، اس مسجد کی کسی بھی ضرورت میں لگانا جائز نہیں ہے۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ﴾ [التوبة: ٦٠]

عن الثوري قال: الرجل لا يعطي زكاة ماله ...... في كفن ميت ولا دين ميت ولا بناء مسجد ......الخ. (المصنف لعبد الرزاق ٤/ ١١٢ رقم: ٧١٦٣)

لا يصرف إلى بناء نحو مسجد كبناء القناطر والسقايات. (شامي ٢/ ٣٤٤ كراچی، ٣/ ٢٩١ زكريا)

لا إلى ذمي ...... وبناء مسجد. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٣ كوئٹه)

لا يجوز أن يبنى بالزكاة؛ لأن التمليک شرط فيها، ولم يوجد، وكذا لا يبنى لها القناطر والسقايات. (تبيين الحقائق / باب المصرف ٢/ ١٢٠ دار الكتب العلمية بيروت)

مصرف هٰذه الصدقة ما هو مصرف الزكاة. (الفتاوى الهندية ١/ ١٩٤)

ولايجوز أن يبنى بالزكاة المسجد. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٨، شامي ٣/ ٢٩١ زكريا، البحر الرائق ٢/ ٢٤٣ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

فطرہ اور زکوٰۃ کی رقم غیر مسلم کو دینا؟

سوال (۳۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: فطرہ وزکوٰۃ کی رقم غیر مسلم کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زکوٰۃ کی رقم غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی، اور فطرہ بھی مسلمان ہی کو دینا اولیٰ ہے۔

عن إبراهيم بن مهاجر قال: سألت إبراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام؟ فقال: أما الزكاة فلا، وأما إن شاء رجل أن يتصدق فلا بأس. عن الحسان قال: لا يعطى المشركون من الزكاة ولا شيء من الكفارات. عن جابر بن زيد قال: قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم في أهل الذمة من الصدقة والخمس. (مصنف ابن أبي شيبة ٦/٥١٦-٥١٧ رقم: ١٠٥١٠-١٠٥١١-١٠٥١٥)

عن سعيد بن جبير رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تصدقوا إلا على أهل دينكم ...... الخ. (المصنف لابن أبي شيبة ٦/٥١٤ رقم: ١٠٤٩٩)

وأما الحربي المستأمن فلا يجوز دفع الزكوٰة والصدقة الواجبة إليه بالإجماع. (الفتاوى الهندية ١/١٨٨)

وأما أهل الذمة ...... واختلفوا في صدقة الفطر والنذور والكفارات، قال أبو حنيفة ومحمد: يجوز إلا أن فقراء المسلمين أحب إلينا. (الفتاوى الهندية ١/١٨٨، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٢١٢ زكريا) ***فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم***

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عام صدقہ کے مسائل

بیوی بچوں کو نفلی صدقہ دینا؟

سوال (۳۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے جب سے صدقہ کرتے رہنے کے فضائل سنے، تو زید روزانہ صدقہ کرتا رہتا ہے، کبھی کسی غریب کو یتیم مسکین کو، کبھی مدرسہ کے کسی بچے کو، کبھی امام اور مؤذن کو، کبھی کسی مدرس کو، کبھی کسی گھر پر آئے ہوئے رشتہ دار کو پیسے دیتا رہتا ہے، زید نے کسی عالم سے سنا ہے کہ اپنی بیوی اور بچوں کو اور اپنے والدین کو صدقہ کرنے کا بھی اتنا ہی ثواب ملتا ہے؛ بلکہ اہل وعیال کو صدقہ کرنے کا زیادہ ثواب ہے، تو زید نے اپنی بیوی اور بچوں کو صدقہ دینا شروع کر دیا۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا شرعاً نفلی صدقات اپنے بیوی بچوں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں؟ اور ان کا وہی ثواب ہے جو کسی غریب کو دینے کا؟ جیسے کہ زید کا معمول ہے؟ شرعاً جو حکم ہو واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی بچوں پر ثواب کی نیت سے خرچ کرنے سے انشاء اللہ صدقہ کا ثواب ملے گا؛ بلکہ احادیثِ شریفہ میں گھر والوں اور رشتہ داروں پر خرچ کرنے کو افضل ترین صدقہ کہا گیا ہے؛ لیکن یہ یاد رہے کہ بیوی بچوں پر زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ خرچ نہیں کئے جاسکتے۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ یقول: قال النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم: أفضل الصدقۃ ما کان عن ظہر غنی و أبدأ بمن تعول. (صحیح ابن حبان ۱٤٤/٥ رقم: ۳۳۳٤ دار الفکر بیروت)

عن سليمان بن عامر عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الصدقة على المسكين صدقة وهي على ذي الرحم اثنان صدقة وصلة. (صحيح ابن حبان ١٤٣/٥ رقم: ٣٣٣٣ دار الفكر، صحيح البخاري ١٩٨/١ رقم: ١٤٦٦)

لا خلاف بين الفقهاء في جواز التصدق على الأقرباء والأزواج صدقة التطوع؛ بل صرح بعضهم: بأنه يسن التصدق عليهم ولهم أخذها، ولو كانوا ممن تجب نفقته على المتصدق. (الموسوعة الفقهية ٣٣١/٢٦ بيروت)

رجل تصدق على ابنه الصغير داراً جاز. (فتاویٰ السراجية ٤٠٩)

ولا يصح دفعها ...... أصل المزكى وفرعه وزوجته. (طحطاوي على المراقي ٧٢٠ أشرفية) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۲/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اِمداد کے خانہ میں عطیہ اور تعاون لکھوانا؟

سوال (۳۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مسلم جماعتیں حوادث میں امداد دیتی ہیں، میں نے ان کوانٹرسٹ کی رقم دے دی، جماعت کے لوگ رسید دیتے ہیں، امداد کے خانہ میں عطیہ، تعاون یا امداد لکھوا سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: امداد کے خانہ میں عطیہ، تعاون، امداد وغیرہ لکھوانا درست ہے۔

مستفاد بهٰذه العبارة: إشارة إلى أنه لا اعتبار بالتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزيه في الأصح. (شامي ١٨٧/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۲۱/۱۱/۲۷ھ

کیا صدقاتِ واجبہ اور زکوٰۃ کی طرح صدقاتِ نافلہ میں بھی تملیک شرط ہے؟

سوال (۳۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ غریب مستحق کو دے کر مالک بنانا ضروری ہے، بغیر مستحق زکوٰۃ اور تملیک کے ادائیگی زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے، تو کیا صدقاتِ نافلہ کو بھی غریب و مستحق زکوٰۃ تک پہنچانا اور مالک بنانا ضرری ہے؟ اگر صدقاتِ نافلہ غیر مستحق کو یا مسجد و مدرسہ میں دیا جائے تو صحیح ہے یا نہیں؟ ایک مفتی صاحب سے مسئلہ معلوم کیا تھا، تو انہوں نے فرمایا کہ صدقاتِ نافلہ کو بھی غریب مستحق کو دے کر مالک بنانا ضروری ہے، جس طرح زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں ضروری ہوتا ہے، اور ہر طرح کے صدقات وزکوٰۃ چاہے وہ نافلہ ہوں یا واجبہ، سب میں تملیک اور مستحق تک پہنچانا ضروری ہے، اس لئے یہ مسئلہ باعثِ تشویش ہوگیا، حضور والا مفتی شبیر احمد صاحب اور مفتی محمد سلمان صاحب زید مجدہما اس مسئلہ میں کیا فرماتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ نافلہ کی دو جہتیں ہیں، اور دونوں میں مستقل ثواب ہے:

اول صدقہ:- تو یہ صدقہ اسی وقت بنے گا، جب کہ مستحق پر خرچ کیا جائے۔

دوم تبرع واحسان:- اس معنی کے اعتبار سے صدقۂ نافلہ کو مستحق اور غیر مستحق دونوں پر خرچ کیا جاسکتا ہے، اور اس میں تملیک وغیرہ کی کوئی شرط نہیں، ثواب دونوں صورتوں میں ملتا ہے، جس میں حالات اور تقاضوں کے اعتبار سے کمی بیشی ہوسکتی ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۹/۶۴۲ ڈابھیل)

قال الشيخ عبد الحق محدث الدهلوي في اللمعات: تحت حديث إن هٰذه الصدقات إنما هي أوساخ الناس وأنها لا تحل لمحمد و لا لآل محمد.

(صحيح مسلم ۱۰۷۲)

أما قوله صلى اللّٰه عليه وسلم فكان لا تجوز له الصدقة نافلة كانت أو واجبة، وأما لآله صلى اللّٰه عليه وسلم فلا تجوز الزكاة، ويجوز سائر الصدقات.

(لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح ٤/ ٢٩٠ دار النوادر)

وقيد بالزكاة؛ لأن النفل يجوز للغني كما للهاشمي، وأما بقية الصدقات المفروضة والواجبات كالعشر والكفارات والنذور وصدقة الفطر، فلا يجوز صرفها للغني، لعموم قوله عليه الصلوة والسلام: لا تحل صدقة لغني. خرج النفل منها؛ لأن الصدقة على الغني هبة. (البحر الرائق ٢/ ٢٤٥، مثله في الدر المختار ٣/ ٣٠٠ زكريا)

فأما الصدقة على وجه الصلة والتطوع فلا بأس به، وكذٰلك يجوز النفل للغني. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٢١٤ رقم: ٤١٥٥ زكريا)

فأما التطوع فيجوز الصرف إليهم. (الفتاوى الهندية ١/ ١٨٩، كذا في مجمع الأنهر ١/ ٢٢٤ بيروت)

اعلم أن الصدقة تستحب بفاضل عن كفايته وكفاية من يمونه ...... والأفضل أن يتصدق نفلاً أن ينوي لجميع المؤمنين والمؤمنات لأنها تصل إليهم ولا ينقص من أجره شيء. (شامي ٢/ ٣٥٧ كراچی، ٣/ ٣٠٨ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸؍۳؍۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقہ کا جانور کتنی عمر کا ہونا ضروری ہے؟

سوال (۳۵۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صدقہ کے لئے کتنی عمر کا جانور ہونا چاہئے؟ سال بھر سے کم عمر کے جانور کا صدقہ ہو جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: نفلی صدقہ میں تو کسی بھی عمر کا جانور دے سکتے ہیں؛

لیکن صدقۂ واجبہ، نذر یا قربانی میں اگر بکرا ہوتو کم از کم ایک سال کا اور کٹڑا، گائے وغیرہ دو سال اور اونٹ کم از کم پانچ سال کا ہونا لازم ہے۔

وهو ابن خمس من الإبل، وحولين من البقر والجاموس، وحول من الشاة. (تنوير الأبصار ٩/٤٦٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۱۱/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صدقہ کا گوشت تقسیم کر کے مابقیہ اپنے استعمال میں لانا؟

سوال (۳۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: صدقہ کا گوشت بانٹنے کے بعد تھوڑا بہت استعمال میں لا سکتے ہیں یا نہیں؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ صدقہ کے جانور کی عمر کتنی ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر یہ گوشت صدقۂ نافلہ کا ہے، یعنی نذر یا منت یا زکوٰۃ وغیرہ کی رقم کا نہیں ہے، تو اس کو اپنے ذاتی استعمال میں لانا بھی درست ہے، مگر یہاں یہ واضح رہنا چاہئے کہ آج کل لوگوں نے بالخصوص بیماروں کی شفایابی کے لئے بکرے کے صدقہ کو ضروری سمجھ لیا ہے؛ حالاں کہ اس التزام کی شریعت میں کوئی اصل نہیں؛ بلکہ علماء نے لکھا ہے کہ اگر اس عقیدے سے بکرا وغیرہ ذبح کیا جائے کہ یہ مریض کی بیماری کو دور کرنے والا اور اس کی بلا کو ٹالنے کا ذریعہ ہوگا، تو ایسا بکرا مردار کے حکم میں ہے، جس کا کھانا امیر وغریب کسی کے لئے جائز نہیں، بہر حال صدقہ میں بکرے کا التزام محض جہالت ہے، بہتر یہ ہے کہ اس جاہلانہ رسم کو ختم کرنے کے لئے بکرے کے بجائے روپئے پیسے وغیرہ کا صدقہ کیا جائے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳۰۸/۵)

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ [المائدة: ٣]

لو ذبح شا ة علی النصب من الأنصاب أو علی قبر من القبور، وقصد به التقرب إلی صاحب القبر أو صاحب النصب وذکر اسم اللّٰه علیها لا تحل.

(فتاویٰ عزیزي ۱/ ۳۶ بحواله حاشیة: فتاویٰ محمودیه ۲۰/ ۲۳۶ میرٹھ)

لا یجوز لخادم الشیخ أخذه ولا أکله ولا التصرف فیه بوجه من الوجوه إلا أن یکون فقیراً وله عیال فقراء عاجزون عن الکسب وهم مضطرون فیأخذونه علی سبیل الصدقة المبتدأة وأخذه أیضاً مکروه، ما لم یقصد الناذر التقرب إلی اللّٰه وصدقة إلی الفقراء ویقطع النظر عن نذر الشیخ. (حاشیة الطحطاوي علی الدر المختار / قبیل باب الاعتکاف ۱/ ۴۱۷ دار الکتب العلمیة بیروت، بحواله حاشیة: فتاویٰ محمودیه ۲۰/ ۲۳۶ میرٹھ، البحر الرائق ۲/ ۲۹۸ کوئٹه)

أما صدقة التطوع فیجوز دفعها إلی هولاء (الوالدین وإن علوا والمولودین وإن سفلوا) والدفع إلیهم أولی؛ لأن فیه أجرین: أجر الصدقة، وأجر الصلة، وکونه دفعًا إلی نفسه من وجه لایمنع صدقة التطوع، قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: نفقة الرجل علی نفسهٖ صدقة، وعلی عیاله صدقة الخ. (بدائع الصنائع ۲/ ۱۶۲ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۶/۱۱/۲۲ھ

جانور صدقہ کرتے وقت کچھ گوشت اپنے لئے مختص کرنا؟

سوال (۳۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی مسلمان نے کوئی جانور کسی مدرسہ میں بطور صدقہ دیا ہے، تو کیا اس صدقہ کی چیز کو کوئی ایسا شخص جو صاحب نصاب نہ ہو کھا سکتا ہے؟ اور اگر کسی مال دار نے کوئی جانور صدقہ کیا ہوا ور صدقہ کرتے وقت یہ نیت کی ہو کہ جانور ذبح ہو جانے کے بعد دو کلو گوشت میں اپنے گھر کے لئے رکھوں

گا اور باقی مدرسہ میں صدقہ ہے، تو کیا یہ مال دار شخص ۲ رکلو گوشت کھا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صدقۂ واجبہ یا منت میں دیئے جانے والے جانور کے گوشت کے مستحق صرف وہی لوگ ہیں جو صاحبِ نصاب نہیں ہیں؛ لہٰذا صاحبِ نصاب شخص کو اسے نہیں کھانا چاہئے ،اور اگر نفلی صدقہ ہے تو اس میں سے عام لوگوں کو بھی کھانے کی گنجائش ہے۔ اور جس جانور کے بارے میں مالک نے یہ نیت کی ہو کہ اس میں سے دو کلو گوشت میں خود استعمال کروں گا اور بقیہ صدقہ کروں گا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، یہ گوشت کا صدقہ ہے اور جو حصہ اس نے اپنے لئے نکالا ہے وہ صدقہ میں شامل نہ ہوگا۔

باب المصرف هو الفقير، وهو من يملك ما لا يبلغ نصابًا و لا قيمته من أي مال كان ولو صحيحًا مكتسبًا. (مراقی الفلاح ۷۱۹ دیوبند)

ويجوز دفع الزكاة إلى من يملك ما دون النصاب. (البحر الرائق / باب المصرف ۲/ ٤١٩ زكريا)

ويجوز دفعها إلى من يملك أقل من النصاب، وإن كان صحيحًا مكتسبًا كذا في الزاهدي. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٨٥)

أما صدقة التطوع فيجوز دفعها إلى هولاء (الوالدين وإن علوا والمولودين وإن سفلوا) والدفع إليهم أولى؛ لأن فيه أجرين: أجر الصدقة، وأجر الصلة، وكونه دفعًا إلى نفسه من وجه لايمنع صدقة التطوع، قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: نفقة الرجل على نفسهٖ صدقة، وعلى عياله صدقة الخ. (بدائع الصنائع ٢/ ١٦٢ زكريا) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۸/۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

جس جانور کوصدقہ کر دیا ہو اس کا گوشت کھانا؟

سوال (۳۶۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا صدقہ کرنے کے بعد اس میں سے کچھ حصہ رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟ مثال کے طور پر ایک بکرا اللہ کے نام چھوڑا گیا، اب اس کو کاٹ کر اس کا سارا کا سارا گوشت فقیر وفقراء کو دے دیا جائے یا کچھ رکھ بھی سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بکرا نذر کا ہے، یعنی یہ نذر مان رکھی تھی کہ اگر فلاں کام ہوگیا تو اللہ کے لئے بکرا قربان کروں گا، اور وہ کام ہوگیا تو اس بکرے میں صرف فقراء کا حق ہے، وہ خود اسے استعمال نہ کرے، اسی طرح کسی مال دار کو بھی نہ کھلائے، اور اگر نذر کا نہیں ہے؛ بلکہ ویسے ہی صدقہ ہے تو خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے۔

عن عبد اللّٰہ بن عمرو رضي اللّٰہ عنه قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: لا تحل الصدقة لغني ولا لذي مرة سوي. (سنن الترمذي رقم: ٦٥٢، سنن أبي داؤد رقم: ١٦٣٤، سنن الدارمي رقم: ١٦٧٩، مشکاة المصابیح رقم: ١٨٣٠)

نذر أن یضحی ولم یسم شیئاً علیه شاة ولا یأکل منها. (الفتاویٰ الهندیة ٥/٢٩٥)

مصرف الزکاة وهو مصرف أیضاً لصدقة الفطر والکفارة والنذر وغیر ذٰلک من الصدقات الواجبة. (رد المحتار علی الدر المختار ٢/٣٣٩ کراچی، ٣/٢٨٣ زکریا)

وقید بالزکاة؛ لأن النفل یجوز للغني کما للهاشمي، وأما بقیة الصدقات المفروضة والواجبة کالعشر والکفارات والنذور وصدقة الفطر فلا یجوز صرفها للغني لعموم قوله علیه السلام: لا تحل صدقة لغني. (البحر الرائق ٢/٢٤٥ کوئٹه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۴/۱۱/۱۴۱۳ھ

والدہ کا بچا ہوا مال مسجد میں ثواب کی نیت سے دینا؟

سوال (۳۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: محمد شریف کی والدہ کا انتقال ہوگیا، جن کا کچھ روپیہ گھر میں جمع کیا ہوا ملا، اور چاندی کی چوڑیاں جو کہ وہ پہنے تھیں بازار میں فروخت کر دی گئیں، اور کچھ پیسہ کفن سے بچا، اس طرح ان سب کو ملا کر ۶۰۰؍ روپئے کی رقم بنی، جس کو محمد شریف اور اس کی بہنوں نے بخوشی مسجد کو دے دیا، اور دونوں بہنوں نے مزید سوسو روپیہ مسجد کو مرحومہ کی طرف سے دیئے، کیا اس رقم کو مسجد میں دینا درست ہے یا خیرات کرنا بہتر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں ۶۰۰؍ روپئے کے اصل مالک محمد شریف اور اس کی بہنیں تھیں، اب اگر وہ اپنی خوشی سے وہ رقم مسجد میں دے دیں تو کوئی حرج نہیں، مسجد میں یہ رقم لگائی جاسکتی ہے؛ کیوں کہ یہ صدقۂ نافلہ کے درجہ میں ہے۔

فأما التطوع فیجوز الصرف إلیهم. (الفتاویٰ الهندیة ۱۸۹/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۲/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیمار شخص نے بکرا صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی اور صدقہ کردی بکری؟

سوال (۳۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے ایک لڑکے کے بیمار ہونے پر ایک بکرا صدقہ کرنا بول دیا تھا، کیا بکرے کے بدلہ بکری دو یتیم بچوں کو دے سکتے ہیں یا نہیں؟ ان بچوں کے پاس نہ زمین ہے نہ گھر، ان کا باپ پہلے ہی مر گیا تھا، اور ماں کو ہمارے یہاں کے ظالموں نے مار دیا تھا اور زمین کے پیسے بھی نہیں دئے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جانوروں میں نر و مادہ کے درمیان منافع میں زیادہ

فرق نہیں ہوتا؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں بکرے کے بجائے بکری کا صدقہ کرنا بھی درست ہے۔

لقلة التفاوت في الأعراض فلا يفسد العقد بعدمه بمنزلة وصف الذكورة والأنوثة في الحيوانات. (هداية ۳/ ۱۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۰/٦/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کچھ صدقہ کرنا چاہتی تھی اس سے پہلے ہی انتقال ہوگیا

سوال (۳٦۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری بیوی کا انتقال ہوگیا ہے، ان کا کچھ سامان صدقہ کرنے کا ارادہ تھا؛ لیکن وہ نہیں کرسکیں، اب اس کا کیا مسئلہ ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وارثین پر میت کی طرف سے صدقہ کرنا ضروری نہیں ہے، یہ ان کی مرضی پر ہے، اگر بخوشی صدقہ کردیں تو کوئی حرج نہیں اور اگر صدقہ نہ کریں تو ان سے مؤاخذہ نہ ہوگا۔

من صام أو صلى أو تصدق وجعل ثوابه لغيره من الأموات والأحياء جاز ويصل ثوابها إليهم. (شامي ۳/ ۱۵۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲٦/۸/۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہندو سائل کے ساتھ کیا معاملہ کریں؟

سوال (۳٦۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی ہندو سائل دروازہ پر آکر سوال کرے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس کو دینا بہتر ہے یا نہیں دینا چاہئے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندو سائل کے بارے میں اگر ضرورت مند ہونے کا گمان غالب ہو تو اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرنا چاہئے؛ البتہ زکوٰۃ کی رقم اسے دینا درست نہ ہوگا۔

عن إبراهيم بن مهاجر قال: سألت إبراهيم عن الصدقة على غير أهل الإسلام؟ فقال: أما الزكاة فلا، وأما إن شاء رجل أن يتصدق فلا بأس. عن الحسان قال: لا يعطى المشركون من الزكاة ولا شيء من الكفارات. عن جابر بن زيد قال: قد كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يقسم في أهل الذمة من الصدقة والخمس. (المصنف لابن أبي شيبة ٥١٦/٦–٥١٧ رقم: ١٠٥١٠–١٠٥١١–١٠٥١٥)

عن سعيد بن جبير رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا تصدقوا إلا على أهل دينكم ...... الخ. (المصنف لابن أبي شيبة ٥١٤/٦ رقم: ١٠٤٩٩)

وأما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة إليهم بالاتفاق، ويجوز صرف صدقة التطوع إليهم بالاتفاق. (الفتاوى الهندية ١٨٨/١، هداية ٢٠٥/١) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۱۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کتاب الحج

مسائلِ حج

حاجیوں سے دعاؤں کی درخواست کرنا؟

سوال (۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حجاجِ کرام سے دعا کی درخواست کرنا کیسا ہے؟ اور ان کی دعاؤں کی تاثیر کیا ہے؟ کیا حاجی کی دعا صرف سفرِ حج کے دوران ہی قبول ہوتی ہے یا سفرِ حج سے آنے بعد بھی؟ اور کتنے دن تک حاجی کی دعا قبول ہونا احادیث شریفہ سے ثابت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج اور عمرہ کے لئے جانے والے لوگوں سے دعا کی درخواست کرنا مسنون ہے، چناں چہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو جب عمرہ میں جانے کی اجازت دی تو آپ نے فرمایا: "**یا أخي لا تنسانا في دعائک**" اس کے علاوہ اور بھی متعدد روایات سے حاجی سے دعا اور استغفار کے لئے کہنا اور اس کی دعا اور شفاعت کا قبول ہونا ثابت ہے، اس لئے حجاج کرام سے دعاؤں کی درخواست کرنا چاہئے۔ اور بعض روایات سے چالیس دن تک حاجی کی دعا کا قبول ہونا بھی ثابت ہے۔

عن عمر رضي اللّٰه عنه عن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم قال: اِذَا لَقِیْتَ الْحَاجَّ فَسَلِّمْ عَلَیْهِ وَصَافِحْهُ وَمُرْهُ اَنْ یَّسْتَغْفِرَ لَکَ قَبْلَ اَنْ یَّدْخُلَ بَیْتَهٗ، فَاِنَّهٗ مَغْفُوْرٌ لَهٗ. (مسند احمد ۶۹/۲، سنن أبي داؤد رقم: ۱۴۹۸، البحر العمیق ۶۹/۱)

عن أبي موسیٰ الأشعري رضي اللّٰه عنه رفعه إلی النبي صلی اللّٰه علیه

وسلم قال: **اَلْحَاجُّ يَشْفَعُ فِيْ اَرْبَعِ مِائَةٍ مِنْ اَهْلِ بَيْتِهٖ وَيَخْرُجُ مِنْ ذُنُوْبِهٖ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ.** (رواه البزار، الترغيب والترهيب ۲۵۹ رقم: ١٧١٦)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يُغْفَرُ لِلْحَاجِّ وَلِمَنْ اسْتَغْفَرَ لَهُ الْحَاجُّ. (رواه البزار وابن خزيمة والحاكم، الترغيب والترهيب ٢٦٠ رقم: ١٧٢٤)

عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: اَلْحُجَّاجُ وَالْعُمَّارُ وَفْدُ اللّٰهِ دَعَاهُمْ فَاَجَابُوْهُ وَسَأَلُوْهُ فَاَعْطَاهُمْ. (رواه البزار ورواته ثقات، الترغيب والترهيب ٢٦٠ رقم: ١٧٢١)

عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: يُسْتَجَابُ لِلْحَاجِّ مِنْ حِيْنَ يَدْخُلُ مَكَّةَ اِلىٰ اَنْ يَرْجِعَ اِلىٰ اَهْلِهٖ وَفَضْلَ اَرْبَعِيْنَ. (البحر العميق ٦٩/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حاجی سفر حج پر کس طرح روانہ ہو؟

سوال (۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عازمین حج کے لئے سفر حج پر روانگی کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طریقہ یہ ہے کہ ریاونمود سے بچتے ہوئے بلا کسی اہتمام والتزام کے انفرادی طور پر اپنے احباب واقارب سے مل لے، کوئی جانے کے دن ہی کی قید نہیں؛ بلکہ پہلے بھی مل سکتا ہے، اور سادگی کے ساتھ دوگانہ سفر ادا کرکے سفر پر روانہ ہوجائے۔

عن أبي هريرة رضي الله عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا خرجت من منزلک فصل رکعتين تمنعانک مخرج السوء، وإذا دخلت منزلک فصل

ركعتين تمنعانک مدخل السوء. (رواه البزار مسند أبي حمزة أنس بن مالك رقم: ٦٧ ٨٥ ورجاله موثقون، مجمع الزوائد ٢/ ٥٧٢، الأحاديث المنتخبة ٥ ٢٢، وأخرج نحوه البيهقي في شعب الإيمان زاد فيه : إلى الصلاة ٤/ ٤٦١ رقم: ٤ ١ ٢٨)

ومفاده اختصاص صلاة ركعتي الفرض في البيت. (شامي ٤/ ٤٦٦ زكريا، كتاب المسائل ٣/ ٧٤-٧٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱۱/۱۴۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حاجیوں کا قافلہ کی شکل میں مردوں عورتوں کے ساتھ روانہ ہونا؟

سوال (۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بعض جگہوں پر یہ دستور ہے کہ عازمین حج کو سفر حج پر رخصت کرتے وقت ایک خاص مسجد میں خاص وقت پر جمع کیا جاتا ہے، جہاں مرد اور عورتوں کا علیحدہ علیحدہ نظم ہوتا ہے، وہاں علماء کے بیانات ہوتے ہیں، بعدہ اجتماعی دعاء ہوتی ہے، اس کے بعد قافلہ کی شکل میں عازمین حج لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے گذرتے ہیں، اور سواری پر جاکر بیٹھ جاتے ہیں، حج کے لئے سفر کرنے والی عورتوں کے ساتھ عورتوں کا ہجوم ہوتا ہے، اور یہ عورتیں بھی سواری تک رخصت کرتی ہیں، جس میں عموماً بے پردگی ہوتی ہے، یہ سلسلہ وقفہ وقفہ سے اس وقت تک رہتا ہے جب تک کہ اس بستی کے عازمین حج کا آخری قافلہ روانہ نہ ہو جائے۔

دریافت یہ کرنا ہے کہ عازمین حج کا کسی خاص مسجد میں متعین وقت پر جمع ہونا اور وہاں اجتماعی دعا کا ہونا اس کے بعد قافلہ کی شکل میں لوگوں سے ملاقات کرتے ہوئے جانا شرعاً کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہرت اور ریا ونمود سے اجتناب اور اخلاص وللّٰہیت حج کی روح ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے کجاوہ (جس پر صرف ۴/ درہم قیمت کی ایک چادر پڑی ہوئی تھی) پر حج کا سفر فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا:

اللّٰهم حجة لا رياء فيها و لا سمعة. (سنن ابن ماجة ٢١٣)

(یعنی اے اللہ میں ایسے حج کو چاہتا ہوں جس میں کوئی ریاکاری اور شہرت کا جذبہ نہ ہو)

سوال میں ذکرکردہ طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارکہ اور شریعت کے منشاء کے بالکل خلاف ہے، پھر اجتماعی طور پر خاص وقت میں مسجد میں جمع ہوکر دعا کرنا اور اس کے لئے باقاعدہ اعلان کرنا اور دعوت دیناوغیرہ بھی ایسے لوازمات میں سے ہے، جن کا کسی شرعی دلیل سے ثبوت نہیں ہے، اور اس میں عورتوں کا نکلنا اور بے پردگی ہونا صریح منکر ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ میں مجالس الابرار سے نقل کیا گیا ہے۔

ومن منكراتهم أيضاً خروج النساء عند ذهابهم وعند مجيئهم، فالواجب على المرأة قعودها في بيتها وعدم خروجها من منزلها وعلى الزوج منعها من الخروج ولو أذن لها كانا عاصيين. یعنی حاجیوں کے جاتے اور آتے وقت ان کو رخصت کرنے اور ان کے استقبال کے لئے عورتوں کا نکلنا معیوب ہے، عورت کو تو گھر ہی میں رہنا چاہئے اور شوہر پر لازم ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ایسی جگہ جانے سے روکے، اگر شوہر نہ روکے گا تو عورت کے ساتھ ساتھ وہ بھی گنہگار ہوگا۔ (مجالس الابرار ۱۴۵بحوالہ: فتاویٰ رحیمیہ ۲/۴۸، فتاویٰ محمودیہ ۳/۲۰۲، کتاب المسائل ۳/۷۴-۷۲)

عن أبي الأحوص قال: قال عبد اللّٰه: المرأة عورة وأقرب ما تكون من ربها إذا كانت في قعر بيتها، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (المصنف لابن أبي شيبة ٢/ ٣٨٤ رقم: ٧٦٩٨، سنن الترمذي رقم: ١١٧٣، مسند البزار ٥/ ٤٢٧ رقم: ٢٠٦١، صحيح ابن خزيمة ٣/ ٩٣ رقم: ١٦٨٥، صحيح ابن حبان ١٢/ ٤١٢ رقم: ٥٥٩٨ الشاملة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۱/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سفر حج کو جاتے وقت گھر میں دوگانہ ادا کرنا؟

سوال (۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: سفرِ حج کے لئے رخصت ہوتے وقت نفل نماز اپنے گھر پر پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے حالات میں دوگانہ سفر گھر ہی میں ادا کرنا چاہئے؛ تاکہ شہرت وغیرہ سے بچا جاسکے، علامہ شامیؒ کی رائے بھی یہی ہے کہ سفر کی نماز جانے سے پہلے گھر میں پڑھی جائے۔

ومفاده اختصاص صلاة ركعتي السفر بالبيت. (شامي ٤٦٦/٤ زكريا)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا خرجت من منزلك فصل ركعتين تمنعانك مخرج السوء، وإذا دخلت منزلك فصل ركعتين تمنعانك مدخل السوء. (رواه البزار مسند أبي حمزة أنس بن مالك رقم: ٨٥٦٧ ورجاله موثقون، مجمع الزوائد ٥٧٢/٢، الأحاديث المنتخبة ٢٢٥، وأخرج نحوه البيهقي في شعب الإيمان زاد فيه: إلى الصلاة ٤٦١/٤ رقم: ٢٨١٤)

وإذا أراد الخروج يصلي ركعتي السفر في بيته، وفي الخانية: يصلي ركعتين قبل أن يخرج من بيته وكذا بعد الرجوع إلى بيته. (غنية الناسك ٣٨ كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۱۱/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حجاجِ کرام کا اپنے قافلہ میں کسی عالم دین کو امیر الحجاج بنانا؟

سوال (۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج کل مروجہ حج وزیارت ٹور والے مشہور عالم دین کو امیر الحجاج بنا کر اپنا قافلہ کے ساتھ لے جاتے ہیں؛ تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ان کے ٹور میں آئیں، تو ایسا کرنا صحیح ہے یا غلط؟ شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی واقف کار عالم دین کو حج کے قافلہ کے ساتھ لے جانے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ ایسا کرنا بہتر ہے؛ تاکہ اس کی نگرانی میں عازمین حج اپنے مناسک صحیح طرح انجام دے سکیں۔

ولا بد من رفيق صالح يذكره إذا نسي وإن تيسر مع هٰذا كونه من العلماء فأولىٰ جدا، ويجب أن يصحب عالما متأهلا يعلمه. (غنية الناسك ٣٦ ادارة القرآن كراچى)

وليلتمس الحاج رفيقاً صالحاً راغباً في الخير كارهاً للشر ليعينه على مبارّ الحج ومكارم أخلاق السفر، ويمنعه بعلمه وعمله من سوء ما يطرأ على المسافر من الضجر والضيق ومساوئ الأخلاق، وليذكره باللّٰه رؤيته، ويعود على مرافقته بركته. (البحر العميق ٢٩٩/١ المكتبة المكية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۲۳/ ۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مسجد کا امام امیر الحجاج بن کر جائے یا امامت کرے؟

سوال (٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر وہ امیر الحجاج مسجد کی امامت کی ذمہ داری والا ہو، تو کیا اس کا ہر سال امیر الحجاج بن کر جانا افضل ہے؟ یا مفوضہ ذمہ داری کا نبھانا افضل ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اس امام کی غیر موجودگی میں اس کی جگہ امامت کی ذمہ داری انجام دینے والے معتبر شخص کا انتظام ہو جائے تو ہر سال بھی وہ امام سفر حج کر سکتا ہے۔

ولا بد من رفيق صالح يذكره إذا نسي وإن تيسر مع هذا كونه من العلماء

فأولىٰ جدا، ويجب أن يصحب عالما متأهلا يعلمه. (غنية الناسك ٣٦ ادارة القرآن كراتشي) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کے سفر پر جانے والے کو ''حاجی'' کہنا؟

سوال (۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حج کرنے گیا، ابھی راستہ میں ہی تھا کہ اس کو کسی نے ''حاجی'' کہا، تو کیا اس کو حاجی کہنا درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص حج کے سفر پر جارہا ہے، اس کو مآل کے اعتبار سے ابھی سے ''حاجی'' کہنا بھی درست ہے، جیسے کسی طالب علم کو مولوی بننے سے پہلے ہی ''مولوی'' کہہ دیا جاتا ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۱/۴/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حاجیوں کو ''الحاج'' کیوں کہا جاتا ہے؟

سوال (۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ حج کرتے ہیں انہیں ''الحاج'' لکھا جاتا ہے، تو جو لوگ نماز پڑھتے ہیں انہیں نمازی اور جو زکوۃ دیتے ہیں انہیں ''زکاتی'' کیوں نہیں کہا جاتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دیگر عبادات کی بہ نسبت حج کرنے والوں کی تعداد کم ہوتی ہے، اس لئے بطور امتیاز حج کرنے والوں کو حاجی لکھ دیا جاتا ہے، اور بقیہ عبادات کرنے

والوں کونمازی یازکاتی نہیں لکھا جاتا؛ کیوں کہ ان اعمال کے کرنے والے اتنی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں کہ اس صفت سے امتیاز کا مقصد حاصل نہیں ہوسکتا؛ تاہم ریا کاری اور شہرت کی غرض سے اپنے کو حاجی کہلوانا مذموم ہے۔ (امدادالفتاوی ۵؍۱۸۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸؍۷؍۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج مقبول کی علامات

سوال (۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حاجی کے حج قبول ہونے کی علامتوں میں سے یہ ہے کہ وہ حج سے فراغت کے بعد گناہوں کے کام چھوڑ دے، مثلاً داڑھی رکھ لے، معاملات صحیح ہوجائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یقیناً حج مقبول کی علامت یہی ہے کہ آدمی سابقہ گناہوں کو بالکل ترک کردے اور حج کے ذریعہ سے اس کی زندگی میں خوش گوار دینی انقلاب آجائے، جو شخص اس معاملہ میں کوتاہی کرتا ہو اور حج کے بعد بھی گناہوں پر جمار رہتا ہو، وہ بلاشبہ حج مقبول کی ایک علامت سے محروم سمجھا جائے گا؛ تاہم ان معاصی کی وجہ سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس کا حج ادا نہیں ہوا، ادا ہونا الگ بات ہے اور قبول ہونا الگ بات ہے۔

قيل: هو المقبول، ومن علامات القبول أنه إذا رجع يكون حاله خيراً من الحال الذي قبله. (عمدة القاري ١٨٨/١، فتح الباري ٩٩/١)

والقبول المترتب عليه الثواب يبتني على أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلى مرائيا أو صام واعتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب. (شامي، الحج / مطلب: فيمن حج بمال حرام ٤٥٣/٣ زكريا، ٤٥٦/٢ كراچی)

وإذا حج الإنسان ولم يتب خشي عليه عدم القبول. (البحر العميق ٤٢٤/١

مؤسسة الریان) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۴/۱۴۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شراب سے توبہ کئے بغیر حج کو جانا؟

سوال (۱۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو کہ شرابی ہے، بغیر توبہ کئے امسال وہ حج کو جارہا ہے، کیا اس کا حج کو اس طرح جانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ شخص شراب سے توبہ کرے تو کس طرح کرے؟ اگر یہ شخص توبہ نہ کرے اور مسلمانوں کی دعوت کرے، تو مسلمان اس کے یہاں دعوتِ طعام میں شریک ہوں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شراب پینا عند اللہ سخت ترین گناہ ہے، جس پر قرآن وحدیث میں سخت ترین وعید آئی ہے، اس لئے اگر کوئی شخص شراب کا عادی ہو تو اس کو یہ عمل چھوڑ کر توبہ واستغفار کرنا چاہئے؛ تاہم اگر ایسا شخص بغیر توبہ کئے حج کو چلا جائے، تو اس کا حج ادا ہو جائے گا؛ لیکن شراب کا گناہ بغیر توبہ کے معاف نہ ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ دارالعلوم ۲/ ۲۷)

قال اللّٰہ تعالی: ﴿ يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ، فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ [المائدة: ۹۰]

وصفة التوبة إن كانت عن ذنب فيما بينه وبين اللّٰه تعالىٰ كالزنا وشرب الخمر أن يستغفر اللّٰه تعالى باللسان، وأن يندم على فعله في الماضي، وأن يتركه في الحال، وأن يعزم على تركه في الاستقبال. (البحر العميق ۱/ ٤٢٥)

وقال تعالىٰ: ﴿وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلاً صَالِحاً وَاٰخَرَ سَيِّئاً عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ، اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَحِيْمٌ﴾. [التوبة: ۱۰۲]

ایسا شخص جو برسرعام گناہِ کبیرہ کا مرتکب ہو گو کہ اس کے فسق کی بنا پر اس کو اپنے جرم اور گناہ

کا احساس دلانے کی خاطر تعلقات کے ختم کرنے کی گنجائش ہے؛ لیکن تعلقات کا ختم کرنا زیادہ مفید نہیں ہے، میل جول رکھ کر اصلاح کی کوشش زیادہ کارآمد ہے؛ اس لئے ایسا شخص اگر دعوت وغیرہ کرے تو اس کو قبول کر لینا چاہئے اور آنے جانے کے تعلقات کو برقرار رکھ کر اس کو گناہ سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے ۔(مستفاد: فتاوی محمودیہ ۲۹/۴۱۴-۴۱۵ میرٹھ)

وحاصل ذلک أن الهجران إنما یحرم إذا کا من جهة غضب نفساني، أما إذا کان علی وجه التغلیظ علی المعصیة والفسق، أو علی وجه التأدیب کما وقع مع کعب بن مالک وصاحبیه، أو کما وقع لرسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم مع أزوجه، أو لعائشة مع ابن الزبیر رضي اللّٰه عنهم فإنه لیس من الهجران الممنوع، واللّٰه سبحانه أعلم. (تکملة فتح الملهم ٥/٥٦٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۵/۸/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۶۰/ ہزار روپئے جمع کرکے ۳۵/ ہزار میں حج کرانے کی اسکیم چلانا؟

سوال (۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: موسم حج سے تقریباً پانچ یا چھ ماہ قبل عازمین حج کے لئے حکومت کی جانب سے کبھی کبھی اس طرح اعلان ہوتا ہے، کہ جو حضرات حج کا ارادہ رکھتے ہوں وہ فوراً ساٹھ ہزار روپیہ نقد جمع کرا دیں، حکومت انہیں ۳۵/ ہزار میں حج کرائے گی، اور حج سے واپسی کے بعد ۲۵/ ہزار روپئے واپس کر دے گی، تو کیا اس طرح سے پانچ چھ ماہ قبل ۶۰/ ہزار روپئے نقد حکومت کے حوالے کرکے ۳۵/ ہزار میں حج کر لینا کیسا ہے؟ شرعاً درست ہے یا نہیں؟ اگر کوئی اس طرح سے حج کرے تو کیا اس کا حج کرنا درست ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال میں حکومت کی طرف سے جو حج کی اسکیم لکھی گئی ہے، وہ ہمارے علم میں نہیں ہے، حج کمیٹی کا دستور یہ ہے کہ وہ زرمبادلہ کی رقم واپس کر دیتی ہے، اور

ہوائی جہاز کے کرائے اور مکہ معظّمہ اور مدینہ منورہ کی رہائش کی اجرت وغیرہ حاجی سے وصول کرتی ہے، اور یہ کل رقم مل کر کٹے گری کے فرق کے اعتبار سے کم وبیش ہوتی ہے، اگر ایسی صورت کے بارے میں سوال ہے تو یہ معاملہ شرعاً درست ہے

وأما بيان أنوعها فنقول: إنها نوعان: نوع يرد على منافع الأعيان كاستيجار الدور والأراضي والدواب والثياب، وما أشبه ذلك ...... **وأما حكمها: فوقوع الملك في البدلين ساعة فساعة.** (الفتاویٰ الهندية ٤/ ٤١١ دار إحياء التراث العربي بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج وعمرہ کی ایک اسکیم اور اس کا حکم؟

سوال (۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں ضلع ویلور میں ایک اسکیم شروع ہوئی ہے، یہ اسکیم صرف عمرہ یا حج کو جانے والوں کے لئے ہے، اس کے شرائط وضوابط درج ذیل ہیں:

(۱) ماہانہ کم از کم فی فرد ایک ہزار روپیہ جمع کرنا ہوگا، اور اس طرح دس سال تک جمع کرنا ہوگا۔

(۲) درمیان میں اگر کسی وجہ سے اس اسکیم سے دست بردار ہونا چاہے تو اپنی جگہ دوسرے کو تیار کرکے داخل کرنا ہوگا، اور وہ اب تک کی کل رقم جمع کرے؛ تاکہ پہلے شخص کو دست برداری کے موقع پر اس کی جمع شدہ رقم دی جاسکے۔

(۳) پندرہ افراد کی تکمیل پر ایک شخص کو بیس پر دو، تیس پر تین کو سالانہ حج یا عمرہ کو جانے کے لئے ہر شخص کو ایک لاکھ بیس ہزار روپئے دیئے جائیں گے۔

(۴) دس سال کی مدت سے پہلے حج یا عمرہ کرنے والے حج وعمرہ سے فراغت کے بعد اپنی باقی رقم حسبِ سابق میعاد پوری ہونے تک ادا کرنا ہوگا۔

(۵) خدانخواستہ بعد حج وعمرہ ان کا انتقال ہوگیا، تو اس کے ورثہ کو اس کی میراث میں سے ادا کرنا ہوگا، وارث کی تعیین شروع ہی میں کردی جائے گی، اور وہ وارث بھی اقرار وقبول کرنے کے ساتھ ساتھ دستخط بھی کرنا ہوگا۔

(٦) حج وعمرہ سے پہلے اگر خدانخواستہ یہ اللہ کو پیارا ہوگیا تو اس کے وارث کو حج وعمرہ کرنا ہوگا۔

(۷) سال بھر میں جمع شدہ رقم بینک میں رہے گی، سود کی رقم کے متعلق دس سال کی مدت پوری ہونے کے بعد یعنی تمام شرکاء کے حج وعمرہ سے فارغ ہونے کے بعد سوچا جائے گا۔

(۸) ایک ہزار سے زائد بھی جمع کرسکتے ہیں، مگر کم از کم ایک ہزار ہی ہوگی۔

(۹) ہر سال ماہ ربیع الاول میں قرعہ ڈالا جائے گا، خواہش مند احباب کا قرعہ ہی سے فیصلہ ہوگا، جو کسی وجہ سے اگلے سالوں یا میعاد پوری ہونے پر حج وعمرہ کا ارادہ رکھتے ہوں، ان کا نام قرعہ میں نہیں ڈالا جائے گا، اگر مناسب وجائز ہو تو بندہ بھی اس اسکیم میں شامل ہونا چاہتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال نامہ میں اسکیم کی شرط نمبر ۵ اور شرط نمبر ٦ میں دیگر وارثین کی حق تلفی کا خطرہ یقینی طور پر ہوگا، اور میت کی زندگی میں قول وقرار کا کوئی اعتبار نہیں؛ اس لئے کہ وارث کے حق میں وصیت شرعاً معتبر نہیں ہوتی، نیز اس معاملہ میں دراصل دیگر شرکاء کی طرف سے قرض کی تحصیل قرعہ پر موقوف ہے، اس اعتبار سے اس میں قمار کا شائبہ بھی پایا جاتا ہے؛ لہٰذا یہ اسکیم شرعاً مشتبہ اور قابل اشکال ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

عن شرجیل بن مسلم سمعت أبا أمامة رضي اللّٰه عنه سمعت رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یقول: إن اللّٰه قد أعطی کل ذي حق حقه، فلا وصیة لوارث، الحدیث. (أخرجه أبو داؤد ۱/ ۳۹٦ رقم: ۲۸۷۰)

وسمی القمار قماراً؛ لأن کل واحد من المقامرین ممن یجوز أن یذهب ماله إلی صاحبه، ویجوز أن یستفید مال صاحبه وهو حرام بالنص. (شامي ۹/ ۵۷۷

زکریا، ٦/٣/٤٠٣ کراچی، فتاویٰ محمودیه ١٦/٢/٤٠٢ ڈابھیل، ایضاح النوادر ١/١٢٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۲۰۰؍لوگوں سے ۳۰۰-۳۰۰؍روپیہ جمع کرکے قرعہ اندازی سے ایک شخص کو حج کے لئے بھیجنا؟

سوال (۱۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جس کا مقصد مالی اعتبار سے کمزور مسلمانوں کو حج کی طرف راغب کرنا، اور وہ یوں ہے کہ دوسولوگوں سے فی کس ۳۰۰؍روپیہ اکٹھا کرتا ہے، دوسوآدمی مکمل ہوجانے پر ان دوسو پرچیوں میں سے ایک آدمی کا انتخاب بذریعہ قرعہ اندازی کے کرتا ہے، اس قرعہ اندازی میں منتخب ہونے والا آدمی باقی ایک سوننانوے آدمیوں کو ۳۰۰؍روپیہ کی رسید دیتا ہے اور دیتے وقت پیسہ ادا کرنے والے کے سامنے یہ واضح کردیتا ہے کہ قرعہ اندازی میں تمہارا انتخاب نہ ہونے کی صورت میں یہ تمہارے روپیوں سے قرعہ اندازی میں منتخب آدمی کو حج کے لئے روانہ کردیا جائے گا، نیز یہ بھی واضح کردیتا ہے کہ منتخب شخص ہی کو حج کرنے کا حق ہوگا، پیسوں کی ادائیگی کا مطالبہ قابلِ قبول نہ ہوگا، نیز حج کی تمام کارروائی وروانگی وصول کرنے والے شخص کے ذمہ ہوگی۔ تو اب دریافت یہ کرنا ہے کہ مندرجہ بالا طریقہ سے شرعاً کوئی قباحت تو نہیں ہے؟ منتخب شخص کا حج ہوگا یا نہیں؟ (جو غیر منتخب اشخاص کی رضامندی سے ہوگا)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غور کرنے سے معلوم ہوا کہ حج کے لئے پیسہ جمع کرنے کی یہ شکل بھی درحقیقت ایک طرح کی لاٹری اور جوئے کی شکل ہے، اور لینے والے کے لئے اپنے جمع کردہ ۳۰۰؍روپیہ سے زیادہ لینا قطعاً حرام ہے اور قمار میں داخل ہے، اور اس روپیہ کو حج جیسے مقدس فریضہ میں خرچ کرنا بھی نہایت جسارت اور شقاوت کی بات ہے، اس رقم سے اداشدہ حج مقبول نہ ہوگا۔

وفيه معنى القمار؛ لأن التمليك لا يحتمل التعليق لإفضائه إلى معنى القمار. (كذا في البناية في شرح الهداية / باب البيع الفاسد ١٥٨/٨ نعيميه ديوبند)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها و لا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي، كتاب الحج / مطلب: فيمن حج بمال حرام ٤٥٦/٢ كراچی، ٤٥٣/٣ زكريا، الفتاوى الهندية ٢٢٠/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۱۰/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کم پیسوں میں حج کرنے کی نیت سے خدام الحجاج کی معیت میں حج کرنا؟

سوال (۱۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جولوگ خدام کی حیثیت سے ملک عرب مکہ و مدینہ جاتے ہیں، اور ایجنٹ کے ذریعہ جاتے ہیں، اوران خدام حجاج سے ایجنٹ کرایہ اور محنت ورسائی کے اعتبار سے تقریباً چالیس ہزار روپیہ وصول کرتے ہیں، کیا اس طریقہ سے خدامِ حجاج کا جانا درست ہے یانہیں؟ خدام کا کہنا یہ ہے کہ ہم کم پیسوں میں حج اور عمرہ ادا کرلیں، دل میں خلوصِ نیت بھی ہے، کیا یہ دینی کام اس طریقہ سے کرنا جائز اور درست ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں اگر ایجنٹ یہ کہتا ہے کہ میں خدام الحجاج کو بھیجنے، ویزا لگوانے اور ٹکٹ وغیرہ کا انتظام کروانے کی محنت کے عوض میں متعین طور پر چالیس ہزار روپیہ لوں گا، تو یہ عقد اجارہ ہے جو شرعاً جائز ہے؛ لہٰذا خدام الحجاج کے نام پر اس طرح حجاز مقدس جانا شرعاً درست ہے۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ...... ومن استاجر أجيراً فليعلمه أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٩٨/٦ رقم: ١١٦٥١)

أخرج عبد الرزاق عن الثوري في رجل يكتري من رجل إلى مكة، ويضمن له الكرى نفقته إلى أن يبلغ، قال: لا، أن يوقت أياماً معلومة، وكيلاً معلوماً من الطعام يعطيه إياه كل يوم. (المصنف لعبد الرزاق / البيوع ٢١٤/٨ رقم: ١٤٩٣٨، بحواله: التعليقات على الفتاوى التاتارخانية ١٠١/١٥ زكريا)

لا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هداية ٢٧٧/٤)

كذا استفيد من هٰذه الجزئية: استأجره ليصيد له أو يحطب له فإن وقت لذٰلك وقتاً جاز ذٰلك. (درمختار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٦٢/٦ دارالفكر بيروت، ٨٥/٩ زكريا)

وكذا يستفاد جوازه من مسئلة أجرة السمسار له، فإن وقت لذٰلك. (درمختار، باب ضمان الأجير / مطلب في أجرة الدلال ٦٣/٦ دار الفكر بيروت، ٨٧/٩ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۶/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج سبسڈی کی رعایت سے فائدہ اُٹھانا

سوال (۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حجاجِ کرام کو مرکزی حکومت کرایہ کی دو تہائی رقم حج سبسڈی کے نام سے دیتی ہے، بعض لوگوں کے قول کے مطابق یہ حاجیوں سے پیشگی وصول کردہ کرایہ کی رقم سے وصول شدہ سودی رقم ہوتی ہے، اور یہ سودی رقم سے ملی ہوئی رعایت حج سبسڈی کے نام سے دی جاتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے دی جانے والی اس سودی رقم سے حج کے لئے جانا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر یہ سودی رقم نہ بھی ہو بلکہ حکومت اپنے خزانے سے دیتی ہو جبکہ حکومت کا مال

مکمل حلال ہونا بھی محل نظر ہے، تو حج جیسے مقدس فریضہ کی ادائیگی کے لئے اس رعایت کا حاصل کرنا جائز ہے یا نہیں؟ مناسب ہے یا نہیں؟ براہ کرم مدلل ومفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج سبسڈی حکومتِ ہند کی طرف سے حجاج کے لئے تعاون کی ایک شکل ہے، اس لئے حجاج کو اس رعایت سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کچھ حرج نہیں ہے، اور حکومت پر اقتدار اعلیٰ غیر مسلموں کو حاصل ہے، اس لئے ان کے آپسی معاملات اگرچہ سودی ہوں پھر بھی ان کا تعاون لینا منع نہیں ہے، اور سبسڈی کی رقم کا سودی رقم سے ادا کئے جانے کا دعویٰ بجائے خود محتاج دلیل اور غیر معقول ہے۔ (مستفاد: کتاب الفتاویٰ ۱۱۰/۴)

وهدية أهل الحرب أي للإمام وإلا فهي للآخذ فقط. (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين / باب العشر ۱۳۹ زكريا)

وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، وقبول هداياهم كل ذٰلك جائز، إذا كانوا ذمة لنا، وكذٰلك إذا كانوا أهل حرب. (إعلاء السنن، كتاب الهبة / باب الهدية للمشركين وقبول الهدية منهم ١٦/ ١٤٦ إدارة القرآن كراچى)

قال العلامة التهانوي: إن الهدية والصدقة والهبة والعطية معانيها متقاربة.

(إعلاء السنن، كتاب الهبة / باب في قبول الهبة ١٦/ ٨١ دارالكتب العليمة بيروت)

وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات. (الفتاوى الهندية ٤/ ٤٠٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۸/۲/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حکومتی سبسڈی سے فائدہ اٹھا کر حج کرنا؟

سوال (۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: حج اسلام کا پانچواں رکن ہے، جو صاحبِ استطاعت اہلِ ایمان پر فرض ہے، اور ادائیگی حج کے لئے حاجی کی ذاتی ملکیت کا زادِ راہ ہونا ضروری ہے۔ ہمارے ملک سے جو حجاج حج کمیٹی کی معرفت اس فریضہ کو انجام دیتے ہیں، ان کے سفر کے کرایہ میں حکومتِ ہند ایک حصہ سبسڈی دیتی ہے، جس کی وجہ سے ان کا ہوائی سفر دوسرے ذرائع سے حج کرنے والے حجاج کے مقابلہ میں کافی کم ہوتا ہے، نیز زرمبادلہ کی شرح بھی کم ہوتی ہے، سال گذشتہ ممبئی کے اخبارات میں سعودی عرب کے علماء سے منسوب یہ بیان شائع ہوا تھا کہ حکومت یا کسی اور طرح سے سبسڈی سے فائدہ لے کر ادا کیا ہوا حج صحیح نہیں ہوگا، یا ادا نہیں ہوگا۔ برائے مہربانی اس بات کا خلاصہ کریں کہ حکومت کی سبسڈی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا ہوائی حج صحیح ہوگا یا نہیں، اور ادا ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجاجِ کرام کو حکومت کی طرف سے دی جانے والی سبسڈی کی رقم ایک عطیہ اور تبرع ہے، جس کے لینے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور سبسڈی لے کر حج کرنے میں حج کی عبادت میں کسی طرح کی خرابی نہیں آتی، جن علماء کی طرف سے سبسڈی لینے کی ممانعت منسوب کی گئی ہے اور سبسڈی لے کر حج کرنے والوں کے حج کی ادائیگی سے انکار کیا گیا ہے، ان کی بات بے اصل اور بے دلیل ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۷/۱۹۲) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۳/۶/۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ اقتدار کے سودی معاملات کے باوجود حج سبسڈی سے فائدہ اُٹھانا جائز ہے

سوال (۱۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج اسلام کا مقدس اہم بنیادی اور آخری فریضہ ہے، جو ہر صاحبِ استطاعت پر شرائط کے ساتھ صرف ایک بار فرض ہے، یعنی وہ شخص جو مکمل طور پر سفر خرچ، حرمین شریفین میں قیام وطعام پر

نیز غیر حاضری میں اہل وعیال اور متعلقین کا نان ونفقہ اور دیگر ضروریات پوری کرنے کی حیثیت رکھتا ہے، اس پر فریضۂ حج لازم آتا ہے، اسلام اس کے لئے تکلفات قرض اور کسی کے احسان کو پسند نہیں کرتا، ہمارے ملک ہندوستان سے عازمین حج بڑی تعداد میں مرکزی حج کمیٹی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور پرائیویٹ ٹورز اور ٹراولس کے ذریعہ حج کرنے والوں کی بھی خاصی تعداد ہے، سینٹرل حج کمیٹی حکومتِ ہند کا ایک ادارہ ہے جس کا کام پلی گریم پاس یعنی عارضی پاس پورٹ بنانا، زرمبادلہ دینا، حرمین شریفین میں قیام کا انتظام کرنا وغیرہ ہے، بحری جہاز میں کرایہ کم تھا، اس وقت سبسڈی دی جاتی تھی یا نہیں؟ اس کا علم نہیں؛ لیکن جب سے وہ بند ہوئے اور ہوائی جہاز سے سفر شروع ہوا تو کرایہ میں بھی زبردست اضافہ ہوگیا، اس وقت مسلمان قائدین کی درخواست پر حکومتِ ہند نے کرایہ میں سبسڈی کے نام سے رعایت دینی شروع کی، ہوائی جہاز ایئر انڈیا کی چارٹر ہو یا کسی بھی ایئر لائنس کی ہو، حکومت ہر ایئر لائنس کو فی کس 770 رڈالر تقریباً 35,000 روپئے اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، جب کہ حاجیوں سے کرایہ صرف 12,000 لیتی ہے، بقیہ 23,000 روپئے اپنی طرف سے ادا کرتی ہے، امسال جو ایک لاکھ حاجی سنٹرل حج کمیٹی کے ذریعہ حج کے سفر پر گئے ہیں، ان کی طرف سے حکومت نے 225 کروڑ روپیہ ادا کیا ہے، یہ امر بھی تحقیق طلب ہے کہ وہ رقم کہیں مشکوک تو نہیں؟ حکومت سبسڈی آخر کس مد سے دیتی ہے؟ عام طور پر حجاج اس سے ناواقف ہوتے ہیں؛ لیکن اب یہ بات علم وشعور میں آنے لگی ہے کہ حکومت اس کو احسان سمجھتی ہے اور ملک کے دیگر طبقات میں اس کا اظہار بھی کیا جاتا ہے اور مسلمانوں کے ساتھ مراعات واحسانات میں سبسڈی کو گنایا اور جتلایا جاتا ہے، یہ کہنا کہ حکومت ہم سے بہت سے ٹیکس وصول کرتی ہے اور پھر وہی رقم ہمیں سبسڈی کے نام سے دے دیتی ہے، کہاں تک صحیح ہے؟ جب کہ یہ ایک کھلی حقیقت ہے کہ حکومت کی طرف سے بہت سے فلاح وبہبودی کے کام عوام کے لئے بلا تفریق مذہب وملت انجام دئے جاتے ہیں، جیسے اسکول چلانا، ہسپتال چلانا اور سڑکیں بنوانا وغیرہ، اسی طرح یہ کہنا کہ حکومت جب دیگر مذاہب کے ماننے والوں کو ان کے مذہبی تہواروں

میلوں کے لئے رعایتیں دیتی ہے، تو مسلمانوں کو بھی وہ رعایتیں حاصل کرنی چاہیئے، کہاں تک صحیح ہے؟ مسلمان کی اپنی ایک شان ہے، اس کا امتیاز ہے، دوسروں کی نقالی کرنا بالخصوص فریضۂ اسلام کی ادائیگی میں اس کو کیا زیب دیتا ہے؟

ملت کا ایک طبقہ کہتا ہے کہ حج کے لئے مسلمان کو شرائط کی روشنی میں خود کفیل ہونا چاہیئے، تکلّفات، احسانات اور بالخصوص حکومت کے زیر احسان حج کرے، یہ امر روحِ اسلام کے خلاف معلوم ہوتا ہے، پتہ نہیں یہ سبسڈی صرف ہمارے سیکولر ملک میں ہے یا دیگر اسلامی ممالک میں بھی اس کی نظیر پائی جاتی ہے، حضرات علماء کرام سے مؤدبانہ درخواست ہے کہ کتاب وسنت کی روشنی میں جواب مرحمت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج سبسڈی حکومتِ ہند کی طرف سے حجاجِ کرام کے تعاون کی ایک شکل ہے، مسلمانوں کو اس رعایت سے فائدہ اٹھانے میں شرعاً کوئی حرج نہیں ہے، اور حکومت پر اقتدار اعلیٰ چوں کہ غیر مسلموں کو حاصل ہے، اس لئے ان کے آپسی معاملات اگرچہ سودی ہوں، پھر بھی ان کا تعاون لینا منع نہیں ہے۔

وهدية أهل الحرب أي للإمام وإلا فهي للآخذ فقط. (تقريرات الرافعي على حاشية ابن عابدين / باب العشر ۱۳۹ زكريا)

وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، وقبول هداياهم كل ذٰلک جائز إذا كانوا ذمة لنا، وكذٰلک إذا كانوا أهل حرب. (إعلاء السنن، كتاب الهبة / باب الهدية للمشركين وقبول الهدية منهم ۱۶/۱۴۶ إدارة القرآن كراچی)

قال العلامة التهانوي: إن الهدية والصدقة والهبة والعطية معانيها متقاربة.

(إعلاء السنن، كتاب الهبة / باب في قبول الهبة ۱۶/۸۱ دار الكتب العلمية بيروت)

وأهل الذمة في حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام

الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات. (الفتاوى الهندية ٤/ ٤٠٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ٹریول ایجنسی کا اپنے ایجنٹ کو فری حج پر بھیجنا؟

سوال (۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ٹریول ایجنسیاں سفرِ حج پر بھیجنے والوں کے لئے جگہ جگہ ایجنٹ مقرر کرتی ہیں، اور ان ایجنٹوں سے مثال کے طور پر یہ طے کر لیتی ہیں کہ اگر آپ نے دس آدمیوں کے فارم بھرا کر ان کے سفرِ حج کی فیس ہمارے دفتر میں بھیج کر جمع کرادی، تو ہم ایک آدمی کو حج کے سفر کی سہولیات فری مہیا کرائیں گے، اس طرح اپنے مفادِ خاص کی خاطر مقررہ تعداد کے لوگ حج کے فارم بھروا کر بھیجنا اور یہ کام صرف اس لئے کرنا کہ میں نے اگر ٹریول ایجنسیوں کی مقررہ تعداد پوری کردی، تو وہ ٹریول ایجنسی مجھے حج بیت اللہ کا اہم فریضہ بلا کسی میرے خرچ کے ادا کرادے گی، یا اگر مقررہ تعداد پوری نہ ہوئی، تو باقی روپیہ اپنے پاس سے جمع کرا کر کمیشن کے روپیہ کے ساتھ حج کی ادائیگی کرادے گی، اس میں مندرجہ ذیل امور دریافت طلب ہیں: اس طرح حج جیسے ایک اہم اور مقدس فریضہ کی ادائیگی کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اس طرح کے کمیشن کی شریعتِ مقدسہ کی روشنی میں جائز وناجائز ہونے کے اعتبار سے بھی روشنی ڈالی جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی مقررہ عمل اور محنت پر کوئی متعین اجرت مقرر کرنا شرعاً ممنوع نہیں ہے، مسئولہ صورت میں جب کہ ٹریول ایجنسی اپنے ایجنٹ کو دس آدمیوں کے فارم بھروانے پر اس کے حج کے اخراجات اپنی طرف سے دینے کا وعدہ کررہی ہے، تو یہ ایجنٹ کی محنت یعنی افراد کو تیار کرنے اور ان سے فارم بھروانے کا معاوضہ سمجھا جائے گا، اور اس کی اپنی ذاتی کمائی میں شامل ہوگا؛ لہٰذا اس رقم سے اس کے لئے حج کے سفر پر جانا بلا شبہ درست ہوگا۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: ...... ومن استاجر أجيراً فليعلمه أجره. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ۱۹۸/٦ رقم: ۱۱٦٥۱)

أخرج عبد الرزاق عن الثوري في رجل يكتري من رجل إلى مكة، ويضمن له الكرى نفقته إلى أن يبلغ، قال: لا، أن يوقت أياماً معلومة، وكيلاً معلوماً من الطعام يعطيه إياه كل يوم. (المصنف لعبد الرزاق / البيوع ۲۱٤/۸ رقم: ۱٤۹۳۸، بحواله: التعليقات على الفتاوى التاتارخانية ۱۰۱/۱٥ زكريا)

لا تصح حتى تكون المنافع معلومة والأجرة معلومة. (هداية ۲۷۷/٤)

كذا استفيد من هٰذه الجزئية: استأجره ليصيد له أو يحطب له فإن وقت لذٰلك وقتاً جاز ذٰلك. (درمختار، كتاب الإجارة / باب الإجارة الفاسدة ٦۲/٦ دارالفكر بيروت، ۸٥/۹ زكريا)

وكذا يستفاد جوازه من مسئلة أجرة السمسار له، فإن وقت لذٰلك. (درمختار، باب ضمان الأجير / مطلب في أجرة الدلال ٦۳/٦ دار الفكر بيروت، ۸۷/۹ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۱/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کرنے سے حق العبد ساقط نہیں ہوگا

سوال (۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حج بیت اللہ کے لئے جارہا ہے، اس کے اوپر میرا حق ہے، تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس شخص پر میرا حق باقی رہے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص پر آپ کے واجب حق کی ادائیگی لازم ہے، حج کرنے سے وہ حق ہرگز ساقط نہ ہوگا؛ تا آں کہ وہ ادا نہ کردے، یا آپ اپنا حق معاف نہ کردیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما الخ. (صحيح البخاري رقم: ١٧٧٣، صحيح مسلم رقم: ٤٣٧)

(هذا الحديث) تدل على محو جميع السيئات الصغائر والكبائر غير حقوق العباد في أرجح الأقوال عند العلماء ...... أما حقوق العباد ومظالمهم لابد من ردها إلى أصحابها. (التصوير النبوي لـلقيم الخلقية والتشريعية / العمرة إلى العمرة والحج المبرور ١١٩/١ الشاملة)

وأما حقوق العباد فلا تسقط بالهجرة والحج إجماعاً. (مرقاة المفاتيح ١٧٩/١ تحت رقم: ٢٨ دارالكتب العلمية بيروت)

قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين، ولو حقا للّٰه تعالىٰ: كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب ويزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع اللّٰه أصحاب الحقوق ليأخذ كل حقه. (الفقه الإسلامي وأدلته: وهل الحج أفضل من الجهاد ١٢/٣ حقانيه) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۵/۱۱/۱۴۱۱ھ

جب شیعہ کافر ہیں تو حج کرنے کیوں جاتے ہیں؟

سوال (۲۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا شیعہ بالاتفاق کافر ہیں؟ اگر بالاتفاق کافر ہیں تو پھر وہ حج کرنے کیوں جاتے ہیں؟ اور اگر حج کرنے جاتے ہیں تو حکومتِ وقت کافروں کو حج کرنے کی اجازت کیوں کردیتی ہے؟ اس لئے کہ بہت سے لوگ کہتے ہیں کہ اگر شیعہ بالاتفاق کافر ہیں، تو پھر ان کو یعنی کافروں کو حج کی اجازت کیوں دی گئی؟ اور اگر اجازت دی گئی تو یہ بات اس پر دلیل ہے کہ شیعہ بالاتفاق کافر نہیں ہے،

حکومتِ وقت کا ان کو حج کی اجازت دینا ان کے مسلمان ہونے کی دلیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل کے اثنا عشری شیعہ جو صراحۃً حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے کفر، تحریفِ قرآن اور عقیدۂ امامت کے قائل ہیں، ان کے بارے میں علماء امت سلف خلف کا اتفاق ہے کہ وہ اپنے باطل عقائد کی بنا پر دائرۂ اسلام سے خارج ہیں، سعودی حکومت اگر آج ان کو اپنی سیاسی مجبوریوں کی بنا پر حج کی اجازت دیتی ہے، تو اس سے ان کے کفر کا حکم نہیں بدل سکتا، محض حج کے لئے جانا کسی کے ایمان کی دلیل نہیں ہے، کوئی کافر بھی مسلمان کے نام سے پاسپورٹ بنا کر اس وقت حج کو جا سکتا ہے، تو کیا محض اس وجہ سے اس کو مسلمان کہہ دیا جائے گا؟

لا شک في تکفیر من قذف السیدۃ عائشۃ رضي اللّٰہ عنہا أو أنکر صحبۃ الصدیق أو اعتقد الألوھیۃ في علي أو أن جبرئیل غلط في الوحي أو نحو ذٰلک من الکفر الصریح المخالف للقرآن. (شامي، باب المرتد / مطلب مھم: في حکم سب الشیخین ٤/٢٣٧ کراچی، ٦/٣٧٨ زکریا، الفتاویٰ الھندیۃ ٢/٢٦٤ کوئٹہ، طحطاوي علی الدر / باب المرتد ٢/٤٨٣ دار المعرفۃ) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کے شرائط وجوب

کیا صاحبِ نصاب پر حج فرض ہے؟

سوال (۲۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: شرعی اعتبار سے جس شخص کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے سات تولہ سونا، یا اس کے برابر مال ودولت ہو، تو شریعت اسے صاحبِ نصاب ٹھہراتی ہے؛ لیکن موجودہ دور میں چاندی کا بازاری بھاؤ زیادہ سے زیادہ ۷۰/روپیہ تولہ کے حساب سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت ۳۶۷۵ روپیہ ہوتی ہے، تو اس حساب سے جس شخص کے پاس ۳۶۷۵ روپیہ ہو، وہ صاحبِ نصاب ہوگیا؛ لیکن ۳۶۷۵ /روپیہ میں ایک تولہ سونا نہیں خریدا جاسکتا، اور باقی فرائض بھی انجام نہیں دئے سکتے، جو شخص صاحبِ نصاب ہے اس پر حج فرض ہے؛ لیکن وہ ۳۶۷۵/روپیہ میں حج نہیں کرسکتا، اور جو شخص صاحبِ نصاب ہوتے ہوئے حج نہ کرے وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ موجودہ دور میں مندرجہ بالا صاحبِ نصاب حج نہیں کرسکتا؛ اس لئے کہ حج کا خرچہ تقریباً ۵۲ یا ۵۳/ہزار روپیہ ہیں، تو موجودہ بالا صاحبِ نصاب اگر حج کئے بغیر مر جائے، تو کیا وہ گنہگار ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج ہر صاحبِ نصاب پر فرض نہیں ہے؛ بلکہ اس پر فرض ہے جس کے پاس مکہ مکرمہ جانے آنے وغیرہ کا مکمل خرچ ضروریاتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو، اس مقدار کے مالک ہوجانے پر بغیر عذر کے حج نہ کرنا موجبِ گناہ ہے، اور جس شخص کے پاس اتنی رقم نہ ہو، اس پر حج فرض نہیں ہے، وہ اگر حج کو نہ جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔

عـن ابن عمر رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل إلى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم، فقـال: يـا رسول اللّٰه! ما يوجب الحجّ؟ قال: الزاد والراحلة. (سنن الترمذي، الحج / باب ما جاء في إيجاب الحج بالزاد والراحلة ۱۶۸/۱ رقم: ۸۱۰)

عـن أنـس رضـي الـلّٰه عنه عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم في قوله تبارک وتعـالـى: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ قال: قيل: يا رسول اللّٰه! ما السبيل؟ قال: الزاد والراحلة. (المستدرك للحاكم / المناسك ۶۲۲/۲ رقم: ۱۶۱۳، سنن الدار القطني/ الحج ۱۹۴/۲ رقم: ۲۳۹۷)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه في قوله تعالى: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾ قـال: السبيل أن يصح بدن العبد، ويكون له ثمن زاد وراحـلة مـن غير أن يَجْحفَ به. (السنن الكبرىٰ للبيهقي، الحج / باب الرجل يطيق المشي ولا يجد زادا ولا راحلة الخ ۴۴۵/۶ رقم: ۸۷۲۴)

فـرض مرة عـلـى الـفـور عـلـى مسـلم حر مكلف صحيح بصير ذي زاد وراحـلة فضلاً عما لا بد منه. (التنوير مع الدر المختار ۴۵۵/۲-۴۶۱ كراچی، ۴۵۰/۳-۴۶۲ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ۲۱۹/۱ كوئٹه، هداية / كتاب الحج ۲۳۱/۱، كنزالدقائق / كتاب الحج ۷۳/۱، البحر الرائق ۳۱۱/۲ كوئٹه، بدائع الصنائع ۳۰۱/۲ زكريا)

وأمـا تـفسير الزاد والراحلة فهو إن ملک من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً راكبًا لا ماشياً بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير، فاضلاً عن مسكنه وخـادمـه وفـرسـه وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه.

(بدائع الصنائع ۲۹۷/۲، كذا في الفتاوى الهندية ۲۱۷/۱ كوئٹه، الدرالمختار مع الرد المختار، كتاب الحج / مطلب: في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع ۴۶۲/۲ كراچی، ۴۶۱/۳- ۴۶۲ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۰/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

پونے چھ تولہ سونا اور ۵۰ / تولہ چاندی کی ملکیت پر حج کی فرضیت کا حکم

سوال (۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس تقریباً پونے چھ تولہ سونا اور ۴۰-۵۰ / تولہ چاندی ہے، اس کے علاوہ روپیہ پیسہ کچھ نہیں، تو کیا میرے اوپر حج فرض ہے؟ نیز قربانی کا حکم بھی تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۶ / تولہ سونا اور ۴۰-۵۰ / تولہ چاندی کی موجودہ قیمت تقریباً ڈیڑھ لاکھ ہوتی ہے، یہ مقدار موجودہ دور میں حج کے سفر کے لئے ناکافی ہے، اس لئے آپ پر حج فرض نہیں؛ لیکن مذکورہ ملکیت کی بنیاد پر قربانی اور زکوٰۃ حسبِ شرائط واجب ہے۔

وتفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوى سكنه ولبسه وخدمه وأثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة. (الفتاویٰ الهندية ۲۱۷/۱ زكريا)

وشرائطها: الإسلام والإقامة واليسار الذي يتعلق به وجوب صدقة الفطر بأن ملك مائتي درهم أوعرضا يساويها. (درمختار مع الشامي، كتاب الأضحية ۴۵۲/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۶/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷۰ / ہزار کی ملکیت پر حج فرض نہیں ہے

سوال (۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کے پاس ۷۰ / ہزار روپیہ کا انتظام ہو جائے اور ابھی پتہ نہیں کہ حج کے ایام تک یہ رقم باقی رہے گی یا نہیں؟ تو کیا اس شخص پر حج فرض ہو جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ۷۰؍ ہزار روپئے اس زمانہ میں حج کے لئے کافی نہیں ہیں؛ اس لئے محض اتنی رقم کے مالک ہونے سے حج فرض نہ ہوگا۔

قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾.

[آل عمران: ۹۷]

فرض مرة علی الفور علی مسلم حر مکلف صحیح بصیر ذي زاد وراحلة فضلاً عما لا بد منه. (التنویر مع الدر المختار ۲/۵۵- ٤٦۱ کراچی، ۳/٤٥۰-٤٦۲ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۱/۲۱۹ کوئٹه، هدایة / کتاب الحج ۱/۲۳۱، کنزالدقائق / کتاب الحج ۱/۷۳، البحر الرائق ۲/۳۱۱ کوئٹه، بدائع الصنائع ۲/۳۰۱ زکریا)

وأما تفسیر الزاد والراحلة فهو إن ملک من المال مقدار ما یبلغه إلی مکة ذاهباً وجائیاً راکبًا لا ماشیاً بنفقة وسط لا إسراف فیها ولا تقتیر، فاضلاً عن مسکنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثیابه وأثاثه ونفقة عیاله وخدمه وکسوتهم وقضاء دیونه.

(بدائع الصنائع ۲/۲۹۷، کذا في الفتاوی الهندیة ۱/۲۱۷ کوئٹه، الدرالمختار مع الرد المختار، کتاب الحج / مطلب: في قولهم یقدم حق العبد علی حق الشرع ۲/٤٦۲ کراچی، ۳/٤٦۱- ٤٦۲ زکریا)

قال الکاساني: ومن کان صحیح البدن، قادر علی المشي، وله زاد، فقد استطاع إلیه سبیلا، فیلزمه فرض الحج. (بدائع الصنائع، المناسك/ فصل في شرائط فرضیته ۲/۵۲ بیروت، اللباب في شرح الکتاب ۱٦٤۱، هدایة ۱/۲۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۱/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صاحب جائیداد پر حج کی فرضیت

سوال (۲۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اگر کسی کے پاس صرف زمین ہو، الگ سے روپیہ پیسہ، سونا چاندی وغیرہ کچھ نہ ہو، اور اس کی پیداوار سے اس کا سالانہ خرچ اچھی طرح چل جاتا ہو، تو کیا ایسے شخص پر حج کرنا واجب ہوگا؟ یا وجوبِ حج کے لئے سفر حج کے اخراجات کے بقدر الگ سے روپیہ پیسہ ہونا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص اتنی جائیداد اور زرعی زمینوں کا مالک ہو کہ اس کی کچھ مقدار بیچ کر اس کے لئے حج کے ضروری اخراجات مہیا ہوسکیں اور وہ واپس آ کر مابقیہ زمین کی پیداوار سے گذر بسر کر سکے، تو اس پر حج فرض ہوگا، اور اگر اتنی مقدار میں زمین نہ ہو تو حج فرض نہیں ہے۔

وإن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بغلته الباقي، يفترض عليه الحج وإلا فلا. (غنية المناسك ٢٠-٢١، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٧٢/٣، الفتاوىٰ الهندية ٢١٨/١، خانية ٢٨٣/١-٢٨٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۴۳۶/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے پاس سات بیگھہ زمین ہو اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

سوال (۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کی عمر ستر سال ہے، ان کے پاس سات بیگھہ زمین ہے، ایک لڑکا سرکاری اسکول کا ماسٹر ہے، جسے اٹھارہ ہزار روپیہ ملتا ہے، دوسرا لڑکا کسان ہے، کسان کے دو لڑکے ہیں، جو سالانہ دو لاکھ انکم کرتا ہے، زید کے پاس ایک بچی ہے، جسے بہت پہلے یعنی ۳۰ر سال پہلے ایک سرکاری معلم کے رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیا گیا ہے، زید حج کرنے کے لئے رقم اپنے بچوں سے مانگتے ہیں، تو زید کے لڑکے یہ کہہ کر ٹال دیتے ہیں کہ آپ پر حج فرض نہیں ہے؛ اس لئے کہ ہم لوگوں کے پاس بچیاں

ہیں جو شادی کے لائق ہیں، زید کھیتی بیچنا چاہتا ہے، تو ان کے لڑکے خرید نے والوں کو سختی سے منع کردیتا ہے، زید کے دماغ میں یہ بس چکا ہے کہ میں حج کے فریضہ سے بری ہوں یا نہیں؟ زید پر حج فرض ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ کی ملکیت والی سات بیگھہ زمین کی قیمت اس قدر ہے کہ اس میں سے حج کے اخراجات کے بقدر بیچنے کے بعد اتنی زمین بچ جائے کہ اس کی آمدنی سے آپ کے کھانے پینے کے مصارف پورے ہو سکتے ہوں، تو آپ پر زمین کا مذکورہ حصہ بیچ کر حج کو جانا فرض ہوگا، اور اگر زمین کم قیمت ہے یا آپ کے ضروری اخراجات اتنے زیادہ ہیں کہ حج کے صرفہ کے بقدر فروختگی کے بعد بقدر ضرورت زمین نہیں بچے گی تو آپ پر حج فرض نہیں ہے، اور بہر صورت آپ کے بچوں پر آپ کے حج کا خرچہ دینے کی ذمہ داری نہیں ہے؛ لیکن اگر وہ خرچ کردیں تو ان کے لئے بڑی سعادت کی بات ہوگی۔

وإن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بفلته الباقي افترض عليه الحج، وإلا لا. (غنية الناسك ٢٠ إدارة القرآن كراچی، شامي ٣/ ٤٩١ زكريا، البحر العميق ١/ ٣٨١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٢ رقم: ٤٨٧٧ زكريا، أنوار مناسك ١٦٩)

ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك، والإجارة دون الإعارة والإباحة، سواء كانت الإباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين والمولدين، أو من غيرهم كالأجانب كذا في السراج الوهاج. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢١٧ دار إحياء التراث العربي، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧١ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۲/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیانابالغ سمجھ دار بچے پر حج فرض ہے؟

سوال (۲۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا نابالغ سمجھ دار بچے پر حج فرض ہے؟ یعنی اگر اس کے پاس اتنا پیسہ ذاتی ملکیت میں جمع ہوجائے، جس مقدار سے سفر حج کے اخراجات پورے ہوجائیں تو کیا اس بچے پر حج کرنا فرض ہوگا؟ یا بالغ ہونے کا انتظار کیا جائے گا؟ نیز اگر وہ نابالغی کی حالت میں حج کرلے تو کیا اس کی طرف سے یہ حج فرض مانا جائے گا یا نفل؟ اور بلوغ کے بعد دوبارہ حج کرنا ضروری ہوگا یا وہی حج فرض کی طرف سے کافی ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو بچہ سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ اگر حج کے تمام ارکان ادا کرلے تو اس کا حج صحیح ہوجاتا ہے؛ لیکن وہ اس کے حق میں نفل شمار ہوتا ہے۔

ولو أن الصبی حج إذا کان قبل البلوغ فلا یکون ذٰلک عن حجة الاسلام ویکون تطوعًا. (هندیة ۳۱۷/۱، ومثله فی البدائع ۲۹۳/۲، خانیة ۲۸۱/۱)

أما الصبی یعقل الأداء فیصح منه أداء الحج بنفسہٖ إجماعاً. (غنیة الناسك ۱۳)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۱/۱۰/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا شوال میں عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟

سوال (۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا شخص کہ جس پر حج فرض نہ ہو اور وہ رمضان المبارک میں عمرہ کے لئے جائے، اور رمضان میں عمرہ کرنے کے بعد شوال کے مہینہ میں مکہ مکرمہ جاکر اس نے دوبارہ عمرہ کیا، اور پھر اپنے وطن واپس آگیا، تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ کیا اس کے اوپر شوال میں عمرہ کرنے کی وجہ سے حج فرض ہوجائے گا یا نہیں؟ اور اگر وہ اپنا حج فرض پہلے ادا کرچکا تھا، تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی ایسا شخص جس پر حج فرض نہ تھا وہ رمضان میں عمرہ کرنے گیا، پھر عید کے بعد شوال کے مہینہ میں اس نے مکہ معظّمہ جاکر عمرہ کرلیا، تو اس بارے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر اس کے پاس حج کے ایام تک قیام کے مصارف واسباب مہیا ہیں، تو اس پر حج کرنا فرض ہوگا اور اگر اتنے مصارف نہیں ہیں تو اس پر حج فرض نہ ہوگا۔

اور اگر حج تک رکنے کے مصارف تو ہیں؛ لیکن حکومت کی طرف سے اجازت نہ ہونے کی بناپر رکنا مشکل ہے، تو ایسی صورت میں بعض مفتیان کرام نے حج کی فرضیت کا قول کیا ہے۔ (دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۴/۵۲۹)

اور جو شخص اپنا حج فرض پہلے کرچکا ہے اس پر شوال میں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا، اس کا مذکورہ مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

مستفاد: والحاصل أن الزاد لا بد منه ولو لمكي كما صرح به غير واحد كصاحب الينابيع والسراج الخ، الفقير الأفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي.
قال شارحه: أي حيث لا يشترط في حقه إلا الزاد و(لا) الراحلة. (شامي ٤/٤٥٨-٤٥٩ زكريا، زبدة المناسك ٢١، كما أفاده في غنية الناسك بحثاً ٣٣٨-٣٣٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نفلی عمرہ کرنے سے حج فرض ہوجائے گا؟

سوال (۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرا یہ عمرہ محض نفلی ہے، واجب یا منذور نہیں ہے، بس دل میں اللہ کا گھر دیکھنے کی تمنا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار روضۂ اقدس پر حاضری کی آرزو ہے، زادِراہ بھی بھائیوں نے اپنی خوشی سے مہیا کرنے کی امید دلائی ہے، تو کیا بعد میں حج کرنا میرے لئے ضروری ہوگا؟ جب کہ حج اور عمرہ کے زادِراہ پر بندہ کو از خود استطاعت آج ہے اور نہ کل ہونے کی امید ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمرہ کے بعد اگر آپ کے پاس اتنا خرچ ہو کہ آپ حج کے وقت تک وہاں رہ سکیں اور کوئی قانونی رکاوٹ بھی نہ ہو، تو آپ پر حج فرض ہوجائے گا؛ لیکن اگر آپ کے پاس حج کے وقت تک رکنے کا خرچ نہ ہو یا قانونی رکاوٹ ہو، تو ایسی صورت میں محض عمرہ کرنے سے حج فرض نہ ہوگا۔

والفقير الآفاقي إذا وصل إلى الميقات صار كالمكي، فيجب عليه وإن لم يقدر على الراحلة (فتح ولباب) وينبغي أن يراد به الفقير المتنفل لنفسه ليخرج الفقير المأمور، فإنه إذا وصل إلى الميقات لايصير كالمكي؛ لأن قدرته بقدرة غيره، وهي لا تعتبر، فلا يجب عليه الخ. (غنية الناسك ١٨ إدارة القرآن كراچی)

مستفاد: والحاصل أن الزاد لابد منه ولو لمكي كما صرح به غير واحد كصاحب الينابيع والسراج ...... الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات فهو كالمكي قال: شارحه: أي حيث لا يشترط في حقه إلا الزاد ولا الراحلة. (شامي ۳/۴۵۹–۴۵۸ زكريا)

قال الرافعي في قوله: إلا الزاد والراحلة لعل فيه حذف "لا" النافية قبل "الراحلة" مع حذف العطف. (تقريرات الرافعي ١٥٦، أحسن الفتاویٰ ٤/٥٢٩) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج فرض ہونے کے بعد ادا کرنے سے پہلے انتقال ہوگیا؟

سوال (۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی زندگی میں بحالتِ صحت حج کا ارادہ کیا، درخواست دی اور وہ منظور بھی ہوگئی، کرایہ کی رقم بھی جمع ہوچکی ہے، اس کے بعد زید کی طبعیت خراب ہوئی، یہاں تک کہ زید کا انتقال ہوگیا، حج ان پر فرض تھا، اب ایسی صورت میں ان کا حج بدل کرانا ضروری ہے یا نہیں، جب کہ وراثت تقسیم نہیں ہوئی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید نے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی ہے، تو صورتِ مسئولہ میں ان کی وصیت نافذ کرتے ہوئے ان کی جانب سے حج بدل ان کے مال سے کرانا ضروری ہے؛ تاہم اگر سفرِ حج کی رقم ان کے ایک تہائی ترکہ سے زائد بیٹھتی ہو، تو ورثہ کی اجازت سے ہی اس مد میں زائد رقم میت کے مال سے لگانا درست ہوگا۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰہ عنہ سئل عن الوصیة فقال عمر: الثلث وسط من المال لا بخس ولا شطط. (السنن الکبری ۳۶۹ رقم: ۱۲۸۳۹)

وتجوز بالثلث للأجنبي......، لا الزیادة علیه إلا أن تجیز ورثته بعد موته، وهم کبار. (درمختار / کتاب الوصایا ۶/۶۵۰ کراچی، ۱۰/۳۳۹ زکریا)

ففي مناسک السروجي: لو مات رجل بعد وجوب الحج ولم یوص به فحج رجل عنه......، قال أبوحنیفة: یجزیه إن شاء اللّٰہ، وبعد الوصیة یجزیه من غیر المشیئة. (شامي، کتاب الحج / باب الحج عن الغیر ۲/۶۰۰ کراچی، ۴/۱۶ زکریا، کذا في الفتاویٰ الهندیة ۱/۲۵۸ کوئٹه)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہ أن امرأة من جهینة جاء ت إلی النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم فقالت: إن أمي نذرت أن تحج، فلم تحج حتی ماتت، أفأحج عنها، قال: حجي عنها، أرأیت لو کان علی أمّک دین أکنت قاضیة؟ اقضو اللّٰہ، فاللّٰہ أحقّ بالوفاء. (صحیح البخاري، جزاء الصید / باب الحج والنذر عن المیت والرجل یحج عن المرأة ۱/۲۴۹ رقم: ۱۸۱۵ ف: ۱۸۵۲)

ومن مات وعلیه فرض الحج ولم یوص به، لم یلزم الوارث أن یحج عنه، وإن أحب أن یحج عنه حجَّ، وأرجو أن یجزیه إن شاء اللّٰہ تعالیٰ. (الفتاویٰ التاتارخانیة، کتاب المناسک / باب الوصیة بالحج ۳/۶۶۷ رقم: ۵۳۱۴ زکریا، بدائع الصنائع / وأما بیان

حكم مورث الحج عن الغير ۱/۳ ۲۹ دارالكتب العلمية بيروت، كذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري / باب الحج عن الغير ۳۰٦ مصري) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱٦/۱۰/۱۴۱۱ھ

حج فرض ہونے کے بعد حج نہ کرسکنے کی وجہ سے فقراء پر رقم تقسیم کرنا؟

سوال (۳۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی ایسی مجبوری کی شکل میں کہ خود حج کا سفر کرنے سے قاصر ہے، خواہ مرد خواہ عورت، تو کیا ایسی شکل میں یہ ہوسکتا ہے کہ اتنی رقم جو خود سفر حج میں خرچ ہوتی ہو، اس کو کسی ایسی مد میں لگایا جاسکتا ہے کہ حج کے ثواب کا بدل ہو جائے، اگر ہے تو ان مددوں کی وضاحت فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس پر حج فرض ہو؛ لیکن وہ بیماری یا کمزوری کی وجہ سے یا عورت محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج نہ کرسکے، تو فقراء وغیرہ کو رقم صدقہ کرنے سے حج کا ثواب حاصل نہ ہوگا؛ بلکہ حج کے ثواب کے حصول کی شکل یہی ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ٦/۵۳۲، فتاویٰ محمودیہ ۱۰/۴۱۸ ڈابھیل)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كان الفضل رديف النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فجاء ت امرأة من خثعم، فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه، فجعل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر، فقالت: إن فريضة اللّٰه أدركت أبي شيخاً كبيراً لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه؟ قال: نعم، وذٰلك في حجة الوداع. (صحيح البخاري، جزاء الصيد / باب حج المرأة عن الرجل ۱/۲۵۰ رقم: ۱۸۱۷ ف: ۱۸۵۵)

أخرج الترمذي وأبو داؤد عن أبي رزين العقيلي – واللفظ للأول – أنه أتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: يا رسول اللّٰه! إن أبي شيخ كبيرٌ لا يستطيع الحج ولا العمرة ولا الظعن، قال: حج عن أبيک واعتمر. (سنن الترمذي، الحج ٨٤ باب منه ١٨٦/١ رقم: ٩٣٣، سنن أبي داؤد، المناسك / باب الرجل يحج عن غيره ٢٥٢/١ رقم: ١٨١٠)

العبادة المالية تقبل النيابة. (درمختار / باب الحج عن الغير ١٣/٤ زكريا)

وفي العبادات البدنية المعتبر الوسع، ولا يعتبر العجز للحال؛ لأن الحج فرض العمر، فيعتبر فيه عجز مستغرق لبقية العمر ليقع به اليأس عن الأداء بالبدن، فقلنا: إن كان عجزه بمعنى لا يزول أصلا كالزمانة، يجوز الأداء بالنائب مطلقًا، وإن كان عارضاً يتوهم زواله بأن كان مريضا أو مسجونا، فإذا أدى بالنائب كان ذلک مراعى، فإن دام به العذر إلى أن مات تحقق اليأس عن الأداء بالبدن، فوقع المؤدي موقع الجواز، وإن برئ من مرضه تبين أنه لم يقع فيه اليأس عن الأداء بالبدن، فكان عليه حجة الإسلام، والمؤدي تطوع له. (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسك / باب الحج عن الميت وغيره ١٣٨/٢ دارالفكر بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا حج کا ویزا نہ ملنا مانع وجوبِ ادا ہے؟

سوال (۳۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید ایک صاحبِ ثروت اور مال دار شخص ہے، کئی سال سے مسلسل حج کا ویزا لگانے کی کوشش کررہا ہے؛ لیکن حکومتی رکاوٹوں کی وجہ سے اب تک اس کو حج کا ویزا نہ مل سکا، تو کیا ویزا نہ ملنے کی وجہ سے حج میں تاخیر کے سبب زید گنہگار تو نہیں ہوگا؟ اور اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سعودی حکومت کی طرف سے حج کے انتظامات کے

پیشِ نظر ہر ملک میں مسلم آبادی کے تناسب سے حج کے لئے ویزوں کا کوٹہ مقرر ہے، اس مقررہ تعداد سے زیادہ ویزے نہیں دئے جاتے۔ اسی طرح ویزے کے اجراء کے لئے دیگر شرائط بھی لازمی کردی گئی ہیں، جن کو پورا کئے بغیر ویزا ملنا مشکل ہوتا ہے۔

بریں بنا اگر کوئی شخص صاحبِ استطاعت ہو اور تندرست بھی ہو؛ لیکن کوشش کے باوجود اسے حج کا ویزا نہ مل پائے، تو اس کے حق میں وجوبِ ادا کی شرط نہیں پائی جائے گی، اور اس بنا پر حج میں تاخیر کا گناہ اسے نہ ہوگا؛ تاہم اس پر لازم ہے کہ وہ ہر سال ویزے کی کوشش کرتا رہے، اور زندگی سے مایوس ہونے کے وقت اپنی طرف سے حج کی وصیت کرے۔

فالمحبوس والخائف من السلطان كالمريض لا يجب عليهما أداء الحج بأنفسهما ولكن يجب عليهما الاحجاج أو الايصاء به عند الموت عندهما. (غنية الناسك ٢٤، ومثله في فتح القدير ٤١٧/٢-٤١٨ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٢١٨/١، إعلاء السنن ٨/١٠ كراچی، البحر الرائق ٣١١/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۶/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج کی فرضیت فارم بھرنے اور ویزا آنے پر ہوتی ہے یا اشہرِ حج کے آنے پر؟

سوال (۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج کی فرضیت کا وقت ہمارے ملک میں مسلمان پر کب لازم ہوگا؛ کیوں کہ حج کے فارم حج پر جانے سے تقریباً ۵ر مہینے پہلے بھرے جاتے ہیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ حج کی فرضیت مسلمان پر شوال میں ہوگی یا جس وقت حج کے فارم بھرے جاتے ہیں؟ امداد الاحکام ۱۵۷/۳ پر حاشیہ میں لکھا ہے کہ حج کا وقت ہندوستان میں شوال کے مہینے سے شروع ہوتا ہے۔ **فإنه وقت خروج الحاج منه.** دارالافتاء سے اس سلسلہ میں وضاحت مطلوب ہے۔

ہمارے یہاں ایک صاحب رمضان میں اس لائق ہوئے کہ حج کرسکیں، مگر اس وقت فارم نہیں بھرا جاسکتا تھا، آئندہ سال تک عمر نے وفا نہ کی، تو کیا شریعت ان کو گنہگار اور تارکِ حج شمار کرے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہندوستان سے جو شخص حج کو جاتا ہے، وہ پرائیویٹ ٹور کے ذریعہ ذی قعدہ؛ بلکہ ذی الحجہ کے مہینہ میں بھی جاسکتا ہے، اس لئے جس شخص کے پاس حج کے مہینوں (شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن) میں حج کو جانے کی استطاعت اور قدرت ہوجائے اس پر حج فرض ہوجائے گا، اب اگر اس نے کوشش کی؛ لیکن کامیابی نہ ملی، تو وہ گنہگار تو نہ ہوگا؛ لیکن اس پر آئندہ حج کی وصیت ضروری ہوگی؛ تاکہ اس کی وفات کے بعد اس کے مال سے اس کا حج بدل کرایا جاسکے۔

عن ابن عباس والفضل رضي اللّٰه عنهما أو أحدهما عن الآخر قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أراد الحج فليتعجل، فإنه يمرض المريض وتضل الراحلة وتعرض الحاجة. (مسند الإمام أحمد بن حنبل ۱/۳۵۵ رقم: ۳۳٤۰، سنن ابن ماجة، المناسك / باب الخروج إلى الحج ۲/۲۰۷ رقم: ۲۸۸۳، المستدرك للحاكم / المناسك ۲/۶۳۲ رقم: ۱٦٤٥)

فالمحبوس والخائف من السلطان كالمريض لا يجب عليهما أداء الحج بأنفسهما؛ ولكن يجب عليهما الإحجاج أو الإيصاء به عند الموت عندهما. (غنية الناسك ۲٤ إدارة القرآن كراچی، فتح القدير ۲/٤۱۷ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/۲۱۸ كوئٹه، إعلاء السنن ۱۰/۸ كراچی، البحر الرائق ۲/۳۱۱ كوئٹه)

على الفور في العام الأول عند الثاني، وهو الإتيان به في أول أوقات الإمكان. (درمختار ۳/٤٥٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۱۶/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا پیروں سے معذور شخص پر حج فرض ہے؟

سوال (۳۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص پر حج فرض ہے؛ لیکن چلنے پھرنے کے لئے دونوں ہاتھوں میں لکڑی لے کر چلتا ہے اور بار بار پیشاب کی حاجت ہونے کی وجہ سے پریشانی زیادہ ہے، دیر تک روکنا بھی مشکل ہے، ایسی حالت میں حج بدل کرایا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وہ شخص معذور ہے، یعنی بلاکسی سہارے کے نہیں چل سکتا، تو اس پر حج فرض نہیں ہے، خواہ وہ کتنا ہی مال دار ہو اور نہ اس پر حج بدل کرانا فرض ہے۔

عن عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كان الفضل رديف رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، فجاءت امرأة من خثعم، فجعل الفضل ينظر إليها وتنظر إليه وجعل النبي يصرف وجه الفضل إلى الشق الآخر، فقالت: يا رسول اللّٰه! إن فريضة اللّٰه على عباده في الحج أدركت أبي شيخاً كبيراً لا يثبت على الراحلة، أفأحج عنه، قال: نعم، وذٰلک في حجة الوداع. (صحيح البخاري، المناسك / باب وجوب الحج وفضله ٢٠٥/١ رقم: ١٤٩١، مسند أحمد ٥/٤ رقم: ١٦٢٢٤)

ومنها سلامة البدن حتى أن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم حتى لا يجب عليهم الإحجاج، إن ملكوا الزاد والراحلة ولا الإيصاء في المرض. (الفتاویٰ الهندية ٢١٨/١)

ولا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير ......، وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز، وإن زال أعادوا بأنفسهم. (شامي ٤٥٩/٢ كرچی، ٤٥٧/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۷/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سلسل البول والے مریض پر استطاعت کے باوجود حج فرض نہیں ہے

سوال (۳۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید پیشاب کی دائمی بیماری میں مبتلا ہے اور بوڑھا بھی ہے، جس کی وجہ سے بوتل اور نلکی ان کی پیشاب کے اخراج کے لئے لگی رہتی ہے، ایسا شخص حج کی استطاعت کے باوجود حرم میں داخل ہوسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے دائمی مریض پر حج کو جانا فرض نہیں ہے اگر چہ وہ مال دار ہی ہو، اسے چاہئے کہ اپنی طرف سے حجِ بدل کرادے، بعد میں اگر اس کا مرض ختم ہوجائے اور وہ صاحبِ استطاعت ہوتو پھر اسے خود حج کرنا ہوگا۔

كـذا صحة الجوارح؛ لأن العجز دونها لازماً، وأما المقعد فعن أبي حنيفة أنه يجب؛ لأنه يستطيع بغيره، فأشبه المستطيع بالراحلة، وعن محمد رحمه الله أنه لا يجب؛ لأنه غير قادر على الأداء بنفسه، بخلاف الأعمى. (هداية ۲/۱۵۳ مكتبة البشرىٰ كراچى)

حتى إن المقعد والزمن والمفلوج ومقطوع الرجلين لا يجب عليهم الإحجاج إذا ملكوا الزاد والراحلة، ولا الإيصاء به في المرض. ...... وكذا المريض؛ لأنه بدل الحج بالبدن، وإذا لم يجب المبدل لا يجب البدل. (فتح القدير ۲/۳۲٦، كذا في التعليقات على الهداية ۲/۱۵۳ مكتبة البشرىٰ كراچى)

وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان الحاج وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه ودام عجزه إلى أن مات، أما إذا زال عجزه بعد ذٰلک فلا يسقط عنه حج الفرض. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/٤۸٦ زكريا)

ولا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير ......، وظاهر الرواية عنهما

وجوب الإحجاج عليهم، ويجزيهم إن دام العجز، وإن زال أعادوا بأنفسهم. (شامي ۲/ ٤٥٩ کرچی، ۳/ ٤٥٧ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۹/ ۱۰/ ۱۴۱۳ھ

مقروض پر حج کی فرضیت کا مسئلہ

سوال (۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر نے اپنی سب زمین بیٹوں کو تقسیم کردی تھی، اس کے بعد دو بیٹوں کے حصے ۱۴-۱۴/ بسوے زمین احقر نے ان سے خرید لی، ایک کو نقد رقم دے کر اور دوسرے کو ایک پلاٹ دے کر یہ دونوں حصے ۲۸/ بسوہ زمین میری ملک میں آگئی، جس میں سے ۱۸/ بسوہ زمین ایک لاکھ تیس ہزار کی فروخت ہوئی ہے، جس میں سے ایک چھوٹے بیٹے کا قرض ۷۰/ ہزار روپئے ادا کرنا ہے، باقی اپنی ضروریات سامنے ہیں، کیا اس صورت میں احقر پر حج فرض ہوجاتا ہے، صورتِ حال واضح کردی گئی ہے، جواب کا انتظار ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں قرض کی رقم نکال کر آپ کی ملکیت میں صرف ساٹھ ہزار روپیہ باقی بچتے ہیں، اور اتنی رقم آج کل مصارف حج اور گھر والوں کے خرچ کے لئے کافی نہیں ہے؛ لہٰذا آپ پر ابھی حج فرض نہیں ہوا ہے۔

الحنفية قالوا: الاستطاعة هي القدرة على الزاد والراحلة بشرط أن يكونا زائدين عن حاجاته الأصلية كالدين الذي عليه. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ۳۵۱، كذا في الدر المختار مع الشامي ۳/ ٤٦٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۱/ ۷/ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

وسعت کے بعد مقروض ہوجانے سے حج کا حکم

سوال (۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والد صاحب بنگال میں کوئلہ کی کان میں سرکاری نوکری کرتے تھے، اس دوران کبھی زیادہ روپئے پیسے جمع ہوئے یا نہیں؟ مجھے اس کے متعلق معلوم نہیں؛ لیکن ۱۹۹۲ء میں میرے والد نوکری سے رٹائر ہوگئے، اس وقت قریب قریب ڈھائی تین لاکھ روپئے والد صاحب کو ملے تھے، اوراس وقت کوئی قرض وغیرہ بھی والد صاحب کے ذمہ نہیں تھا۔

اب مسئلہ قابلِ غور یہ ہے کہ میرے والد کے ذمہ حج فرض ہوا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوا تو کوئی بحث نہیں؛ لیکن اگر فرض ہو چکا ہے تو پھر اب کیا حکم ہے؟ جب کہ اس وقت حالت یہ ہے کہ میرے والد کے اوپر بہت زیادہ قرض ہو چکا ہے، اور کھیت وغیرہ بھی اتنا نہیں ہے جس میں سے کچھ فروخت کرکے اس فریضہ کو ادا کرسکیں، اور نہ ہی کوئی پیشہ یا تجارت ہے، اب کوئی ذریعہ یا صورت نہیں ہے اور نہ ہی آئندہ کوئی ایسی امید ہے، جس سے میرے والد فریضہ حج کو ادا کرسکیں، تو کیا کوئی ایسی صورت شریعت میں موجود ہے کہ حج کئے بغیر ہی مسئلہ حل ہوجائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ دور میں ڈھائی لاکھ کے اندر اطمینان اور فراغت کے ساتھ حج کیا جاسکتا ہے، بریں بنا مسئولہ صورت میں اگر آپ کے والد صاحب کے پاس حج کرنے کے بقدر رقم اتنی مدت تک رہی کہ اگر وہ حج کرنا چاہتے تو کرلیتے، تو ان پر حج فرض ہو چکا ہے، اور بعد میں مقروض ہوجانے اور مذکورہ رقم کے خرچ ہوجانے کے باوجود ان سے حج کی فرضیت ساقط نہ ہوگی؛ بلکہ جس طرح بھی ہوسکے زندگی میں حج کرنے کی کوشش کریں، اور اگر حج کرنے کا مرتے وقت تک انتظام نہ ہو، تو وصیت کرکے جائیں اور اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار مسلسل کرتے رہیں۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ

سَبِيْلًا﴾ [آل عمران: ٩٧]

عن طارق قال: سمعت ابن أبي أوفى رضي اللّٰه عنه يسأل عن الرجل يستقرض ويحج، قال: يسترزق اللّٰه ولا يستقرض، قال: وكنا نقول: لا يستقرض إلا أن يكون له وفاء. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥٤٤/٤ رقم: ٨٦٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

من جاء ه وقت خروج أهل بلده، أو أشهر الحج وقد استكمل سائر شرائط الوجوب والأداء وجب عليه الحج من عامه، ووجب أداؤه بنفسه، فيلزمه التأهب والخروج معهم فلو لم يحج حتى مات فعليه الإيصاء به، وكذلک لو لم يحج حتى افتقر تقرر وجوبه دينا في ذمته ولايسقط عنه بالفقر.

(غنية الناسك ١٤ قديم، ٣٣ إدارة القرآن كراچی)

ووسعه أن يستقرض ويحج الخ، أما إن علم أنه ليس له جهة القضاء أصلاً فالأفضل عدم الاستقراض؛ لأن تحمل حقوق اللّٰه تعالىٰ أخف من ثقل حقوق العباد. (غنية الناسك ٣٣، ومثله في الدر المختار مع الشامي ٤٥٥/٣ زكريا، خانية على الفتاوىٰ الهندية ٢٨٤/١، البحر العميق ٣٨٦/١، طحطاوي على المراقي ٣٩٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پہلے قرض ادا کرے یا حج کرے؟

سوال (۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص کے اوپر قرض ہے اور وہ حج کرنا چاہتا ہے، تو کیا اس کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اگر ادا ہوگا تو حج اسلام ادا ہوگا، یا پھر پہلے اس کو قرض ادا کرنا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مناسب یہ ہے کہ پہلے قرض ادا کرے پھر حج کو جائے؛

لیکن اگر قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی حج کرلے تو اس کا حج اسلام ادا ہوجائے گا، بعد میں حج کرنا لازم نہیں۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: مطل الغني ظلم. (صحيح البخاري، كتاب الاستقراض وأداء الديون / باب مطلب الغني ظلم رقم: ٢٤٠٠، فتح الباري ٧٨/٦ بيروت)

وإن كان في ماله وفاء بالدين يقضي الدين ولا يحج، ويكره الخروج إلى الغزو والحج لمن عليه الدين. (قاضي خان ٣١٣/١، الفتاویٰ الهندية ٢٢١/١)

كذا الغريم لمديون لا مال له يقضي به ...... وعن قضاء ديونه حالةً أو مؤجلةً. (غنية الناسك ٢٠ إدارة القرآن کراچی، كذا في الشامي ٤٥٤/٣ زكريا)

الحنفية قالوا: الاستطاعة هي القدرة على الزاد والراحلة بشرط أن يكونا زائدين عن حاجاته الأصلية كالدين الذي عليه. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ٣٥١، كذا في الدر المختار ٤٦٠/٣-٤٦١ زكريا)

ولو حج الفقير ثم استغنى لم يحج ثانيا؛ لأن شرط الوجوب التمكن من الوصول إلى موضع الأداء. (مجمع الأنهر ٣٨٤/١ مكتبه فقيه الأمت، فتاویٰ رحیمیه ٢٢٤/٥-٢٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۶/۴ھ

جس پر حج فرض نہ ہو اس کا قرض لے کر حج کرنا؟

سوال (۳۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں ایک غریب کسان ہوں، میں اپنے رشتہ دار سے قرض لے کر حج بیت اللہ کرنا چاہتا ہوں، میں اپنے رشتہ داروں کا قرض انشاء اللہ دس سال کے عرصہ میں واپس ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں۔ تو

معلوم یہ کرنا ہے کہ میرا حج قابلِ قبول ہے یا نہیں؟ اگر قبولیت کی کوئی شکل ہو، تو میں آئندہ سال حج کا فارم بھروں، اور اگر نہیں تو میں اپنا ارادہ ملتوی کروں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ پر حج واجب نہیں ہے تو قرض کا بوجھ اٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ تاہم اگر قرض لے کر حج کو گئے تو حج ہو جائے گا۔

قال اللّٰہ تبارک وتعالیٰ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ [آل عمران: ۹۷]

عن طارق قال: سمعت ابن أبي أوفى رضي اللّٰه عنه يسأل عن الرجل يستقرض ويحج، قال: يسترزق اللّٰه ولا يستقرض، قال: وكنا نقول: لا يستقرض إلا أن يكون له وفاء. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٤/٥٤٤ رقم: ٨٦٥٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن محمد بن المنكدر أنه كان يستقرض ويحج، فقيل له: تستقرض وتحج؟ فقال: إن الحج أقضى للدين. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/٧٩٦ رقم: ١٦١١٤ المجلس العلمي)

ووسعه أن يستقرض ويحج الخ، أما إن علم أنه ليس له جهة القضاء أصلاً فالأفضل عدم الاستقراض؛ لأن تحمل حقوق اللّٰه تعالىٰ أخف من ثقل حقوق العباد. (غنية الناسك ٣٣، ومثله في الدر المختار مع الشامي ٣/٤٥٥ زكريا، خانية على الهندية ١/٢٨٤، البحر العميق ١/٣٨٦، طحطاوي على المراقي ٣٩٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۲/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دکان بیچ کر حج کرنا؟

سوال (۳۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے پاس پانچ دوکانیں اور رہنے کے لئے ایک مکان ہے، چار دوکانیں کرایہ پر ہیں، زید

خود بھی دوکان کرتا ہے، اتنا پیسہ نہیں ہے کہ حج کر سکے، کیا اس کے ذمہ دوکان بیچ کر حج کرنا فرض ہے؟ جب کہ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر دوکانوں کا کرایہ نہ آئے تب بھی گذر بسر ہوسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو ضرورت سے زائد دوکانیں ہیں، اگر ان کی قیمت اتنی ہے کہ وہ مصارفِ سفرِ حج میں کافی ہو جائے، تو مسئولہ صورت میں زید پر زائد دوکانیں فروخت کرکے حج کو جانا لازم ہے۔

بخلاف الفاضل عنه من مسكن أو عبد أو متاع أو كتب شرعية أو آلية……، تثبت بها الاستطاعة. (شامي ٣/ ٤٦٠ زكريا)

وإن كان له من الضياع مالو باع مقدار ما يكفي الزاد والراحلة يبقى بعد رجوعه من ضيعته قدر ما يعيش بفلته الباقي افترض عليه الحج، وإلا لا. (غنية الناسك ٢٠، شامي ٣/ ٤٩١ زكريا، البحر العميق ١/ ٣٨١، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٣ زكريا، انوار مناسك ١٦٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱/۴/۱۴۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

پہلے شادی کرے یا حج؟

سوال (۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کے پاس اپنے بچوں کی شادی کے لئے پیسہ رکھا ہوا تھا، اور شادی کی تاریخ بھی قریب ہی تھی، اسی دوران حج کا وقت آ گیا، تو یہ شخص پہلے حج کرے یا اپنے بچوں کی شادی کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر شادی کی ضرورت ہے اور حج کا وقت آجائے تو اولاً حج کرے، اور اگر حج کے وقت میں دیر ہو تو شادی کرنے کو ترجیح ہوگی۔ یہی حکم اپنے بچوں کی شادی

وغیرہ کا ہے کہ بچوں کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے۔

له ألف وخاف العزوبة إن كان قبل خروج أهل بلده فله التزوج ولو وقفه لزمه الحج. (غنية الناسك ٢٠، شامي ٤٩١/٣ زكريا، البحر العميق ٣٨١/١، الفتاویٰ التاتارخانية ٤٧٣/٣، الفتاویٰ الهندية ٢١٧/١، فتح القدير ٤١٣/٢ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۶/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیٹی کی شادی کی وجہ سے حج فرض ہو جانے کے بعد مؤخر کرنا؟

سوال (۴۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص جو کہ ہندوستان کا رہنے والا ہے اس کے پاس اتنے پیسے تھے کہ وہ حج کو جاسکے؛ لیکن اس کی ایک بیٹی بھی تھی جس کی عمر شادی کی ہوچکی تھی، پیسے اس کے پاس اتنے ہی تھے کہ وہ یا تو حج کو جاسکتا تھا، یا بیٹی کی شادی کرسکتا تھا، گھر والوں کا اصرار تھا کہ بیٹی کی شادی کرو؛ لیکن اس شخص نے حج پر جانا مقدم سمجھا اور حج پر چلا گیا، اس طرح اس نے حج کا فریضہ تو ادا کرلیا؛ لیکن اس فریضہ کی ادائیگی میں سارے پیسے ختم ہوگئے۔

اب صورت یہ ہے کہ پیسے نہ ہونے کی وجہ سے بیٹی کی شادی میں تاخیر ہونے کا امکان ہے، دوبارہ اتنا پیسہ اکٹھا کرنے میں اتنا وقت لگ سکتا ہے کہ بیٹی کی شادی کی عمر ہی خدانخواستہ نکل جائے، اگر عمر نہ نکلے تو بھی جس بیٹی کی شادی ابھی ہوجانی چاہئے تھی، اس بیٹی کی شادی میں امکانی تاخیر کا خیال ہی گھر والوں کے لئے ایک تکلیف دہ امر ہے، خیال پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی کی شادی کے اسباب (پیسے) کو فریضہ حج کی ادائیگی میں خرچ کرنے کے اس عمل کو کیا سمجھا جائے، اللہ رب کائنات ہے اور ہر چیز پر قادر ہے، وہ کسی کام کے لئے کسی سبب کا محتاج نہیں، بغیر کسی سبب کے بھی وہ سب کچھ کرسکتا ہے، بغیر کسی سبب کے قادر ہوتے ہوئے بھی وہ کچھ نہیں کرتا، جب اللہ قادر ہوتے ہوئے بھی اسباب کا سہارا لیتا ہے، تو ہم محتاج ہوکر اسباب پیدا کرنے کی کوشش کریں، تو اس میں شرم کی کوئی بات نہیں اور نہ ہی کوئی

برائی ہے، ہاں بھروسہ اللہ کی ذات پر رکھنا چاہئے اسباب پر نہیں، تاریخ گواہ ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسباب بھی پیدا کئے اور کامیابی کے لئے دعائیں بھی مانگیں، جنگیں بھی لڑیں اور صلح بھی کیں، بدر کے میدان میں جب تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک ہزار کافروں کا لشکر سامان حرب سے لیس کھڑا تھا تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی بارگاہ میں فتح ونصرت کی دعائیں بھی مانگی تھیں، اور میسر اسباب (مؤمنین) کے ساتھ کفار کا مقابلہ بھی کیا تھا، یہ اللہ کا اپنے بندوں پر احسان اور کرم ہے کہ وہ بندوں کے پیدا کئے ہوئے کسی سبب کے بغیر بھی انہیں کامیابی عطا کرسکتا ہے، ابرہہ نے جب اپنے ہاتھی والے لشکر کے ساتھ خانہ کعبہ کو ڈھانے کے ارادہ سے مکہ پر حملہ کیا تھا تو عبد المطلب کے پاس کوئی فوج نہیں تھی، وہ کسی طرح ابرہہ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے، عبدالمطلب اس وقت خانہ کعبہ کے متولی تھے، انہوں نے غلاف کعبہ کو پکڑ کر اللہ سے دعاء مانگی اور کہا کہ اے اللہ اپنے گھر کو تو ہی بچا سکتا ہے اللہ نے مدد بھیجی، آسمان سے ابابیلوں کو غول نمودار ہوا جس نے ابرہہ کے لشکر پر کنکریوں سے حملہ کردیا، ابابیلیں اپنی چونچ سے چھوٹی چھوٹی کنکریاں گراتی تھیں، وہ کنکریاں ایسی تھیں کہ ہاتھی پر بھی گرجاتیں تو ہاتھی وہیں ڈھیر ہوجاتا تھا، اس طرح اللہ نے ابرہہ کے لشکر کو تباہ کیا اور اپنے گھر کی حفاظت کی اللہ چاہتا تو ابرہہ کے لشکر کو بغیر کسی سبب کے بھی تباہ کرسکتا تھا، اور وہ لشکر جہاں کھڑا تھا وہیں بغیر کسی ظاہری سبب کے ریت میں مل سکتا تھا، لیکن اللہ نے ایسا نہیں کیا؛ بلکہ اس نے اس لشکر کو تباہ کرنے کے لئے سبب (ابابیلیں) پیدا کیا، اللہ مسبب الاسباب ہے وہ چاہے تو ہماری کسی کوشش کے بغیر بھی ہماری ضرورتیں پوری کرنے کے اسباب پیدا کرسکتا ہے؛ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہم اپنی کوششیں ترک کردیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائیں، ہمارا دین ہمیں اس کی اجازت نہیں دیتا۔

سوال:- بے شک اللہ چاہے تو غیب سے ایسے اسباب پیدا فرما سکتا ہے کہ اس بیٹی کی شادی آناً فاناً ہوجائے؛ لیکن یہ بہتر ہوتا کہ وہ شخص پہلے بیٹی کی شادی کرتا اس کے بعد جب استطاعت ہوتی تو حج پر جاتا، اس معاملہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہوئے مفصل جواب عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر حج فرض ہوجائے تو اس پر جلد از جلد اس فریضہ کی ادائیگی لازم ہے، لڑکی کی شادی یا اس جیسے عذر کی وجہ سے حج کو مؤخر کرنے کی اجازت نہیں ہے، اور آپ نے سوال میں جن موہوم خیالات کی ترجمانی کی ہے، ان کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں ہے، شریعت کی نظر میں حج وعمرہ کا سفر فقر کا سبب نہیں؛ بلکہ مال داری میں اضافہ کا سبب ہے؛ چنانچہ ایک حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ کثرت سے حج وعمرہ کرنے سے غنا نصیب ہوتا ہے، اور تجربہ اس کا شاہد ہے؛ اس لئے یہ سمجھنا کہ حج کرنے سے آدمی ایسا فقیر ہوجائے گا کہ بعد میں بچی کی شادی کرنے کے لائق نہ رہے گا محض جہالت کی بات ہے، ایسے خیالات سے اجتناب کی ضرورت ہے۔ (انوار مناسک ۱۶۸)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والخطايا كما ينفي الكير خبث الحديد. (المعجم الكبير للطبراني ١١/١٤٦، سنن الترمذي ١/١٦٧، جامع الأحاديث رقم: ١١١٤٢)

ونقل العلي المتقي الهندي عن مسند الفردوس عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه: الحج قبل التزويج. (كنز العمال، الحج والعمرة / الفصل الثالث في آداب الحج ومحظوراته ١٠/٥ رقم: ١١٨٧٦ دار الكتب العلمية بيروت)

وفي الينابيع: إن كان له مقدار ما يحج به وعزم على التزوج، ذكر ابن شجاع عن أبي حنيفة أنه يحج ولا يتزوج. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٤٧٣ رقم: ٤٨٨٢ زكريا)

سئل أبوحنيفة عمن له مال: أيحج به أم يتزوج؟ قال: يحج به. (البحر العميق / الباب الثالث في مناسك الحج ١/٣٨١ المكتبة المكية مكة المكرمة)

قال الشامي بحثا: أما لو خافه فالتزوج واجب لا فرض، فيقدم الحج الفرض عليه. (شامي ٣/٤٦١ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حج کرے یا بیوی کا مہر ادا کرے؟

سوال (۴۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے ابھی اپنی بیوی کا مہر ادا نہیں کیا اور وہ حج کا ارادہ رکھتا ہے؛ لیکن کیفیت یہ ہے کہ اگر وہ بیوی کا مہر ادا کرتا ہے تو حج کو نہیں جا پائے گا، ایسا شخص پہلے مہر ادا کرے یا حج کو جائے یا بیوی سے مہر معاف کرائے؟ اور کیا بیوی کا مہر معاف کرنا یا کرانا درست ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسے شخص کو چاہئے کہ بیوی سے کچھ دنوں کی مہلت لے لے اور حج کرنے کے بعد آ کر اس کے مہر کو ادا کرنے کی کوشش کرے۔ اور مہر معاف کرانے کا مطالبہ کرنا یہ کسی حال میں شوہر کے شایانِ شان نہیں ہے۔ (مستفاد: فتاویٰ رحیمیہ ۸/۲۸۰، امداد الاحکام ۳/۱۵۶)

إذا اجتمعت الحدود وفيها حق العبد يبدأ بحق العبد. (شامي ٣/٦٢ ٤ زكريا)

ثم المراد من الاستطاعة يملك الزاد والراحلة أن يكون عنده مال فاضل عن حوائجه الأصلية ...... وفي السراجية: وقضاء ديونه. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٤٧١ زكريا)

الحنفية قالوا: الاستطاعة هي القدرة على الزاد والراحلة بشرط أن يكونا زائدين عن حاجاته الأصلية كالدين الذي عليه. (الفقه على المذاهب الأربعة مكمل ٣٥١، كذا في الدر المختار ٣/٤٦٠ زكريا)

وعن قضاء ديونه حالة أو مؤجلة، والمراد ديون عباد ...... وأصدقة نسائه ولو مؤجلة هٰذا هو حد الغنى للحج في ظاهر الرواية. (غنية الناسك ٢٠ إدارة القرآن كراچی)

ويكره الخروج إلى الغزو والحج لمن عليه الدين. (فتاویٰ قاضي خان ١/٣١٣، كذا في الفتاویٰ الهندية ١/٢٢١)

وأما تفسير الزاد والراحلة فهو إن ملك من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً راكبًا لا ماشياً بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير، فاضلاً عن

مسكنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه. (بدائع الصنائع ۲/ ۲۹۷، كذا في الفتاوى الهندية ۱/ ۲۱۷ كوئٹه، الدرالمختار مع الرد المختار، كتاب الحج / مطلب: في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع ۲/ ٤٦٢ کراچی، ۳/ ٤٦١– ٤٦٢ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۱/۴/ ۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دو بیویوں میں سے ایک بیوی کا نفقہ دئے بغیر حج کو جانا کیسا ہے؟

سوال (۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے شادی کی، شادی کے ایک سال کے بعد زید کی بیوی کے بچہ پیدا ہوا، اسی دوران زید نے اپنی بیوی کو گھر سے نکال دیا، زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر چلی آئی، آج پانچ سال ہوگئے ہیں کہ زید کی بیوی اپنی ماں کے گھر چلی آئی، زید نے اپنی بیوی کو ابھی تک کسی قسم کا خرچ وغیرہ نہیں دیا، اور نہ ہی اس مسئلہ کو سلجھانے کی کوشش کی، یہاں تک کہ بیوی کو صورت تک نہیں دکھائی، صرف اپنے بچہ کے لئے ماہوار پانچ سو روپیہ دیتا تھا، اب آٹھ ماہ سے وہ بھی دینا بند کردیا ہے، یہاں تک کہ عید پر کپڑے وغیرہ بھی نہیں دئے، زید کی یہ دوسری شادی ہے، اب زید اپنی پہلی والی بیوی کے ہمراہ حج کرنے کے لئے جارہا ہے، جب کہ زید کی دوسری بیوی پریشانیوں میں مبتلا ہے، اب اسے ایک منٹ کے لئے سکون نہیں ہے، کیا زید کے لئے دونوں بیویوں کے حقوق برابر ہیں، کیا ایسی صورت میں حج بیت اللہ کے لئے جاسکتا ہے، جب کہ ابھی زید نے اپنی بیوی سے کوئی فیصلہ نہیں کیا؟ کیا بیوی کی اجازت کے بغیر وہ حج کو جاسکتا ہے؟ زید اپنی بیوی کا خرچ مار کر حج کے لئے جارہا ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر واقعی زید کی بیوی مظلومہ ہے اور بغیر کسی معقول وجہ کے اسے نفقہ سے محروم کیا گیا ہے، تو زید کا یہ عمل ظلم ہے اور وہ سخت گنہگار ہے،

اسے اپنی اس بیوی کے حقوق بھی ادا کرنے چاہئیں، احادیثِ طیبہ میں دو بیویوں کے درمیان برابری اور انصاف کرنے کی سخت تاکید وارد ہوئی ہے۔

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: إذا كانت عند الرجل امرأتان فلم يعدل بينهما جاء يوم القيامة وشقه ساقط. (سنن الترمذی رقم: ۱۱٤۰، سنن أبي داؤد رقم: ۲۱۳٤، مشكوٰة المصابيح ۲۷۹/۲ رقم: ۳۲۳٦، مرقاة المفاتيح ۳٥۲/٦ بيروت)

لیکن ان تمام باتوں کے باوجود حج کو جاتے وقت زید کا اس بیوی سے اجازت لینا شرعاً ضروری نہیں ہے، اس کا حج بلا شبہ صحیح ہوجائے گا۔ ہاں اگر دوسری بیوی سے اجازت لے کر اسے خوش کردے تو یہ اس کے لئے بہتر ہے۔

عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أراد سفراً أقرع بين نسائه، فأيهن خرج سهمها خرج بها معه. (صحيح البخاري رقم: ۲٦۸۸، صحيح مسلم رقم: ۲۷۷۰، مرقاة المفاتيح ۳٤۹/٦ رقم: ۳۲۳۲ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا قسم في السفر دفعاً للحرج فله السفر بمن شاء منهن، والقرعة أحب تطبيباً بقلوبهن. (درمختار ۲۰٦/۳ کراچی، ۳۸٤/٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۸/۱۰/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مکان بنانے کی شدید ضرورت کے باوجود نفلی حج کرنا

سوال (۴۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احقر کے پانچ بیٹے ہیں اور پانچوں علیحدہ علیحدہ رہتے ہیں، جب ان کو علیحدہ کیا گیا تھا، تو زمین مکان جو میرے پاس تھا، تقسیم کردیا گیا تھا، احقر اور اہلیہ چھوٹے بیٹے کے ساتھ رہتے ہیں، وہ ناکارہ ہے، سارا بوجھ خرچ کا احقر پر ہے، مکان خستہ ہے۔ اب سے پہلے اس میں تقریباً پینتیس ہزار روپئے خرچ کئے، مگر کوئی سہولت نہیں بن سکی ہے، اسی مکان میں اہلیہ تقریباً پچاس بچیوں کو دینی

تعلیم دیتی ہے، اب مکان کی صورتِ حال یہ ہے کہ برسات میں پانی اندر داخل ہوگیا، جس کے باہر نکلنے کی کوئی صورت نہیں ہے، اگر بھراؤ کرا کرا اونچا کرتا ہوں تو تمام دروازے اٹھانے ہوں گے، اس طرح بہت خرچ ہوگا، اس کے بعد دو صورتیں پیش آئیں گی۔

(۱) ہمارے مرنے کے بعد دوسرے بیٹے مکان میں اپنا حصہ بنا کر چھوٹے لڑکے سے جھگڑا کریں گے۔

(۲) ہمارا اِرادہ دوسری بار والدین کی طرف سے حج کرنے کا تھا وہ نہیں ہوسکے گا، دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ جب بیٹوں کو اپنی حیات میں علیحدہ کر کے ان کے حصص دیئے گئے، تو کیا مرنے کے بعد وہ چھوٹے بیٹے سے کچھ لینے کا حق رکھتے ہیں، دوسرے فرض حج ادا کرنے کے بعد مذکورہ بالا صورت میں والدین کی طرف سے حج کرنا بہتر ہے، یا مکان کو سدھارنا ضروری ہے؟ جس میں ہر طرح کی تکلیف ہے، برسات اور گرمی میں سخت پریشانی کا سامنا کرنا ہوتا ہے، از روئے شرع صحیح عمل کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب آپ نے جائیداد تقسیم کر کے اپنے لڑکوں کو علیحدہ کر کے دے دیا ہے، تو وہ اس کے مالک ہوگئے، آپ کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ اپنے چھوٹے بیٹے کو بھی اسی کے برابر حصہ ہبہ کر کے اس کے نام رجسٹرڈ کرادیں؛ تاکہ آئندہ کسی قسم کا جھگڑا پیدا نہ، اور جب کہ آپ کو مکان بنانے کی ضرورت ہے، نہ بنانے کی صورت میں مشقتوں کا سامنا ہوسکتا ہے، تو اس صورت میں نفلی حج کے بجائے مکان کی ضروری تعمیر کا مشورہ مناسب ہے۔

فرض مرة علی الفور علی مسلم حر مکلف صحیح بصیر ذي زاد وراحلة فضلاً عما لا بد منه. (التنویر مع الدر المختار ۲/ ۵۵-٤٦١ کراچی، ۳/ ٤٥٠-٤٦٢ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۲۱۹ کوئٹه، هدایة / کتاب الحج ۱/ ۲۳۱، کنزالدقائق / کتاب الحج ۱/ ۷۳، البحر الرائق ۲/ ۳۱۱ کوئٹه، بدائع الصنائع ۲/ ۳۰۱ زکریا)

وأما تفسير الزاد والراحلة فهو إن ملك من المال مقدار ما يبلغه إلى مكة ذاهباً وجائياً راكبًا لا ماشياً بنفقة وسط لا إسراف فيها ولا تقتير، فاضلاً عن مسكنه وخادمه وفرسه وسلاحه وثيابه وأثاثه ونفقة عياله وخدمه وكسوتهم وقضاء ديونه.

(بدائع الصنائع ۲۹۷/۲، كذا في الفتاوى الهندية ۲۱۷/۱ كوئٹہ، الدرالمختار مع الرد المختار، كتاب الحج / مطلب: في قولهم يقدم حق العبد على حق الشرع ٤٦٢/٢ كراچی، ٤٦١/٣ - ٤٦٢ زكريا)

فاضلاً عن حوائجه الأصلية ...... كمسكنه ...... وعن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته وهي الطعام والكسوة والسكنىٰ. (غنية الناسك ١٩ إدارة القرآن كراچی)

وتتم الهبة بالقبض الكامل. (درمختار مع الشامي ٤٩٣/٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۲/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دوبارہ حج کرنا ضروری ہے یا اپنے بچوں کی جائز ضروریات پورا کرنا

سوال (۴۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کوئی آدمی اپنے گناہ معاف کرانے کی غرض سے دوبارہ حج پر جانا چاہتا ہے، جب کہ اس کے بچوں کی دیگر جائز ضروریات بھی اس پر فرض ہیں، تو یہاں اس کا دوبارہ حج پر جانا ضروری ہے یا اپنے بچوں کی ضرورت کو پورا کرنا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگر اس کے پاس اتنا انتظام ہے کہ اس کی غیر موجودگی میں اس کے اہل وعیال بسہولت کھانے پینے اور رہنے کی ضروریات پوری کرسکیں، تو اسے حج کو جانے میں کوئی حرج نہیں ہے؛ لیکن اگر صورتِ حال ایسی ہے کہ اس کے جانے کی وجہ سے بچے بھوکے رہیں گے، اور ان کی لازمی ضروریات پوری نہ ہوسکیں گی، تو ایسے شخص کے لئے حج کو جانے کی اجازت نہیں ہے؛ بلکہ اپنے بچوں کی کفالت کا نظم لازم ہے۔

فـرض مرة عـلـى الـفـور عـلـى مسـلـم حر مكلف صحيح بصير ذي زاد وراحـلـة فضلاً عما لا بد منه. (التنـويـر مع الدر المختار ٢/ ٥٥-٤٦١ كراچی، ٣/ ٤٥٠-٤٦٢ زكـريـا، الفتاوىٰ الهندية ٢١٩/١ كوئٹه، هداية / كتاب الحج ٢٣١/١، كنزالدقائق / كتاب الحج ٧٣/١، البحر الرائق ٣١١/٢ كوئٹه، بدائع الصنائع ٣٠١/٢ زكريا)

فـاضلاً عـن حـوائـجـه الأصـلية ...... كـمسكنه ...... وعن نفقة عياله ممن تلزمه نفقته وهي الطعام والكسوة والسكنىٰ. (غنية الناسك ١٩ إدارة القرآن كراچی)

وفـضلاً عـن نـفـقـة عيـاله ممن تلزمه نفقته تتقدم حق العبد إلى حين عوده الخ. (درمختار ٤٦٢/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدین کی جائیداد سے ملے ہوئے حصہ کو فروخت کر کے حج کرنا

سوال (۴۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والدین نے اپنی حیات (زندگی) میں میرا حصہ میرے نام کر دیا تھا، اور بھائیوں میں برابر کا عدالتی تقسیم بھی ہو چکا ہے، اور میں نے حج کا ارادہ بھی کر لیا ہے، کیا میں اس زمین کو فروخت کر کے حج کر سکتا ہوں؟ اور مکان زمین خرید سکتا ہوں یا نہیں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں مکمل جواب عنایت کریں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جو حصہ آپ کی ملکیت اور قبضہ میں ہے اس کو آپ اپنی مرضی سے فروخت کر سکتے ہیں، اور اس کی قیمت اپنی ضروریات میں حسبِ منشا خرچ کرنے کے مجاز ہیں، کسی دوسرے کو اس میں دخل دینے کی اجازت نہیں ہے، اور اگر اس کی قیمت سے آپ حج کرنا چاہیں تو حج کرنا بھی جائز ہے۔

المالک هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف شاء من الملک.

(بيضاوي شريف ۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۱/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرام کمائی سے حج مقبول نہیں

سوال (۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص تقریباً دس سال سے حرام مال کما رہا ہے اور اسی دوران اُس نے حج اور بہت سارے اَعمالِ خیر بھی کئے، تو آیا ایسے شخص کا حج قبول ہوا یا نہیں؟ نیز اب وہ شخص حلال روزی کمانا چاہتا ہے، تو کیا اسی حرام مال کے ذریعہ وہ حلال روزی کی خاطر کاروبار کرسکتا ہے، اور توبہ کے ذریعہ اس کی معافی ہوگی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام مال سے کیا گیا حج مقبول نہیں ہے؛ تاہم اس کے ذمہ سے فریضہ ادا ہو چکا، اب اسے چاہئے کہ حرام کمائی سے توبہ کرے اور نئے کاروبار میں صریح حرام کمائی نہ لگائے؛ بلکہ قرض لے کر کاروبار کرے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۳/۵۱۸)

وروي عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا خرج الحاج حاجاً بنفقةٍ طيبةٍ ووضع رجله في الغرز فنادى: لبيک اللّٰهم لبيک. ناداه مناد من السماء: لبيک وسعديک، زادک حلال، وراحلتک حلال، وحجک مبرور غير مأزور، وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز، فنادى: لبيک. ناداه مناد من السماء لا لبيک ولا سعديک زادک حرام، ونفقتک حرام، وحجک مأزور غير مبرور. (رواه الطبراني في الأوسط، الترغيب والترهيب مكمل ٢٦٤ رقم: ١٧٤٨)

فإن الحج في نفسه مأمور به، وإنما يحرم من حيث الإنفاق، وكأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلا فيه، فإن الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه، ولذا قال في البحر: ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي ٣/٤٥٣ زكريا، مجمع الأنهر ١/٢٦١، الفتاویٰ الهندية ١/٢٢٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۵/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حرام مال سے سفرِ حج

سوال (۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کسی شخص کے پاس اتنا پیسہ حرام کا ہو جس کی وجہ سے اس پر حج فرض ہوتا ہو، تو کیا وہ شخص اس حرام مال سے حج کرے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام مال سے حج کرنا جائز نہیں ہے؛ لیکن اگر کرلے گا تو فریضہ ساقط ہوجائے گا اور حج میں حرام مال خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۱۵/۴۷۹، امداد الفتاویٰ ۳/۵۱۸)

ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل بالنفقة الحرام كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي ٣/٤٥٣ زكريا)

فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام؛ لكن لو حج به جاز؛ لأن المعاصي لاتمنع الطاعات، فإذا أتى بها لا يقال: إنها غير مقبولة، كما في مكروهات صلاة

الخزانة، ذكره القهستاني. (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر ۲٦۱/۱ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۲ھ

سودی آمیزش والی رقم سے حج کرنا؟

سوال (۴۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے پاس اتنی رقم ہے کہ ہم دونوں میاں بیوی حج بیت اللہ کو جاسکیں؛ لیکن اس میں تقریباً دس ہزار روپیہ بینک کے سود بھی ہیں، تو میں ان دس ہزار روپیوں کو اپنی ضرورت میں لگا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور ان روپیوں کو اپنے فریضۂ حج میں استعمال کرسکتا ہوں یا نہیں؟ میرے پاس کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے کہ میں دوسرے سے لے کر حج کو جاسکوں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سودی رقم سفر حج کے صرفہ میں یا اپنی ضروریات میں استعمال کرنی ہرگز جائز نہیں ہے؛ بلکہ یہ رقم غریبوں کو بلا نیت ثواب تقسیم کرنی لازم ہے، اگر آپ کو سفر حج کے لئے رقم کی ضرورت ہو، تو کسی سے قرضِ حسن لے لیں۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: أيها الناس! إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبًا – الحديث بطوله – وفيه: ثم ذكر الرجل يطيل السفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حرام ومشربه حرام وملبسه حرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلك.

(صحيح مسلم ۳۲٦/۱ رقم: ۱۰۱۵، سنن الترمذي ۱۲۸/۲ رقم: ۲۹۸۹، مسند أحمد رقم: ۸۳٤۸، شعب الإيمان للبيهقي ۳۸۸/۲ رقم: ۱۱۱۸، المصنف لعبد الرزاق ۱۹/۵ رقم: ۸۸۳۹)

لأن سبيل الكسب الخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي ۵۵۳/۹ زكريا)

ولا بمال حرام، ولو حج به سقط عنه الفرض لكنه لا تقبل حجته، كما ورد في الحديث، ولا تنافي بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج، كما إذا صلى في أرض غصب ...... والحيلة لمن ليس معه إلا مال حرام أو فيه شبهة أن يستدين للحج من مال حلال ليس فيه شبهة ويحج به، ثم يقضي دينه من ماله، ذكر قاضي خان. (غنية الناسك ۲۱-۲۲ إدارة القرآن كراچی، شامي ۴۵۳/۳ زكريا، مجمع الأنهر ۲۶۱/۱)

إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة فإنه يستدين للحج و يقضي دينه من ماله، كذا في فتاویٰ قاضي خان في المقطعات. (الفتاویٰ الهندية ۲۲۰/۱ دارإحياء التراث العربي) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۲/۴/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بینک سے ملی ہوئی سودی رقم سے حج کو جانا جائز نہیں

سوال (۵۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کو بینک میں جمع کردہ روپئے سے زائد روپئے بھی دئے گئے اور وہ اس زائد روپیہ کو لے کر حج کرنا چاہتا ہے، تو کیا وہ اس زائد روپئے سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جواز کی صورت ہے تو کیوں اور اگر عدم جواز کی صورت ہے، تو کیسے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج حلال مال سے کرنا چاہئے، حرام مال سے کیا گیا حج مقبول نہیں ہوتا؛ لہٰذا بینک سے ملے ہوئے سود کے روپئے سے ہرگز حج نہ کیا جائے، حدیث میں ہے کہ جو شخص حرام مال سے حج کو جاتا ہے اور سواری پر سوار ہوکر لبیک کہتا ہے، تو آسمان سے فرشتہ اسے جواب دیتا ہے کہ ''لا لبیک لا سعدیک'' (یعنی تیری لبیک غیر مقبول ہے) تیرا توشہ حرام ہے،

تیرا خرچہ حرام ہے، تیرا حج معصیت ہے، مبرور نہیں ہے۔

وروي عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا خرج الحاج حاجاً بنفقةٍ طيبةٍ ووضع رجله في الغرز فنادى: لبيك اللّٰهم لبيك. ناداه منادٍ من السماء: لبيك وسعديك، زادك حلال، وراحلتك حلال، وحجك مبرور غير مأزور، وإذا خرج بالنفقة الخبيثة فوضع رجله في الغرز، فنادى: لبيك. ناداه مناد من السماء لا لبيك ولا سعديك زادك حرام، ونفقتك حرام، وحجك مأزور غير مبرور. (رواه الطبراني في الأوسط، الترغيب والترهيب مكمل ٢٦٤ رقم: ١٧٤٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۱/۹ھ

سودی قرض سے کئے گئے کاروبار کی آمدنی سے حج کرنا؟

سوال (۵۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید بینک سے قرض بصورت لون لیتا ہے اور کاروبار بھی کرتا ہے، اسی روپیہ سے زید صاحبِ نصاب ہوگیا اور اس پر حج فرض ہوگیا، تو زید کو اس بینک والے روپیہ سے جو آمدنی ہوئی ہے، اس سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ قرض لینا کسی شکل میں جائز ہوسکتا ہے یا نہیں؟ جب کہ اس قرض کی ادائیگی اگر کریں تو زائد رقم بینک کو دینی پڑتی ہے جو سود کی شکل ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بینک کو سود دینا جائز نہیں ہے اور چوں کہ بینک سے لئے ہوئے قرض میں سود دینا لازمی ہوتا ہے، اس لئے بلاشدید ضرورت کے بینک سے قرض لینا بھی ممنوع ہے؛ لیکن جو روپیہ بینک سے لیا ہے اس سے کئے گئے کاروبار کی آمدنی حلال ہوتی ہے؛ اس لئے کہ اس میں سود کی رقم کی ملاوٹ نہیں ہے، سودی رقم تو وہ ہے جو بینک کو دی جائے گی؛ لہٰذا

صورتِ مسئولہ میں ایسی آمدنی سے حج کرنا درست ہوگا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه مرفوعًا كل قرض جر منفعةً فهو ربا. (إعلاء السنن ٥٦٦/١٤ رقم: ٤٨٥٨، وكذا في المصنف لعبد الرزاق ١٤٦/٨ رقم: ١٤٦٦٢)

عن مالک أنه بلغه أن رجلاً أتى عبد اللّٰه بن عمر، فقال يا أبا عبد الرحمن! إني أسلمت رجلاً سلفاً واشترطت عليه أفضل مما أسلفته، فقال عبد اللّٰه بن عمر: فذٰلک الربا...... الخ. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٢٧٧/٨ رقم: ١١٠٩٦)

كذا تستفاد من العبارة الاٰتية: القرض لا يتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لا يبطله......، وفي الخلاصة: القرض بالشرط حرام والشرط لغو.

(درمختار، کتاب البیوع / باب المرابحة والتولية ١٦٥/٥-١٦٦ کراچی، ٣٩٤/٧ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۳/۱۲/۲۱ھ

مخلوط کمائی کی رقم سے حج کرنا؟

سوال (۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس رقم کو جو مخلوط کمائی سے حاصل ہوئی ہے، حج کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حرام اور مشتبہ آمدنی سے حج کرنے سے اگرچہ فریضہ ادا ہوجائے گا؛ لیکن حرام آمدنی خرچ کرنے کا گناہ ہوگا، اور اجر وثواب سے محرومی ہوگی، اس لئے لازم ہے کہ حج میں بالکل بے غبار رقم لگائی جائے، اگر اپنے پاس غیر مشتبہ مال نہ ہو تو کسی سے قرضِ حسنہ لے کر حج کیا جائے۔

عن عبد اللّٰه بن مسعود رضي اللّٰه عنه عن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يكسِبُ عبدٌ مال حرامٍ، فيتصدق منه فيقبلَ منه، ولا يُنفق منه،

فيبارك له فيه ولا يتركه خلفَ ظهرِه إلا كان زادَه إلى النار. إن اللّٰه لا يمحو السيءَ بالسيءِ؛ ولكن يمحو السيء بالحسن، إن الخبيث لا يمحو الخبيث.

(أخرجه البغوي في شرح السنة ۸/ ۱۰ رقم: ۲۰۳۰، مسند أحمد ۱/ ۳۸۷، بحواله: مرقاة المفاتيح ۶/ ۱۷)

لو اختلفا بحيث لا يتميز يملكه ملكاً خبيثاً لكن لا يحل له التصرف فيه مالم يؤد بدله. (شامي ۷/ ۳۰۲ زكريا)

فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام؛ لكن لو حجّ به جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات فإذا أتى بها لا يقال إنها غير مقبولة، كما في مكروهات صلاة الخزانة، ذكره القهستاني. (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر ۱/ ۲۶۱ بيروت)

إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۲۰)

ويجتهد في تحصيل نفقة الحلال فإنه لايقبل الحج بنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارك الحج. (شامي ۳/ ۴۵۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/ ۱۰/ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مغصوبہ جائیداد واپس کئے بغیر حج کرنا؟

سوال (۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا مسجد ودیگر لوگوں کی زمین وجائداد واپس کئے بغیر اس کا حج مقبول ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس کا فریضۂ حج تو ادا ہو جائے گا؛ لیکن غصب وغیرہ کا گناہ بدستور باقی رہے گا، جب تک وہ حق داروں کا حق ادا نہ کردے، اس وقت تک گناہوں سے پاک نہ ہوگا۔

عن سعيد بن زيد رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من أخذ شبراً من الأرض ظلماً فإنه يطوقه يوم القيامة من سبع أرضين.

(صحيح البخاري رقم: ٣٧٩٨، صحيح مسلم رقم: ١٦١٠، مرقاة المفاتيح مع المشكاة المصابيح ١٢٧/٦ رقم: ٢٩٣٨ دار الكتب العلمية بيروت)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج للّٰه فلم يرفث ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه، قال الملا علي القاري تحت هٰذا الحديث: اعلم أن ظاهر الحديث يفيد غفران الصغائر والكبائر السابقة؛ لكن الإجماع على أن الكفران مختصة بالصغائر من السيئات التي لا تكون متعلقة بحقوق العباد من التبعات، فإنه يتوقف على إرضائهم. (مرقاة المفاتيح ٤٢٣/٥ تحت رقم: ٢٥٠٧ دار الكتب العلمية بيروت)

وإن كانت عن ذنب يتعلق بالعباد فإن كانت من مظالم الأموال فتتوقف التوبة منها مع ما قدمناه في حقوق اللّٰه تعالىٰ على الخروج عن الأموال بإرضاء الخصم إما بأن يتحلل من أهلها أو يردها إليهم أو إلى من يقوم مقامه من وكيل أو وارث. (البحر العميق / الباب الرابع في مقدمات السفر وآدابه ٤٢٥/١-٤٢٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۹/۷ھ

ایڈوکیٹ اور وکالت کی آمدنی سے حج کرنا اور اس آمدنی کا حکم؟

سوال (۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص ایڈوکیٹ ہے، کچہری میں پریکٹس کرتا ہے، سوال یہ ہے کہ وہ اس سے حاصل شدہ آمدنی سے حج فرض ادا کرسکتا ہے یا نہیں؟ وکالت کی آمدنی شرعاً جائز ہے یا حرام؟ اگر حرام ہے تو کیا مطلقاً حرام ہے یا اس میں کچھ تفصیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کچہری میں وکیل کا اس طرح وکالت کرنا کہ اپنے صحیح عمل یا وقت پر مقررہ اجرت لے اور ناحق مقدمہ کی پیروی نہ کرے، تو فی نفسہٖ وکالت جائز ہے، اور اس پر حاصل شدہ آمدنی بھی حلال ہے؛ لہٰذا اس طرح کی آمدنی کسی وکیل کے پاس اتنی ہو جس سے حج فرض ہو جاتا ہے، تو اس کو حج کرنا لازم ہے؛ لیکن اگر عمل معصیت یا وقت واجرت کی تعیین نہ ہو، نیز ناحق مقدمہ کی پیروی یا ظالم کی اعانت ہو، جیسا کہ آج کل اکثر وکیلوں کا پیشہ ہے، تو اس طرح وکالت کا پیشہ جائز نہیں؛ اس لئے اس سے ملی ہوئی رقم حرام ہے؛ لہٰذا اس مال پر حج فرض نہیں ہوگا؛ البتہ اگر حاصل شدہ مال حرام سے زائد بقدر استطاعت مال حلال ہو، تو حج فرض ہو جائے گا؛ تاہم اگر کسی نے مال حرام سے حج کر لیا تو فریضہ ساقط ہو جائے گا، مگر حج مقبول کا ثواب نہیں ہوگا، اور ساتھ میں حرام مال خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔ (فتاویٰ محمودیہ ۱۴/ ۲۷۷، ۳۰ ۶/ ۲۰، امداد الفتاویٰ ۲/ ۱۶۰)

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: يأتي على الناس زمانٌ لا يُبالي المرءُ ما أخذَ منه، أمن الحلال أم من الحرام؟ (صحيح البخاري رقم: ۲۰۵۹، بحواله: مرقاة المفاتيح، كتاب البيوع / باب الكسب وطلب الحلال ٦/ ۷ رقم: ۲۷٦۱)

لا يجوز أخذ الأجرة على المعاصي ......؛ لأن المعصية لا يتصور استحقاقها بالعقد فلا يجب عليه الأجر، وإن أعطاه الأجر وقبضه لا يحل له ويجب عليه رده على صاحبه. (مجمع الأنهر ۲/ ۳۸٤ دار إحياء التراث العربي بيروت)

والإجارة على المعصية باطلة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ١٥/ ١٣٢ زكريا)

ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه فتجب الزكاة فيه ويورث عنه؛ لأن الخلط استهلاک إذا لم يمكن تمييزه عند أبي حنيفة، وقوله: أرفق إذ قلما يخلو مال عن غصب، وهٰذا إذا كان له مال غير ما استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه وإلا فلا زكاة، كما لو كان الكل خبيثاً. كما في النهر عن

الحواشي السعيدية. (الدر المختار ٣/ ٤١٧ زكريا)

ويجتهد في تحصيل نفقة الحلال فإنه لايقبل الحج بنفقة الحرام، كما ورد في الحديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارک الحج. (شامي ٣/ ٤٥٣ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۳/۲/۷ ۱۴۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گورنمنٹ کی طرف سے اسکولوں کی تعمیر کے لئے دیئے گئے روپیوں سے حج کرنا

سوال (۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: گورنمنٹ ایک شخص کو دولاکھ روپیہ دیتی ہے کالج بنانے کے لئے، اب وہ شخص ڈیڑھ لاکھ میں کالج بنوادیتا ہے اور پچاس ہزار بچالیتا ہے، آیا اس رقم سے حج کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ نیز اگر حج کر لیتا ہے تو کیا وہ حج مقبول ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ شخص گورنمنٹ کا وکیل ہے؛ لہٰذا جتنا روپیہ کالج کی تعمیر میں خرچ ہوا اتنا ہی گورنمنٹ سے لینا درست ہے، اس سے زائد جو پیسہ دھوکہ دے کر لیا جائے گا، وہ خیانت ہوگی، جو قطعاً جائز نہیں ہے، اور اس طرح کے پیسہ کو سفر حج میں استعمال کرنا بھی منع ہے؛ تاہم اگر استعمال کرے گا تو اس کا حج فرض ادا ہوجائے گا، اور بہر حال زائد روپیہ گورنمنٹ کو لوٹانا لازم ہے۔

عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أيها الناس! إن اللّٰه طيب لا يقبل إلا طيبًا - الحديث بطوله - وفيه: ثم ذكر

الـرجـل يـطيـل الـسـفر أشعث أغبر يمد يديه إلى السماء يا رب! يا رب! ومطعمه حـرام ومشـربـه حـرام ومـلبسـه حـرام وغذي بالحرام، فأنى يستجاب لذٰلک.

(صحيح مسلم ٣٢٦/١ رقم: ١٠١٥، سنن الترمذي ١٢٨/٢ رقم: ٢٩٨٩، مسند أحمد رقم: ٨٣٤٨، شعب الإيمان للبيهقي ٣٨٨/٢ رقم: ١١١٨، المصنف لعبد الرزاق ١٩/٥ رقم: ٨٨٣٩)

عـن أبي هريرة رضـي الـلّٰـه عـنـه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من غشا فليس منا. (صحيح مسلم رقم: ١٠١، الترغيب والترهيب مكمل ٤٠٠ رقم: ٢٧٣٨)

ويـجتهـد فـي تـحصيل نفقة الحلال فإنه لا يقبل الحج بنفقة الحرام، كما ورد فـي الـحـديث مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافي بين سقوطه وعدمه قبوله فلا يثاب لعدم القبول ولا يعاقب عقاب تارک الحج. (شامي ٤٥٣/٣ زكريا)

لأن سبيـل الـكسـب الـخبيث التصدق إذا تعذر الرد على صاحبه. (شامي ٥٥٣/٩ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میقات کے مسائل

میقات سے احرام باندھے بغیر گذر جانا؟

سوال (۵٦):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص میقات سے احرام باندھے بغیر گذر گیا، تو کیا اس پر حج وعمرہ کرنا واجب ہو جائے گا؟ کیا اس کے لئے میقات واپس آ کر دوبارہ احرام باندھنا ضروری ہوگا؟ یا جس جگہ پر وہ موجود ہو، وہیں سے احرام کی نیت کر کے تلبیہ کہنا کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میقات سے باہر رہنے والا مکلّف مسلمان اگر مکہ (یا حدودِ حرم) کے لئے عازم سفر ہو خواہ یہ سفر کسی بھی مقصد سے ہو، اور وہ میقات سے احرام باندھے بغیر گذر جائے تو اس پر حج یا عمرہ کی ادائیگی اور احرام باندھنے کے لئے میقات کی طرف لوٹنا واجب ہے، اگر وہ احرام باندھنے کے لئے میقات نہیں لوٹے گا، یا میقات سے تجاوز کر جانے کے بعد احرام باندھے گا تو بہرصورت وہ گنہگار رہوگا اور دم بھی لازم ہوگا، اور بغیر کسی عذر کے حدودِ میقات کے اندر احرام باندھنے کا گناہ الگ ہوگا؛ البتہ اگر کوئی عذر درپیش ہو مثلاً وقت تنگ پڑنے یا رفقاء سفر سے بچھڑ جانے کا خوف ہونے کی وجہ سے میقات تک واپس آئے بغیر احرام باندھ لیا، تو اس پر صرف میقات سے بلا احرام گذرنے کا گناہ ہوگا، واپس نہ لوٹنے کا گناہ نہ ہوگا؛ لیکن میقات سے احرام نہ باندھنے کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنہما أن النبي صلی اللّٰہ علیہ

وسلم قال: **لا تجاوزوا المواقيت إلا بإحرام.** (المصنف لابن أبي شيبة ٤/٢ ٥ بيروت)

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰہ عنه أن النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم قال: لا يجاوز أ؛د الوقت إلا محرم. (المصنف لابن أبي شيبة ٧٠٢/٨ رقم: ١٥٧٠٢ المجلس العلمي)

عن داؤد عن مجاهد أنه قال له: إذا جئتَ من بلد آخر فلا تجاوز الحدَّ حتى تحرم. (المصنف لابن أبي شيبة ٧٠٣/٨ رقم: ١٥٧٠٤ المجلس العلمي)

وأخرج البيهقي بلفظ: "لا يدخل أحد مكة إلا محرم" قال الحافظ: إسناده جيد. (نيل الأوطار ١٨١/٤، إعلاء السنن ٢١/١٠ رقم: ٢٥٦٤ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنه قال: إذا جاوز الوقت فلم يحرم حتى دخل مكة رجع إلى الوقت فأحرم، وإن خشي إن رجع إلى الوقت فإنه يحرم ويهريق لذلک دماً. (فتح القدير ٤٢٦/٢-٤٣٣ بيروت)

آفاقي مسلم مكلف أراد دخول مكة أو الحرم ولو لتجارة أو سياحة وجاوز آخر مواقيته غير محرم، ثم أحرم أو لم يحرم أثم، ولزمه دم وعليه العود إلى ميقاته الذي جاوزه. (غنية الناسك ٦٠، ومثله في الفتاویٰ الهندية ٢٥٣/١)

ومن دخل أي من أهل الآفاق مكة أو الحرم بغير إحرام فعليه أحد النسكين أي من الحج والعمرة، وكذا عليه دم المجاوزة أو العود. (مناسك ملا علي قاري ٨٧، ومثله في البحر العميق ٦١٨/٣، درمختار ٦٢٦/٣ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٥٥٢/٣ زكريا)

فإن لم يعد ولا عذر له أثم اخریٰ لترکہٖ العود الواجب. (غنية الناسك ٦٠، ومثله في الفتاویٰ التاتارخانية ٥٥٢/٣، الفتاویٰ الهندية ٢٥٣/١، درمختار ٦٢١/٣ زكريا)

فإن كان له عذر كخوف الطريق، أو الانقطاع عن الرفقة، أو ضيق الوقت أو مرض شاق ونحو ذٰلک فاحرم من موضعه ولم يعد إليه لم يأثم بترک العود وعليه الاثم والدم بالاتفاق. (غنية الناسك ٦٠، البحر العميق ٦١٩/٣، الدر المختار ٦٢٢/٣،

الفتاویٰ الهندية ١/ ٢٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۶/۳/۶ ۱۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوافِ وداع کئے بغیر میقات سے باہر چلے جانا؟

سوال (۵۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص طوافِ وداع کئے بغیر میقات سے باہر چلا جائے تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص طوافِ وداع کے بغیر میقات سے باہر چلا گیا، تو اگر وہ طواف کی ادائیگی کے لئے حرم واپس آئے گا، تو اس کے لئے نیا احرام باندھنا ضروری ہوگا، اگر نئے احرام کے بغیر آ گیا تو دم لازم ہوگا، اور اس معاملہ میں طوافِ وداع اور طوافِ زیارت کا حکم الگ الگ ہے۔

ولو طاف أكثر طواف الزيارة ولم يطف للصدر إن كان بمكة أو لم يجاوز الميقات يعود بغير إحرام، فيطوف ما بقي عليه، ويطوف للصدر ...... وإن رجع إلى أهله فعليه دمان بالاتفاق: دم لترك أقل طواف الزيارة، ودم لترك طواف الصدر، وإن أراد أن يعود إلى مكة يعود بإحرام جديد بالعمرة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٦٠٨ رقم: ٥١٥٨ زكريا)

ولو ترك كلّه أو أكثره ولا يتحقق الترك إلا بالخروج من مكة؛ لأنه ما دام فيها لم يطالب به ما لم يرد السفر، فعليه شاة إن لم يرجع، وعليه الرجوع حتمًا ليطوف ما لم يجاوز الميقات، وبعده يخير بين إراقة الدم والرجوع بإحرام جديد بعمرة. (غنية الناسك / باب الجنايات ٢٧٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۶/۳/۶ ۱۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آفاقی شخص کا اپنی ذاتی ضرورت سے حدودِ حل میں داخل ہونا؟

سوال (۵۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ہندوستان کا باشندہ مثلاً اپنی کسی ذاتی ضرورت یا کاروباری کام سے جدہ گیا، تو کیا اس پر بھی احرام باندھنا ضروری ہوگا؟ جب کہ اس کا حج یا عمرہ کا ارادہ نہیں ہے؟ اور اگر جدہ پہنچ کر مکہ معظّمہ جانے کا ارادہ بن گیا، تو اب کیا حکم ہے؟ احرام باندھ کر ہی مکہ معظّمہ جائے گا یا بغیر احرام بھی جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آفاقی شخص حدودِ حل میں جانے کا ارادہ کرے، تو اس پر احرام باندھنا لازم نہیں ہے، مثلاً ہندوستان کا کوئی شخص اپنی ضرورت سے جدہ جانا چاہتا ہے، تو اس کے لئے احرام باندھ کر جانے کا حکم نہیں ہے۔ اور اگر آفاقی شخص اپنے کسی کام سے جدہ گیا، پھر وہاں جاکر ارادہ ہوا کہ مکہ معظّمہ بھی حاضری دے دیں، تو اس کے لئے احرام باندھ کر مکہ جانا لازم نہیں؛ بلکہ بلا احرام جاسکتا ہے؛ لیکن اگر عمرہ یا حج کا ارادہ ہو تو احرام باندھنا ہوگا۔

عن طاؤس أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لم يدخل مكة قطُّ إلا محرمًا إلا يومَ فتح مكة. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۲۸/۸ رقم: ۱۳٦۹۷ المجلس العلمي)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: لا يدخل مكة أحدٌ بغير إحرام إلا الحطابون والعمّالون وأصحاب منافعها. (المصنف لابن أبي شيبة ۲۲۷/۸ رقم: ۱۳٦۹۱ المجلس العلمي)

أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجده حل له مجاوزته بلا إحرام.

(درمختار ۴۸۲/۳ زكريا، ومثله في البحر الرائق ۴۹/۳ كراچى، الدر المنتقى ۳۹۳/۱)

ومن جاوز وقته يقصد مكاناً في الحل، ثم بدأ له أن يدخل مكة فله أن يدخلها بلا إحرام. (البحر الرائق ۴۹/۳ كراچى، الفتاوىٰ التاتارخانية ۵۵۳/۳، منحة الخالق

۵۵/۲ زكريا، غنية الناسك ۵۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۹/۱/۱۴۳۶ھ

جدہ اور میقات سے متعلق صاحبِ فتاویٰ کی ایک تحقیق

نوٹ:- موضوع کی مناسبت سے قارئین کے افادہ کے لئے میقات کے بارے میں ضروری معلومات حضرت الاستاذ کی تالیف ''کتاب المسائل'' کے حوالہ سے ذیل میں درج ہیں۔ (مرتب)

میقاتِ زمانی:

حج کے مناسک کی ادائیگی کے لئے شرعاً ایک وقت مقرر ہے، جس کو ''میقاتِ زمانی'' کہا جاتا ہے، یہ شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے ابتدائی دس دن ہیں۔ اس وقت سے پہلے حج کا کوئی عمل مثلاً طوافِ زیارت یا سعی وغیرہ ادا کرنا معتبر نہیں ہے، اور حج کا احرام باندھنا بھی ان مہینوں سے پہلے مکروہِ تحریمی ہے؛ اس لئے شوال کا مہینہ شروع ہونے کے بعد ہی حج کے اعمال کا آغاز کرنا چاہئے۔

وأما الميقات الزماني فأشهر الحج، وهي: شوال وذو القعدة وعشر من ذي الحجة، كما روي عن العبادلة الثلاثة. (غنية الناسك ٤٩، درمختار ٣/٤٧٤ زكريا)

وفائدة التوقيت بها ابتداءً أنه لو فعل شيئاً من أفعال الحج قبلها لا يجزيه.

(غنية الناسك ٤٩، درمختار ٣/٤٧٤، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ١/٢١٦، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٤٨٦)

وحتى لو أحرم به قبلها يكره تحريماً مطلقاً. (غنية الناسك ٤٩، درمختار ٣/٤٧٤ زكريا)

میقاتِ مکانی

جس طرح مناسک حج کی ادائیگی کے لئے وقت متعین ہے، اسی طرح جگہیں بھی متعین ہیں جن کو ''میقاتِ مکانی'' کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے ساری دنیا درج ذیل تین حصوں میں بٹی ہوئی ہے:

وأما الميقات المكاني فيختلف باختلاف الناس فإنهم في حق المواقيت

أصناف ثلاثة: أهل الآفاق وأهل الحل وأهل الحرم. (غنية الناسك ٥٠، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٥٥٠، شامي ٣/ ٤٧٨ زكريا، بدائع الصنائع ٢/ ٣٧١)

(۱) حـــرم:- یہ بیت اللہ شریف کے اردگرد کا مخصوص علاقہ ہے، جس کی تعیین سیدنا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی نشان دہی پر کی تھی، اور اس کے نشانات حکومت کی طرف سے نصب ہیں۔ اس کی مشہور حدود درج ذیل ہیں:

(۱) تنعیم:- یہ طریق المدینۃ المنورہ پر واقع ہے، یہاں اس وقت شاندار ''مسجد عائشہ'' بنی ہوئی ہے، یہ جگہ حرم مکی سے ساڑھے سات کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۲) نخلہ:- یہ طائف اور مکہ کے درمیان حرم مکی سے ۱۳؍ کلومیٹر دور ہے۔

(۳) اضاۃ لبن:- اسے ''عکیشیہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ مسجد حرام سے ۱٦؍ کلومیٹر ہے۔

(۴) جعرانہ:- یہ بھی طائف کی جانب واقع ہے، اور مسجد حرام سے ۲۲؍ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے۔

(۵) حدیبیہ:- جسے ''شمیسیہ'' بھی کہا جاتا ہے، اس کا فاصلہ بھی ۲۲؍ کلومیٹر ہے۔

(٦) جبل عرفات:- اس کو ''ذات السلیم'' بھی کہتے ہیں، اس جانب کا فاصلہ بھی ۲۲؍ کلومیٹر ہے۔ (اطلس السیرۃ النبویہ/ شوقی ابوالخلیل ۲۵۳)

ان حدود کے اندر رہنے والے کو اہل حرم یا مکی کہا جاتا ہے۔

وعلى الحرم علامات منصوبة في جميع جوانبه نصبها إبراهيم الخليل عليه الصلاة والسلام، وكان جبرئيل عليه السلام يريه مواضعها. (شامي ٣/ ٤٨٥ زكريا، غنية الناسك ٥٩)

(۲) حِلّ:- یہ حرم اور خارجی میقات کا درمیانی حصہ ہے، یہاں کے رہنے والوں کو اہل حل یا حلی کہا جاتا ہے، اور ان کے لئے بلا احرام حدود حرم میں جانے کی فی الجملہ اجازت ہے۔ (جب کہ حج یا عمرہ کا قصد نہ ہو)

وهم أهل داخل المواقيت إلى الحرم، والمراد بالداخل غير الخارج الخ، وحل لهم دخول مكة بلا إحرام ما لم يردوا نسكاً. (غنية الناسك ٥٥، ومثله في الدر المختار مع الشامي ٤٨٣/٣ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٥١/٣، الفتاوىٰ الهندية ٢٢١/١)

(۳) **آفاق:-** یہ دنیا کا وہ تمام علاقہ ہے جو میقات سے باہر ہے، یہاں کے رہنے والوں کو ''آفاقی'' کہا جاتا ہے، اور ان کے لئے احرام کے بغیر میقات سے گذرنا ممنوع ہے۔ (جب کہ ان کا حدودِ حرم میں جانے کا ارادہ ہو)

ولا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسک أولا. (الفتاوىٰ الهندية ٢٢١/١، ومثله في الدر المختار مع الشامي ٤٨٢/٣ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٥١/٣)

اہلِ آفاق کی میقات:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ میقاتوں کا تعین ثابت ہے:

(۱) **ذوالحلیفہ:-** یہ اہلِ مدینہ اور وہاں سے گذرنے والوں کے لئے میقات ہے، یہ مدینہ منورہ سے طریق ہجرت پر چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، یہاں ایک شاندار ''مسجدِ میقات'' بنی ہوئی ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں یہیں سے احرام باندھا تھا۔ اس مقام سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۴۱۰ رکلومیٹر ہے۔

(۲) **جُحفہ:-** جو لوگ مصر وشام سے تبوک ہوتے ہوئے مکہ کا سفر کریں، ان کے لئے ''جحفہ'' میقات ہے۔

آج کل یہ جگہ متعین نہیں ہے؛ اس لئے اس کے قریب ''رابغ'' نامی ساحلی قصبہ سے احرام باندھا جاتا ہے، جو طریق بدر پر واقع ہے، اس جگہ سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۱۸۷ رکلومیٹر ہے۔

(۳) **قرن المنازل:-** نجد سے آنے والے لوگوں کے لئے ''قرن المنازل'' میقات ہے، اس مقام کو آج کل ''السیل'' کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ تقریباً

۸۰/کلومیٹر ہے۔

(۴) **یلملم**:- یہ اہل یمن کے لئے میقات ہے، اس کو آج کل ''سعدیہ'' کہا جاتا ہے، یہاں سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ ۱۲۰/کلومیٹر یا اس سے کچھ زائد ہے۔

(۵) **ذات العرق** :- یہ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات ہے، امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اہل عراق کے سوال کے جواب میں اس کے میقات ہونے کی صراحت فرمائی تھی۔ یہاں سے مکہ معظّمہ کی مسافت ۹۰/کلومیٹر ہے۔

نیز بعض روایات میں ''وادیٔ عقیق'' نام کی میقات کا بھی ذکر ہے، جو مدائن کی طرف سے آنے والوں کے لئے میقات قرار دی گئی، یہ جگہ ''ذاتِ عرق'' کے قریب ہے۔

اس کے علاوہ جو لوگ جس جانب سے بھی حرم کے لئے آئیں گے، ان کو مذکورہ مواقیت کی سیدھ سے گذرنے سے پہلے احرام باندھنا لازم ہوگا، خواہ وہ خشکی پر سفر کر رہے ہوں یا ہوائی جہاز سے سفر ہو رہا ہو۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: وقت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأهل المدينة ذا الحليفة ولأهل الشام الجحفة ولأهل نجد قرن المنازل ولأهل اليمن يلملم، فهن لهن ولمن أتى عليهن من غيرهن لمن كان يريد الحج والعمرة، فمن كان دونهن فمهله من أهله، وكذٰلك حتى أهل مكة يهلون منها.

(صحيح البخاري ۱/۲۰٦ وغيره)

أخبرني أبو الزبير أنه سمع جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه تعالىٰ عنه يسئل عن المهل فقال: أحسبه رفع إلى النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم، فقال: مهل أهل المدينة من ذى الحليفة والطريق الاٰخر الجحفة، ومهل أهل العراق من ذات عرق، ومهل أهل نجد من قرن، ومهل أهل اليمن من يلملم. (صحيح مسلم ۱/۳۷۵، نخب الأفكار ٦/۳٦)

عـن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وقّت لأهل الشرق العقيق. (سنن الترمذي ١/ ١٧١، انوار مناسك حاشيه ٢٤١)

عـن أنـس بـن مـالک رضـي اللّٰه عنه أنه سمع النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وقـت لأهـل الـمـدائـن الـعـقيـق، ولأهـل الـبـصرة ذات عرق، ولأهل المدينة ذا الـحليفة، ولأهل الشام الجحفة. (الـطبـراني في المعجم الكبير رقم: ٧٢١، نخب الأفكار ٣٨، حاشيه: أنوار مناسك ٢٤١)

قال العيني في نخب الأفكار: فإن الاٰثار اختلفت فيمن وقّت لأهل العراق ذات عرق، ففي بعضها أن عمر بن الخطاب رضي اللّٰه عنه هو الذي وقت ذٰلک إذ الـعـراق فتـح في زمانه، والصحيح الذي عليه الإثبات أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم هو الذي وقته. وفي صحيح البخاري: أن عمر رضي اللّٰه عنه وقته ورجحه بـعـض أهل العلم بما ذكرناه من أنها فتحت في زمانه، وأنها كانت في حياة النبي صـلى اللّٰه عليه وسلم ذات كفر، وهٰذا الاحتجاج باطل؛ لأن الشام كانت حينئذٍ دار كـفـر، أيضاً بإجماع النقلة. (نـخـب الأفـكـار طبع: الوقف الخيري المدني ديو بند ٦/ ٣٠، وأنظر: الدر المختار ٣/ ٤٧٨ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٢١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٥٥٩)

’’جدہ‘‘ کی حیثیت کیا ہے؟

اس وقت سعودی عرب میں عازمین حج کی آمد کا سب سے بڑا مرکز شہر ’’جدہ‘‘ ہے، جو بحر احمر کے ساحل پر آباد ہے، یہاں نہایت عظیم الشان وسیع وعریض ایئرپورٹ ہے، اور دنیا کی اہم ترین بندرگاہ ہے۔ جدہ سے مکہ معظّمہ کا فاصلہ تقریباً ۸۰؍کلومیٹر ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جدہ حج وعمرہ کے مسائل میں ’’حل‘‘ میں ہے یا ’’آفاق‘‘ میں؟ اگر ’’حل‘‘ میں ہے تو یہ میقات کے اندر ہے یا بجائے خود میقات ہے؟ چوں کہ اس موضوع پر علماء نے بہت زیادہ بحثیں کی ہیں؛ اس لئے تمام مباحث وجزئیات سامنے رکھ کر راقم الحروف نے جو سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ جو شخص آفاق سے ایسے

راستہ سے جدہ پہنچے کہ اس کا گذر کسی عین میقات سے نہ ہو، مثلاً مصر اور سوڈان سے بحری راستہ سے آنے والے لوگ، یا افریقہ اور مغرب وغیرہ سے ہوائی راستہ سے آنے والے حجاج، تو ان کے لئے جدہ اکثر علماء کے نزدیک میقات کے حکم میں ہے؛ لہٰذا وہ جدہ آ کر احرام باندھ سکتے ہیں، پہلے سے احرام باندھنا ان پر لازم نہیں ہے؛ لیکن جو حضرات مذکورہ پانچ متعینہ مواقیت میں سے کسی عین میقات سے گذر کر آئیں، مثلاً مدینہ منورہ سے طریق الہجرۃ سے مکہ معظّمہ جانے والا شخص یقیناً ''ذوالحلیفہ'' سے گذرے گا، جو متعین میقات ہے، اب اگر وہ ذوالحلیفہ سے احرام نہ باندھے؛ بلکہ جدہ آ کر احرام باندھے تو اس کے لئے جدہ میقات نہیں ہے؛ کیوں کہ فقہاء کا اصول ہے کہ: ''عین میقات سے گذرنے والے کے لئے بعد میں محاذات سے گذرنے کا کوئی اعتبار نہیں''، اور جدہ عین میقات نہیں؛ بلکہ محاذات یا مسافت کے اعتبار سے میقات کے حکم میں ہے؛ اس لئے مدینہ سے خشکی کے راستہ سے آنے والے شخص کے لئے جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہوگا؛ لہٰذا اگر وہ جدہ سے احرام باندھے گا تو مذکورہ اصول کے مطابق اس پر دمِ جنایت واجب ہونا چاہئے؛ البتہ مدینہ منورہ سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ آنے والے شخص کا گذر عین میقات ذوالحلیفہ سے نہیں ہوتا؛ بلکہ وہ ''ذوالحلیفہ'' کی محاذات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے؛ لہٰذا ایسی صورت میں اگرچہ اولیٰ یہی ہے کہ پہلی محاذات سے قبل احرام باندھ لیا جائے؛ لیکن دوسری محاذات تک مؤخر کرنے کی بھی گنجائش ہے؛ لہٰذا مدینہ منورہ سے ہوائی سفر کر کے جدہ آ کر احرام باندھنے کی گنجائش ہوگی۔

ہندو پاک اور دیگر مشرقی علاقوں سے جو ہوائی جہاز جدہ جاتے ہیں، ان کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ ''قرن المنازل'' کی عین میقات سے گذرتے ہیں؛ لہٰذا مذکورہ اصول کے تحت ہوائی سفر کرنے والے حجاج کے لئے ''قرن المنازل'' کی میقات سے قبل احرام باندھنا لازم ہے، اور جدہ تک احرام کو مؤخر کرنا جائز نہیں ہے؛ البتہ اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ جہاز کا گذر عین ''قرن المنازل'' سے نہیں ہوا؛ بلکہ اس کی محاذات سے ہوا ہے، تو ایسے لوگوں کے لئے جدہ جا کر بھی احرام باندھنے کی گنجائش ہوسکتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جدہ کلی طور پر مطلق میقات نہیں ہے؛ بلکہ اسے محاذات یا مسافت کے اعتبار سے ہی میقات کے حکم میں رکھا گیا ہے۔ (راقم الحروف نے اس موضوع پر مفتی مدینہ منورہ حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی بلندشہری مہاجر مدنی نور اللہ مرقدہٗ سے ایک طویل گفتگو کی تھی، موصوف کی رائے بھی یہی تھی کہ جو شخص کسی عین میقات سے گذر کر آیا ہو، اس کے لئے کوئی بھی محاذاتی جگہ بشمول جدہ میقات نہیں بن سکتی، اسے کسی نہ کسی عین میقات پر واپس جانا پڑے گا) واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولو لم يمر بها تحرى وأحرم إذا حاذى أحدها وأبعدها أفضل (درمختار) وقال الشامي: كذا في الفتح، ومفاده أن وجوب الإحرام بالمحاذاة إنما يعتبر عند عدم المرور على المواقيت، أما لو مر عليها فلا يجوز له مجاوزة آخر ما يمر عليه منها، وإن كان يحاذي بعده ميقاتاً آخر. (رد المحتار ٣/٤٢٦ بيروت، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ١/٢٢١، البحر الرائق ٢/٥٥٧ زكريا)

تنبيه:- فلو مر بميقات ومحاذاة الثاني لا تعتبر المحاذاة. (غنية الناسك ٥٣)

تنبيه:- فلو كان يمر بواحد منها عيناً فلا تعتبر المحاذاة بعده. (غنية الناسك ٥٤)

وإن لم يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين عرفيتين من مكة كجدة من طرف البحر، فإنها على مرحلتين عرفيتين من مكة وثلاث مراحل شرعية. (غنية الناسك ٥٤، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ١/٢٢١، فتح القدير ٢/٤٢٦، البحر الرائق ٢/٥٥٧ زكريا)

نوٹ:- شہر ''جدہ'' جحفہ (رابغ) اور ''یلملم'' کے درمیان واقع ہے، اب اگر نقشہ کے اعتبار سے جحفہ سے یلملم تک لکیر کھینچی جائے تو یہ لکیر مقام ''بحرہ'' سے گذرتی ہے جو جدہ سے کچھ فاصلہ پر مکہ معظّمہ کے راستہ پر واقع ہے، اس اعتبار سے جدہ ''حل'' سے باہر ہو جاتا ہے، جیسا کہ ''زبدۃ المناسک'' میں حضرت مولانا شیر محمد صاحب سندھیؒ نے ایک نقشہ بنا کر اس کی وضاحت

فرمائی ہے؛ لیکن بہت سے جزئیات سے یہ واضح ہے کہ فقہاء نے جدہ کو ''حل'' کے اندر شمار فرمایا ہے، اور آج تک لوگوں کا عمل بھی اسی پر ہے کہ جدہ کو حل میں داخل سمجھتے ہیں، اور جدہ کے لوگ بے تکلف احرام کے بغیر مکہ معظّمہ آتے جاتے ہیں، اس لئے جدہ کو اقرب المواقیت یعنی ''قرن المنازل'' کے بقدر مسافت (۸۰؍کلومیٹر) پرواقع ہونے کے اعتبار سے حل میں داخل ماننا چاہئے، جو آفاق والوں کے لئے بحکم میقات ہے۔ (مرتب)

أما لو قصد موضعًا من الحل كخليص و جدة حل له مجاوزته بلا إحرام.

(درمختار ٤٢٧/٣ بيروت، درمختار ٤٨٢/٣ زكريا، الدر المنتقى ٣٩٣/١)

و مما يجب التيقظ له سكان جدة الخ، و أهل الأودية القريبة من مكة غالباً يأتون في سادس أو سابع ذي الحجة بلا إحرام، و يحرمون للحج من مكة فعليهم دم المجاوزة لكن بعد توجههم إلى عرفات ينبغي سقوطه عنهم بوصولهم إلى أول الحل ملبيين. (غنية الناسك ٥٧، و مثله في منحة الخالق ٥٥٩/٢ زكريا، شامي ٤٨٤/٣ زكريا)

[اہل علم حضرات ''جدہ'' کے متعلق مزید مباحث کے لئے درج ذیل کتابوں کا مطالعہ فرماسکتے ہیں: (۱) زبدۃ المناسک، مؤلفہ: مولانا شیر محمد سندھی ۵۵-۶۴۔ (۲) احسن الفتاویٰ، مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ ۵۶۶-۵۷۴۔ (۳) انوار مناسک، مؤلفہ: مولانا مفتی شبیر احمد صاحب، ۲۴۴-۲۴۷۔ (۴) فتاویٰ محمودیہ جدید مطبوعہ ڈابھیل، فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہیؒ ۳۷۵-۳۷۹، اس کے حاشیہ میں بھی اچھی بحث ہے۔ (مرتب)]

اہلِ حل کی میقات:

جو لوگ حل میں رہتے ہیں وہ اگر حج وعمرہ کا ارادہ کریں تو ان کے لئے پورا علاقہ حل میقات ہے؛ البتہ اپنی جائے سکونت سے احرام باندھنا ان کے لئے افضل ہے۔

و أما ميقات أهل الحل الخ، فالحل للحج و العمرة و إحرامهم من دويرة أهلهم أفضل. (غنية الناسك ٥٥، ومثله في الدر المختار مع الشامي ٤٨٤/٣ زكريا، البحر الرائق

٢/٥٥٩ زكريا، تبيين الحقائق ٢/٢٤٨)

اہلِ حرم کی میقات:

اہل حرم اگر حج کا ارادہ کریں تو پورا دائرۂ حرم ان کے لئے میقات ہے، اور اگر عمرہ کا ارادہ کریں تو حدودِ حِل مثلاً تنعیم وغیرہ میں جاکر احرام باندھنا ضروری ہوگا۔

وأما ميقات أهل الحرم ......، فالحرم للحج فيحرمون من دورهم ومن المسجد أفضل، وجاز تاخيره إلى آخر الحرم والحل للعمرة، والأفضل إحرامهما من التنعيم من معتمر عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها. (غنية الناسك ٥٧-٥٨، درمختار ٣/٤٨٤ زكريا، البحر الرائق ٢/٥٦٠ زكريا، تبيين الحقائق ٢/٢٤٨)

نوٹ:- جو حجاج حجِ تمتع کا عمرہ کرنے کے بعد مکہ معظّمہ میں مقیم رہتے ہیں، وہ اہل حرم کے حکم میں ہیں؛ لہٰذا وہ حج کا احرام اپنے کمروں سے باندھیں گے، اور مسجدِ حرام میں جاکر احرام کی نیت کریں تو فضیلت زیادہ ہوگی۔

وكذٰلك أي مثل حكم أهل الحرم كل من دخل الحرم من غير العلة، وإن لم ينو الإقامة به كالمفرد بالعمرة والمتمتع أي من أهل الآفاق. (مناسك كبير ٨٣، شامي ٣/٤٨٤ زكريا، البحر الرائق ٢/٥١٩ زكريا)

میقات کی حکمت:

شاہی دربار میں حاضری کے کچھ آداب اور ضوابط ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے احکم الحاکمین رب العالمین کے دربار میں حاضری کے آداب بھی مقرر ہیں۔ میقات کی پابندیاں اسی قبیل سے ہیں کہ جو شخص باہر سے دربارِ خداوندی میں حاضری کے ارادہ سے اندر آئے، اس کے لئے میقات پر پہنچتے ہی احرام کی پابندی لازم ہے، اور احرام کی حالت کمال عاجزی کی حالت ہے، جس میں آدمی اپنی سب شان وشوکت کو اتار کر ایک عاجز بندے کی شکل میں ننگے سر اور کھلے پاؤں حاضر ہوتا

ہے،اس حکم میں امیر غریب، بادشاہ یا رعایا میں کوئی فرق نہیں ہے،اس عالی دربار میں سب کو یکساں انداز میں حاضر ہونے کا حکم ہے۔

ولأن هٰذه بقعة شريفة لها قدر و خطر عند اللّٰه تعالىٰ، فالدخول فيها يقتضي التزام عبادة إظهاراً لشرفها على سائر البقاع. (بدائع الصنائع ۲/ ۳۷۱ زکریا)

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری

۶/ ۳/ ۱۴۳۶ھ

احرام کے مسائل

احرام کی حقیقت کیا ہے؟

سوال (۵۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کسے کہتے ہیں؟ کیا احرام کا مطلب احرام کی چادریں پہننا ہے؟ یا احرام کا مطلب تلبیہ پڑھنا ہے؟ اگر احرام کا مطلب تلبیہ پڑھنا ہے تو جو شخص بولنے پر قادر نہ ہو تو وہ احرام کی نیت سے تلبیہ کس طرح ادا کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام؛ دراصل نیت اور تلبیہ (یا اس کے قائم مقام کوئی ذکر خداوندی) کے اجتماع سے عبارت ہے، یعنی حج یا عمرہ کی نیت کرکے تلبیہ پڑھ لینے سے احرام شروع ہوجاتا ہے، خاص کپڑوں یا ہیئت کا نام احرام نہیں ہے۔ اور گونگا شخص جو بولنے پر قادر نہ ہو اس کے لئے صرف احرام کی نیت کرنا کافی ہے، اس پر زبان ہلانا لازم نہیں ہے۔

الإحرام شرعاً: الدخول في حرمات مخصوصة أي التزامها غير أنه لا يتحقق شرعاً إلا بالنية مع الذكر، والمراد بالذكر التلبية ونحوها. (شامي ۳/ ۴۸۵ زكريا، منحة الخالق ۲/ ۵٦۰ زكريا، فتح القدير ۲/ ۴۲۹)

وكذا لا يشترط أي لصحة الإحرام هيئة أي صورية ولا حالة. (مناسك كبير ۹۴)

ولا يلزم العاجز عن النطق كأخرس وأمي تحريك لسانه. (درمختار)

ونقل الشامي بحثاً: فينبغي أن لا يلزمه في الحج الأولىٰ؛ لأن القراءة فرض

قطعي و التلبية أمر ظني. (شامي ۱۸۱/۲ – ۱۸۲ زکریا)

قال الرافعي: قوله ولكن يحتاج إلى الفرق بين التحريمة و التلبية يظهر أنه على القول بلزوم التحريك في التحريمة يلزمه في التلبية و القراء ة أيضاً، ومقابله عدم اللزوم في الكل وهو المختار. (تقریرات الرافعي ۱۵۹/۲)

قال الحموي في شرح الأشباه: قوله الأخرس يلزمه تحريک اللسان الصحيح أنه لا يجب عليه تحريک اللسان، قال في المحيط: الأخرس و الأمي افتتحا بالنية أجزأهما؛ لأنهما أتيا بأمضى ما في وسعهما، في شرح منية المصلي ولا يجب عليهما تحريک اللسان عندنا و هو الصحيح. (الأشباه والنظائر ۱۸۵ قدیم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کیسا ہو؟

سوال (۶۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کے کپڑے کیسے ہونے چاہئیں؟ کیا احرام کے لئے سفید کپڑا ہی ضروری ہے؟ اگر کسی شخص نے رنگین کپڑوں میں احرام باندھ لیا، تو اس کے بارے میں حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کے احرام کے لئے جن کپڑوں کا استعمال کیا جائے ان میں ازار یعنی لنگی کم از کم ناف سے لے کر گھٹنے تک ہونی چاہئے؛ تاکہ ستر اچھی طرح ڈھک جائے اور رداء یعنی چادر ایسی لمبی ہونی چاہئے جو (اضطباع کے وقت) داہنے کندھے سے نکال کر بائیں کندھے پر سہولت سے آ جائے۔ اور احرام میں مردوں کے لئے سفید کپڑوں کا استعمال افضل ہے۔ اگر کسی نے سفید کے علاوہ کوئی اور دوسرا رنگ مثلاً کالا، لال، پیلا یا ہرا وغیرہ استعمال کرلیا تو

بھی درست ہے، یا رنگین اونی چادر یا رزائی وغیرہ اوڑھ لی تو بھی کوئی حرج نہیں۔

يستحب لبس إزار من السرة إلى الركبة ورداء على ظهره، ويسن أن يدخله تحت يمينه ويلقيه على كتفه الأيسر (درمختار) هٰذا يسمى إضطباعاً وهو مخالف لقول البحر: والرداء على الظهر والكتفين والصدر، وهٰهنا عزاه القهستاني للنهاية، وعزاه في شرح اللباب للبرجندي عن الخزانة، ثم قال: وهو موهم أن الاضطباع يستحب من أول أحوال الإحرام وعليه العوام وليس كذٰلك، فإن محله المسنون قبيل الطواف إلى انتهائه لا غير الخ. (شامي ٤٨٨/٣ زكريا، غنية الناسك ٧١)

أبيضين ككفن الكفاية في العدد والصفة غير مخيطين. (غنية الناسك ٧١، شامي ٤٨٨/٢ زكريا، البحر الرائق ٥٦٢/٢ زكريا، تبيين الحقائق ٢٥٠/٢)

وفي أسودين وكذا في أخضرين وأزرقين وفي مرقعة. (غنية الناسك ٧١، ومثله في الشامي ٤٨٨/٣) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۶ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا اور خوشبو لگانا؟

سوال (۶۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام باندھنے سے پہلے غسل کرنا، کنگھی کرنا، تیل لگانا، بدن اور کپڑوں پر خوشبو لگانے وغیرہ کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام سے پہلے غسل کرنا اور غسل کے بعد بدن میں عطر لگانا مسنون ہے، اور کنگھی کرنا، اسی طرح غسل کرنے کے بعد سر اور داڑھی میں تیل لگانا مستحب

ہے؛ البتہ کپڑوں میں ایسی گاڑھی خوشبو لگانا جس کا اثر بعد تک باقی رہے ناجائز ہے۔ معمولی درجہ کی خوشبو اگرچہ لگا سکتے ہیں؛ لیکن نہ لگانا ہی بہتر ہے

ويسن بعد الغسل أن يستعمل الطيب في بدنه إن كان عنده، وإلاَّ فلا يطلبه. (غنية الناسك ٧٠، ومثله في درمختار مع الشامي ٤٨٨/٣ زكريا، اللباب ١٦٦/١، تبيين الحقائق ٢٥١/٢، البحر الرائق ٥٦٢/٢ زكريا، مجمع الأنهر ٢٦٧/١)

أما الثوب فلا يجوز أن يطيب بما تبقى عينه بعد الإحرام الخ، والأولىٰ أن لا يطيب ثوبه. (غنية الناسك ٧٠، ومثله في البحر الرائق ٥٦٢/٢ زكريا، مجمع الأنهر ٢٦٧/١، الفتاوىٰ الهندية ٢٢٢/١، درمختار مع الشامي ٤٨٨/٣ زكريا)

ويستحب أن يسرّح رأسه عقيب الغسل. (غنية الناسك ٧٠، ومثله في تبيين الحقائق ٢٥١/٢، الدر المنتقى ٢٦٧/١، اللباب ١٦٦/١)

وأن يدهنه بأيّ دهن كان مطيباً كان أو غير مطيبٍ وكذا لحيته. (غنية الناسك ٧٠، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ٤٨٦/٣، الفتاوىٰ الهندية ٢٢٢/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

گرم کپڑے میں احرام باندھنا؟

سوال (۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام گرم کپڑے کا باندھ سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام میں گرم کپڑے کا استعمال بھی درست ہے؛ البتہ رنگ سفید ہو تو بہتر ہے۔

عن أبي الدرداء رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم:

إن أحسن ما زرتم الله به في قبوركم ومساجدكم البياض. (سنن ابن ماجة، اللباس / باب البياض من اللباس ۱۱۸۱/۲ رقم: ۳۵٦۸)

عن سمرة بن جندب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألبسوا ثياب البياض فإنها أطهر وأطيب. (سنن ابن ماجة، اللباس / باب البياض من الثياب ۱۱۸۱/۲ رقم: ۳۵٦۷ اللباس والزينة ۸٦-۸۷)

وكونه أبيض أفضل من غيره. (شامي ٤۸۱/۲ كراچی)

أبيضين ككفن الكفاية في العدد والصفة غير مخيطين. (غنية الناسك ۷۱، شامي ٤۸۸/۲ زكريا، البحر الرائق ٥٦۲/۲ زكريا، تبيين الحقائق ۲٥٠/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۹/۱۱/۱۲ھ

احرام کی لنگی درمیان سے سی کر پہننا؟

سوال (٦۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: یہاں بمبئی حج ہاؤس میں حج کے ایام میں حج وعمرہ کرنے کا اور احرام کا کپڑا باندھنے کا طریقہ بتایا جاتا ہے، اس میں ہم احرام کا کپڑا باندھنے کے لئے بتاتے ہیں کہ یہ دونوں کپڑے بغیر سلے ہوئے ہوں اور اس میں کوئی گانٹھ یا پن وغیرہ نہ لگائی جائے اس میں جو نیچے کا کپڑا باندھا جاتا ہے، سلائی نہ ہونے کی وجہ سے اس کا باندھنا دشوار ہوتا ہے، دوسرے اس میں ستر کے کھلنے کا بھی خطرہ رہتا ہے، اگر درمیان میں ایک سلائی مار کر دونوں کناروں کو جوڑ دیا جائے تو باندھنے میں بھی بڑی سہولت ہوگی اور دوسرے اس میں ستر کے کھلنے کا بھی خطرہ نہیں رہے گا، آیا اس طرح سے نیچے کے کپڑے کو درمیان میں ایک سلائی مارنے سے احرام میں کسی طرح کی کوئی کمی یا نقص تو واقع نہیں ہوگا۔ اس مسئلہ کو واضح فرمادیں تو حاجیوں کے لئے احرام کا کپڑا باندھنے میں اور ستر کے چھپانے میں بڑی سہولت ہوجائے گی۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: افضل یہی ہے کہ احرام کی لنگی بالکل سلی ہوئی نہ ہو؛ لیکن اگر کشفِ عورت کے اندیشہ سے اسے درمیان سے سی کر پہنا جائے تو اس کی بھی گنجائش ہے، اس کی وجہ سے کوئی جنایت لازم نہیں آتی۔ (معلم الحجاج ۱۱۴)

الأفضل أن لا يكون فيه خياطة أصلاً، وإن زرر أحدهما أو خلّله بخلال أو ميل أو عقده بأن ربط طرفه بطرفه الآخر أو شده على نفسه بحبل ونحوه أساء ولا شيء عليه. (غنية الناسك ٧١، شامي ٤٩٩/٣ زكريا، البحر الرائق ٥٦٨/٢ زكريا)

وإن غزر طرفيه في إزاره فلا بأس به. (غنية الناسك ٣٦ قديم)

فخرج ما خيط بعضه ببعض لا بحيث يحيط بالبدن، مثل المرفعة فلا بأس بلبسه. (غنية الناسك ٤٤ قديم، مستفاد: انوار مناسك ١٩٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۱/۱/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ احرام میں مسواک کا حکم

سوال (۶۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسواک ہر حال میں کرنا مسنون ومستحب ہے؛ لہٰذا حالتِ احرام میں مسواک کرنے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه تعالىٰ عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: عشر من الفطرة ...... السواك الخ. (سنن أبي داؤد رقم: ٥٣، صحيح مسلم رقم: ٢٦١)

وقد اختلف العلماء، فقال بعضهم: إنه من سنة الوضوء، وقال آخرون:

إنه من سنة الصلاة، وقال آخرون: إنه من سنة الدين وهو الأقویٰ، نقل ذٰلک عن أبي حنيفة، وفي الهداية: أن الصحيح استحبابه. (بذل المجهود / باب السواك ۱/ ۳۱٤ مركز الشيخ أبي الحسن الندوي أعظم جراه)

فقد قلنا: إن الاستياک عندنا مستحب عند الصلاة، وفی غير وقت الصلاة كما تقدم عن التاتارخانية، وقد حققه الشامي في رد المحتار. (بذل المجهود ۱/ ۳۲۳ جديد)

عن أبي أيوب رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: أربع من سنن المرسلين ...... والسواک الخ. (سنن الترمذي ۱/ ۲۰٦ رقم: ۱۰۸٦)

قال في إمداد الفتاح: وليس السواک من خصائص الوضوء، فإنه يستحب في حالات: منها: تغير الفم والقيام من النوم وإلى الصلاة ودخول البيت والاجتماع بالناس وقراءة القرآن؛ لقول أبي حنيفة: إن السواک من سنن الدين فتستوي فيه الأحوال كلها ......الخ. وفي القهستاني: ولا يختص بالوضوء كما قيل؛ بل سنة على حدة على ما في ظاهر الرواية. وفي حاشية الهداية: أنه مستحب في جميع الأوقات. (شامي، كتاب الطهارة / مطلب في دلالة المفهوم ۱/ ۲۳۳-۲۳٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۱۱/٦ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ احرام میں وضو غسل کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا؟

سوال (٦۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حالتِ احرام میں وضو غسل کے بعد کپڑے سے منہ صاف کرنا کیسا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ احرام میں وضو اور غسل کے بعد تولیہ وغیرہ سے

منہ پوچھنا مکروہ ہے،اس سے احتراز کرنا چاہئے ؛لیکن اس کی وجہ سے جنایت لازم نہیں آتی۔

وتغطية ربع الرأس، أو الوجه كالكل. (درمختار ۵۷۹/۳ زکریا)

ولا يغطي المحرم رأسه ولا وجهه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۵۷۷/۳ زکریا)

إذا غطى رأسه أو وجهه ولو امرأة كلًّا أو بعضاً بمعتاد وهو ما يقصد به التغطية عادة كالقلنسوة والعمامة مخيطاً كان أو غيره ودام عليه زماناً ولو ناسياً أو عامداً عالماً أو جاهلاً مختاراً أو مكرهاً. (غنية الناسك ۲۵٤، كذا في الفتاویٰ الهندية ۲٤۲/۱، البحر الرائق ۱۳/۳ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۰/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام باندھنے کے بعد غسل کی حاجت پیش آ گئی؟

سوال (٦٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر احرام باندھنے کے بعد غسل کی حاجت پیش آئے، تو اس صورت میں کیا کرنا چاہئے؟ کیا ہمیں وہی احرام پہننا ہے یا دوسرا نیا احرام باندھنا چاہئے؟ یا پرانے ہی احرام کو کچھ تھوڑا دھوکر استعمال کرنا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: دوسرا احرام بھی پہن سکتے ہیں اور پہلے والے کو دھوکر بھی پہنا جاسکتا ہے؛ اس لئے کہ اصل مقصود طاہر رہنا ہے، متعین کپڑا مقصود نہیں ہے۔

ومن مستحباته: لبث ثوبين جديدين أو غسيلين. (غنية الناسك ٦٧، البحر الرائق ۳۲۰/۲ کوئٹہ) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۸/۱۴۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں کوّے کو مارنا؟

سوال (٦٧): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حدیث شریف میں احرام کی حالت میں کوّے کو مارنے کی اجازت ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کواچوں کہ شاطر اور موذی قسم کا جانور ہے اور جس زمانہ میں جانوروں پر سفر ہوتا تھا، تو کوّے اونٹنی وغیرہ کے بدن پر جو زخم ہو جاتے تھے، ان کو نوچ کھانے کے لئے جھپٹتے تھے، اس طرح قافلہ والوں کو پریشان کرتے تھے، بریں بنا ان کووں کو مارنے پر کوئی جزاء واجب نہیں کی گئی۔ (مستفاد: احسن الفتاویٰ ۷/۴۴۷)

قال عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قالت حفصة: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: خمس من الدواب لاحرج على من قتلهن: الغراب والحدأة والفارة والعقرب، والكلب العقور. (صحيح البخاري ١/٢٤٦ رقم: ١٨٢٩، فتح الباري ٤٢/٥ دار الكتب العلمية بيروت، صحيح مسلم ١/٣٨١، سنن الترمذي ١/١٧١)

فالغراب ينقر ظهر البعير، وينزع عينه إذا كان مسيراً، ويختلس أطعمة الناس. (عمدة القاري ١٠/١٨٣)

ولا شيء بقتل غراب. (درمختار / باب الجنايات ٣/٦٠٧ زكريا)

وليس في قتل الغراب ...... جزاء لقوله عليه السلام: خمس من الفواسق يقتلن في الحل والحرم ...... وقال: يقتل المحرم الفارة والغراب الخ. (هداية ١/٢٨٢)

واستثنى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الخمس الفواسق ...... والغراب فإنها مبتديات بالأذى، والمراد به الغراب الذي يأكل الجيف هو المروي عن أبي يوسف. (هداية ١/٢٧٧، فتح القدير ٣/٨٢ دار الفكر بيروت)

إنما أمر بقتل الغراب في الحرم؛ لأنه يقع على دبر البعير. (الفتاوى التاتارخانية ۵۷۰/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سیدھے مدینہ منورہ جانے والا شخص احرام کہاں سے باندھے؟

سوال (۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کچھ حاجیوں کو حج سے پہلے ہی مدینہ بھیج دیا جاتا ہے، کیا ایسا حاجی بھی احرام باندھ کر جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ہندوستان سے سیدھا مدینہ جانے کا ارادہ کرے، اس کے لئے یہاں سے احرام باندھنا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ جب مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ جائے گا تو میقات (ذوالحلیفہ) سے احرام باندھے گا۔

وجاز تقديمه أي الإحرام وعليها أي المواقيت لا تأخيره عنها لقاصد متعلق بقوله جاز، دخول مكة ولو لحاجة أي للحج أو للعمرة أو لحاجة أخرىٰ، قيد بقصد الدخول؛ لأنه لو لم يقصد ذٰلک ليس عليه أن يحرم (غرر الأحكام) قوله: قيّد بقصد الدخول؛ لأنه لو لم يقصد ذٰلک ليس عليه أن يحرم، أي بأن قصد الآفاقي موضعاً من الحل داخل الميقات كخليص وجُدَّةَ، فإذا حل به التحق بأهله، فله أن يدخل مكة بلا إحرام. (درر الحكام شرح غرر الأحكام / تقديم الإحرام على المواقيت ۲۱۸/۱ المكتبة الشاملة، مجمع الأنهر ۳۰۳/۱ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ومن جاوز وقته يقصد مكاناً في الحل، ثم بدا له أن يدخل مكة فله أن يدخلها بغير إحرام. (البحر الرائق / باب مجاوزة الميقات بغير إحرام ۴۹/۳ کراچی)

أما لو قصد موضعا من الحل كخليص وجدة حل له مجاوزته بلا إحرام.

(در مختار ۲/۳ ٤٨٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۵/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ احرام میں عورت کے لئے سفید کپڑا پہننا

سوال (٦٩): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عورت کے لئے احرام کی حالت میں کسی طرح کے لباس کی ممانعت ہے؟ ہمارے یہاں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ عورت سفید کپڑے نہیں پہن سکتی، مکروہ ہے، ایسے ہی عورت سفید کپڑے پہن کر حج کو نہ جائے؛ بلکہ رنگین کپڑے پہنے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا عورت کو سفید کپڑا پہننا ممنوع یا مکروہ ہے؟ یا حج کو جاتے وقت اگر کوئی عورت سفید کپڑے پہن لے تو کوئی حرج ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت حالتِ احرام میں کسی بھی رنگ کا کپڑا پہن سکتی ہے، اس کے لئے سفید یا کسی بھی رنگ کی تخصیص نہیں ہے؛ البتہ خوشبو میں رنگا ہوا کپڑا پہننا منع ہے۔

عن ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما عن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم أن رجلاً سأله ما یلبس المحرم؟ فقال: لا یلبس القمیص ولا العمامة ولا السراویل ولا البرنس ولا ثوباً مسه الورس أو الزعفران. (صحیح البخاري ۲٥/۱ رقم: ١٣٤)

وتلبس من المخیط ما بدا لها کالروع والقمیص الخ، ولکن لاتلبس الحریر والمزعفر والمعصفر. (کذا في غنیة الناسك ٩٤)

ولو لبس مصبوغاً بعصفر أو ورس أو زعفران مشبعاً یوماً فعلیه دم وفي أقله صدقة. (مناسك ملا علي القاري ٣٢٠، غنیة الناسك ٢٤٥، بدائع الصنائع ٤١٥/٢ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا حالتِ احرام میں میک اَپ کر کے اِدھر اُدھر گھومنا؟

سوال (۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری بعض بہنیں احرام کی حالت میں بھی میک اَپ کرتی ہیں اور غیر مردوں سے چہرہ چھپائے بغیر اِدھر اُدھر گھومتی ہیں، شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورتوں پر احرام کی حالت میں پردہ اسی طرح لازم ہوتا ہے جیسا کہ غیر احرام میں لازم ہے، اس لئے احرام میں بے پردہ رہنا جائز نہیں، نیز عورت کا احرام میں میک اَپ کرنا بھی درست نہیں ہے، میک اَپ میں عموماً خوشبودار اَشیاء استعمال ہوتی ہیں، مثلاً کریم، پاؤڈر وغیرہ، اس سے جنایت لازم آتی ہے، اور بہت سی صورتوں میں دم واجب ہوجاتا ہے، اس لئے خواتین کو بحالتِ احرام ایسی چیزوں سے بچنا لازم ہے۔

أخرج الطبراني عن عائشة رضي اللّٰه عنها حديثا طويلاً طرفه: وما من امرأة تنزع خمارها في غير بيت زوجها إلا كشفت الستر فيما بينها وبين ربها.

(المعجم الأوسط ۲۷۹/۲ رقم: ۳۲۸۶)

عن أبي الأحوص قال: قال عبد اللّٰه: المرأة عورة وأقرب ما تكون من ربها إذا كانت في قعر بيتها، فإذا خرجت استشرفها الشيطان. (المصنف لابن أبي شيبة ۳۸٤/۲ رقم: ۷٦۹۸، سنن الترمذي رقم: ۱۱۷۳، مسند البزار ٤۲۷/٥ رقم: ۲۰٦۱، صحيح ابن خزيمة ۹۳/۳ رقم: ۱٥۸٥، صحيح ابن حبان ٤۱۲/۱۲ رقم: ٥٥۹۸ الشاملة)

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تطيبي وأنت محرمة ولا تمسي الحناء فإنه طيب. (المعجم الكبير للطبراني ٤۱۸/۲۳ رقم: ۱۰۱۲، معرفة السنن والآثار ۲٦/٤ رقم: ۲۸٦۱، نصب الراية، الحج / باب الجنايات ۱۲٤/۳)

والإسلام قد حرم على المرأة أن تكشف شيئاً من عورتها أمام الأجانب

خشية الفتنة. (روائع البيان ٢/ ١٦٢، بحواله: فتاویٰ محمودیہ ٨/ ٢٩٥ میرٹھ)

ثـم اعـلـم أن المحرم رجلاً كان أو امرأة ممنوع عن استعمال الطيب، فإن طيب محرم بالغ عضواً كاملاً فعليه دم، فإن طيب أقل من عضو تجب الصدقة هو الصحيح. (البحر العميق ٢/ ٨٢٨)

والمحرم رجلاً كان أو امرأة ممنوع من استعمال الطيب، فإذا طيب عضواً كاملاً فعليه دم، وفي أقله صدقة أي في الصحيح. (مناسك ملا علی القاري ٣١٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں عورت کا زیور اور چوڑیاں پہننا؟

سوال (۷۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے یہاں اہل علم کے گھرانے کی عورتوں کا کہنا ہے کہ اور ممکن ہے کہ اہل علم نے عورتوں کو بتایا ہو کہ عورت جب حج کو جائے تو احرام کی حالت میں ناک سے لونگ کانوں سے بالی اور بندے، پاؤں سے پٹی یا پازیب، ہاتھوں سے کنگن یا چوڑی وغیرہ اور انگلیوں سے انگوٹھی یہ سب چیزیں احرام کی حالت میں نکال دینا چاہئے، اور عورت کو احرام میں ایسا ہو جانا چاہئے جیسے کہ میت کفن پہنے ہو۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا مذکورہ چیزیں احرام میں ممنوع ہیں، اور اہل علم کی گھرانے کی عورتوں کا یہ کہنا صحیح ہے، یا عورت حج کو جاتے وقت یا احرام کی حالت میں سب چیزیں پہن سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام کی حالت میں عورت کے لئے زیورات اور چوڑیاں وغیرہ پہننے کی اجازت ہے، جن عورتوں نے اس کے خلاف مسئلہ بتایا ہے وہ غلط ہے۔

عن صفية بنت شيبة أنها قالت: كنت عند عائشة إذ جاء تها امرأة من

نسـاء بـني عبـد الـدار، يقال لها: تملک، فقالت لها: يا أمير المؤمنين إن ابنتي فـلانة حـلـفـت أن لا تـلبـس حـليهـا فـي الموسم، فقالت عائشة: قولي لها إن أم الـمـؤمـنين تقسم عليک إلا لبست حليک كله. (السنـن الكبرىٰ للبيهقي ٨٤/٥ رقم: ٩٠٧٨ دار الكتب العلمية بيروت، كذا في المصنف لابن أبي شيبة ٤٠٧/٨ رقم: ١٤٤١٣)

عن عبيد اللّٰه بن عمر عن نافع أن نساء عبد اللّٰه بن عمر وبناته كنَّ يلبسن الحلي وهنَّ محرمات. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٠٧/٨ رقم: ١٤٤١٤ المجلس العلمي)

وتلبس الحرير والذهب وتتحلى بالحلي ما شاءت. (غنية الناسك ٩٤)

ولا بـأس لهـا أن تـلبس الحرير والذهب، وتتحلى بأي حلية شاءت عند عـامة العلماء. وعن عطاء أنه كره ذٰلک، والصحيح قول العامة لما روي أن ابن عمر رضـي اللّٰه عنهما كان يلبس نساءهٗ الذهب والحرير؛ ولأن لبس هٰذه الأشياء من باب التزين والمحرم غير ممنوع من الزينة. (بدائع الصنائع ٤١٠/٢ نعيمية ديوبند)

ويـجـوز لـلمحرمة أن تلبس الحرير والحلي، كذا في الكرخي. (الجوهرة النيرة ١٥٢/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حجِ افراد میں مناسک حج کی ادائیگی سے پہلے احرام کھولنا جائز نہیں

سـوال (۷۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے افراد کا احرام باندھا، اب معلم حج سے پہلے ہی مدینہ منورہ بھیجتا ہے، تو کیا حالتِ احرام ہی میں مدینہ منورہ آئے گا یا احرام کھول کر جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الـجـواب وبـالـلّٰه الـتـوفـيـق: جب کہ احرام باندھتے وقت افراد کی نیت کی ہے تو

جب تک مناسک حج ادا نہ کرے احرام کھولنا جائز نہیں ہے؛ لہٰذا مسئولہ صورت میں مدینہ منورہ کے سفر اور وہاں قیام کے دوران زید کا احرام بدستور بندھا رہے گا، اور دس ذی الحجہ کو منی میں جمرۂ عقبہ کی رمی کے بعد ہی زید احرام سے باہر آئے گا۔

قال في المبسوط: والإفراد بالحج أن يحج أولاً ثم يعتمر بعد الفراغ من الحج أو يؤدي كل نسک في سفر على حدة أو يكون أداء العمرة في غير أشهر الحج. (غنية الناسك ۲۱۱)

والثاني أنه إذا أتم الإحرام بحج أو عمرة لايخرج عنه إلا بعمل ما أحرم به.
(درمختار ۲/۴۸۰ کراچی، ۳/۴۸۶ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۱ھ

اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے بعد ذوالحلیفہ سے حج افراد کا احرام باندھنا؟

سوال (۷۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج افراد کا ارادہ ہے، ہندوستان سے عمرہ کا احرام باندھا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کیا، حج سے پہلے مدینہ منورہ چلا گیا، اب مدینہ منورہ کی واپسی پر ذوالحلیفہ ہے، اور وہاں سے حج افراد ہی کا احرام باندھنا ہے، تو اس کے لئے افراد کا احرام باندھنا صحیح ہوگا یا نہیں؟ کیوں کہ پہلی میقات یلملم ہے، دوسری میقات ذوالحلیفہ ہے؛ لہٰذا حج کے احرام کے سلسلہ میں پہلی میقات کا اعتبار ہوگا یا دوسری میقات کا اعتبار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگرچہ ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے وقت حج افراد کی نیت کی ہو پھر بھی یہ حج تمتع ہوجائے گا؛ کیوں کہ اشہرِ حج میں عمرہ کرکے وہ مدینہ منورہ گیا ہے، پس المام تام نہیں پایا گیا؛ لہٰذا اس کا تمتع مدینہ منورہ کے سفر سے باطل نہ ہوگا۔

عن عبد اللّٰہ بن عمر رضي اللّٰہ عنهما أنه كان يقول: من اعتمر في أشهر الحج في شوال أو ذي القعدة أو في ذي الحجة قبل الحج، ثم أقام بمكة، حتى يدركه الحج فهو متمتع إن حج، وعليه ما استيسر من الهدى، فإن لم يجد فصيام ثلاثة أيام في الحج وسبعة إذا رجع. (المؤطا لإمام مالك، الحج / باب ما جاء في التمتع ٢٤١ رقم: ٦٢)

أن المتمتع هو الذي اعتمر في أشهر الحج وحج من عامه ذٰلک في سفر واحد ولا يلم بأهله فيما بينهما إلماماً صحيحًا. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٢١/٣ رقم: ٥١٩١ زكريا)

التمتع هو أن يفعل العمرة أو أكثر أشواطها في أشهر الحج. (تنوير الأبصار على الدر ٥٣٥/٢ کراچی، ٥٦١/٣ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۳/۳/۱۴۱۱ھ

متمتع شخص عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا؟

سوال (۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: راقم الحروف کے برادرخورد حج ٹور کے مہتمم ہیں، ہوتا یہ ہے کہ موسم حج کے ابتدائی دنوں میں یہ اپنا ٹور لے کر وطن سے پرواز کرجاتے ہیں، میقات سے احرام باندھ کر حج تمتع وعمرہ کی نیت کرتے ہیں، مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد عمرہ کی ادائے گی پوری کرکے احرام کھول دیتے ہیں، اور ۲۰، ۲۲ روز مقیم مکہ رہ کر حج سے ۱۲ یا ۱۳ روز قبل مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہوجاتے ہیں، حج سے دو روز قبل ان کی واپسی حج کے مدینہ سے بجانب مکہ ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ:

(۱) اس وقت مدینہ کی میقات ذوالحلیفہ سے جو احرام باندھا جائے گا، کیا حج قران کی نیت سے احرام باندھا جاسکتا ہے، کیا اس طرح سے حج قران ممکن ہوسکتا ہے، اور اس کی فضیلتیں حاصل ہوسکتی ہیں؟

(۲) کیا ہم وطن سے روانگی کے قت میقات پر صرف عمرہ کی نیت کریں مکہ پہنچ کر عمرہ ادا

کر کے احرام کھول دیں، اور مدینہ سے واپسی کے بعد ذوالحلیفہ کی میقات سے حج قران کی نیت کر کے احرام باندھیں تو حج قران ہوگا یا نہیں؟

فی الحال ہم یہ کرتے ہیں کہ ذوالحلیفہ سے عمرہ کی نیت کر کے مکہ آتے ہیں، عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول دیتے ہیں، اور ۷/ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر منی کے لئے روانہ ہوجاتے ہیں، ازراہ لطف وعنایت مذکورہ بالاسوالات کے قرآن وحدیث کی روشنی میں مفصل جوابات عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مذکورہ صورت میں جو آفاقی شخص اشہر حج میں عمرہ کرنے کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا اس کو وہاں سے لوٹتے وقت قران کا احرام باندھنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور اگر اس نے ذوالحلیفہ سے قران کا احرام باندھ ہی لیا تو اس پر لازم ہے کہ عمرہ کا احرام فسخ کر کے دم جنایت ادا کرے، اگر عمرہ کا احرام فسخ نہیں کیا اور آکر دوبارہ عمرہ کرلیا تو بھی دم جنایت واجب ہوگا، اور بہرصورت وہ قارن نہیں ہوگا؛ بلکہ متمتع ہی کہلائے گا، اور تمتع کا دم شکر اس پر واجب رہے گا، اس مسئلہ میں گوکہ صاحبین کا اختلاف ہے؛ لیکن فتوی امام صاحب کے قول پر ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسئولہ صورت میں مدینہ سے واپسی کے وقت عمرہ کا احرام باندھ کر آئے، جیسا کہ آپ نے اپنا معمول لکھا ہے، اس صورت میں امام صاحب اور صاحبینؒ کے نزدیک بالاتفاق تمتع درست رہتا ہے، اور کوئی دم جنایت واجب نہیں۔

وكذا لو خرج إلى الآفاق لحاجة، فقرن لايكون قارنا عند أبي حنيفة رحمه الله، وعليه رفض أحدهما، ولا يبطل تمتعة؛ لأن الأصل عنده أن الخروج في أشهر الحج إلى غير أهله فالإقامة بمكة فكأنه لم يخرج، وقرن من مكة الخ.

(غنية قديم/ ۱۱۵، مستفاد: انوار مناسك/ ۳۰۹، زبدة المناسك/ ۳۰۹)

ولو عاد بعد ما حلّ من عمرته إلى غير أهله في موضع لأهله التمتع والقران وحج من عامه ذٰلک كان متمتعاً عند أبي حنيفة وصار كأنه لم يخرج

من مكة وعندهما لا يكون متمتعاً ويكون لحوقه بهٰذا الموضع كلحوقه بأهله.
(الجوهرة النيرة ١/٢٠٦، غنية الناسك ٢١٣ جديد)

أما إذا رجع إلى غير بلده كان متمتعًا عند أبي حنيفة ويكون كأنه لم يخرج من مكة، وعندهما لا يكون متمتعاً ويكون كأنه رجع إلى بلده ولا فرق عندهما بين أن ينوي الإقامة في غير بلده خمسة عشر يومًا أو لم ينو. (الجوهرة النيرة ١/٢٠٥)

كوفي قدم العمرة في أشهر الحج ففرغ منها وحلق أو قصر ثم اتخذ بمكة أو البصرة داراً ثم حج من عامه فهو متمتع، اعلم بأن هٰذه المسألة على أربعة أوجه: ...... الوجه الثالث: إذا خرج من المواقيت وعاد إلى أهله ثم حج من عامه ذٰلک، وفي هٰذا الوجه هو ليس بمتمتع. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٦٢٩ رقم: ٥٢٠٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

متمتع شخص عمرہ کا احرام باندھ کر ۷-۸/ ذی الحجہ کو مکہ پہنچا؟

سوال (۷۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی نے حج تمتع کی نیت سے احرام باندھا اور وہ مکہ ۷-۸/ ذی الحجہ کو پہنچے، تو وہ عمرہ کا احرام کس طرح کھولے؟ اور پھر اس عمرہ کی قضاء ہوگی یا نہیں؟ عمرہ کے احرام سے نکلنے کی کیا صورت ہوگی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی متمتع شخص عمرہ کا احرام باندھ کر ۷-۸/ ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ پہنچا، تو اس پر اولاً عمرہ کرنا لازم ہے، عمرہ کے اعمال سے فارغ ہوکر حلق کرائے، پھر حج کا احرام باندھ کر منی اور عرفات جائے؛ البتہ اگر متمتع شخص ایسے وقت مکہ معظّمہ پہنچا کہ اگر عمرہ میں

مشغول ہوگا تو وقوفِ عرفہ چھوٹ جائے گا، مثلاً عین ۹ رذی الحجہ کو پہنچا، تو اس پر لازم ہے کہ عمرہ کا احرام فسخ کردے، اور حج کا احرام باندھ لے، بعد میں ایک دم دے اور عمرہ کی قضا کرلے۔

أن المتمتع هو الذي اعتمر في أشهر الحج وحج من عامه ذٰلک في سفر واحد ولا یلم بأهله فیما بینهما إلماماً صحیحًا. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۶۲۱/۳ رقم: ۵۱۹۱ زکریا)

ویتحلل منها أي من العمرة إن شاء بالحلق، أو بالتقصیر. (مجمع الأنهر، کتاب الحج / باب القران والتمتع ۲۸۹/۱ دار إحیاء التراث العربي)

ولم یأخذ أبو حنیفة أیضا بذلک؛ لأنها کانت عنده رافضة لعمرتها، والرافضة عنده علیها دم للرفض وعلیها عمرة. (عمدة القاري ۱۲۳/۱۰ بیروت، ۴۲۲/۱۰ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۵/۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنایاتِ احرام

بھول چوک یا ناواقفیت کی وجہ سے جنایت کا ارتکاب کرنا

سوال (۷۶):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص سے لاعلمی اور مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی امر ممنوع صادر ہوگیا، یا بھول چوک سے کوئی جنایت کر بیٹھا، اور ممنوعاتِ احرام میں سے کسی امر کا ارتکاب کرلیا، تو اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ آیا اس پر کوئی کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بھول چوک یا مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کوئی جنایت ہوجائے، مثلاً بھول کر خوشبو لگالی تو بھی کفارہ واجب ہوگا۔

عن أم سلمة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تطيبي وأنت محرمة، ولا تمسي الحناء فإنه طيب. (المعجم الكبير للطبراني ۲۳/ ۴۱۸ رقم: ۱۰۱۲، معرفة السنن والآثار، المناسك / باب لبس المعصفرات ۴/ ۲۶ رقم: ۲۸۶۱، نصب الراية، الحج / باب الجنايات ۳/ ۱۲۴)

ثم لا فرق في وجوب الجزاء فيما اذا جنى عامداً او خاطئاً الخ او ناسياً أو جاهلاً بالمسئلة. (مناسك ملا علي القاري ۲۹۹)

الواجب دم على محرم بالغٍ ولو ناسيا أو جاهلاً أو مكرهاً، إن طيب عضوًا كاملاً ولو فمه بأكل طيب كثير أو ما يبلغ عضواً لو جمع. (درمختار ۳/ ۵۷۲ - ۵۷۳

زكريا، منحة الخالق ٣/٣ كوئٹه، البحر الرائق ٧/٣، حاشية الطحطاوي ١ ٧٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جان بوجھ کر جنایت کا ارتکاب کرنا؟

سوال (۷۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے جان بوجھ کر جنایت کا ارتکاب کرلیا تو کیا محض فدیہ دینے کی وجہ سے اس کا ذمہ ساقط ہوجائے گا، یا وہ جان بوجھ کر جنایت کا ارتکاب کرنے کی وجہ سے گنہگار بھی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر محرم نے جان بوجھ کر جنایت کی ہے تو گنہگار ہوگا اور محض فدیہ کی وجہ سے وہ گناہ معاف نہیں ہوگا؛ بلکہ توبہ اور استغفار ضروری ہے۔ آج کل بہت سے مال دار سہولت پسند لوگ بلا کسی خاص عذر کے جان بوجھ کر جنایت کے مرتکب ہوتے ہیں، اور پھر دم جنایت دے کر سمجھتے ہیں کہ ہماری ذمہ داری پوری ہوگئی، تو یہ بڑی جہالت اور جسارت کی بات ہے، ایسی غلطی کرکے اپنے حج کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

وذكر ابن جماعة عن الائمة الاربعة انه ان ارتكب محظور الاحرام عامداً يأثم ولا تخرجه الفدية والعزم عليها عن كونه عاصياً. (مناسك ملا علي القاريؒ ٢٩٨، شامي ٥٧٢/٣ زكريا، غنية الناسك ٢٤٢)

قال النووي: وربما ارتكب بعض العامة شيئاً من هٰذه المحرمات، وقال: انا افدى متوهما انه بالتزام الفداء يتخلص من وبال المعصية وذٰلک خطأ صريح وجهل قبيح. (مناسك ملا علي القاري ٢٩٨، شامي ٥٧٢/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا وجوبِ دم کیلئے جنایت کا ۱۲؍ گھنٹے تک پایا جانا شرط ہے؟

سوال (۷۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے آپ کی کتاب ''کتاب المسائل ۳؍۱۵۱'' حج کی جنایات کے بیان میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ جو شخص دن یا رات میں کسی جنایت کا مرتکب ہو تو اس پر دم لازم ہے اور پھر آپ نے بریکٹ میں بارہ گھنٹے کا ذکر کیا ہے، تو احقر کا سوال یہ ہے کہ دن ورات میں گھنٹوں کے اعتبار سے فرق ہوتا رہتا ہے کبھی دن بڑا ہوتا ہے اور رات چھوٹی ہوتی ہے اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے، تو کیا ایسی صورت میں میں بارہ گھنٹے کی تحدید درست ہوگی؟ یہ کہاں سے ماخوذ ہے؟ وضاحت فرمائیں کہ اگر نو گھنٹے کے دن یا رات ہوں تو بھی بارہ گھنٹے کی تحدید ہوگی یا اصل دن ورات کے گھنٹوں کا اعتبار ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''کتاب المسائل'' میں دم جنایت کے وجوب کے لئے ۱۲؍ گھنٹے کی قید لگانے میں احقر سے تسامح ہوا ہے، اصل مسئلہ یہ ہے کہ دم جنایت کا مدار ۱۲؍ گھنٹے پر نہیں ہے؛ بلکہ ایک کامل دن یا ایک کامل رات جنایت کے پائے جانے پر ہے، پس اگر کسی زمانے میں ۱۰؍ گھنٹے کی رات ہو رہی ہو اور پوری رات جنایت پائی گئی، تو دم واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر دن کے گھنٹوں میں کمی بیشی ہو اس کا بھی اعتبار کیا جائے گا؛ البتہ اگر درمیان دن یا درمیان رات سے جنایت شروع ہوئی، تو پھر اس میں ۱۲؍ گھنٹے معتبر ہوں گے؛ لہٰذا معلوم ہوا کہ بارہ گھنٹے کی تحدید ہر صورت پر صادق نہیں آتی؛ بلکہ بعض صورتوں کے ساتھ خاص ہے اور اس کو مطلق معیار بنانا درست نہ ہوگا، آپ کے توجہ دلانے پر احقر مشکور ہے، آئندہ اشاعت میں مذکورہ عبارت سے بارہ گھنٹے کی تحدید حذف کردی جائے گی۔ **جزاکم اللّٰہ أحسن الجزاء**۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۴؍۱۶۰، فتاویٰ حقانیہ ۴؍۲۶۵)

أو لبى مخيطا أو ستر رأسه يوما كاملا أو ليلة كاملة. (درمختار) وتحته في الشامي: الظاهر أن المراد مقدار أحدهما فلو لبس من نصف النهار إلى نصف الليل من غير انفصال أو بالعكس لزمه دم، كما يشير إليه قوله: وفي الأقل صدقة. (درمختار مع الشامي ۳/۵۷۷ زکریا)

أو زرَّ عليه طيلسانا يومًا كاملا فعليه دم لوجود الارتفاق الكامل بلبس المخيط إذا المزرر مخيط. (بدائع الصنائع / محظورات الإحرام ۲/ ٤١١ زكريا)

وإن لبس ثوبا مخيطا أو غطى رأسه يوما كاملا فعليه دم. (هداية ۱/ ۲۸۹)

وكذا لزمه دم لو لبس ثوباً مخيطا على وجه المعتاد يوما كاملا أو ليلة كاملة؛ لأن الارتفاق الكامل الحاصل في اليوم حاصل في الليلة. (مجمع الأنهر ۱/ ٤٣١، عناية مع فتح القدير ۳/ ۲٦-۲۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۰/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک محرم کا دوسرے محرم کو کپڑا پہنا دینا؟

سوال (۷۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی محرم نے دوسرے محرم کے کپڑوں پر مذاق میں یا زبردستی خوشبو لگادی، یا اس کے سر پر ٹوپی لگادی، یا اس کو جوتا یا خفین پہنایا، جس سے اس کے ٹخنے ڈھک گئے، تو ایسی صورت میں جزاء لازم ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کس پر ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ایک محرم شخص نے دوسرے محرم یا غیر محرم شخص کو سلا ہوا کپڑا پہنایا، یا خوشبو لگائی یا اس کے سر اور چہرے کو ڈھانک دیا تو ڈھانکنے والے محرم پر کوئی جزاء واجب نہیں؛ البتہ جس کو کپڑا پہنایا ہے اور خوشبو لگائی ہے اس پر جزاء واجب ہوگی۔

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قام رجل فقال يا رسول اللّٰه! ما ذا تأمرون أن نلبس من الثياب في الإحرام، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تلبسوا القميص والسراويلات ولا العمائم ولا البرانس الخ. (صحيح البخاري ۱/ ۲٤۸ رقم: ۱۸۳۸، صحيح مسلم ۱/ ۳۷۲ رقم: ۱۱۷۷)

وليس على الفاعل المحرم في ذٰلك شيءٌ. (مناسك ملا علي القاري ٣٣٤، غنية

الناسک ۲٤۱، منحة الخالق ۱٦/۳، البحر الرائق ۷/۳ زکریا، الفتاویٰ الهندیة ۲٤۳/۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محرم کے لئے خوشبودار تیل وغیرہ لگانا؟

سوال (۸۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں خوشبودار تیل، کریم، شیمپو اور خوشبو دار صابن استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز استعمال کرلی تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام کی حالت میں مذکورہ چیزوں کا استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اگر کسی شخص نے خوشبودار کریم، تیل یا شیمپو اور صابن وغیرہ بدن پر لگالی، اور ایک مکمل عضو پر یا بار بار اس کا استعمال کیا، تو اس کے اوپر جزا کے طور پر ایک دم واجب ہوگا، اور اگر تیل کریم وغیرہ پورے عضو پر نہیں لگایا، یا صابن سے صرف ایک بار ہاتھ یا سر وغیرہ دھویا، تو صرف صدقہ واجب ہوگا؛ البتہ احرام کی حالت میں بغیر خوشبو کے صابن کے استعمال سے کوئی جزاء لازم نہیں ہوتی۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه تعالیٰ عنهما أنه کره شم الریحان للمحرم. (معرفة السنن والآثار للبیهقي ۲۲/٤ رقم: ۲۸۵۲، السنن الکبریٰ للبیهقي ۱۲۵/۷ رقم: ۹۱۸۷ بیروت)

وأما المطیب منهما وهو ما ألقی فیه الأنوار کدهن البنفسج والیاسمین والورد والبان والخیری وما أشبه ذٰلک، فإذا ادهن به عضواً کبیراً کاملاً فعلیه دم بالاجماع؛ لانه طیب، وفی الاقل منه صدقة. (غنیة الناسک ۲٤۸-۲٤۹)

ولو غسل رأسه او یده باشنان فیه الطیب فان کان من راٰه سماه اشناناً فعلیه صدقة الا ان یغسل مراراً فدم. (غنیة الناسک ۲٤۹)

هشام عن محمد لو غسل المحرم یده بأشنان فیه طیب، فإن کان إذا نظروا إلیه قالوا: هٰذا أشنان، ففیه الصدقة، وإن قالوا: هو طیب فعلیه الدم.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۵۹۲/۳ رقم: ۵۱۱۵ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۲٤۱/۱، فتح القدير ۲۸/۳ بيروت، خانية ۲۸۹/۱، شامي ۵۷۷/۳ زكريا)

ولو غسل رأسه بالحرض والصابون والسدر ونحوه الى مما لا رائحة فيه لا شيء عليه اى بالاجماع. (مناسك ملا علی قاری ۳۲۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

محرم کے لئے کس قسم کا کپڑا استعمال کرنا ممنوع ہے؟

سوال (۸۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں سلا ہوا کپڑا پہننے پر وجوبِ جزا کی کیا تفصیل ہے؟ اگر کسی شخص نے سلا ہوا کپڑا پہن کر فوراً اتار دیا تو کیا اس پر بھی دم واجب ہوگا؟ نیز کس طرح کا کپڑا پہننے پر دم واجب ہوگا؟ اگر کسی نے صرف ''نیکر'' سلا ہوا پہنا؛ تاکہ ستر چھپا رہے، تو کیا اس کے پہننے پر بھی دم واجب ہوگا، وضاحت کے ساتھ تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر وہ کپڑا جو جسم کے کسی بھی حصہ کا احاطہ کرلے، محرم کے لئے ایک دن یا ایک رات پہننے پر ایک دم واجب ہوگا، اگر اس سے کم پہنا ہے تو صدقہ ادا کرے گا، اور اگر پہن کر فوراً اُتار دیا، یعنی ایک گھنٹے سے بھی کم پہنا، تو صرف ایک مٹھی گیہوں ادا کرنا واجب ہوگا۔ (معلم الحجاج ۲۲۶)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: قام رجل فقال يا رسول اللّٰه! ما ذا تأمرون أن نلبس من الثياب في الإحرام، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تلبسوا القميص والسراويلات ولا العمائم ولا البرانس الخ. (صحيح البخاري ۲٤۸/۱ رقم: ۱۸۳۸، صحيح مسلم ۳۷۲/۱ رقم: ۱۱۷۷)

إذا لبس المحرم الذكر المخيط وهوالملبوس المعمول على قدر البدن

أو عـلـى قدر عضو منه بحيث يحيط به ...... لبساً معتاداً ......، فعليه الجزاء. (غنية الناسك ۲۵۰، ومثله في الفتاوىٰ الهندية ۲٤۲/۱، شامي ٤۹۹/۳ زكريا)

فـإذا لبـس مـخيـطاً يوماً كاملاً أو ليلة كاملة فدم، المراد مقدار أحدهما، فـلـو لبس من نصف النهار إلى نصف الليل من غير انفصال أو بالعكس لزمه دم، وفـي أقـل من يوم وليلة صدقة الخ، وفي أقل من ساعة قبضة من بر أو قبضتان من شعير. (غنية الناسك ۲۵۱، خانية ۸۸/۱، درمختار ۵۷۷/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۳/۶/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی لنگی میں نیفہ لگانا یا بیلٹ وغیرہ سے باندھنا؟

سوال (۸۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی لنگی کو اگر کوئی شخص رسی یا بیلٹ سے باندھ لے؛ تاکہ کھل کر نہ گر جائے، اور ستر محفوظ رہے یا لنگی کے اوپر نیفہ لگا کر اس میں پائجامہ کی طرح کمربند ڈال کر باندھے، تو کیا ان دونوں صورتوں میں ایسا کرنے والے پر دم واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام کی لنگی کو رسی یا بیلٹ کے ذریعہ باندھنا یا لنگی میں نیفہ سلوا کر ازاربند ڈالنا مکروہ ہے، مگر اس کی وجہ سے کوئی جنایت لازم نہیں، اور اگر لنگی باندھنے کے بعد اوپر سے بیلٹ وغیرہ باندھی ہے تو اس میں کوئی کراہت نہیں، کراہت اسی وقت ہے جب کہ بیلٹ کے ذریعہ سے لنگی کو باندھا گیا ہو۔

وكـذا يكـره لـه إذا اتّـزر أن يعقد على إزاره بحبل أو نحوه، ومع هٰذا إذا فعل لا شيء عليه. (البحر العميق ۷۹٤/۲)

وشد الهميان في وسطه. سواء كانت النفقة له أو لغيره، وسواء كان فوق الإزار أو تـحتـه؛ لأنـه لـم يـقـصد به حفظ الإزار، بخلاف ما إذا شد إزاره بحبل

مثلاً. (غنية الناسك ۹۲، معلم الحجاج ١١٤-١١٥)

وكذا يكره أن يغرز أطراف إزاره أو يشد الإزار والرداء بحبل أوغيره، فإن فعل فلا شيء عليه. (هداية السالك ٥٧٤/٢، البحر العميق ٧٩٤/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

احرام کی حالت میں خفین پہننا؟

سوال (۸۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا محرم احرام کی حالت میں خفین پہن سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حالتِ احرام میں خفین پہننا منع ہے؛ لہٰذا اگر کوئی محرم حالت احرام میں ایک دن اس طرح خفین پہنے رہا کہ اس کو قدم کی ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے سے کاٹا نہیں تھا تو دم واجب ہوگا۔ اور اگر ابھری ہوئی ہڈی کے نیچے سے کاٹ کر چپل نما بنا کر پہنا ہے تو اس پر کوئی جزا واجب نہیں ہوگی۔

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما قال: قام رجل فقال يا رسول الله! ما ذا تأمرون أن نلبس من الثياب في الإحرام، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا تلبسوا القميص ...... إلا أن يكون أحد ليست له نعلان فليلبس الخفين وليقطع أسفل من الكعبين الخ. (صحيح البخاري ٢٤٨/١ رقم: ١٨٣٨، صحيح مسلم ١٧٢/١ رقم: ١١٧٧)

ولبس الخفين قبل القطع يوماً فعليه دم. (غنية الناسك ٢٥٤، شامي ٥٠٠/٣ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٧٦/٣، بدائع الصنائع ٤١٠/٢ زكريا)

وإن لبسهما بعد القطع اسفل من موضع الشراک فلا شيء عليه. (غنية الناسك ٢٥٤، خانية ٢٨٥/١، بدائع الصنائع ٤٠٦/٢ زكريا، شامي ٥٠٠/٣ زكريا، الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٧٤/٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۶/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں پسینہ صاف کرنا

سوال (۸۴):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں پسینہ صاف کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالت احرام میں سر یا چہرے کا پسینہ ہاتھ سے پونچھنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ کپڑے یا ٹیشو پیپر سے پسینہ پونچھنا کراہت سے خالی نہیں؛ اس لئے کہ اس میں ایک طرح سے چہرہ یا سر کا ڈھکنا لازم آتا ہے، اگرچہ تھوڑی ہی دیر کے لئے ہوا گر کسی نے ایسا کرلیا تو بہتر ہے کہ صدقہ دے دے۔

نعم لو وضع يديه بلا ثوب على رأسه أو وجهه كالأنف وغيره ...... لا بأس به، ولو غطى كل رأسه. (غنية الناسك ١١١ سهارنفور)

إذا غطى رأسه ووجهه ...... أو نائما ...... فعليه الجزاء، فإذا غطى جميع رأسه أو وجهه والربع منهما كالكل ...... يوما أو ليلة والمراد مقدار أحدهما فعليه دم. وفي الأقل من يوم أو من الربع صدقة. (غنية الناسك ٢٥٤، مناسك ملا علي القاري ٣٠٨) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ احرام میں چہرہ پر ''ماسک'' لگانا؟

سوال (۸۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں جراثیم سے بچنے کے لئے ''ماسک'' لگانے کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آج کل جراثیم سے بچنے کے فیشن میں بحالتِ احرام

چہرے پر ’’ماسک‘‘ لگانا عام ہوگیا ہے، تو اس بارے میں شرعی حکم اچھی طرح یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ احرام میں اس طرح ’’ماسک‘‘ پہننا مردوں اور عورتوں سب کے لئے بلاشبہ ممنوع ہے، اور جزاء کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اگر ’’ماسک‘‘ اتنا چوڑا ہے کہ اس سے چوتھائی چہرہ ڈھک جاتا ہے اور یہ ’’ماسک‘‘ مسلسل بارہ گھنٹے لگائے رکھا تو دم واجب ہے، اور اگر ’’ماسک‘‘ کی چوڑائی چوتھائی چہرے سے کم ہو یا اسے ۱۲؍گھنٹے سے کم لگایا تو صدقۂ فطر واجب ہوگا؛ اس لئے بہرحال احرام کی حالت میں ’’ماسک‘‘ نہیں لگانا چاہئے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان الركبان يمرون بنا ونحن مع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم محرمات، فإذا حاذوا بنا سدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها، فإذا جاوزونا كشفناه. (سنن أبي داؤد ۲۵٤/۱ رقم: ۱۸۳۳)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: لا يعصب المحرم رأسه بسير ولا خرقة. (المصنف لابن أبي شيبة ۱٦٦/۸ رقم: ۱۳٤٥۱)

ولو عصب رأسه أو وجهه يوماً أو ليلةً فعليه صدقة إلا أن يأخذ قدر الربع فدم. (غنية الناسك ۲٥٤، الفتاوىٰ الهندية ۲٤۲/۱، شامي ٤۹۸/۳ زكريا)

ولا يغطي المحرم رأسه ولا وجهه، والمحرمة لا تغطي وجهها، وإن فعلت ذٰلک، إن كان يوماً إلى الليل فعليها دم، وإن كان أقل من ذٰلک فعليها صدقة. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥۷۸/۳، خانية على الفتاوىٰ الهندية ۲۸۹/۱، بدائع الصنائع ٤۱۱/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۶ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں سوتے ہوئے چہرہ ڈھکنا؟

سوال (۸۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں اگر چہرہ ڈھک جائے تو کیا حکم ہے؟ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ سوتے ہوئے بےخبری میں چہرہ ڈھک گیا، مثلاً چہرے پر کپڑا اگر گیا یا اپنا ہاتھ ہی عادت کے مطابق چہرے

پر رکھا گیا، تو بے اختیار چہرا ڈھک جانے کی وجہ سے بھی دم واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حالتِ احرام میں سوتے ہوئے ہاتھ سے چہرہ ڈھک لیا، تو اس سے کوئی جنایت لازم نہیں آتی؛ لیکن اگر کپڑے یا رومال وغیرہ سے چہرہ یا سر یا ان دونوں کا چوتھائی حصہ بارہ گھنٹے تک مسلسل ڈھکا رہا، تو دم جنایت واجب ہے، اور اگر اس سے کم ڈھکا رہا تو صدقہ واجب ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: لا يعصب المحرم رأسه بيسر ولا خرقة. (المصنف لابن أبي شيبة ١٦٦/٨ رقم: ١٣٤٥١)

نعم لو وضع يديه بلاثوب على رأسه أو وجهه كالأنف وغيره الخ، لا بأس به ولو غطّى كل رأسه. (غنية الناسك ١١١سهارنپور)

إذا غطى رأسه ووجهه ......، أو نائماً الخ فعليه الجزاء، فإذا غطى جميع رأسه أو وجهه والربع منهما كالكل الخ، يوماً أو ليلةً، والمراد مقدار أحدهما فعليه دم، وفي الأقل من يوم أو من الربع صدقة. (غنية الناسك ٢٥٤، مناسك ملا علي القاري ٣٠٨، انوار مناسك ٢١٣) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

احرام کی حالت میں داڑھی یا مونچھ کے بال کاٹنا؟

سوال (۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں بدن کے بال کاٹنا یا مونڈنا یا اکھاڑنا کیسا ہے؟ اگر کسی نے حلال ہونے سے پہلے چوتھائی سر کے بال منڈوائے یا داڑھی تراشی اور مونچھ وغیرہ بنوائی، تو اس کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی محرم نے حلال ہونے کے وقت سے قبل ہی سر یا

داڑھی کے چوتھائی حصہ کے بال منڈائے یا کتروائے، تو اس پر دم واجب ہوگا۔ اور اگر مونچھوں کو منڈوائے یا ترشوائے، تو اس پر صدقہ واجب ہوگا۔

عن كعب بن عجرة رضي اللّٰه عنه قال: وقف عليَّ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم بالحديبية ورأسي يتهافت قملاً، فقال: يؤذيك هوامك؟ قلت: نعم، قال: فأحلق رأسك أو أحلق. قال: في نزلت هٰذه الآية: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيْضًا اَوْ بِهٖ اَذًى مِنْ رَأْسِهٖ﴾ إلى آخرها، فقال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: ''صم ثلاثة أيام أو تصدق بفرق بين ستة أو نسك مما تيسر. (رواه البخاري ٢٤٤/١ رقم: ١٨١٤، صحيح مسلم ٣٨٢/١ رقم: ١٢٠١، إعلاء السنن ٣٦٥/١٠ بيروت)

عن خصيف قال: أخذت من شارب محمد بن مروان وأنا محرم، فسألت سعيد بن جبير، فأمرني أن أتصدق بدرهم. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج / باب في المحرم يقص من شارب الحلال ١٧٢/٨ رقم: ١٣٤٧٤)

عن مجاهد في حرامٍ قص شارب حلال؟ قال: يتصدق بدرهم. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج / باب في المحرم يقص من شارب الحلال ١٧٢/٨ رقم: ١٣٤٧٥)

متى حلق عضواً مقصوداً بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم، وإن حلق ما ليس بمقصود فصدقة كذا في المبسوط، ولا فرق في الحلق بين أن يحلق لنفسه أو يحلق له غيره بأمره أو بغير أمره. (غنية الناسك ٢٥٥)

فالواجب دم لو حلق ربع رأسه او ربع لحيته فصاعداً. (غنية الناسك ٢٥٦، درمختار مع الشامي ٥٧٩/٣ زكريا، البناية ٣٣٣/٤، البحر الرائق ١٥/٣ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ٢٤٣/١)

ولو حلق شاربه كله أو بعضه فعليه صدقة وهو المذهب الصحيح؛ لأنه بعض اللحية ولا يبلغ ربع المجموع. (غنية الناسك ٢٥٧، شامي ٥٨٠/٣ زكريا، البحر العميق ٨٥٣/٢) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳/۶/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حالتِ احرام میں زیرِ ناف یا بغل کے بال مونڈنا؟

سوال (۸۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں زیرناف بال مونڈنا اور بغل کے بال کاٹنا یا چمٹی سے اکھاڑنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حالتِ احرام میں موئے زیرناف، دونوں بغل یا گردن کے بال مونڈنے سے دم واجب ہے۔

عن ليث عن عطاء وطاؤس ومجاهد: أنهم قالوا في المحرم: إذا نتف إبطه أو قلَّم أظفاره فإن عليه الفدية. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٠٣/٨ رقم: ١٣٦٠٤ المجلس العلمي)

إذا نتف المحرم من إبطه وهو كثير الشعر قدر ثلث أو ربع فعليه دم.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٥٨٤/٣ رقم: ٥٠٩١ زكريا)

وإن حلق رقبته أو عانته أو نتف إبطيه فعليه دم. (غنية الناسك ٢٥٧)

الواجب دم على محرم ...... أو حلق إحدىٰ إبطيه أو عانته أو رقبته (درمختار)

وفي الشامية: أعني الإبط أو العانة والرقبة مقصود بالحلق وحده، فيجب به دم.

(درمختار مع الشامي ٥٨٠/٣ زكريا، الفتاویٰ الهندية ٢٤٣/١، البحر الرائق ١٧/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۶ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حالتِ احرام میں بیماری کی وجہ سے بال ٹوٹ گئے

سوال (۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے عمرہ یا حج کا احرام باندھا، اور وضو کرتے وقت داڑھی کے بال بہت کثرت سے ٹوٹتے ہیں، اس میں ارادہ کو کوئی دخل نہیں؛ بلکہ زید کو یہ پہلے ہی سے عارضہ اور عذر ہے، تو اب احرام کی حالت میں جب جب وضو کرے گا تو بے شمار بال ٹوٹیں گے، تو ان کا فدیہ یا دم کیا ہوگا؟ اور اتنا بار

بارفدیہ یادم زید کیسے ادا کرے گا، جوشرعی حکم ہو بیان فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرض کی وجہ سے جو بال ٹوٹیں گے، ان پر کوئی فدیہ وغیرہ واجب نہیں ہے۔

بخلاف ما إذا تناثر شعر بالمرض أو النار. (شامي ٥٤٩/٢ كراچی، شامي ٥٧٩/٣ زكريا)

لا يخفى أن الشعر إذا سقط بنفسه لا محظور فيه لاحتمال قلعه قبل إحرامه، وسقوطه بغير قلعه ...... بخلاف ما إذا تناثر شعره بالمرض أو النار فلا شيء عليه. (غنية الناسك / باب الجنايات ٢٥٨ إدارة القرآن كراچی)

وفي البحر: إذا تناثر شعره بالمرض أو النار فلا شيء عليه؛ لأنه ليس للزينة ...... وإنما هو شين، كذا في المحيط. (البحر الرائق ٩/٣، مناسك ملا علي القاري / / باب الجنايات ٣٢٨ كراچی، انوار مناسك ٥٣٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۹/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں ناخن کاٹنا؟

سوال (۹۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں ناخن کاٹنے کا کیا حکم ہے؟ اور ناخن کاٹنے پر وجوب دم وصدقہ کیا تفصیل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی محرم شخص ایک ہی مجلس میں اپنے دونوں ہاتھ اور پیروں کے ناخون کاٹے یا ایک ہی ہاتھ یا پیر کے ناخون کاٹے، تو اس پر دونوں صورتوں میں ایک دم واجب ہوگا۔

اور اگر ایک ہاتھ یا ایک پیر سے کم (یعنی پانچ سے کم) ناخون کاٹے تو اس پر ہر ناخون کے

عوض صدقۂ فطر کے بقدر صدقہ واجب ہوگا۔

عن ليث عن عطاء وطاؤس ومجاهد: أنهم قالوا في المحرم: إذا نتف إبطه أو قلَّم أظفاره فإن عليه الفدية. (المصنف لابن أبي شيبة ۳/۸ ۲۰ رقم: ۱۳۶۰٤ المجلس العلمي)

عن أشعث قال: كان الحسن يكره أن يأخذ المحرم من رأس الحلال – يعني: من شعره – أو يقلمه. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج / باب في المحرم يقص من شارب الحلال ۸/۱۷۲ رقم: ۱۳٤۷٦)

إذا قص أظافير يديه أو رجليه أو يد أو رجل واحدةٍ في مجلس واحد فعليه دم واحد. (مناسك ملا علي القاري ۳۳۰-۳۳۱)

أو قص أظفار يديه أو رجليه أو الكل في مجلس واحد، فلو تعدد المجلس تعدد الدم إلا إذا اتحد المحل ...... أو يد أو رجل إذ الربع كالكل. (درمختار مع الشامي ۳/ ۵۸۰ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲٤٤، اللباب ۱/ ۱۸۳، خانية على الهندية ۱/ ۲۸۸)

وليس للمحرم أن يقص أظافيره قبل الحلق، إذا قلم المحرم جميع أظافيره فعليه دم واحد، وإن قلم أظفار كف فعليه دم، وإن قلم أقل كف فعليه صدقة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۵۸٦ رقم: ۵۱۰۰ زكريا، تبيين الحقائق ۲/ ۳۱۱)

وإن قلم أقل من يد أو رجل فعليه صدقة لكل ظفر نصف صاع. (مناسك ملا علي قاري ۳۳۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں مچھر اور چیونٹی وغیرہ کو مارنا؟

سوال (۹۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں مچھر، کھٹمل، چیونٹی وغیرہ مارنے کا کیا حکم ہے؟ کیا مارنے والے محرم پر دم وغیرہ واجب ہوگا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام کی حالت میں موذی مچھر اور چیونٹی کو مارنا درست ہے؛ لیکن جو چیونٹی موذی نہ ہو اس کا مارنا جائز نہیں؛ تاہم اس کی وجہ سے کوئی کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

عن سعيد بن المسيب عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: يقتل المحرم الحية والذئب. (أخرجه أبوداؤد وابن أبي شيبة وسعيد بن منصور ورجاله ثقات، فتح الباري ٣٠/٤، إعلاء السنن ٣٨٨/١٠ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا بقتل باقي هوام الأرض وحشراتها كبعوض ونمل يؤذي وهو السود والصفر وما لا يؤذي لا يحل قتلها، وإن كان لايجب بقتلها الجزاء. (غنية الناسك ٢٨٩، ومثله في الهداية ٣٠٢/١، مبسوط سرخسي ١٠١/٤ بيروت، درمختار مع الشامي ٦٠٨/٣ زكريا، الفتاوى السراجية ١٨٤/١، بدائع الصنائع ٤٢٦/٢ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۶/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

احرام کی حالت میں بیوی سے دل لگی کرنا؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: احرام کی حالت میں بیوی سے دل لگی کی باتیں کرنا کیسا ہے؟ کیا اس سے دم واجب ہوگا اور حج فاسد ہو جائے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی محرم نے حالت احرام میں مقدمات جماع کو اختیار کیا، مثلاً بیوی سے مباشرتِ فاحشہ کی، بوسہ لیا، یا شہوت کے ساتھ چھولیا، تو ان صورتوں میں چاہے انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بہرصورت اس پر دم واجب ہوگا؛ لیکن دواعیٔ جماع سے حج فاسد نہیں ہوتا۔

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: من قبل امرأته وهو محرم فليهرق دما. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ٣٦٩/٧ رقم: ٩٨٩٠)

عن عكرمة قال: إذا لمس المحرم أو غمز امرأته فعليه كفارة يتصدق بها. (المصنف لا بن أبي شيبة ٦٦/٨ رقم: ١٢٩٨٧ المجلس العلمي)

عن الحسن أنه سئل عن رجل باشر وهومحرم؟ قال: عليه بدنة، قلت: فإن أنزل الماءَ الأعظم؟ قال: كان الحسن يقول: هو بمنزلة المجامع، عليه الحج من قابل. (المصنف لابن أبي شيبة ٦٧/٨ رقم: ١٢٩٨٩ المجلس العلمي)

عن إبراهيم: في المحرم يقبل امرأته أو يغمز امرأته لشهوة؟ قال: عليه دم. (المصنف لابن أبي شيبة ٦٥/٨ رقم: ١٢٩٧٨ المجلس العلمي)

بشر عن أبي يوسف محرم قبّل امرأته بشهوة فعليه دم، وإن اشتهت هي فعليها دم أيضاً، وإن لم تشته فلا شيء عليها، ولو قبلها بغير شهوة فلا شيء عليه ...... ولو عانقها بشهوة يجب عليه الدم أو لم ينزل، وفي الجامع الصغير الحسامي: وإن لمس فأمنىٰ فعليه دم أنزل. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٨٢/٣ رقم: ٥٠٨٣ زكريا، وكذا في الفتاوىٰ الهندية ٢٤٤/١)

حتى لو وطئ فيما دونهما أي من الأفخاذ ونحوها ......، أو لمس أي مس بلا حائل أو عانق أو باشره أي مباشرة فاحشة ...... لم يفسد أي بالإجماع. (مناسك ملا علي القاريؒ ٣٣٥)

تجب شاة إن قبّل أو لمس بشهوة؛ لأن الدواعي محرمة لأجل الإحرام مطلقاً فيجب الدم مطلقاً. (البحر الرائق ١٤/٣-١٥ كوئٹہ، غنية الناسك ٢٦٨) ***فقط واللہ تعالیٰ اعلم***

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۶/۳/۶ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف سے متعلق مسائل

مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران طواف افضل ہے یا عمرہ؟

سوال (۹۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران کثرتِ طواف افضل ہے یا عمرہ کرنا اور نفل نماز پڑھنا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ معظّمہ میں قیام کے دوران عمرہ کی کثرت افضل ہے یا طواف کی؟ تو اس بارے میں قدرے تفصیل ہے، اگر اتنے وقت تک طواف میں مسلسل مشغول رہتا ہے کہ اس میں عمرہ کیا جاسکتا ہے تو طواف افضل ہے، اور اگر اتنی مدت تک طواف میں مشغول نہیں رہتا؛ بلکہ طواف میں کم وقت لگاتا ہے، تو ایسی صورت میں عمرہ کرنا طواف سے زیادہ فضیلت وثواب کا باعث ہوگا۔ اور بعض علماء کا قول یہ ہے کہ سات طوافوں کا ثواب ایک عمرہ کے مانند ہے۔

والطواف افضل من العمرة اذا شغل به مقدار زمن العمرة. وقد قيل سبع اسابيع من الاطوفة كعمرة. (غنية الناسك ١٣٨، مناسك ملا على قارى ٤٦٧، ومثله فى الشامى زكريا ٣/٥١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف کیسے کریں؟

سوال (۹۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کوئی شخص طواف کی حالت میں اپنا چہرہ بیت اللہ شریف کی جانب کرلے، تو کیا اس کا طواف باطل ہو جائے گا، پھر اس کا دہرانا ضروری ہے یا نہیں؟ اگر نہ دہرائے تو دم وغیرہ واجب ہوگا یا نہیں؟ مدلل جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: **الف**:- آدابِ طواف میں سے یہ ہے کہ اپنی نظر چلنے کی جگہ پر رکھے، اِدھر اُدھر نظر نہ دوڑائے۔ بریں بنا اگر کوئی شخص بحالتِ طواف بیت اللہ شریف کو دیکھے جب کہ اس کا سینہ اور پیر بیت اللہ کی جانب نہ ہو، تو اس کا یہ فعل محض مکروہ تنزیہی یعنی خلافِ اولیٰ قرار دیا جائے گا، طواف کا اعادہ یا دم وغیرہ اس کے ذمہ واجب نہ ہوگا۔

وصون النظر عن كل ما يشغله، وينبغي أن لا يجاوز بصره محل مشيه كالمصلي لايجاوز بصره محل سجوده؛ لأنه الأدب الذي يحصل به اجتماع القلب. (غنية الناسك في بغية المناسك ١٢٢، احسن الفتاویٰ ٤/٥٤٨)

ب:- طواف کی حالت میں بیت اللہ شریف کو اپنی بائیں جانب رکھنا واجب ہے؛ لہٰذا اگر کوئی شخص طواف کا کوئی بھی حصہ اس طرح ادا کرے کہ بیت اللہ شریف اس کے بائیں جانب نہ رہے (مثلاً اُلٹا طواف کرے، یا چہرہ وسینہ یا پیٹھ بیت اللہ شریف کی طرف کرکے طواف کرے) تو وہ طواف درست نہ ہوگا، مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے اس کا اعادہ ضروری ہے، اگر اعادہ نہ کیا تو دم لازم ہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لما قدم مكة أتى الحجر فاستلمه، ثم مشى على يمينه فرمل ثلاثاً ومشى أربعًا.

(صحيح مسلم / باب حجة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ١/٤٠٠ رقم: ١٢١٨، السنن الكبرىٰ للبيهقي ٥/١٤٧ رقم: ٩٣٢٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ومن واجبات الطواف التيامن فيه: وهو الابتداء من يمين الحجر جاعلاً

البيت على يساره ...... ولنا قوله تعالىٰ: ﴿وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج: ٢٩] مطلقاً عن شرط البداءة باليمين أو اليسار. وفعل رسول الله صلى الله عليه وسلم محمول على الوجوب وبه نقول كذا ذكره القاضي في شرح مختصر الطحاوي: أنه يجب عليه الإعادة ما دام بمكة، وإن رجع إلى أهله يجب عليه الدم، وكذا ذكر في الأصل كما حكاه صاحب البدائع. (البحر العميق ١١٥٠/٢ المكتبة المكية، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٠٢/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٣١٢/٢ نعيمية ديوبند)

وأما جعل البيت عن يساره فاختلف فيه والأصح الوجوب. (فتح القدير ٥٨/٣ بيروت)

ولو عكس أعاد ما دام بمكة فلو رجع فعليه دم (درمختار) وتحته في الشامي: ولو عكس بأن أخذ عن يسارہ وجعل البيت عن يمينه، وكذا لو استقبل البيت بوجهه أو استدبره وطاف معترضاً كما في شرح اللباب وغيره. (شامي ٤٩٤/٢ كراچی، درمختار مع الشامي ٥٠٦/٣ زكريا)

تنبيه: – ليس شيء من الطواف يجوز عندنا مع استقبال البيت. (غنية الناسك ١١٣)

والحاصل أن وجوب التيامن يفيد أن من أتى بخلافه من الصور المذكورة المخالفة للتيامن في الهيئة، والكيفية يحرم عليه فعله ويجب عليه الإعادة أو لزوم الجزاء. (شرح مناسك ٧٢، غنية الناسك ١١٣ جديد، زبدة المناسك مع عمدة المناسك ١٢١)

ج: – اگر بیت اللہ کے اِردگرد بھیڑ وغیرہ کچھ نہ ہو اور کوئی شخص جان بوجھ کر بحالتِ طواف چہرہ وسینہ بیت اللہ کی طرف کرے، تو وہ واجبِ تیاسر کا تارک کہلائے گا، اور اس کے ذمہ اعادہ لازم ہوگا، ورنہ دم کے وجوب کا حکم لگایا جائے گا؛ لیکن اگر مطاف میں اِژدحام ہو اور کسی شخص کا چہرہ یا پیٹھ بحالتِ طواف بلا ارادہ واختیار بیت اللہ شریف کی طرف ہو جائے تو معذور سمجھا جائے گا، اس کا طواف بلاکراہت درست ہوگا، نہ اس پر اعادہ لازم ہے اور نہ دم واجب ہے۔

اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے پیدل طواف کرنا واجب ہے؛ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے

کوئی شخص سواری پر طواف کرے، تو اس کا طواف بلاشبہ درست ہو جاتا ہے، اور اس کے ذمہ اعادہ یا دم وغیرہ لازم نہیں ہوتا ہے۔

وإن كان عاجزاً عن المشي أجزأه ولا شيء عليه؛ لأن التكليف بقدر الوسع. (بدائع الصنائع ۱۳۰/۲ كراچی، ۳۱۱/۲ زكريا)

ونحن نقول إذا ركب من عذر فلا شيء عليه وإلا أعاده، وإن لم يعده لزمه دم، وكذا إذا طاف زحفاً. (فتح القدير ۵۸/۳ بيروت)

أي أنه إن تركه بلا عذر لزمه دم، وإن بعذر فلا شيء عليه مطلقاً. (شامي ۵۵۳/۲ كراچی، ۵۸۵/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۷ھ

حطیم کے اندر سے طواف معتبر نہیں

سوال (۹۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص عمرہ کے طواف میں پورا طواف یا طواف کے اکثر اشواط حطیم کے اندر سے کرلے تو کیا اس کا طواف صحیح ہو جائے گا یا دم واجب ہوگا؟ اور دم دینے سے اس کا طواف اور عمرہ صحیح ہو جائے گا یا نہیں؟ اور اگر بعد میں طواف کا اعادہ کرلے تو کیا دم ساقط ہو جائے گا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حطیم بھی دراصل بیت اللہ شریف ہی کا حصہ ہے؛ لہٰذا اس کی حدود سے باہر ہو کر طواف کرنا واجب ہے، اگر حطیم کے اندر سے طواف کیا تو ترکِ واجب کی وجہ سے دم جنایت لازم ہوگا، اور اگر بعد میں پورے طواف کا یا کم از کم خارج حطیم حصہ کا اعادہ کرلیا تو دم ساقط ہو جائے گا۔

السادس: الطواف وراء الحطيم فلو طاف للزيارة أو العمرة في جوف الحجر يعيد الطواف كله أو على الحجر فقط، والأول أفضل، فإن لم يعد فعليه

دم، وأما في الطواف الواجب فينبغي أن تجب صدقة، وينبغي أن لا فرق بين الطواف الواجب والتطوع في لزوم الصدقة لما أن الطواف وراء الحطيم من كل طواف. (غنية الناسك ١١٤، مناسك ملا علي القاري ١٥٣ إدارة القران كراچی)

وراء الحطيم: وجوباً، لأن منه ستة أذرع من البيت، فلو طاف من الفرجة لم يجز (درمختار) قوله لم يجز أي على وجه الكمال قال القاري في شرح النقاية: ولو طاف من الفرجة لا يجزيه في تحقق كماله، ولابد من إعادة الطواف كله لتحققه، وإن أعاد من الحطيم وحده أجزاء، بأن ياخذ على يمينه خارج الحجر، حتى ينتهي إلى آخره، ثم يدخل الحجر من الفرجة، من الجانب الآخر، أولا يدخل الحجر، وهو افضل، بأن يرجع ويبتدئ من أول الحجر، هكذا يفعل سبع مرات ويقضي صفته من رمل وغيره، ولو لم يعد صح طوافه ووجب عليه دم اهـ. (درمختار مع الشامي / قبيل مطلب: في طواف القدوم ٣/٥٠٧ زكريا)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

حجرِ اَسود کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر طواف کی نیت کرنا

سوال (۹۵):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا طواف کی نیت کرنے کے لئے حجرِ اسود کے ٹھیک سامنے کھڑا ہونا ضروری ہے، جہاں پیر بنا ہوا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجرِ اسود کے بالکل سامنے کھڑے ہوکر بھی نیت کرنا درست ہے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ۱۱۸)

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه قال: دخلنا مكة عند ارتفاع الضحى

فأتى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم باب المسجد، فأناخ راحلته ثم دخل المسجد فبدأ بالحجر فاستلمه وفاضت عيناه بالبكاء، ثم مشى على يمينه الخ. رواه مسلم وأحمد والحاكم. (الجامع الصحيح للسنن والمسانيد / ابتداء الطواف من الحجر الأسود ٤٢٣١ الشاملة)

ويبدأ بالحجر الأسود فإذا استقبله كبر ورفع يديه ...... لما روي عن مكحول أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لما دخل المسجد بدأ بالحجر الأسود فاستقبله وكبر وهلل. (بدائع الصنائع / بيان سنن الحج ٣٣٩/٢)

عن نافع قال: كان ابن عمر رضي اللّٰه عنه يدخل مكة ضحى فيأتي البيت فيستلم الحجر ويقول: باسم اللّٰه واللّٰه أكبر. (السنن الكبرىٰ للبيهقي ١٢٨/٥ رقم: ٩٢٥٠ دار الكتب العلمية بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

حجرِاسود کے دائیں کنارے کھڑے ہوکر طواف کی نیت کرنا

سوال (۹۶):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حجرِاسود کے دائیں کنارے کھڑا ہوکر نیتِ طواف کرنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حجرِاسود کے دائیں کنارے (جو بیت اللہ کے دروازے کی طرف ہے) کھڑے ہوکر طواف شروع کرنا مکروہ ہے۔ (مستفاد: زبدۃ المناسک ۱۱۳)

عن خصيف بن عبد الرحمن أن مجاهداً قال له: لا تستلم الحجر من قبل الباب ولكن استقبله استقبالاً. (أخبار مكة للزرقاني / ما يقال عند استلام الركن ومن أي جانب يستلم ٣٤٢/١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

داہنا مونڈھا حجرِ اسود کی طرف کر کے طواف شروع کرنا

سوال (۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بیت اللہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوا کہ داہنا مونڈھا حجرِ اَسود کے مغربی کنارے کے مقابل ہو، جہاں پیر بنا ہوا ہے، اس طرح طواف کی نیت کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیت اللہ شریف کے سامنے اس طرح کھڑے ہوکر نیت کرنا کہ داہنا مونڈھا اس کا حجرِ اسود کے اس کنارے کے مقابل ہو، جو رکنِ یمانی کی طرف ہے، اور سارا حجرِ اَسود اس کے داہنی طرف رہے، نہ صرف جائز ہے؛ بلکہ بہتر ہے۔ (زبدۃ المناسک ۱۱۳)

وإذا أراد الشروع فيه أي في طواف بعده سعي، ينبغي أن يضطبع قبله بقليل …… ثم يقف مستقبل البيت بجانب الحجر الأسود مما يلي الركن اليماني بحيث يصير جميع الحجر عن يمينه، ويكون منكبه الأيمن عند طرف الحجر، فينوي الطواف، وهٰذه الكيفية مستحبة. قال الكرماني: وهو الأكمل والأفضل عند الكل. (مناسك ملا علي القاري / صفة الطواف ۱۳۰ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

نیت طواف کے بعد حجرِ اسود کا استلام کرنا

سوال (۹۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طواف کی نیت کرنے کے بعد حجرِ اسود کے استلام کے وقت ویسے ہی کھڑے ہوکر استلام کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف کے دوران ہر چکر کے ختم پر حجرِ اسود اور بیت اللہ

کی طرف سینہ اور منہ کرنا مستحب ہے؛ لہٰذا صورتِ مذکورہ سنت کے مطابق ہے۔ (ایضاح المناسک ۱۱۹، زبدۃ المناسک ۱۱۵)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم قدم مكة وهو يشتكي فطاف على راحلته كلما أتى على الركن استلم الركن بمحجن ...... الخ. (سنن أبي داؤد / باب الطواف الواجب رقم: ۱۸۸۱)

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: طاف النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم بالبيت على بعير، كلما أتى الركن أشار إليه بشيء كان عنده وكبر. (صحيح البخاري / باب التكبير عند الركن رقم: ۱۶۱۳)

وكلما مر بالحجر فعل ما ذكر من الاستلام (درمختار) وفي الهداية: وإن لم يستطع الاستلام استقبل وكبر وهلل. (درمختار مع الشامي ۳/۵۱۱ زكريا)

ويستلم الحجر في كل شوط يفتتح به إن استطاع من غير أن يوذي أحداً لما روي أن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم كان كلما مر بالحجر الأسود استلمه؛ ولأن كل شوط طواف على حدة فكان استلام الحجر فيه مسنوناً كالشوط الأول. (بدائع الصنائع / بيان سنن الحج ۲/۱۴۷ كراچی، ۲/۳۴۲ نعيمية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت پیر کس طرف رہیں؟

سوال (۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حجرِ اسود کا استلام کرتے وقت پیر کس طرح رکھے جائیں؟

طواف کرتے وقت حجرِ اسود تک پہنچ کر پیر جیسے سیدھا بنا ہوا ہے، ایسے ہی کھڑے ہوکر استلام کرنا درست ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: استلام کے وقت چہرہ اور سینہ حجرِ اسود کی طرف کرنا مستحب ہے، اس کی صراحت کتبِ فقہ میں موجود ہے؛ لیکن پیر کس طرف رہے؟ اس بارے میں کوئی صراحت نہیں۔ ظاہر یہی ہے کہ جب سینہ حجرِ اسود کی طرف کرنے کی اجازت ہے، تو اس کی طرف پیر کرنے میں کوئی حرج نہ ہونا چاہئے۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ۱۱۹، زبدۃ المناسک ۱۱۵)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما أنه كان إذا صلى الركعتين رجع إلى الحجر فاستلمه أو استقبله ......الخ. (المصنف لا بن أبي شيبة ۲/۳ ۸٤ رقم: ۱۵۲۳۰)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إذا استوت به راحلته عند مسجد ذي الحليفة في حجة أو عمرة أهلّ ...... حتى انتهى إلى البيت استقبله الحجر الخ. (صحيح ابن خزيمة / باب التكبير عند استلام الحجر واستقباله ۲۱٤/٤ رقم: ۲۷۱٦)

فإذا أراد أن يستلم الحجر الأسود يستقبله بوجهه على القول الصحيح ...... وهٰذا الاستقبال للحجر مستحب لا واجب. (البحر العميق في مناسك المعتمر والحاج إلى بيت اللّٰه العتيق ۱۱۷۲/۲ المكتبة المكية)

ثم إذا فرغ من ركعتي الطواف يعود إلى الحجر الأسود فيستلمه إن أمكنه أو يستقبله بوجهه ويكبر الخ. (تحفة الفقهاء / باب الإحرام ۴۰۲/۱ الشاملة)

وأما سنن الطواف ...... واستقبال الحجر الأسود بالوجه في ابتدائه، وأما في أثنائه فمستحب. (غنية الناسك ٦۳، انوار مناسك ۳۷۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۲/۱۱/۲۵ھ

کیا بغیر احرام کے نفلی طواف اور سعی طوافِ زیارت کے قائم مقام ہوجائے گا

سوال (۱۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: طواف زیارت کے ساتھ سعی کرنا واجب ہے، میں نے کتاب میں یہ مسئلہ دیکھا کہ آٹھ تاریخ کو احرام باندھ کر ایک نفلی طواف کے ساتھ سعی کرلے، تو طواف زیارت کے بعد سعی کرنے کی ضرورت نہیں، مجھ سے ایک شخص نے یہ کہا کہ نفلی طواف بغیر احرام کے کرلو اور سعی کرلو، تو کیا یہ سعی کرنا طواف زیارت کے ساتھ شامل ہوجائے گی یا نہیں؟ جب یہ مسئلہ ایک عالم سے مکہ مکرمہ میں پوچھا تو انہوں نے کہا کہ یہ سعی درست نہیں، اس کے لئے احرام کا ہونا ضروری ہے؛ لیکن میں نے ان کی بات نہ مان کر سلے ہوئے کپڑوں میں نفلی طواف کیساتھ سعی کرلی، تو میرے حج کی ادائیگی میں کوئی نقص تو نہیں ہوا؟ اگر کوئی نقص ہے تو اس کی تلافی کے لئے کیا کرنا چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو طواف وسعی آپ نے حج کا احرام باندھنے سے پہلے کی ہے اس سے حج کا واجب ادا نہیں ہوا، لہٰذا ترک واجب کی وجہ سے ایک دم آپ پر لازم ہے، جو کبھی بھی حدودِ حرم میں قربان کرایا جاسکتا ہے۔

الثالث تقديم الإحرام عليه فلو سعى قبل الإحرام، ولو بعد طواف لم يجز الخ. (مناسك ملا علي القاري ٣٩٥)

ويجوز ذبح بقية الهدايا في أي وقت شاء، وخص الكل بالحرم. (غنية الناسك ٣٥٨ جديد) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوافِ وداع میں طوافِ زیارت کی نیت

سوال (۱۰۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حاجی اگر طوافِ زیارت نہیں کرتا اور طوافِ وداع میں ہی طوافِ زیارت کی نیت کرلیتا ہے، تو کیا اس کا حج درست ہوجائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرایامِ نحر ۱۰-۱۲/ذی الحجہ میں طوافِ وداع میں طوافِ زیارت کی نیت کی، تو طوافِ زیارت اداہوجائے گا؛ لیکن طوافِ وداع الگ سے کرنا ہوگا۔ اوراگرایامِ نحرگذرنے کے بعدطوافِ زیارت کیا، تو تاخیر کی وجہ سے دم واجب ہوگا اورطوافِ وداع بہرحال الگ سے کرنا ہوگا۔

عن جابر بن عبد اللّٰه رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أتى إلى البيت فصلى بمكة الظهر، يعني: يوم النحر. (المصنف لابن أبي شيبة، كتاب الحج / باب من زار يوم النحر ۸/ ۱۱۰-۱۱۱ رقم: ۱۳۲۰۶ المجلس العلمي)

عن وبرة قال: كان الأسود إذا رمى الجمرة يوم النحر زار البيت من يومه، ثم رجع إلى منزله من يومه، حتى ينفِر مع الناس إذا نفروا. (المصنف لابن أبي شيبة ۸/ ۱۱۲ رقم: ۱۳۲۰۷ المجلس العلمي)

عن التميمي عن أبي قلابة وجابر بن زيد: أنهما زارا البيت يوم النحر. (المصنف لابن أبي شيبة ۸/ ۱۱۲ رقم: ۱۳۲۱۳ المجلس العلمي)

والحاصل: أن طواف الزيارة مؤقت بأيام النحر وتأخيره عنها يوجب الدم عنده. (البحر العميق ۲/ ۱۱۲۹)

وأما الواجب فهو فعله في يوم من الأيام الثلاثة عند أبي حنيفة حتى لو أخره عنها مع الإمكان لزمه دم، وقد ورد في الحديث أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم طاف بعد صلاة الظهر يوم النحر للركن. (البحر العميق ۲/ ۳٤۷ کراچی)

ووقته أيام النحر لأن اللّٰه تعالىٰ عطف الطواف على الذبح، قال: فكلوا منها، قال: وليطوفوا فكان وقتها واحداً ...... ويكره تاخيره عن

هٰـذه الأيـام كما بينا أنه مؤقت بها، وإن أخره عنها لزمه دم عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه. (هداية ١/ ٢٥١ أشرفية ديوبند)

فإن أخره عنها أي أيام النحر ولياليها منها كره تحريمًا، ووجب دم لترک الواجب. (درمختار ٢/ ٥١٨ كراچی)

ولو كان في يوم النحر وقع للزيارة، أو بعد ما حل النفر، وقد طاف للزياة، فهو للصدر وإن نواه للتطوع؛ لأنه في إحرام عبادة اقتضت وقوع ذلک الطواف في ذٰلک الوقت، فلا يشرع غيره، كصوم رمضان. (غنية الناسك ١١٠ جديد)

ثم النية للطواف شرط ...... فلو طاف بعد إرادة السفر ونوع التطوع أجزأه عن الصدر (درمختار) قال العلامة الشامي تحته: قوله فلو طاف الخ: الحاصل كما في الفتح وغيره أن من طاف طوافًا في وقته وقع عنه، نواه بعينه أولاً أو نوى طوافًا آخر، ومن فروعه ...... ولو كان في يوم النحر وقع للزيارة. (الدر المختار مع الشامي، الحج / مطلب في طواف الصدر ٣/ ٥٤٥ زكريا)

والحاصل: أن كل من طاف طوافاً في وقته وقع عند بعد أن ينوي أصل الطواف نواه بعينه أو لا، أو نوى طوافًا آخر؛ لأن النية تعتبر في الإحرام؛ لأنه عقد على الأداء فلا يعتبر في الأداء، فلو قدم معتمر وطاف وقع عن العمرة، وإن كان حاجًا قبل يوم النحر وقع للقدوم، وإن كان قارنًا وقع الأول للعمرة والثاني للقدوم، ولو كان في يوم النحر إذا طاف فهو للزيارة، وإن طاف بعد ما حل النفر فللصدر ولو كان نواه للتطوع.

(شرح فتح القدير ٢/ ٤٩٥ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/ ۲/ ۱۴۲۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ظہر سے پہلے طوافِ زیارت کے بعد طوافِ وداع کرنا

سوال (۱۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ضعیف لوگ ۱۰-۱۱-۱۲/ ذی الحجہ کو ظہر سے پہلے طوافِ زیارت کے بعد کیا طوافِ وداع کرسکتے ہیں؟ اس کی احناف کے نزدیک کچھ گنجائش ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوافِ زیارت کرنے کے بعد کسی بھی وقت طوافِ وداع کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ طوافِ زیارت کرنے کے بعد اگر نفلی طواف بھی کرلیا جائے تو وہ بھی طوافِ وداع کے قائم مقام ہو جائے گا۔

وأما وقته فأوله بعد طواف الزيارة، فلو طاف بعد الزيارة طوافاً أي أيّ طواف كان، يكون عن الصدر، أي يقع عنه سواء نواه أم لا. (مناسك ملا علی القاري ٢٥٢)

والحاصل أن كل من طاف طوافاً في وقته وقع عنه بعد أن ينوي أصل الطواف نواه بعينه أو لا …… وإن طاف بعد ما حل النفر فللصدر ولو كان نواه للتطوع. (فتح القدير ٢/ ٤٩٥ دار الفكر بيروت)

لو طاف بعد الزيارة لا يعين شيئاً أو نوى تطوعاً كان للصدر. (البحر العميق ٤/ ١٩١٧) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ طواف اگر وضو ٹوٹ جائے تو کیا کرے؟

سوال (۱۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر طواف کے دوران وضو ٹوٹ جائے، تو اسی جگہ طواف کا سلسلہ روک دینا لازم ہے اور وضو کرکے وہاں سے بقیہ طواف کی تکمیل کی جائے۔ (مستفاد: اوجز المسالک ۳/ ۵۰۳، زبدۃ المناسک ۱۲۳، غنیۃ

الناسک جدید ۱۲۷، انوار مناسک ۲۸۰-۵۷۶، معلم الحجاج ۱۳۶)

لیکن کتب: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۱۴/۴، مسائل ومعلومات حج وعمرہ ۳۶ اور دوسری کتابوں کے علاوہ آپ سے بھی سہواً ندائے شاہی حج وزیارت نمبر قدیم ۱۱۵ جدید ۱۳۸ میں بھی یہ عبارت درج ہے، طواف کے ساتوں چکروں میں باوضو رہنا ضروری ہے، اگر پہلے چار چکروں کے دوران وضوٹوٹ جائے تو وضو کر کے طواف از سرنو کرنا ہوگا، اگر چار چکروں کے بعد ٹوٹا ہے تو اختیار ہے، چاہے تو وضو کر کے بقیہ چکروں کو پورا کرلے یا از سرنو طواف کرے؛ البتہ کتاب مسائل ''مناسک حج وعمرہ مع آداب وزیارت ۱۵۸/۱'' میں اصل مضمون میں تو وہی بات لکھی ہے جو انوارِ مناسک ۳۸۰ اور ۵۷۶ اور معلم الحجاج ۱۳۶ لکھی ہے؛ لیکن حاشیہ میں یہ وضاحت کی ہے کہ چوں کہ طواف کے پہلے چار چکر فرض ہیں اور باقی تین چکر واجب، اس لئے شروع کے چار چکر پورے ہونے سے قبل وضوٹوٹ جائے تو بعد از وضو شروع سے طواف کرے۔

بہرحال اِن کتابوں میں مسائل کے لکھنے میں مستند کتابوں کا حوالہ نہیں دیا گیا، اس لئے نا قابل اعتبار ہے، اور جو مسائل وثوق کے ساتھ مستند کتابوں کے حوالہ سے لکھ دئے گئے ہیں وہ قابلِ عمل ہے۔

ندائے شاہی حج وزیارت نمبر قدیم ۱۱۵ جدید ۱۳۸ میں جو تحریر آ گئی ہے، ممکن ہے کہ آپ نے کسی موقع پر اس کی تردید کردی ہو، جس کا احقر کو علم نہیں، اگر آپ نے نہیں کی ہے تو آئندہ ایڈیشن میں اس کو حذف فرمادیں، تو زیادہ مناسب ہوگا، گستاخی معاف فرمائیں۔ والسلام

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر دورانِ طواف چار چکروں سے پہلے وضوٹوٹ جائے تو طواف اسی جگہ روک کر وضو کے بعد وہیں سے بقیہ طواف مکمل کرسکتا ہے؛ لیکن افضل یہ ہے کہ ایسی صورت میں از سرنو طواف کرے، اور اگر چار چکروں کے بعد وضوٹوٹا ہے تو اختیار ہے چاہے تو وضو کر کے بقیہ چکر پورے کرے یا از سرنو طواف کرے، اس کی وضاحت غنیۃ

الناسک کی اس عبارت میں کی گئی ہے:

عن عطاء وطاؤس ومجاهد قالوا: لا تَطُف بالبيت إلا وأنت على وضوء.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤٣٦/٨ رقم: ١٤٥٥٩ المجلس العلمي)

أو تجديد وضوء ثم عاد بنیٰ، لو كان ذٰلک بعد اتيان أكثره ولو استأنف لا شيء عليه الخ، ويستحب الاستيناف في الطواف إذا كان قبل اتيان أكثره.

(غنية الناسك ١٢٧)

اور ندائے شاہی حج وزیارت نمبر ۱۳۸ کی عبارت میں واقعۃً سہو ہوا ہے کہ اس میں ایک مستحب حکم کو اس انداز میں لکھا گیا جس سے وجوب کا شبہ ہو رہا ہے؛ لہٰذا اس میں قدرے ترمیم کرتے ہوئے ان شاء اللہ آئندہ یہ لکھا جائے گا کہ: ''اگر پہلے چار چکروں کے درمیان وضو ٹوٹ جائے تو بہتر ہے کہ وضو کر کے طواف از سر نو کرے، اور اگر وہیں سے مکمل کر لے تو یہ بھی جائز ہے''۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۱۱/۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف کے ۴؍ چکروں سے پہلے وضو ٹوٹ جائے یا نماز میں مشغول ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: خانہ کعبہ کے طواف کے بارے میں ہم بتاتے ہیں کہ اگر چار چکروں سے پہلے وضو ٹوٹ جائے تو پھر سے وضو کر کے آکر نئے سرے سے طواف شروع کیا جائے، پہلے کے چکر شمار نہیں کئے جائیں گے، اور اگر چار چکروں کے بعد وضو ٹوٹ جائے تو پھر سے وضو کر کے جہاں سے وضو ٹوٹا ہے، وہاں سے اپنا طواف مکمل کرے پہلے کے چکر شمار کئے جائیں گے، ایسے ہی اگر فرض نماز یا نماز جنازہ کے لئے جماعت کھڑی ہو جائے تب بھی یہی بات بتاتے ہیں کہ نماز

سے پہلے اگر چار چکر ہوگئے ہیں، تو نماز کے بعد بقیہ چکر پورے کرنے سے طواف مکمل ہوجائے گا ،اوراگرکم چکرہوئے ہیں،تو نئے سرے سے طواف کرنا پڑے گا، ہم نے مفتی شبیر احمد قاسمی صاحب مدرسہ شاہی مرادآباد کی کتاب ''انوارمناسک'' میں دیکھا کہ اگر ایک دو چکروں کے بعد بھی یہ صورت پیش آجائے،تو وضوکرکے یا نماز پڑھ کر بقیہ چکروں کو مکمل کیا جاسکتا ہے،اس سے طواف میں کسی قسم کی کمی خرابی واقع نہیں ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف میں چار چکروں سے پہلے وضوٹوٹ جانے یا نماز میں مشغول ہونے کی وجہ سے ازسرنوطواف کرنے کا حکم ضروری نہیں ہے؛ بلکہ افضل اور مستحب ہے؛لہٰذا اگرازسرنو کرنے میں بھیڑوغیرہ کی وجہ سے دشواری ہوتو وضواورنماز کے بعد مابقیہ چکروں کو وہیں سے پورا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے،اس سے طواف کے ثواب میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔
(مستفاد:انوارمناسک ۳۸۰)

ولو أقيمت الصلاة والرجل يطوف، أو يسعى يترك الطواف والسعي، ويصلي ثم يبني بعد الفراغ من الصلاة. (الفتاویٰ الهندية ۲۲۷/۱)

وإذا أقيمت الصلاة المكتوبة أو الجنازة خرج من طوافه إليها، وكذا إذا كان في السعي، ثم إذا فرغ وعاد على ما كان طوافه لايستقبله. (فتح القدير ۴۹۴/۲ بيروت)

ومن أضافه شيء ينقض وضوءه وهو يطوف بالبيت أو يسعى بين الصفا والمروة، وتحته في الأوجز والثانية يتوضأ ويبني، وبها قال الشافعي وإسحٰق، وقال أحمد بن حنبل: فيمن طاف ثلاثة أشواطٍ أو أكثر يتوضأ، فإن شاء بنى وإن شاء استأنف. (أوجز المسالك ۵۰۳/۳)

ولو خرج منه أو من السعي إلى جنازة أو مكتوبة، أو تجديد وضوء، ثم عاد بنى، قال الشامي: أي على ما كان طوافه، ولا يلزمه الاستقبال. (درمختار مع الشامي ۵۱۰/۳-۵۱۱ زكريا)

ولو خرج من الطواف أو من السعي إلى جنازة أو مكتوبة أو تجديد وضوءٍ ثم عاد بنى لو كان ذٰلک بعد إتيان أكثر ولو استأنف لا شيء عليه. وقوله: ويستحب الاستيناف في الطواف إذا كان قبل إتيان أكثره ...... الخ. (غنية الناسك ١٢٧ جديد، ٦٨ قديم) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تین چکر طواف کے بعد خطبہ شروع ہوگیا

سوال (۱۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے حرم شریف میں جا کر طواف شروع کیا، تین چار چکر کئے تھے، جمعہ کا خطبہ شروع ہوگیا، کیا زید اپنا طواف مکمل کرے یا طواف درمیان ہی میں چھوڑ کر خطبہ جمعہ سنے، ہمارے بعض ساتھی جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد طواف شروع کرتے تھے، کیا خطبہ کے شروع ہونے کے بعد طواف کرنا درست ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طواف کے دوران اگر جمعہ کا خطبہ شروع ہوجائے، تو چکر پورا کر کے خطبہ سننے میں مشغول ہوجانا چاہئے، پھر نماز کے بعد مابقیہ چکر پورا کرلے، اور جمعہ کا خطبہ شروع ہونے کے بعد طواف شروع کرنا جائز نہیں، تاہم اگر طواف کرلیا تو وہ درست ہوجائے گا۔

والطواف عند الخطبة مطلقاً ولو ساقطاً وإقامة المكتوبة، فإن ابتداء الخطبة حينئيذ مكروه بلا شبهة. (غنية الناسك ١٢٧ جديد)

إذا حضرت الجنازة أو المكتوبة في أثناء الشوط ينبغي أن يتمه إذا خاف فوت الركعة مع الإمام. (غنية الناسك ١٢٧ جديد) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو کیا حکم ہے؟

سوال (۱۰۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر فرض طواف یعنی طوافِ زیارت یا طوافِ عمرہ کے چکروں کی تعداد میں کمی یا زیادتی کا شک ہو جائے، تو احتیاطاً اس طواف کا اِعادہ کرلے اور اپنے گمان غالب پر عمل نہ کرے۔ (بحوالہ: شرح اللباب ۱۵۷، شامی ۲/۱۸۲، ۲۷۰، عمدۃ المناسک ۳۸۰)

اگر طوافِ فرض اور طوافِ واجب کرنے کی گنتی میں اَشواط کا شبہ ہو جائے تو از سرِ نو شروع کرنا چاہیے، بخلاف نماز کے کہ غلبۂ ظن پر بنا ہوتی ہے۔ (زبدۃ المناسک ۱۲۲)

لیکن غنیۃ الناسک اور تحریر المختار میں لکھا ہے کہ جس شوط میں شک ہو، اس کا اعادہ کیا جائے نہ کہ کل طواف کو لوٹایا جائے، اور ''البحر الرائق'' میں بھی یہی لکھا ہے۔ (زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱۲۲)

قال في الغنية: ولو شك في طواف الركن أعاد ولو شك في عدد أشواط أعاد الشوط الذي شك فيه وما في اللباب، ولو شك في أعداد أشواط الركن أعاده قال في التحرير المختار أي أعاد الشوط الذي شك فيه وليس المراد أنه يعيد الطواف كله كما يظهر، وكذا ما في البحر لو شك في أركان الحج، قال عامة المشائخ: يؤدي ثانيًا أي يؤدي ما شك فيه طوافًا كان أو شوطا فلا يخالف ظاهر الرواية. (غنية الناسك ٥٥)

الثالث الابتداء من الحجر الأسود على ما في المنهاج عن الوجيز ومال إليه في الفتح وجزم به في البحر والنهر والتنوير والدر ومراقي الفلاح، حتى قال في الدر: ولو ابتدأ من غير الحجر أعاده مادام بمكة، فلو رجع فعليه دم فتأمل، وظاهر الرواية أنه سنة يكره تركها فعليه عامة المشائخ وصححه في اللباب فلو افتتحه من غيره كره ولا شيء عليه. (غنية الناسك ٥٩)

درج بالا عبارات کو سامنے رکھ کر جواب تحریر فرمائیں:

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر طواف کے چکروں کی تعداد میں شک ہوجائے تو یقین پر بنا کرے، مثلاً چھ اور سات میں شک ہو تو صرف سا تواں چکر لوٹالے، جیسا کہ غنیۃ الناسک اور رافعی کی عبارتوں سے واضح ہے، اور اس کے برخلاف زبدۃ المناسک اور عمدۃ المناسک میں جو مسئلے لکھے گئے ہیں وہ صرف احتیاطی پہلو ہے، اصل مسئلہ نہیں ہے۔

قوله: ولو شک في عدد الأشواط في طواف الرکن أعاده أي أعاد الشوط الذي شک فیه، ولیس المراد أنه یعید الطواف کله کما یظهر. (تقریرات مع الشامي ۱٦٠/۳) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

دورانِ طواف خشکی کی وجہ سے سونف کے دانے کھانا؟

سوال (۱۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر دورانِ طواف خشکی کی وجہ سے سونف کے دانے منہ میں ڈال لئے، تو اس کے لئے کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر احرام کے طواف کی حالت میں سونف وغیرہ کھانے سے طواف فاسد نہیں ہوتا؛ لیکن اس سے احتراز اولیٰ ہے، اور اگر احرام کی حالت میں طواف کرر ہا ہے تو خوشبودار چیز کا استعمال منع ہے، جس میں سونف اور الائچی بھی شامل ہے۔

لابأس بأن یتکلم بکلام یحتاج إلیه بقدر الحاجة، ویشرب ویفعل کل ما یحتاج إلیه. (غنیة الناسك ٦٧ قدیم)

ومن المباحات الشرب لعدم تأدیته إلی ترک الموالاة لقلة زمانه بخلاف

الأكل المانع عن الموالاة. (مناسك ملا علي القاري ١٦٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۱۰/۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کمزور لوگوں کے لئے کم بھیڑ کے وقت ارکان ادا کرنا

سوال (۱۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ارکانِ حج میں جہاں بہت زیادہ بھیڑ ہوتی ہے، کوئی کمزور بوڑھا آدمی کم بھیڑ رہتے وقت ارکان کی ادائیگی کرے، تو کیا اس کی گنجائش ہے جب کہ اہلیہ بھی ساتھ ہو؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: کمزور لوگوں اور خواتین کے لئے کم بھیڑ والے اوقات میں ارکانِ حج ادا کرنا بلاکراہت جائز اور درست ہے، بس اس کا خیال رہے کہ اس عمل کا اصل وقت نہ نکلنے پائے۔ (مستفاد: معلم الحجاج /۱۸۷، ایضاح المناسک ۱۶۰)

ولو زحمه الناس وقف حتى يجد فرجة فيرمل. (درمختار ۱/۳ ۵۱ زكريا، ۱۳٤ كراچی، كذا في المناسك لملا علي القاري)

إن المرأة لو تركت الوقوف بمزدلفة لأجل الزحام لا يلزمها شيء، فينبغي أنها لو تركت الرمي لا يلزمها شيء. (البحر الرائق ٣٤٩/٢، وكذا في البحر العميق ١١٦٧/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۶/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عذر کی بنا پر رمل کا ترک درست ہے

سوال (۱۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: رمضان المبارک میں بتوفیق الٰہی عمرہ کرنے کا ارادہ ہے؛ لیکن میں لنگڑا آدمی ہوں، دونوں

ہاتھوں سے لاٹھی پکڑ کر چلتا ہوں، طوافِ بیت اللہ تو کرسکتا ہوں؛ لیکن رمل ممکن نہیں؛ اس لئے کہ دونوں ہاتھوں سے لاٹھی پکڑتا ہوں؛ لہٰذا شروع کے تین شوط میں جو رمل کرنا ضروری ہے، اگر نہ کیا تو طواف صحیح ہوجائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: معذوری کی وجہ سے رمل نہ کرنے کی بنا پر آپ کے طواف اور عمرہ میں کوئی خرابی نہ آئے گی؛ اس لئے کہ رمل صرف سنت ہے اور عذر کی وجہ سے ترکِ سنت موجبِ گناہ نہیں ہے۔

عن عطاء قال: إن نسي أن يرمل الثلاثة أشواط رمل فيما بقي، وإن لم يبق إلا شوط واحد رمل فيه ولا شيء عليه، فإن لم يرمل في شيء منهن فلا شيء عليه. (المصنف لابن أبي شيبة ٦٩٥/٨ رقم: ١٥٦٦٥ المجلس العلمي)

وهو من سنن الحج المؤكدة حتى لو تركه يصير مسيئًا بتركه كما صرح به الكرماني في سنن الحج ...... أما إذا تركه بعذر لا يكون مسيئًا. (البحر العميق ١١٦٠/٢)

ولا يطوف بلا رمل إلا إذا تعذر لمرض، وكذا إذا تعسر لكبر وغيره.

(مناسك ملا علي القاري / صفة الطواف ١٣٤ إدارة القرآن كراچی)

ورمل أي مشي بسرعة مع تقارب الخطا وهز كتفيه في الثلاث الأول استحساناً فقط، فلو تركه أو نسيه ولو في الثلاثة لم يرمل في الباقي. (درمختار ٣/٥١٠-٥١١ زكريا)

ولو رمل في الكل لاشيء عليه، ويكره تنزيها لترك سنة المشي، وكذا لو مشى في الكل إلا إذا تعذر الرمل لمرض، أو تعسر لكبر أو غيره. (غنية الناسك ١٠٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳؍۶؍۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کئی طواف کرنے کے بعد صرف ایک مرتبہ دو رکعت نماز پڑھنا

سوال (۱۱۰):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج کے موقع پر اگر دورانِ طواف جو دو رکعت نماز واجب الطّواف ادا کی جاتی ہے، بھیڑ زیادہ ہونے کی وجہ سے بہت دور جگہ ملتی ہے، پھر واپس آنے میں بھی وقت ضائع ہوتا ہے، اگر کئی طواف ایک ساتھ کرنے کے بعد نماز ادا کر لی جائے، تو شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ہر طواف کے بعد دو رکعت متصلاً پڑھنا ضروری ہے، بشرطیکہ وقت مکروہ نہ ہو، اگر کئی طواف کی نفل اکھٹی پڑھ لیں، تو کراہت کا ارتکاب لازم آئے گا؛ البتہ اگر مکروہ وقت (جیسے فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک، اور عصر سے غروب تک) میں متعدد طواف کئے، اور پھر بعد میں سب کی نوافل یکجا پڑھ لی تو کوئی کراہت نہیں، البتہ بعض فقہاء نے مکروہ وقت میں بھی واجب الطّواف پڑھنے کی اجازت دی ہے۔

قال نافع: كان ابن عمر رضي الله عنه يصلي لكل سبوع ركعتين. قال الزهري: لم يطف النبي صلى الله عليه وسلم سبوعاً قط إلا صلى ركعتين.

(صحيح البخاري ۱/ ۲۲۰ تعليقاً، إعلاء السنن ۱۰/ ۸۸ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عبد اللّٰه بن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان إذا طاف في الحج أو العمرة أول ما يقدم سعىٰ ثلاثة أطواف ومشىٰ أربعة، ثم سجد سجدتين، ثم يطوف بين الصفا والمروة. (فتح الباري ۴/ ۶۰۹ رقم: ۱۶۱۶ بيروت)

ويصلي لكل أسبوع ركعتين في الوقت الذي يباح فيه التطوع، كذا في شرح الطحاوي، ويكره له الجمع بين الأسبوعين بغير صلاة بينهما في قول أبي حنيفة ومحمد. (الفتاوىٰ الهندية ۱/ ۲۲۷)

وواجبه ...... صلاة ركعتين لكل أسبوع من أي طواف كان. (درمختار ٤٧٢/٣ زكريا)

والجمع بين أسبوعين فأكثر من غير صلاة بينهما إلا في وقت كراهة الصلوة؛ لأنه لا كراهة حينئذ بالجمع شفعاً ووتراً، لكن يؤخر ركعتي الطواف إلى وقت مباح. (مناسك ملا علي القاري ١٦٥)

ويكره الجمع بين أسبوعين أو أسابيع من الطواف قبل أن يصلي ركعتين لكل أسبوع. (البحر العميق ١٢٤٥/٢)

وعن سفيان الثوريؒ أنه سئل عن الأقران في الطواف، فنهى عنه وشدّ، وقال لكل أسبوع ركعتان، وقال صاحب السراج الوهاج: وهٰذا الخلاف إذا لم يكن في الوقت المكروه، أما في الوقت المكروه فإنه لا يكره إجماعاً، ويؤخر ركعتي الطواف إلى وقت المباح. (البحر العميق ١٢٤٧/٢)

ولو طاف بعد العصر يصلي المغرب ثم ركعتي الطواف، ثم سنة المغرب. (مناسك ملا علي القاري ١٥٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سے زائد طواف کی نمازیں ایک ساتھ پڑھنا؟

سوال (۱۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی ایک سے زیادہ طواف کرے اور ہر طواف کی دو رکعت واجب نماز اخیر میں ایک ساتھ ادا کرے، تو کیا یہ صحیح ہے؟ جواب سے نوازیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر مکروہ وقت میں پے در پے طواف کر کے سب کی

واجب الطّواف نمازیں اکٹھی پڑھنا مکروہ ہے؛ لیکن اگر ایسے وقت طواف کررہا ہے کہ جس میں نفل نماز پڑھنے کی کراہت ہے، مثلاً عصر یا فجر کے بعد کا وقت تو اس میں اگر کسی طواف کے بعد نمازیں اکٹھی پڑھ لی جائیں، تو کراہت نہ ہوگی۔

ویکره الجمع بين أسبوعين أو أسابيع من الطواف قبل أن يصلي ركعتين لكل أسبوع. (البحر العميق ١٢٤٥/٢)

وعن سفيان الثوريؒ أنه سئل عن الأقران في الطواف، فنهى عنه وشدّ، وقال لكل أسبوع ركعتان، وقال صاحب السراج الوهاج: وهٰذا الخلاف إذا لم يكن في الوقت المكروه، أما في الوقت المكروه فإنه لا يكره إجماعاً، ويؤخر ركعتي الطواف إلى وقت المباح. (البحر العميق ١٢٤٧/٢)

ولو طاف بعد العصر يصلي المغرب ثم ركعتي الطواف، ثم سنة المغرب. (مناسك ملا علي القاري ١٥٧)

والجمع بين أسبوعين فأكثر من غير صلاة بينهما إلا في وقت كراهة الصلوة؛ لأنه لا كراهة حينئذ بالجمع شفعاً ووتراً، لكن يؤخر ركعتي الطواف إلى وقت مباح. (مناسك ملا علي القاري ١٦٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف اور سعی کے درمیان موبائل سے گفتگو کرنا

سوال (۱۱۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: (۳) کسی شخص کا حالت طواف یا صفا مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے بذریعہ موبائل گفتگو کرنا، یا کسی کے کال کا جواب دینا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موبائل پر ضروری گفتگو کرنے سے طواف یا سعی میں کوئی خرابی نہیں آتی، البتہ بہتر یہ ہے کہ بلاضرورت کسی طرح کی گفتگو نہ کی جائے، اور طواف وسعی کے درمیان ذکر واذکار میں مشغول رہا جائے۔

وأما كراهة الكلام، فالمراد منه فضولة إلا مايحتاج إليه بقدر الحاجة.

(فتح القدير ٢/٥٩٤، مستفاد انوار مناسك ٤١٤ و ٥٧٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۸/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جنایاتِ طواف

وقتِ مقررہ سے تاخیر کر کے طوافِ زیارت کرنا

سوال (۱۱۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں امسال حج کو گیا تھا حالاں کہ ضعیف اور بہت دن سے پیچش کی بیماری میں مبتلا ہوں؛ لیکن نہ کرنے کی وعید کے خوف سے ایک قوی ساتھی کو لے کر گیا تھا، کبھی اس کا ہاتھ پکڑ کر کبھی کندھا پر ہاتھ رکھ کر اور کبھی خود چلتے ہوئے کام کر رہا تھا، بارہ تاریخ کو کنکری مارنے کے بعد حرم کو طواف زیارت کے لیے روانہ ہوا اگر براہ راست حرم کو جاتے تو وقت کافی ملتا، لیکن ساتھی نے کہا کہ سامان وغیرہ قیام گاہ میں رکھ کر جاؤں گا، اس کے مطابق قیام گاہ کے باہر سامان وغیرہ چھوڑ کر اجرت کی ٹیکسی میں حرم روانہ ہوا؛ لیکن سامنے گاڑیوں کی بھیڑ کی وجہ سے آہستہ آہستہ چلتا رہا، مشکل سے حرم کے قریب پہنچ کر دوڑنے لگا اور مسجد میں پہنچا؛ لیکن بعض گیٹ کو بند دیکھا گیا اور پولیس نے قطار بنا کر رکاوٹ پیدا کر دی، کسی طرح رکاوٹ توڑ کر اندر داخل ہو گیا، دریں اثناء مغرب کی اذان شروع ہوگئی تھی، اس لئے سعی چھوڑ کر طواف کی تکمیل ہوئی، چوں کہ اس سے پہلے ایک نفل طواف میں سعی کی گئی تھی، اس لئے سعی چھوڑ دی گئی، معلم الحجاج میں مولانا قاری الحاج سعید احمد صاحب مفتی مظاہر علوم سہارنپور لکھتے ہیں:

’’مکروہ تحریمی ہوگی (تاخیر) دم واجب ہوگا، مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے ایک مدرس ڈاکٹر سعید احمد عنایت اللہ نے لکھا ہے کہ: ’’تاخیر میں اور طواف صحیح ہوگا۔ (امام احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ۸۷، زبدۃ المناسک ۳۶۹) میں ہے کہ طوافِ زیارت بعد ایام نحر کے کرے بلا عذر تو دم

دے، اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ طوافِ افاضہ/ زیارت کوسب سے مؤخر کرنا سنت ہے، سب سے پہلے یا درمیان میں کرے، تو کوئی حرج نہیں؛ لیکن مکروہ ہے (زبدۃ)

الغرض ضعیف بیمار اور بہت کوشش کے بعد وہ تاخیر ہوگئی ہے، اس کے متعلق شرعاً گنجائش ہے یانہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ کا طوافِ زیارت تو شرعاً ادا ہوگیا؛ لیکن وقتِ مقررہ کے تاخیر کی وجہ سے ایک دم جنایت لازم ہے؛ اس لئے کہ اگر آپ کوشش کرتے تو وقت کے اندر اندر آپ طواف کر سکتے تھے؛ لیکن آپ نے تاخیر کی، اس لئے قصور کی وجہ سے جنایت لازم ہے، جسے آپ کبھی بھی حدودِ حرم میں ادا کر سکتے ہیں۔

عن جابر بن عبد اللّٰہ رضي اللّٰہ عنہ أن النبي صلی اللّٰہ علیہ وسلم أتی إلی البیت فصلی بمکة الظھر، یعني: یوم النحر. (المصنف لابن أبي شیبة، کتاب الحج / باب من زار یوم النحر ۸/ ۱۱۰-۱۱۱ رقم: ۱۳۲۰۶ المجلس العلمي)

عن وبرة قال: کان الأسود إذا رمی الجمرة یوم النحر زار البیت من یومه، ثم رجع إلی منزله من یومه، حتی ینفِر مع الناس إذا نفروا.

(المصنف لابن أبي شیبة ۸/ ۱۱۲ رقم: ۱۳۲۰۷ المجلس العلمي)

عن التمیمي عن أبي قلابة وجابر بن زید: أنھما زارا البیت یوم النحر. (المصنف لابن أبي شیبة ۸/ ۱۱۲ رقم: ۱۳۲۱۳ المجلس العلمي)

والحاصل: أن طواف الزیارة مؤقت بأیام النحر وتأخیره عنھا یوجب الدم عنده. (البحر العمیق ۲/ ۱۱۲۹)

وأما الواجب فھو فعله في یوم من الأیام الثلاثة عند أبي حنیفة حتی لو أخره عنھا مع الإمکان لزمه دم، وقد ورد في الحدیث أن النبي صلی

اللّٰہ علیہ وسلم طاف بعد صلاۃ الظھر یوم النحر للرکن. (البحر العمیق ۲/ ۳۴۷ کراچی)

ووقتہ أیام النحر لأن اللّٰہ تعالیٰ عطف الطواف علی الذبح، قال: فکلوا منھا، قال: ولیتطوفوا فکان وقتھا واحداً ...... ویکرہ تاخیرہ عن ھٰذہ الأیام کما بینا أنہ مؤقت بھا، وإن أخرہ عنھا لزمہ دم عند أبي حنیفۃ رحمہ اللّٰہ. (ھدایۃ ۱/ ۲۵۱ أشرفیۃ دیوبند)

فإن أخرہ عنھا أي أیام النحر ولیالیھا منھا کرہ تحریمًا، ووجب دم لترک الواجب. (درمختار ۲/ ۵۱۸ کراچی)

ولو کان في یوم النحر وقع للزیارۃ، أو بعد ما حل النفر، وقد طاف للزیاۃ، فھو للصدر وإن نواہ للتطوع؛ لأنہ في إحرام عبادۃ اقتضت وقوع ذٰلک الطواف في ذٰلک الوقت، فلا یشرع غیرہ، کصوم رمضان. (غنیۃ الناسک ۱۱۰ جدید)

ثم النیۃ للطواف شرط ...... فلو طاف بعد إرادۃ السفر ونوع التطوع أجزأہ عن الصدر (درمختار) قال العلامۃ الشامي تحتہ: قولہ فلو طاف الخ: الحاصل کما في الفتح وغیرہ أن من طاف طوافًا في وقتہ وقع عنہ، نواہ بعینہ أولاً أو نوی طوافًا آخر، ومن فروعہ ...... ولو کان في یوم النحر وقع للزیارۃ. (الدر المختار مع الشامي، الحج / مطلب في طواف الصدر ۳/ ۵۴۵ زکریا)

والحاصل: أن کل من طاف طوافاً في وقتہ وقع عند بعد أن ینوي أصل الطواف نواہ بعینہ أو لا، أو نوی طوافًا آخر؛ لأن النیۃ تعتبر في الإحرام؛ لأنہ عقد علی الأداء فلا یعتبر في الأداء، فلو قدم معتمر وطاف وقع عن العمرۃ، وإن کان حاجًا قبل یوم النحر وقع للقدوم، وإن کان

قـارنًـا وقع الأول للعمرة والثاني للقدوم، ولو كان في يوم النحر إذا طاف فهـو لـلـزيارة، وإن طاف بعد ما حل النفر فللصدر ولو كان نواه للتطوع.

(شرح فتح القدير ٢/ ٤٩٥ دار الفكر بيروت)

ولـو أخـر طواف الزيارة كله أو أكثره عن أيام النحر فعليه دم. (غنية الناسك ٣٥٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰/۳/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲/ذی الحجہ کو غروب کے بعد طواف زیارت کرنے پر دم کیوں واجب ہے؟

سوال (۱۱۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی حاجی کی ۱۲/تاریخ کی کنکری غروب تک نہ ماری جاسکی، تو اس کو اجازت ہے کہ صبح صادق سے پہلے پہلے تک کنکر مارسکتا ہے، اگر چہ کراہت کے ساتھ ہو؛ کیونکہ رات ۱۲/کی تاریخ دن کے تابع ہے یہ مسئلہ طواف زیارت کے ساتھ کیوں نہیں ہے، اگر ۱۲/تاریخ کی غروب سے پہلے پہلے کوئی حاجی طواف زیارت نہ کرسکا بلکہ ۱۲/تاریخ کے غروب کے بعد رات میں کرلیا، تو اس پر دم کیوں واجب ہے، جب کہ رات ابھی دن ہی کے تابع ہے تشفی فرمائیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: راجح قول میں طواف زیارت کو ایام نحر میں کرنا واجب ہے، اور ایام نحر کا وقت حنفیہ کے نزدیک ۱۲/ذی الحجہ کے غروب آفتاب پر ختم ہوجاتا ہے، اور اگلی رات ۱۲/کی تابع نہیں ہوتی ہے؛ لہٰذا بلا عذر شرعی ۱۲/تاریخ سے طوافِ زیارت کو مؤخر کرنے پر دم لازم ہوگا، اور راتوں کے پچھلے دنوں کے تابع ہونے کی بات صرف ۱۰-۱۱-۱۲/کی رمی میں ہے، ۱۳/کی رمی میں اگلی رات تابع نہیں ہے، اور تیرہ کی رمی کا وقت غروب آفتاب پر ختم ہوجاتا ہے، اس

تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ راتوں کے گذشتہ دن کے تابع ہونے کی بات مطلق نہیں ہے۔

ولكن يجب فعله في أيام النحر الخ، فلو أخرها أي بغير عذر ولو في آخر أيام التشريق وليلته منه كره تحريماً، ولزمه دم. (غنية الناسك ١٧٨)

وفعل طواف الإفاضة أى الزيارة في يوم من أيام النحر. (الدر المختار ٤٧٠/٢ كراچی)

فإن أخره عنها أى أيام النحر ولياليها منها كره تحريماً ووجب دم لترك الواجب. (در مختار ٥١٨/٢ كراچی، غنية الناسك ٩٥، الفتاوىٰ التاتارخانية ٦٠٧/٣ رقم: ٥١٥٦ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوافِ زیارت کئے بغیر میقات سے باہر چلے جانا

سوال (۱۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سالِ گذشتہ ایک شادی شدہ خاتون ریاض سے مختصر حج ٹور پانچ یوم حج کے لئے تشریف لائیں، حج تمتع کی نیت کی، عمرہ کیا، حج کیا، احرام باندھا اور منیٰ عرفات تشریف لائیں، عرفات کے میدان میں حیض آ گیا جس کی وجہ سے حج کے باقی ارکان تو کیا طوافِ زیارت بھی نہ کر پائیں، قافلہ کے ذمہ دار کے کہنے سے کہ بعد میں آ کر بھی طوافِ زیارت کر سکتے ہیں، ۱۲ ذی الحجہ رمی جمرات سے فارغ ہوکر رات ہی میں قافلہ کے ہمراہ ریاض مکہ مکرمہ سے ایک ہزار کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، ایسی صورت میں خاتون میقات سے باہر چلی گئیں، اب پوچھنا یہ ہے:

(۱) کہ اس خاتون کو کیا ریاض سے آتے ہوئے پھر سے احرام باندھنا ہوگا یا نہیں؟ اگر باندھنا ہو تو کس طرح نیت کریں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں طوافِ زیارت نہ کرنے کی بنا پر

سابقہ احرام ابھی باقی ہے؛ لہٰذا مذکورہ عورت جب طوافِ زیارت کرنے کے لئے ریاض سے واپس آئے گی، تو اسے از سرِ نو احرام باندھنے کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ وہ بلا احرام مکہ معظّمہ آکر طوافِ زیارت ادا کرسکتی ہے۔

ولو لم يطف طواف الزيارة أصلاً حتى رجع أهله فعليه أن يعود بذٰلک الإحرام لانعدام التحلل منه وهو محرم عن النساء أبداً حتى يطوف. (هداية) **وكذا إذا رجع إلى أهله وترک منه أربعة أشواط يعود بذٰلک الإحرام وهو محرم أبداً في حق النساء، وكلما جامع لزمه دم إذا تعددت المجالس.** (فتح القدير ٢/٦ ٢٤)

ولو ترک طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبداً في حق النساء حتى يطوف فعليه حتماً أن يعود بذٰلک الإحرام ويطوفه. (غنية الناسك ٣٧٣)

وإن رجع إلى أهله فهو محرم من النساء أبدًا فيعود إلى مكة بذٰلک الإحرام ولا يحتاج إلى إحرام جديد فيطوف للزيارة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٧ ٦٠ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۰/۳/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

شدتِ مرض کی وجہ سے طوافِ زیارت نہ کرسکا اور گھر آگیا

سوال (۱۱۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے ایک عزیز نے حج مکمل کرلیا، صرف طوافِ زیارت باقی تھا کہ ایسے سخت بیمار ہوئے کہ ہسپتال والوں نے بھی اجازت نہیں دی، پندرہ روز کے بعد ہسپتال سے سیدھے ایئر پورٹ لاکر ہوائی جہاز میں بٹھا دیا اور گھر لے آئے۔

معلوم یہ کرنا ہے کہ اس مجبوری کی وجہ سے طوافِ زیارت ۱۲ر تاریخ سے مؤخر بھی ہوا اور چھوٹ بھی گیا، کیا صرف دم دینے سے تاخیر اور ترکِ طوافِ زیارت کا کفارہ ہوجائے گا، اور میاں

بیوی ایک دوسرے کے لئے حلال ہوجائیں گے یا شرعاً کیا شکل ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوافِ زیارت کا شریعت میں کوئی بدل نہیں اور جب تک حاجی طوافِ زیارت نہ کرلے اس وقت تک ازواجی تعلق اس کے لئے حرام رہتا ہے، اورطوافِ زیارت کئے بغیر جتنی مرتبہ بیوی سے جماع کرے گا، جنایت میں ایک دم واجب ہوتا رہے گا،الا یہ کہ اگرکسی جماع سے رفض احرام کی نیت کرلے،تو اس کے بعد ہونے والے جماع سے مزید کوئی دم لازم نہ ہوگا؛ لیکن یہ اسی وقت ہے جب کہ وہ اپنی دانست میں یہ سمجھتا ہو کہ رفض احرام کی وجہ سے احرام کی پابندی ختم ہوجاتی ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: إذا رمى وحلق وذبح، فقد حل له كل شيء إلا النساء. (سنن أبي داؤد رقم: ۱۹۷۸، سنن الدار قطني / كتاب الحج ۲۴۳/۲ رقم: ۲٦٦۰ دار الكتب العلمية بيروت)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا رميتم وحلقتم وذبحتم فقد حل لكم كل شيء إلا النساء، وحل لكم الثياب والطيب. (سنن أبي داؤد رقم: ۱۹۷۸، سنن الدار قطني / كتاب الحج ۲۴۳/۲ رقم: ۲٦٦۱ دار الكتب العلمية بيروت)

ولو لم يطف أصلاً لا يحل له النساء، وإن طال ومضت سنون بإجماع. (غنية الناسك ۱۷۷ كراچی)

ولو ترك طواف الزيارة كله أو أكثره فهو محرم أبدا في حق النساء حتى يطوف فكلما جامع لزمه دم إذا تعدد المجلس إلا أن يقصد الرفض فلا يلزمه بالثاني شيء فعليه حتما أن بذلک الإحرام، ويطوفه ولا يجزئ عنه البدل أصلا. (غنية الناسك / الفصل السابع في ترك الواجب في أفعال الحج كالطواف والسعي الخ ۲۷۲ كراچی)

ثم نية الرفض إنما تعتبر في اتحاد الجزاء ممن زعم أنه يخرج منه بهذا القصد لجهالة مسألة عدم الخروج، وأما من علم أنه لا يخرج منه بهذا القصد، فإنها لا تعتبر منه، وكذا ينبغي أن لا تعتبر منه إذا كان شاكا في المسألة أو ناسيًا لها. (غنية الناسك ٢٤٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲؍۱؍۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوافِ زیارت سے پہلے اگر انتقال ہوجائے تو حج کی تکمیل کیسے ہوگی؟

سوال (۷۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: از راہِ کرم حسبِ ذیل مسئلہ میں شرعی احکام سے روشناس فرمائیں، امسال ایک قافلہ حیدرآباد سے حج کے لئے روانہ ہوا، جس میں ایک ضعیف العمر خاتون جن کی عمر ۷۰؍سال سے متجاوز اور ضیق النفس (دمہ) کی مریضہ تھیں، دورانِ ایامِ حج بارش اور سخت سردی کی وجہ سے شدید متاثر ہوگئیں، الحمدللہ وقوفِ عرفہ اور مزدلفہ پورا ہوا، بوجہ پیرانہ سالی اور تنفس کی شدت کی وجہ سے بذریعہ اجازت وکیل رمی جمرات کا عمل پورا ہوا، بعد ازاں قربانی اور بال کاٹنے کے بعد احرام سے باہر آگئیں، چونکہ مرض شدت اختیار کرگیا تھا جس کی وجہ سے طوافِ زیارت ۱۲؍ذی الحجہ کے غروب سے قبل نہ ہوسکا، چونکہ شدید مرض کی وجہ سے شرعی اجازت ہے، اس خیال سے صحت ہونے کے بعد طوافِ زیارت کروادیں گے، یہ بات سوچی گئی؛ لیکن ۱۲؍ذی الحجہ کو شام کے وقت مرض شدت کرگیا اور ہسپتال لے جانے کے دوران ہی راستہ میں انتقال کرگئیں، اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائیں آمین ثم آمین۔

اس تفصیل کے بعد دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان خاتون کے حج کی تکمیل کے لئے چوں کہ طوافِ زیارت نہ کرپائیں، کیا بدنہ قربانی دینا ضروری ہے یا نہیں؟ ان باتوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے فتویٰ دیں:

(۱) موصوفہ نے حج کے تکمیل کرنے کی وصیت نہیں کی، چونکہ وہ دینی مزاج کی حامل بھی نہیں تھیں، اورانہیں اس بات کا علم بھی نہیں تھا کہ ایسے وقت میں تکمیل حج کی وصیت کرنا چاہئے؟

(۲) موصوفہ پر اسی سال حج فرض نہیں ہوا؛ بلکہ حج فرض ہوئے کئی سال ہو چکے تھے، بقول ورثہ کے زندگی میں دو مواقع ایسے آئے کہ ان اوقات میں وہ کرنا چاہتی تو کرسکتی تھیں؛ لیکن ان سے اس سلسلہ میں تساہل ہوا۔

(۳) اس سلسلہ میں ایک وارث بخوشی اپنی رقم سے بدنہ کی قربانی موصوفہ کی طرف سے دینے کے لئے تیار ہے؛ لیکن باقی رشتہ دار انہیں منع کررہے ہیں، یہ کہاں تک درست ہے؟ جب کہ احکامات یہ ہیں:

مسئلہ :-کوئی شخص وقوفِ عرفہ کے بعد طوافِ زیارت سے پہلے مرجائے اور حج پورا نہ کرنے کی وصیت کرجائے کہ میرا حج پورا پورا کرادینا، تو بدنہ یعنی ایک گائے یا اونٹ ذبح کرنا واجب ہوگا۔(بحوالہ:معلم الحجاج ۱۷۹)

اوراسی صفحہ ۱۷۹ کے آخر حاشیہ میں یہ تفصیل موجود ہے، جو شخص حج فرض ہونے کے بعد دوسرے تیسرے سال تاخیر کرکے حج کے لئے آیا ہو، اس کو قبل یا بعد وقوف کے مرنے کے وقت وصیت اتمام واجب ہوگا۔(معلم الحجاج ۱۷۹ حاشیہ)

لیکن وصیت نہ کرنے کی وجہ نمبر ۱ر میں لکھ دی گئی۔

مسئلہ :-اگر وارث بغیر وصیت کے جزاء ادا کردے تو ادا ہوجاتی ہے۔(بحوالہ:معلم الحجاج ۲۲۶) جواب سے جلد مطلع فرمائیں، تو مہربانی ہوگی۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق : مسئولہ صورت میں موصوفہ پر حج کی تکمیل کے لئے بدنہ دینے کی وصیت کرنا ضروری تھا، اگرانہوں نے کسی وجہ سے اس کی وصیت نہیں کی، تو وارثین پر ان کے متروکہ مال میں سے بدنہ دینا لازم نہیں؛ لیکن اگر کوئی وارث بخوشی اپنی رقم سے ان کی طرف

سے بدنہ دیدے تو انشاء اللہ موصوفہ کا حج مکمل ہو جائے گا (آپ نے معلم الحجاج کے حوالہ سے جو مسائل نقل کئے ہیں ان سے بھی یہی بات مستفاد ہوتی ہے)

ولو مات قبل فعله قالوا: يجب عليه الوصية ببدنة؛ لأنه جاء العذر من قبل من له الحق، وإن كان آثما بالتأخير. (غنية الناسك ٩٥ قديم)

ولا يجزئ عنه البدل إلا إذا مات بعد الوقوف بعرفة وأوصى بإتمام الحج تجب البدنة لطواف الزيارة وجاز حجه. (غنية الناسك ٩٥ قديم)

إذا مات بعد فرض الحج ولم يوص، فحج رجل عن الميت من غير وصية، أو تبرع الورثة بذلک فحج عن أبيه، أو عن أمه حجة الإسلام من غير وصية أوصى بها الميت، قال أبو حنيفة: يجزئه ذلک إن شاء الله. (مستفاد از: المسالك في المناسك ٢/ ٨٨٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۳/۱/۱۴۳۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے صحبت کرنا

سوال (۱۱۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طواف زیارت سے پہلے بیوی سے ہم بستری کرلی تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: طوافِ زیارت نہ کرنے کی وجہ سے مذکورہ عورت ابھی پوری طرح حلال نہیں ہوئی ہے، اس لئے راجح قول کے مطابق طوافِ زیارت سے پہلی مرتبہ جماع پر ایک بدنہ (اونٹ) کی قربانی اس پر واجب ہوگی، اور اس کے بعد جتنی مرتبہ ہم بستری ہوئی ہے، تو ہر مرتبہ کے مقابلہ میں ایک بکری جنایت میں دینی ہوگی، اور یہ سب جانور حدود حرم میں ذبح کئے جائیں گے، اور ان کا گوشت فقراء پر تقسیم ہوگا خود کھانا درست نہ ہوگا۔

وإن جامع بعد طواف العمرة وبعد الوقوف قبل الحلق، وقبل طواف الزيارة كله أو أكثره لم يفسد الحج ولا العمرة ولا يسقط عنه دم القران، وعليه بدنة للحج وشاة للعمرة، فشرائط وجوب البدنة بالجماع ثلاثة: ...... الثاني: أن يكون قبل الطواف وقبل الحلق عند الجمهور، والثالث: أن يكون الجماع أول مرة فلو جامع مرة ثانية، فعلى كل واحد شاة مع البدنة. (غنية الناسك / باب الجنايات ٢٧١ كراچی، كذا في الفتاویٰ التاتارخانية ٥٨٠/٣ رقم: ٥٠٧٤ زكريا، البحر الرائق ١٦/٣-١٧)

عن عبد اللّٰه بن عباس رضي اللّٰه عنهما: أنه سئل عن رجل وقع بأهله وهو بمنیٰ قبل أن يفيض، فأمره أن ينحر بدنة. (المؤطا للإمام مالك ٢٦٤/١ رقم: ١٥٥)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أتاه رجل فقال: وطئت امرأتي قبل أن أطوف بالبيت، قال: عندک شيء؟ قال: نعم، إني مؤسر، قال: فانحر ناقة سمينة فأطعمها المساكين. (السنن الكبریٰ للبيهقي / باب الرجل يصيب امرأته بعد التعلل الأول وقيل الثاني ٢٧٩/٥ رقم: ٩٧٩٩ دار الكتب العلمية بيروت، المصنف لا بن أبي شيبة ٥٨٢/٨ رقم: ٦٣-١٥١٦٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلق اور طوافِ زیارت سے پہلے بیوی سے ہمبستر ہونا؟

سوال (۱۱۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کسی شخص نے وقوفِ عرفہ کے بعد حلق اور طوافِ زیارت سے پہلے جماع کیا یا حلق تو کرا چکا تھا؛ لیکن ابھی طوافِ زیارت باقی تھا کہ بیوی سے صحبت کر بیٹھا تو ان صورتوں میں کیا اس کا حج فاسد ہوجائے گا؟ اور کیا اس پر دونوں صورتوں میں بدنہ واجب ہوگا یا صرف دم واجب ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر وقوفِ عرفہ کے بعد حلق اور طوافِ زیارت سے پہلے جماع کیا ہے، تو بطور جنایت بدنہ (بڑے جانور) کی قربانی واجب ہوگی، اور اگر وقوفِ عرفہ کے بعد حلق یا قصر کراچکا تھا؛ لیکن ابھی طوافِ زیارت باقی تھا یا طوافِ زیادت تو کرلیا تھا، مگر ابھی حلق نہیں کرایا تھا، تو اس وقت جماع کرنے سے صرف دم جنابت بکری کی صورت میں لازم ہوتا ہے، بدنہ لازم نہیں ہوتا اور بہر صورت حج فاسد نہ ہوگا۔

وإن جامع امرأته بعد الوقوف بعرفة أى ساعة قبل الحلق ...... وقبل طواف الزيارة كله أو أكثر ...... لم يفسد حجه ...... وعليه بدنة. (إرشاد الساوي ٣٧٧)

ولو جامع امرأته بعد الوقوف بعرفة لايفسد حجه جامع ناسيا أو حامدا ويجب على كل واحد منهما بدتة. (الفتاوىٰ الهندية ١/٢٤٥)

ووطؤه بعد وقوفه لم يفسد حجه وتجب بدنة. (درمختار مع الشامي ٣/٥٩٤ زكريا)

وبعد الحلق قبل طواف الزيارة كله أو أكثره شاة وعليه المتون وقيل بدنة. وقبل الحلق بعد طواف الزيارة كله أو أكثره شاة إجماعا؛ لأن تعظيم الجناية إنما كان لمراعاة هٰذا الركن، أما بعد الحلق قبل الطواف فقد صادفت إحراما ناقصا لوجود الحال في حق غير النساء فخف الجزاء. (غنية الناسك ٣٤٨)

وإن جامع بعد الحلق فعليه شاة. (الفتاوىٰ الهندية ١/٢٤٥)

وبعد الحلق قبل الطواف شاة لخفة الجناية. (درمختار ٣/٥٩٤ زكريا)

وإن جامع بعد الحلق فعليه شاة لبقاء إحرامه في حق النساء ...... فخفت الجناية فاكتفى بالشاة. (هدايه مع فتح القدير ٣/٤٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''مسائل ومعلومات حج وعمرہ'' نامی کتاب میں طوافِ زیارت سے متعلق چند مسئلوں کی تصحیح

سوال (۱۲۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کتاب ''مسائل ومعلومات حج وعمرہ'' (مولف جناب محمد معین الدین احمد صاحب کراچی) پاکستان کے نامی گرامی مفتی صاحبان سے تصدیق شدہ ہے۔۱۹۸۵ء سے مسلسل ہر سال پاکستان میں بھی ہزاروں کی تعداد میں مختلف مقامات سے طبع ہوکر مفت تقسیم ہوتی ہے، الحمد للہ حاجیوں کی رہبری کے بڑی مفید ہے، تاہم اس کتاب میں دو مقامات پر مولف کتاب سے غلطی سرزد ہوئی ہے، جس کی اصلاح ضروری ہے، مولف کتاب چونکہ پاکستان میں رہتے ہیں ان کا پتہ بھی کتاب میں درج نہیں ہے؛ اس لئے توجہ دلانے میں تاخیر ہوئی؛ کیوں کہ مسئلہ اہم ہے اس لئے خیال ہوا کہ جو لوگ ہر سال اس کو طبع کرواکر تقسیم کررہے ہیں، ان کی توجہ اس طرف مبذول کرائی جائے، تاکہ مسائل صحت کے ساتھ طبع ہوں۔

اس سلسلہ میں احقر نے ان غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مستند کتابوں کے حوالے کے ذریعہ صحیح مسائل سے روشناس کیا ہے، چوں کہ میں عالم نہیں ہوں؛ اس لئے مسائل کو آپ کی خدمت میں روانہ کررہا ہوں، جو کچھ میں نے لکھا ہے اگر صحیح ہو تو اس کی تصدیق فرمائیں یا صحیح مسئلہ سے واقف فرمائیں:

(۱) غلطی: - اگر طواف زیارت سے پہلے اور وقوفِ عرفہ کے بعد جماع کرلیا تو، اگر جماع حلق سے پہلے کیا ہے تو اس پر اونٹ یا گائے لازم ہے، اور اگر جماع حلق کے بعد کیا ہے، تو بکری لازم ہے؛ البتہ حج فاسد نہیں ہوگا؛ لیکن طوافِ زیارت پھر بھی کرنا ہوگا، طوافِ زیارت ساقط نہیں ہوتا ہے۔ (مسائل معلومات حج وعمرہ ۸۲)

حالانکہ دیگر کتب میں اس کے برخلاف لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص وقوفِ عرفہ اور حلق کے بعد

طوافِ زیارت سے قبل جماع کا مرتکب ہوتا ہے تب بھی دم (بکری) نہیں؛ بلکہ بدنہ (اونٹ یا گائے) کی قربانی واجب ہوگی۔ دیکھئے!

الف:- طوافِ زیارت سے قبل بیوی سے ہم بستری ہو جائے یا حالتِ جنابت یا حالت حیض ونفاس میں طوافِ زیارت کیا جائے ،تو جرمانہ میں ایک اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوتی ہے،اس کو بدنہ کہتے ہیں۔ (انوار مناسک ۱۱۸)

ب:- اگر طوافِ زیارت سے قبل بیوی سے ہم بستری کر لی تو حج فاسد نہیں ہوگا،مگر اس پر ایک بدنہ یعنی اونٹ یا گائے کی قربانی واجب ہوگی۔ (بحوالہ: انوار مناسک ۳۵۵،آپ کے مسائل اور ان کا حل ۱۴۶/۴،احسن الفتاویٰ ۵۵۸/۴، بدائع الصنائع ۸۳/۳ بیروت،بدائع الصنائع ۲۱۷/۲ قدیم)

ج:- محققین کے قول میں طواف وحلق سے پہلے یا حلق کے بعد اور طواف سے پہلے بھی بدنہ ہے۔ (معلم الحجاج ص: ۲۴۲ نوٹ)

(۲) غلطی:- بوجہ حیض طوافِ زیارت ایام نحر میں نہ کرنے کے سلسلہ میں درج ہے:

سعودی عرب میں مقیم لوگوں کے دوبارہ مکہ مکرمہ آنا کوئی مشکل نہیں ہے؛ اس لئے وہاں کی مقیم عورت کے لئے ساتھ اگر یہ صورت حال ہو تو وہ بغیر طوافِ زیارت اپنے گھر واپس جائے اور پہلی فرصت میں عمرہ کا احرام باندھ کر مکہ مکرمہ آئے، پہلے عمرہ کے تمام ارکان ادا کر لے، اس کے بعد طوافِ زیارت کرے اور تاخیر سے طوافِ زیارت کرنے کا دم بھی دے۔ (مسائل ومعلومات حج وعمرہ ۱۰۵)

اس مسئلہ میں مولف کتاب سے حسبِ ذیل غلطیاں سرزد ہوئی ہیں:

الف:- وقوفِ عرفہ، رمی، قربانی، حلق یا قصر کے بعد احرام کا باقی نہ رہنا سمجھنا (ب) طوافِ زیارت ادا نہ ہونے کے باوجود عمرہ کا احرام اور طوافِ زیارت سے پہلے عمرہ کرنے کی ہدایت (ج) بوجہ حیض طوافِ زیارت میں تاخیر پر دم۔

غلطی (الف) سے متعلق صحیح مسئلہ یہ ہے وقوفِ عرفہ رمی قربانی حلق یا قصر کے بعد حاجی کلی طور پر حلال نہیں ہوتا؛ بلکہ جزوی طور پر حلال ہوتا ہے، مثلاً سلے ہوئے کپڑوں کا استعمال خوشبو

وغیرہ،طوافِ زیارت کے بعد ہی کلی طور پر حلال ہوتا ہے؛اس لئے جس عورت یا مرد نے طوافِ زیارت نہ کیا ہواس کا احرام ابھی باقی ہے، وہ بغیر نیا احرام باندھے پہلے طوافِ زیارت کرے۔ (انوار مناسک ۵۲۵)

غلطی (ب) سے متعلق صحیح مسئلہ: اگر کوئی شخص طواف زیارت ۱۲/ ذی الحجہ تک نہ کر سکے،تو بعد میں جب چاہے کرسکتا ہے، نیا احرام باندھے بغیر ویسے ہی جا کر طواف کرے اور تاخیر کی وجہ سے دم دے،طواف زیارت سے قبل دوسرے حج یا عمرہ کا احرام باندھنا جائز نہیں، بیوی سے صحبت کرنا بھی حرام ہے، اگر بیوی سے صحبت کرلی تو دم تاخیر کے علاوہ بدنہ یعنی پوری گائے یا پورا اونٹ بھی واجب ہے۔ (احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۵۸)

جو عورت طواف زیارت کے بغیر واپس آ گئی تو اس کا حج نہیں ہوگا، اور نہ وہ اپنے شوہر کے لئے حلال ہوگی جب تک کہ واپس جا کر طواف زیارت نہ کرلے، احرام کی حالت میں رہے گی، اور جو شخص طواف زیارت کے بغیر واپس آ گیا ہو اسے چاہئے کہ بغیر نیا احرام باندھے مکہ مکرمہ جائے، اور طواف زیارت کرے تاخیر کی وجہ سے اس پر دم بھی لازم ہوگا۔ (بحوالہ: آپ کے مسائل اور ان کا حل ۴/ ۱۴۸)

غلطی (ج) سے متعلق صحیح مسئلہ: اگر عورت حیض کی وجہ سے طواف زیارت اس کے وقت میں نہ کرسکیں گی تو دم واجب نہ ہوگا، پاک ہونے کے بعد طواف کرلے۔ (معلم الحجاج ۱۸۰)

مسئلہ:- اگر ایام نحر میں عورت حیض یا نفاس میں مبتلا ہوجائے اور ناپاکی ہی کی حالت میں ایام نحر مکمل گذر جائیں، تو ایسی صورت میں طواف زیارت کو ایام نحر سے تاخیر کرنے کی وجہ سے گنہگار نہ ہوگی، اور نہ ہی اس پر کوئی فدیہ یا دم وغیرہ لازم ہوگا؛ بلکہ جب پاک ہوجائے تب ہی طواف کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (ایضاح المناسک ۱۰۳، غنیۃ الناسک ۹۵، البحر الرائق ۲/ ۳۷۰)

خود مولف اپنی کتاب ص: ۱۰۴ پر لکھتے ہیں: حیض کی وجہ سے طوافِ زیارت اگر اپنے وقت سے مؤخر ہوگیا تو دم واجب نہیں ہوگا، پھر یہاں بوجہ حیض تاخیر پر دم کا حکم دینا کیا معنی رکھتا ہے؟

نوٹ:- ’’احسن الفتاویٰ‘‘ اور کتاب ’’آپ کے مسائل اور ان کا حل‘‘ میں تاخیر پر جودم کا ذکر ہے، وہ مردوں سے متعلق ہے الفاظ سے بھی یہ بات ظاہر ہے شخص لکھا گیا نہ کہ عورت۔ والسلام

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: (۱) وقوفِ عرفہ کے بعد حلق، قصر وطواف زیارت سے قبل جماع کے ارتکاب سے بالاتفاق بدنہ واجب ہوتا ہے؛ لیکن حلق کے بعد اور طواف زیارت سے قبل جماع کی صورت میں بدنہ واجب ہے یا بکری؟ اس بارے میں فقہاء کا اختلاف ہے، جمہور کا قول یہ ہے کہ بکری واجب ہوگی ’’مسائل ومعلومات حج وعمرہ‘‘ نامی کتاب میں اسی قول کو اختیار کیا گیا ہے۔

دوسرا قول جسے بعض محقق مشائخ نے اختیار کیا ہے یہ ہے کہ اس صورت میں بھی بدنہ واجب ہوگا، اور اس دوسرے قول میں احتیاط زیادہ ہے؛ لیکن پہلے قول کو بالکلیہ رد بھی نہیں کیا جاسکتا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أتاه رجل فقال: وطئت امرأتي قبل أن أطوف بالبيت، قال: عندک شيء، قال: نعم، إني مؤسر، قال: فانحر ناقة سمينة فأطعمها المساكين. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب الرجل يصيب امرأته بعد التعلل الأول وقيل الثاني ۲۷۹/۵ رقم: ۹۷۹۹ دار الكتب العلمية بيروت، المصنف لابن أبي شيبة ۵۸۲/۸ رقم: ۶۳-۱۵۱۶۲)

قال في البحر: تجب شاة إن جامع بعد الحلق قبل الطواف لقصور الجناية لوجود الحل الأول بالحلق، ثم اعلم أن أصحاب المتون على ماذكره المصنف من التفصيل فيما إذا جامع بعد الوقوف، فإن كان قبل الحلق فالواجب بدنة، وإن كان بعده فالواجب شاة، وشرحه جماعة من المشائخ كصاحب المبسوط والبدائع والأسبيجابي على وجوب البدنة مطلقاً، وقال في فتح القدير: أنه الأوجه؛ لأن إيجابها ليس إلا بقول ابن عباس رضي الله عنه والمرى

عنه ظاهر فيما بعد الحلق. (البحر الرائق ۲۹/۳ زكريا، غنية الناسك ۲۷۱ جديد)

(۲) اورآپ نے طواف زیارت کے ترک پر دوبارہ احرام باندھنے سے متعلق ''مسائل ومعلومات حج وعمرہ'' کی جو عبارت پیش کی ہے اس میں واقعۃً تسامح ہوا ہے کیونکہ اصل مسئلہ یہی ہے کہ طواف زیارت کیے بغیر اگر کوئی شخص باہر چلا جائے تو ابھی اس کا احرام باقی ہے، اور وہ نیا احرام باندھے بغیر حرم میں آکر طواف زیارت ادا کرے گا، جیسا کہ اس عبارت سے واضح ہے:

ولو ترک طواف الزيار ة كله أو أكثره فهو محرم أبداً في حق النساء حتى يطوف فعليه حتما أن يعود بذٰلک الإحرام و يطوفه ...... ثم إن جاوز الوقت يعود بإحرام جديد، وإن لم يجاوزه عاد بذلک الإحرام الخ. (غنية الناسك ۲۷۳ إدارة القرآن كراچی)

وإن رجع إلى أهله فهو محرم من النساء أبدا فيعود إلى مكة بذٰلک الإحرام و لا يحتاج إلى إحرام جديد فيطوف للزيارة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۶۰۷/۳ زكريا، الفتاویٰ الولوالجية ۲۹۱/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

اور حائضہ عورت اگر حیض کی وجہ سے طواف زیارت ایام نحر سے مؤخر کرے، تو اس پر دم نہیں ہے، اس بارے میں بھی مسئولہ عبارت میں سبقت قلم ہوا ہے، اس کی تصحیح کرنی چاہئے۔

وهٰذا عند الإنان فلا شئ على الحائض بتاخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. (غنية الناسك ۹۵، هكذا في الدر المختار ۵۱۹/۲ كراچی، البحر الرائق ۳۷۰/۳)

ولا دم على الحائض للتاخير في قولهم؛ لأنها ممنوعة، فكان التاخير بعذر. (الفتاویٰ الولوالجية ۲۹۱/۱ دار الكتب العلمية بيروت)

لا شيء على الحائض وكذا النفساء لتاخير الطواف أي طواف الزيارة كما في الفتاویٰ السراجية وغيرها، مقيد بما إذا حاضت في وقت لم تقدر على أكثر الطواف أي قبل الطواف، أو حاضت قبل أيام النحر ولم تطهر إلا بعد مضي

أيـام الـنـحر أي جميعها، وحاصله ما في البحر الزاخر: من أن المرأة إذا حاضت أو نفست قبل أيام النحر فطهرت بعد مضيها فلا شيء عليها. (مناسك ملا على القاري / باب الجنايات ٣٥ إدارة القرآن كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۸/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تلبیہ سے متعلق مسائل

تلبیہ کے الفاظ

سوال (۱۲۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تلبیہ کے الفاظ کیا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج میں تلبیہ کی حیثیت تقریباً ایسی ہی ہے جیسی نماز میں تکبیرِ تحریمہ کی، اور تلبیہ کے منقول الفاظ یہ ہیں:

لَبَّیْکَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْکَ، لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکَ لاَ شَرِیْکَ لَکَ. (صحیح البخاري ۱/ ۲۱۰، صحیح مسلم ۱/ ۳۷۵، غنیة الناسك ۷۳)

ترجمہ:- میں حاضر ہوں اے اللہ میں حاضر ہوں، میں حاضر ہوں آپ کا کوئی ساجھی نہیں، میں حاضر ہوں، ہر طرح کا شکر اور سب نعمتیں صرف آپ ہی کے لئے ہیں اور ساری بادشاہی آپ ہی کے اختیار میں ہے، آپ کا کوئی شریک نہیں۔

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

کیا حج وعمرہ میں نیت کے ساتھ فوراً تلبیہ کہنا شرط ہے؟

سوال (۱۲۲):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج وعمرہ میں تلبیہ میں نیت سے متعلق مسئلہ میں بندہ کو چند اشکالات درپیش ہیں، مہربانی فرما

کراُن اِشکالات کو دور فرمادیں۔

مسئلہ (۱):- (حج یا عمرہ کی) نیت کا تلبیہ کے ساتھ ہونا شرط ہے۔ (بحوالہ: معلم الحجاج ۱۰۱)

مسئلہ (۲):- احرام کی حقیقت یہ ہے کہ حج یا عمرہ کی نیت سے تلبیہ پڑھ لیا جائے؛ لہٰذا احرام کے لئے نہ صرف نیت کافی ہے اور نہ ہی صرف تلبیہ؛ بلکہ جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لئے تکبیر تحریمہ اور نیت دونوں کا ایک ساتھ ہونا شرط ہے، اسی طرح حج یا عمرہ میں داخل ہونے کے لئے تلبیہ اور نیت دونوں کا ایک ساتھ ہونا شرط ہے۔ (مستفاد: شامی ۲/۴۶۷ کراچی، ایضاح المناسک ۶۸)

مسئلہ (۳):- احرام کی حقیقت یہ ہے کہ حج یا عمرہ یا دونوں کی نیت سے تلبیہ پڑھ لیا جائے، اور احرام کے لئے نہ صرف نیت کرنا کافی ہے اور نہ ہی صرف تلبیہ؛ بلکہ جس طرح نماز میں داخل ہونے کے لئے دل سے نیت کے ساتھ ساتھ تکبیر تحریمہ کا زبان سے ادا ہونا لازم اور شرط ہے، اسی طرح حج یا عمرہ کے احرام میں داخل ہونے کے لئے نیت اور تلبیہ دونوں کا ایک ساتھ ہونا بھی لازم ہے؛ لہٰذا اگر دل میں نیت کر لی ہے اور تلبیہ یا اس کے قائم مقام کوئی ذکر اللہ زبان سے نہیں پڑھا، تو احرام میں داخل نہیں ہوگا، اور اسی طرح اگر زبان سے تلبیہ یا اس کے قائم مقام ذکر کے الفاظ زبان سے پڑھ لئے ہیں، مگر دل میں نیت نہیں ہے تو بھی احرام میں داخل نہ ہوگا۔

الإحرام هو النية والتلبية أو ما يقوم مقامها، أي مقام التلبية من الذكر أو تقليد البدنة مع السوق. (شامي ٤٦٧/٢ كراچی)

ومن شاء الإحرام وهو شرط صحة النسک کتکبیرة الافتتاح، فالصلاة والحج لهما تحریم وتحلیل. وقوله في الشامية: والمراد بالذكر التلبية ونحوها وبالخصوصية ما يقوم مقامها من سوق الهدي، أو تقليد البدن فلا بد من التلبية أو ما يقوم مقامها فلو نوى ولم يلب أو بالعكس لا يصير محرماً. (شامي ٤٧٩/٢ كراچی)

مندرجہ بالا روایتوں کی روشنی میں نیت اور تلبیہ کا ایک ساتھ ہونا شرط ہے، یہ تحریر ایک صاحب کی خدمت میں روانہ کی تھی، انہوں نے اس کی تردید کرتے ہوئے حسبِ ذیل روایتیں

روانہ فرمائی ہیں:

''نیت اور تلبیہ ایک ساتھ ہونا شرط ہے یا نہیں، اس بارے میں حسبِ ذیل فقہی عبارات ملاحظہ فرمائیں: ہدایہ اولین، کتاب الحج باب الاحرام میں ہے:

ثـم يلبي عقيب صلاته لما روي أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم لبى في دبر صلاته، وإن لبى بعد ما استوت به راحلته جاز، ولكن الأول أفضل لما روينا.

پھر نماز کے بعد تلبیہ پڑھے، اس روایت کی بنا پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے بعد تلبیہ پڑھی، اور اگر پڑھے سواری کی پوری طرح تیار کے بعد تو یہ بھی جائز ہے؛ لیکن پہلی بات افضل ہے۔

تحفۃ الفقہاء (۱/۱ ۴۰) کی عبارت اس طرح ہے: **ثـم يصلي ركعتين ثم ينوي العمرة ويلبي في دبر صلاته بذلک أو بعد ما تستوي به راحلته على الوجه الذي ذكرنا ويرفع صوته بالتلبية.**

پھر دو رکعتیں پڑھے، پھر عمرہ کی نیت کرے اور تلبیہ پڑھے اپنی نماز کے بعد، یا اپنی سواری کے پوری طرح تیار ہوجانے کے بعد، اس وجہ سے کہ جس کا ذکر ہم نے کیا اور اپنی آواز کو تلبیہ کے لئے بلند کرے۔

الموسوعۃ الفقہیہ (ج:۲/ص:۱۳۳) کی عبارت حسب ذیل ہے: **الأفضل عند الحنفية والحنابلة أن يلبي بنية الحج أو العمرة، أو نيتهما معًا عقب صلاته ركعتين سنة الإحرام، وبعد نية النسک وإن لبى بعد ما استوت به راحلته أو ركوبته جاز إلى أن يبلغ نهاية الميقات.**

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک افضل یہ ہے کہ تلبیہ پڑھے حج یا عمرہ کی نیت کے ساتھ یا دونوں کی نیت کے ساتھ دو رکعت سنت احرام کے بعد اور نسک (یعنی ہدی) کی نیت کے بعد۔ اور اگر تلبیہ پڑھے سواری کی پوری طرح تیاری کے بعد یا اس پر سوار ہونے کے بعد تو بھی جائز ہے، یہاں تک کہ میقات کی حد تک پہنچ جائے۔ (یعنی میقات پہونچنے تک تلبیہ پڑھ سکتا ہے)

یہاں عمرہ کی نیت اور تلبیہ کے لئے کہا جا رہا ہے کہ نماز کے بعد تلبیہ پڑھ لو یہ بہتر ہے، اور اس کی بھی اجازت دی جارہی ہے کہ نماز وغیرہ سے فارغ ہو کر جب سواری کو پوری طرح تیار کرلو، اس وقت تلبیہ پڑھ لو یا اس پر سوار ہو کر تلبیہ پڑھ لو، یہاں تک کہ آگے جا کر میقات پر پہنچنے کے بعد تلبیہ پڑھ لو۔

فتاویٰ عالمگیری (الباب الثالث فی الاحرام) میں اس طرح درج ہے: **وأما شرط النية حتى لا يصير محرمًا بالتلبية بدون نية الإحرام، كذا في محيط السرخسي، ولا يصير شارعاً بمجرد النية ما لم يات بالتلبية، أو ما يقوم مقامها من الذكر، أو سوق الهدي، أو تقليد البدنة.**

بہر حال (احرام کی) نیت کی شرط تو وہ احرام کی نیت کے بغیر صرف تلبیہ سے محرم نہیں ہوگا، اور ایسے ہی صرف نیت ہی سے احرام شروع نہیں ہوگا جب تک کہ تلبیہ نہ پڑھ لے، یا اس کے قائم مقام کوئی کام نہ کرلے، جیسے ذکر یا ہدی کو ہانکنا یا بدنہ کے گلے میں پٹہ ڈالنا۔

بخاری شریف (**كتاب الحج، باب ما يلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر، حديث: ١٤٧٠**) کے الفاظ ہیں:

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنه قال: انطلق النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة بعد ما ترجل وادهن ولبس إزاره ورداءه هو وأصحابه، فلم ينه عن شيء من الأردية والأزر تلبس إلا المزعفرة التي تردع على الجلد، فأصبح بذى الحليفة، ركب راحلته، حتى استوى على البيداء أهلّ هو وأصحابه، وقلد بدنته.

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب مدینہ سے چلے تیل لگا کر کنگھی کر کے اور تہبند اور چادر اوڑھ کر، اور آپ نے منع نہیں فرمایا چادر اور ازار میں سے کسی چیز کے پہننے سے، سوائے اس زعفرانی کپڑے کے جس کا رنگ جلد تک پہونچ جاتا ہے، اور آپ ذوالحلیفہ پہنچے، سواری پر سوار ہوئے اور بیداء پر کھڑے ہوئے اور تلبیہ پڑھی، آپ نے بھی

اورآپ کے اصحاب نے بھی۔ اوراپنے بدنہ یعنی قربانی کے جانور کے گلے میں پٹہ ڈالا۔

حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے چلنا حج کی نیت سے تھا، تو معلوم ہوا کہ نیت ہوگئی اور تلبیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں پڑھا۔

ان تمام عبارتوں سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ تو ضروری ہے کہ نیت اور تلبیہ دونوں ہوں؛ لیکن دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں۔ اگر ایک ساتھ ہونے کی شرط ہوتی تو ضرور فقہ کی کتابوں میں اس کا بطور شرط ذکر ہوتا۔ معلم الحجاج میں ص:۱۰۱ر میں ہے کہ نیت اور تلبیہ کا ایک ساتھ ہونا شرط ہے، مگر ص: ۱۰۰ر پر لکھا ہے کہ احرام کے لئے نیت اور تلبیہ دونوں کا ہونا ضروری ہے۔ یہاں ساتھ کی شرط کا ذکر نہیں ہے، بہر حال احادیث وفقہی کتب کے مطالعہ کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ نیت اور تلبیہ دونوں کا ایک ساتھ ہونا بہتر ہے شرط نہیں ہے۔،،

حضرت مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ مذکورہ بالا عبارتوں کو سامنے رکھ کر جواب سے نوازیں کہ نیت اور تلبیہ کا ایک ساتھ ہونا ضروری اور شرط ہے یا صرف بہتر ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: احناف کے نزدیک احرام کا آغاز تلبیہ پڑھنے کے بعد ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے ساتھ قربانی کا جانور نہ ہو؛ البتہ نیت اور تلبیہ کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں؛ کیوں کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقع پر پہلی دفعہ کب تلبیہ پڑھا؟ اس میں اختلاف ہے، یہاں تک کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے احرام کا لباس پہن کر چلے اور ذوالحلیفہ پہنچ کر تلبیہ پڑھا۔

عن عبد الله بن عباس رضي الله عنه قال: إنطلق النبي صلى الله عليه وسلم من المدينة بعد ما ترجل وادهن ولبس إزاره ورداءه هو وأصحابه، فلم ينه عن شيء من الأردية والأزر تلبس إلا المزعفرة التي تردع على الجلد، فأصبح بذى الحليفة، ركب راحلته، حتى استوى على البيداء أهلّ هو وأصحابه، وقلد بدنته.

(صحيح البخاري، ما يلبس المحرم من الثياب والأردية والأزر، حديث: ١٥٤٥، فتح الباري ٣/٦ ٥١)

اور یہ ظاہر ہے کہ آپ کا مدینہ سے چلنا حج کی نیت سے تھا، تو معلوم ہوا کہ نیت پہلے ہوگئی اور تلبیہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد میں پڑھا؛ اس لئے صحیح یہی ہے کہ تلبیہ اور نیت کا اتصال ضروری نہیں۔

آنجناب نے جو مسئلہ سوال نامہ میں اٹھایا وہ محض تعبیر کا فرق ہے، اصل بات یہ ہے کہ نیت کے ساتھ فوراً تلبیہ شرط نہیں ہے؛ لیکن تلبیہ کے ساتھ نیت احرام شرط ہے، خواہ وہ نیت متصلاً ہو یا پیشگی ہو نیت کے بغیر محض تلبیہ سے احرام نہیں شروع ہوسکتا، اور جن حضرات نے احرام میں نیت اور تلبیہ دونوں شرط کہا ہے انہوں نے اسی...... پہلو کو پیش نظر رکھا، اور جن لوگوں نے دونوں کی شرطیت سے انکار کیا ہے انہوں نے صرف نیت کے پہلو کو پیش نظر رکھا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے تکبیر تحریمہ کہ نماز میں تکبیر کہتے وقت نیت حقیقی یا حکمی ضروری ہے، حقیقی یہ کہ تکبیر کے وقت صراحۃً نماز کی نیت ہو، اور حکمی یہ کہ گھر سے نماز کی نیت سے چلا اور مسجد میں جاتے ہی تکبیر تحریمہ کہہ دی، تو گھر سے چلتے وقت کی نیت حکمی بھی معتبر ہوگی، جیسا کہ فقہاء نے صراحت کی، بعینہ یہی حال حج میں نیت اور تلبیہ کا ہے، اس سلسلہ میں صاحب غنیۃ الناسک کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

فلو نوى ولم يلب أو لبى ولم ينو لايصير محرماً وهل يصير محرما بالنية والتلبية، أو بأحدهما بشرط الآخر؟ المعتمد ما ذكره الحاكم الشهيد رحمه الله تعالى أنه بالنية لكن عند التلبية لا بالتلبية، كما يصير شارعاً في الصلاة بالنية، لكن بشرط التكبير لا بالتكبير. (غنية الناسك جديد ٦٥)

قال إبراهيم: تجزئه النية. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/٩ ٧٦ رقم: ١٥٠٦٠) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۰/۸/۱۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تلبیہ کتنی آواز سے پڑھا جائے؟

سوال (۱۲۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تلبیہ زور سے پڑھنا افضل ہے یا آہستہ؟ اگر زور سے پڑھنا افضل ہے تو کتنی بلند آواز سے پڑھا جائے؟ بہت سے لوگوں کو حج کے موقع پر دیکھا گیا کہ تلبیہ میں غایت درجہ آواز بلند کرتے ہیں، اور آواز میں آواز ملا کر زور سے تلبیہ پڑھتے ہیں، نیز عورتوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مردوں کے لئے تلبیہ قدرے آواز سے پڑھنا مسنون ہے، مگر اس قدر بلند آواز سے بھی نہ پڑھے کہ تکان ہوجائے، اور عورت بہر صورت تلبیہ آہستہ آواز سے پڑھے گی؛ تاکہ کوئی اجنبی نہ سن سکے۔ اسی طرح آواز میں آواز ملا کر اجتماعی طور پر تلبیہ پڑھنا بھی ممنوع ہے۔

عن خلاد السائب الأنصاري عن أبیه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم قال: أتاني جبرئیل علیه السلام فأمرني أن آمر أصحابي ومن معي أن یرفعوا أصواتهم بالإهلال – أو قال: بالتلبیة، یرید أحدهما. (سنن أبي داؤد، المناسك / باب كیف التلبیة ۱/ ۲۵۲ رقم: ۱۸۱٤)

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: لا تصعد المرأة علی الصفا والمروة ولا ترفع صوتها بالتلبیة. (سنن الدار قطني ۱/ ۲۸۷ ورجاله ثقات)

ویسن أن یرفع صوته بالتلبیة بشدة من غیر أن یبلغ الجهد في ذٰلک کي لا یتضرّر. (غنیة الناسك ۷٤، ومثله في الفتاویٰ الهندیة ۱/ ۲۲۳، هدایة ۱/ ۲٤۰، البحر العمیق ۲/ ٦٥٦، منحة الخالق ۲/ ۳۲۲ کوئٹه)

والمرأة لا ترفع صوتها بالتلبیة. (فتاویٰ سراجیة ۱۷۷)

أو امرأة فإنها لاترفع صوتها بل تسمع نفسها لاغیر. (مناسك ملا علی قاری ۱۰٤)

وإذا كانوا جماعة لا يمشي أحد على تلبية الآخر، بل كل إنسان يلبي بنفسه.

(شامی ۵۰۲/۳ زکریا، درمختار ۵۵۱/۳، غنیة الناسك ۷۵، ومثله فی البحر العمیق ۶۶۹/۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

گونگا کس طرح تلبیہ پڑھے؟

سوال (۱۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص کو بولنے پر قدرت نہ ہو یا وہ قدرتی طور پر بے زبان اور گونگا ہو تو وہ شخص تلبیہ کس طرح پڑھے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گونگے کے لئے تلبیہ کے وقت زبان ہلانا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ صرف مستحب ہے۔

والأخرس يلزمه تحريك لسانه، وقيل: لا بل يستحب ومال شارحه إلى الثاني؛ لأن الأصح أنه لا يلزمه التحريك في القراءة للصلاة، فهٰذا أولى؛ لأن الحج أوسع؛ ولأن القراءة فرض قطعي عليه بخلاف التلبية. (شامي ۴۹۰/۳ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۶/۳/۱۳ھ

جس کو تلبیہ کے الفاظ یاد نہ ہوں؟

سوال (۱۲۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص اس حال میں سفر پر گیا کہ اسے تلبیہ کے الفاظ ہی یاد نہیں ہیں، جب کہ تلبیہ حج کا شعار ہے، تکمیل احرام کے لئے الفاظِ تلبیہ کا زبان سے کہنا شرط ہے، تو ایسے شخص کے لئے تلبیہ کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی کوشخص کوتلبیہ کے مخصوص الفاظ یاد نہ ہوں تو دیگر اذکار مثلاً لا الٰہ الا اللہ، الحمدللہ وغیرہ بھی تلبیہ کے قائم مقام ہو سکتے ہیں، اسی طرح اگر عربی زبان کے تلفظ کی ادائیگی دشوار ہو تو عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں تلبیہ کا ترجمہ بھی پڑھا جا سکتا ہے مگر عربی میں پڑھنا افضل ہے اسی لئے حتی الامکان یاد کرنے کی کوشش میں لگا رہے۔ (معلم الحجاج ۱۰۲)

والحاصل أن اقتران النية بخصوص التلبية ليس بشرط، وإنما الشرط اقترانها بأي ذكر كان. (شامي ۳/ ٤٩٠ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٢٢، البحر العميق ٢/ ٦٥١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٤٨٢ زكريا، تبيين الحقائق ٢/ ٢٥٦، معلم الحجاج ١٠٢)

وكما يجوز التلبية بالعربية يجوز بالفارسية والعربية افضل. (خانية ١/ ٢٨٥)

ولو بالفارسية أو غيرها كالتركية والهندية الخ، وأشار إلى أن العربية أفضل.
(شامي ٣/ ٤٩٠ زكريا، البحر العميق ٢/ ٦٧١، الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٤٨٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/ ۳/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

تلبیہ کب تک پڑھا جائے؟

سوال (۱۲۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تلبیہ کتنی مرتبہ اور کب تک پڑھنا چاہئے؟ کیا احرام کھولنے کے بعد بھی تلبیہ پڑھنے کا حکم ہے؟ اسی طرح طواف کے دوران تلبیہ پڑھنا کیسا ہے ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام باندھنے کے وقت سے تلبیہ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو عمرہ میں طواف شروع کرنے تک اور حج میں دسویں ذی الحجہ کو جمرۂ عقبہ کی رمی کرنے تک جاری رہتا ہے، ان اوقات کے بعد تلبیہ پڑھنے کا حکم نہیں ہے۔ (معلم الحجاج ۱۰۴)

بعض لوگ احرام بے احرام ہر وقت تلبیہ پڑھتے نظر آتے ہیں، اسی طرح بعض لوگ عمرہ کے طواف اور طوافِ زیارت کے دوران تلبیہ کا ورد رکھتے ہیں، تو یہ طریقہ خلافِ سنت ہے، اس سے احتراز لازم ہے۔

اور تلبیہ تین بار پڑھنا مستحب ہے جس کی صورت یہ ہونی چاہئے کہ تین بار لگاتار پڑھے اور تلبیہ کے دوران کوئی اور بات چیت نہ کرے۔

عن الفضل بن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لبى حتى رمىٰ جمرة العقبة. (سنن أبي داؤد ۱/۲۵۲، صحيح البخاري ۱/۲۲۸)

وقطع التلبية باولها (درمختار) في الحج الصحيح والفاسد مفرداً أو متمتعاً او قارناً ... .وقيد بالمحرم بالحج لأن المعتمر يقطع التلبية إذا استلم الحجر لأن الطواف ركن العمرة فيقطع التلبية قبل الشروع فيها. (شامي ۳/۵۳۲ زكريا)

ويستحب أن يكرر التلبية ثلاثاً وأن يوالي بين الثلاثِ ولا يقطعها بكلامٍ أو غيره. (غنية الناسك ۷۴، شامي ۳/۴۹۲ زكريا، البحر العميق ۲/۶۵۶، البحر الرائق ۲/۳۲۵ كوئٹه)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلق سے متعلق مسائل

حلق افضل ہے یا قصر؟

سوال (۱۲۷):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: افعال حج میں حاجی مرد کے لئے حلق اور قصر میں سے حلق افضل ہے یا قصر؟ اگر کوئی شخص بلاعذر یا عذر کی وجہ سے حلق کے بجائے قصر کرلے تو کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احرام کی پابندیاں ختم کرتے وقت محرم کے لئے اپنے سر کے بالوں کا حلق یا قصر واجب ہوتا ہے اس کے بغیر احرام کی پابندیاں ختم نہیں ہوتیں، مردوں کے لئے قصر (یعنی بال کتروانے) کے مقابلہ میں حلق (یعنی پورے سر کے بال منڈوانا) زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں اپنے سر مبارک کا حلق فرما کر ارشاد فرمایا: **رحم اللّٰہ المحلقین**۔ یعنی اللہ تعالیٰ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائیں، تو صحابہ نے عرض کیا کہ: ”اے اللہ کے رسول! سر کتروانے والوں پر بھی رحمت ہو“، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ: **رحم اللّٰہ المحلقین**۔ تو صحابہ نے دوبارہ مقصرین یعنی کتروانے والوں کے لئے دعا کی درخواست کی، مگر آپ نے تیسری مرتبہ بھی حلق کرنے والوں ہی کے لئے دعا فرمائی اور چوتھی مرتبہ میں مقصرین کو دعا میں شامل فرمایا۔ (بخاری شریف ۱۷۲۷، مسلم شریف ۱۳۰۱ وغیرہ)

حضرت مالک بن ربیعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے ہوئے سنا:

اَلـلّٰهُـمَّ اغْـفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُحَلِّقِيْنَ (اے اللہ سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما، اے اللہ سر منڈانے والوں کی مغفرت فرما)

تو مجلس میں بیٹھے ہوئے کسی صاحب نے فرمایا کہ ''وَلِلْمُقَصِّرِيْنَ''، یعنی سر کے بال کتروانے والوں کی بھی مغفرت ہو اس کی بھی دعا فرمائیں تو پیغمبر علیہ السلام نے تیسری یا چوتھی مرتبہ مقصرین یعنی بال کتروانے والوں کی مغفرت کی دعا فرمائی، اس کے بعد ارشاد فرمایا:

وَأَنَـا يَـوْمَـئِذٍ مَحْلُوْقُ الرَّأْسِ، فَمَا يَسُرُّنِي بِحَلْقِ رَأْسِي حُمُرُ النُّعْمِ أَوْ خَطَراً عَظِيْمًا. (رواه أحمد ٤/ ١٧٧، الترغيب والترهيب ٢٧٦)

(اور میں آج سر منڈائے ہوئے ہوں اور میرے لئے سر کے بال منڈانے کے بجائے سرخ اونٹ یا عظیم مال ملنا باعث مسرت نہیں ہے)

ان روایات سے معلوم ہوا کہ شریعت میں اصل مطلوب مردوں کے لئے سروں کا مونڈنا ہے، اس لئے بلا معقول عذر کے اس سعادت سے محروم نہیں رہنا چاہئے، اور محض بالوں سے محبت کے جنون میں ایسے عظیم اجر وثواب کو چھوڑنا نہیں چاہئے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۶/ ۳/ ۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مشین سے بال کٹانے پر حلق کی فضیلت ثابت نہ ہوگی

سوال (۱۲۸):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج وعمرہ سے فراغت پر جو حلال ہونے کے لئے مشین سے سر کے بال اُتارتے ہیں، کیا اس سے حلق کی فضیلت حاصل ہوگی یا یہ قصر ہی ہے؟ حلق صرف اُسترے یا بلیڈ سے ہی ہوتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مروجہ مشین قصر کے درجہ میں ہے، اس سے حلق کی فضیلت حاصل نہ ہوگی؛ البتہ حلق کے لئے آئندہ کوئی مشین ایجاد ہو جائے، تو اس کا حکم الگ ہوگا۔

والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة. (مراقي الفلاح ٧٣٦ دار الكتاب ديوبند)

والمراد بالتقصير أن يأخذ الرجل والمرأة من رؤوس شعر ربع الرأس مقدار الأنملة. وفي البدائع قالوا: يجب أن يزيد في التقصير على قدر الأنملة حتى يستوفي قدر الأنملة كل شعرة برأسه؛ لأن أطراف الشعر غير متساوية عادةً. (شامي ٥٣٤/٣ زكريا، بدائع الصنائع ٣٣٠/٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۳/۱/۱۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس کے سر پر زخم ہو اس کے بارے میں حلق کیا حکم ہے؟

سوال (۱۲۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر حاجی کے سر پر زخم ہوں اور استرا چلانے سے اس کے بہہ جانے اور زخم بڑھ جانے کا خطرہ ہو، تو ایسے شخص کے بارے میں حلق اور قصر کا کیا حکم ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر حاجی کے سر پر زخم ہیں کہ استرا چلانا تکلیف دہ ہے تو دیکھا جائے گا کہ اس کے بال کتنے بڑے ہیں، اگر ایک پورو ے سے زائد ہیں تو قصر کرانا ضروری ہوگا اور اگر پورو ے سے کم بال ہیں تو احتیاط کے ساتھ استرا پھیر دیا جائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ویسے ہی محض نیت کرنے سے احرام کھل جائے گا۔

عن ابن نافع عن أبيه قال: كان ابن عمر رضي الله عنهما رجلاً أصلع، فكان إذا حخج أو اعتمر أمرَّ على رأسه الموسى. (المصنف لابن أبي شيبة ٢٥٧/٨ رقم: ١٣٨٠٣ المجلس العلمي)

عن عطاء: في الشيخ الكبير يحج وهو أصلع؟ قال: يمر الموسى على

رأسه. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/ ٢٥٧ رقم: ١٣٨٠٢ المجلس العلمي)

ويجب إجراء موسى على الأقرع وذي قروح إن أمكنه هو المختار. (غنية جيد ١٧٤ قديم ٩٣)

وإن تعذر جميعا بأن يكون شموه قصيراً أو برأسه قروح لا يمكنه الحلق سقط عنه وحلّ بلا شيء، والأحسن أن يؤخر الاحلال إلى آخر أيام النحر وإن لم يؤخره فلا شيء عليه. (غنية جديد ١٧٥ قديم ٩٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۴/۳/۶ ۱۴۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کے لئے قصر کا طریقہ

سوال (۱۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت کس طرح سے اپنے بالوں میں قصر کرے گی؟ قصر میں عورت کے لئے کتنے بال کاٹنا ضروری ہے؟ اور کس طرح؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے بال قصر کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ چوٹی کے نیچے سے ملا کر بس ایک پورے کے بقدر بال کاٹ لے۔

عن المِسْوَرِ بن مخرمة قال: تجمع المحرمة شعرها أثلاثاً فتأخذ ثُلُثَه.

(المصنف لابن أبي شيبة ٨/ ٨١ رقم: ١٣٠٦٤)

عن الحجاج قال: سألت عطاء عن تقصير المرأة؟ فقال: تأخذ من جوانبها شيئاً إنما هو تحليل. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/ ٨١ رقم: ١٣٠٦٦)

الحلق والتقصير مشروعان في حق الرجل للتحليل عن الإحرام، وأما المرأة فلا حلق عليه؛ ولكنها تقصر بأخذ شيء من أطراف الشعر مقدار

أنـمـلة، و الأفـضل لها أن تقصر من كل شعرة مقدار أنملة. (الـفتاوىٰ التاتارخانية ٦٤٣/٣ زكريا)

و إن كـان الشعر مسترسلاً فالقدر الواجب فيه مقدار الأنملة و الأصل فيـه مـا روى عـن ابـن عـمر رضي اللّٰه تعالىٰ عنهما عن النبي صلى اللّٰه تعالىٰ عليه وسلم قال: تجمع المرأة رأسها و تأخذ قدر أنملة الخ، والظاهر أن مراد الأصـحـاب بالأنملة هي واحدة أنامل الأصابع لا الأصابع كلها. (البحر العميق ١٧٩٦/٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کے احرام سے باہر آنے کیلئے کتنے بال کاٹنا شرط ہے؟

سوال (۱۳۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت حلال ہونے کے احرام سے صرف چوٹی کے بال کاٹے گی، یا سر کے دائیں بائیں جو بال چوٹی تک نہیں پہنچتے وہ بھی کاٹے گی، اور ایک پورے کی کیا مقدار ہے؟ کیا شہادت کی انگلی یا چھنگلیاں میں لپیٹ کر ایک پورے کا اندازہ لگایا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت کے لئے سر کے کم از کم چوتھائی بالوں سے ایک انگل (انگلی کے تہائی حصہ) کے بقدر قصر کرنا ضروری ہے، اور اگر پورے سر کے بال ملا کر قصر کرے تو اور بہتر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ دائیں بائیں کے بال جو چوٹی تک نہیں پہنچتے ان کا قصر ضروری نہیں ہے۔

عـن ابـن عبـاس رضـي الـلّٰـه عـنهـما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم: ليس على النساء حلق، إنما على النساء التقصير. (سنن أبي داؤد، المناسك /

باب الحلق والتقصير ۲۷۲/۱ رقم: ۱۹۸٤-۱۹۸٥)

عن عائشة رضي الله عنها أن النبي صلى الله عليه وسلم نهى أن تحلق المرأة رأسها. (سنن الترمذي، الحج / باب ما جاء في كراهية الحلق للنساء ۱۸۲/۱ رقم: ۹۱۸)

عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: تجمع المحرمة شعرها ثم تأخذ منه قدر أنملة. (المصنف لابن أبي شيبة ۸۱/۸ رقم: ۱۳۰٦٥)

عن المِسْوَرِ بن مخرمة قال: تجمع المحرمة شعرها أثلاثاً فتأخذ ثُلُثَه.

(المصنف لابن أبي شيبة ۸۱/۸ رقم: ۱۳۰٦٤)

عن الحجاج قال: سألت عطاء عن تقصير المرأة؟ فقال: تأخذ من جوانبها شيئاً إنما هو تحليل. (المصنف لابن أبي شيبة ۸۱/۸ رقم: ۱۳۰٦٦)

الحلق والتقصير مشروعان في حق الرجل للتحليل عن الإحرام، وأما المرأة فلا حلق عليه؛ ولكنها تقصر بأخذ شيء من أطراف الشعر مقدار أنملة، والأفضل لها أن تقصر من كل شعرة مقدار أنملة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٤۳/۳ زكريا)

وإن كان الشعر مسترسلاً فالقدر الواجب فيه مقدار الأنملة، والأصل فيه ما روى عن ابن عمر رضي الله عنهما عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: تجمع المرأة رأسها وتأخذ قدر أنملة الخ، والظاهر أن مراد الأصحاب بالأنملة هي واحدة أنامل الأصابع لا الأصابع كلها. (البحر العميق ۱۷۹٦/۳)

بل تقصر من ربع شعرها كالرجل، وقصر الكل أفضل. (غنية الناسك ۹٤)

ولكنها تقصر فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة. (بدائع الصنائع ۳۲۹/۲، انوار مناسك ۱۹۲) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک انگلی سے کم بالوں پر قصر کر کے ممنوعاتِ احرام کا ارتکاب کرنا

سوال (۱۳۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج سے دو ہفتہ قبل زید عمرہ کرتا ہے، عمرہ کے بعد احرام سے خارج ہونے کے لئے حلق کرواتا ہے، اور حج کے بعد حج کے احرام سے خارج ہونے کے لئے قصر کراتا ہے، جبکہ ابھی اس کے سر کے بال تقریباً دو ہی سوت بڑھے ہیں، حنفی مسلک کے نزدیک قصر کے لئے کم از کم ایک انگل یا ایک پور بال کا کٹنا ضروری ہے، اگر ایک انگل یا ایک پور بال نہ ہوں تو حلق کرانا واجب ہے، ورنہ بندہ احرام سے خارج ہی نہیں ہوتا؛ بلکہ احرام ہی کی حالت میں رہتا ہے، قصر کرانے کے بعد زید اپنے آپ کو احرام سے خارج سمجھتے ہوئے صابن لگاتا ہے، میل چھڑاتا ہے، جوتا پہنتا ہے، سلے ہوئے کپڑے پہنتا ہے، ٹوپی پہنتا ہے، اور خوشبو لگاتا ہے؛ لیکن بکر کے سمجھانے پر کہ ابھی تم احرام سے خارج ہی نہیں ہوئے ہو، اس لئے کہ قصر کراتے وقت تمہارے بال ایک انگل یا ایک پور نہیں تھے، زید ڈھائی گھنٹوں بعد حلق کروالیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید ان ڈھائی گھنٹوں میں اپنے آپ کو احرام سے خارج سمجھتے ہوئے جو اعمال کئے ان کا کوئی کفارہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: پوروے سے کم بال ہونے کی حالت میں قصر کافی نہیں ہوتا، اس لئے مسئولہ صورت میں قصر کی وجہ سے زید احرام سے باہر نہیں ہوا؛ لیکن چوں کہ اس نے اپنی دانست میں اپنے کو احرام سے باہر سمجھ رکھا تھا، اس لئے حلق سے قبل اس نے جن ممنوعات کا ارتکاب کیا ہے، ان سب کی تلافی کے لئے ایک دم کافی ہوگا، اور ہر جنایت کے لئے الگ الگ دم واجب نہ ہوں گے۔

إن المحرم لو نوى الرفض، ففعل كالحلال على ظن خروجه من الإحرام بذلك لزمه دم واحد بجميع ما ارتكب لاستناد الكل إلى قصد واحد. (شامي / باب الإحصار ٤/٦ زكريا)

إن المحرم لو نوى الرفض ففعل كالحلال على ظن خروجه من الإحرام بذلك لزمه دم واحد لجميع ما ارتكب. (غنية الناسك ۳۱۳ جديد، ۱٦۸ قديم، انوار مناسك ۲۱۷) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۳/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سعی سے متعلق مسائل

سعی کا شرعی حکم؟

سوال (۱۳۳۳):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سعی کا شرعی حکم کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج میں صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے۔

عن هشام بن عروة عن أبيه أنه قال: قلت لعائشة زوج النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وأنا يومئذ حديث السن أرأيت قول اللّٰه تبارك وتعالىٰ: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ فما أرى على أحد شيئًا إلا يطوف بهما، فقالت عائشة: كلا لو كانت كما تقول كانت فلا جناح عليه أن لا يطوف بهما إنما أنزلت هٰذه الآية في الأنصار كانوا يهلون لمناة، وكانت مناة حذ وقديد، وكانوا يتحرجون أن يطوفوا بين الصفا والمروة، فلما جاء الإسلام سألوا رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم عن ذٰلك، فأنزل اللّٰه: ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ، فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ (صحيح البخاري، التفسير / باب قوله إن الصفا والمروة ٦٤٦/٢ رقم: ٤٤٩٥)

عن سعيد بن جبير رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم سعى على راحلته بين الصفا والمروة. (المصنف لابن أبي شيبة ١٣٣/٨ رقم: ١٣٣٠٧ المجلس العلمي)

وهناک آثار مروية في عائشة وأنس وعِراک بن مالک ومجاهد وعطاء وعروة رضي الله عنهم. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/١٣٣-١٣٤ المجلس العلمي)

هو ركن عند الثلاثة وواجب عندنا. (غنية الناسك ١٢٨)

والسعي بين الصفا والمروة عندنا واجب، وليس بركن، حتى لو تركه يقوم الدم مقامه. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/٥٠٣ رقم: ٤٩٣١ زكريا، تبيين الحقائق ٢/٨٠، اللباب في شرح الكتاب ١/١٧٠)

وواجبه وقوف جمع والسعي بين الصفا والمروة. (تنوير الأبصار ٣/٤٦٩ زكريا، البحر العميق ٣/١٢٨٢، شرح نقاية ١/١٨٧، هداية مع الفتح ١/٤٦٠، خانية ١/٢٩٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۴۳۶/۳/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا طواف کے فوراً بعد سعی واجب ہے؟

سوال (۱۳۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص طواف کے فوراً بعد سعی نہ کرے؛ بلکہ طواف اور سعی کے درمیان ایک دو گھنٹے کا فصل کر کے طواف کرے، تو کیا اس تاخیر کی وجہ سے اس پر کوئی جزا یا جنایت وغیرہ لازم ہوگی؟ بعض مرتبہ حاجی بیماری یا تھکاوٹ کی وجہ سے طواف کے فوراً بعد سعی کرنے کی ہمت نہیں کرپاتا ہے، ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق: طواف کے فوراً بعد سعی کرنا اگرچہ لازم نہیں ہے، طواف اور سعی کے درمیان لمبے فصل کے باوجود کوئی جزاء لازم نہیں آتی؛ لیکن سنت یہی ہے کہ بلاعذر طواف وسعی کے درمیان فصل نہ کیا جائے، اور اگر عذر ہو مثلاً بیماری یا تھکاوٹ ہو جائے، تو فصل میں

حرج نہیں ہے۔

وأما سننه فمنها أن يوالي بين الطواف والسعي فلو فصل بينهما بوقت، ولو طويلاً، فقد ترک السنة وليس عليه جزاء. (الفقه على المذاهب الأربعة ۱/ ۶۵۹، غنية الناسك ۱۲۸، البحر الرائق ۳/ ۳۳۲، شامي ۳/ ۵۱۴ زكريا)

نوٹ:- طواف وسعی کے درمیان فصل اسی وقت مضر نہیں جب کہ ان کے درمیان کوئی رکن نہ پایا جائے، اگر کوئی رکن پایا جائے تو اتصال کا حکم ساقط ہوجائے گا، اور ازسر نو طواف کرنا پڑے گا، مثال کے طور پر کسی شخص نے طوافِ قدوم کیا اس کے بعد وقوف عرفہ کرلیا تو اب وہ طواف کے بغیر حج کی سعی نہیں کرسکتا؛ بلکہ طواف کرنا پڑے گا اس کے بعد ہی حج کی سعی معتبر ہوگی۔

لكن يشترط أن لا يتخلل بينهما ركن، فلو طاف للقدوم ولم يسع ثم وقف بعرفة، ثم أراد أن يسعى بعد طواف القدوم، لم يجز ذٰلک؛ بل يسعى بعد طواف الإفاضة. (غنية الناسك ۱۲۸ إدارة القران كراچی، البحر العميق ۳/ ۱۲۹۴) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۴/ ۳/ ۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف یا سعی کے چکروں میں شک ہوتو کیا کرے؟

سوال (۱۳۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر حاجی کو طواف یا سعی کرتے ہوئے چکروں کی تعداد میں شک ہو جائے تو اقل پر بنا کرے یا اکثر پر؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر سعی کے چکروں میں شک ہوجائے تو کم مقدار پر عمل کرے، یہ اس وقت ہے جب کہ طواف یا سعی کے شروع یا درمیان میں شک واقع ہوا ہو، اگر طواف یا سعی سے فارغ ہونے کے بعد شک واقع ہوجائے تو اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہے۔

ولو شک في عدد أشواط السعي أخذ بالأقل كما قالوا في الطواف، كذا في الكنز – إلى قوله – والشک إنما يعتبر في أثناء السعي والطواف، وأما إذا شک بعد الفراغ فلا شيء عليه الخ. (غنية الناسك ١٣٠-١٣١، شامي ٣/٥٠٩ زكريا، مناسك ملا علي القاري ١٦٦-١٦٧ إدارة القران كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۴/۳/۱۴۳۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میلین اخضرین میں دوڑنے کی حد

سوال (۱۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اسی طرح سعی بین الصفا والمروہ میں میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگانے کی حد کیا ہے؟ یعنی دوڑ سے خوب تیز بھاگنا مراد ہے، یا آدمی کی عام رفتار سے کچھ تیز چلنا مراد ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: میلین اخضرین کے درمیان دوڑ لگانے سے بہت تیز بھاگنا مراد نہیں ہے؛ بلکہ عام رفتار سے کچھ رفتار بڑھا کر چلنے سے بھی یہ سنت ادا ہوجائے گی، اور کوئی معذور شخص اگر تیز چلنے پر قادر نہ ہو تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔

ويستحب أن يكون السعي بين الميلين فوق الرمل دون العدو، وهو جري شديد كجري الفرس. (غنية الناسك ٧٠ إدارة القرآن كراچی، شامي ٣/٥١٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۶/۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

سعی کے اختتام پر ''مروہ'' پر دعا کرنا

سوال (۱۳۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: صفاومروہ کی سعی کے اختتام پر جب مروہ پہنچے، تو آٹھویں مرتبہ مروہ پر استقبالِ قبلہ ووقوف ودعا ہوگی یا نہیں؟ یہ اشتباہ حدیثِ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ان الفاظ سے ہوگیا ہے۔

حتى إذا كان آخر طواف على المروة فقال: لو أني .... (صحيح مسلم ٣٩٦/١، سنن أبي داؤد ٢٦٣/١)

فلما كان أخر طوافه على المروة قال: لو أني .... (ابن ماجة ٢٢٨)

یعنی طواف میں استقبالِ قبلہ وقوف ودعا بھی شامل ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: سعی کے اختتام پر مروہ پر استقبالِ قبلہ کر کے وقوف ودعا مسنون ہے، خود حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے، چنانچہ آپ نے جن روایات کا حوالہ دیا ہے انہی میں یہ جملہ موجود ہے:

"حتى أتى على المروة، ففعل على المروة كما فعل على الصفا، حتى إذا كان آخر طواف على المروة الخ". (صحيح مسلم ٣٩٦/١، ومثله في سنن أبي داؤد ٢٦٣/١)

اور ان روایات میں طواف سے سعی کا آخری چکر مراد ہے اور اس سلسلہ میں فقہی عبارت درج ذیل ہے:

فصعد الصفا واستقبل البيت وكبر وهلّل وصلى على النبي، ورفع يديه ودعاء بما شاء نحوه المروة ساعيًا بين الميلين الأخضرين، وصعد عليها وفعل ما فعله على الصفا يفعل، هٰكذا سبعا يبدأ بالصفاء ويختم بالمروة. (التنوير مع الدرالمختار ٥١٤/٣-٥١٥) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۰/۱۱/۱۴۳۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

رمی سے متعلق مسائل

کیا تین دن تک رمی جمار صرف اس امت کی خصوصیت ہے؟

سوال (۱۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلۂ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف دسویں تاریخ کو رمی کی تھی، اُمت محمدیہ کے لئے ۳؍روز تک رمی کیوں رکھی گئی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ کہنا بلا دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صرف ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو رمی کی تھی؛ اس لئے کہ زمانۂ جاہلیت میں جو حج کے مناسک انجام دیئے جاتے تھے، ان میں تینوں دنوں کی رمی اور منیٰ میں قیام کا ثبوت ملتا ہے، اس سے دلالۃً یہ معلوم ہوتا ہے کہ دینِ ابراہیمی میں بھی حج کے مناسک کے طور پر تین دن رمی کا سلسلہ تھا، اسی کی تائید دینِ محمدی میں بھی کی گئی۔

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلاَ اِثْمَ عَلَیْهِ، وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلاَ اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ **المراد: التخيير بين التعجل والتأخر، ولا يقدح فيه أفضلية الثاني خلافا لصاحب الإنصاف، وإنما ورد بنفي الإثم تصريحا بالرد على أهل الجاهلية حيث كانوا مختلفين فيه فمن مؤثم للمعجل ومؤثم للمتأخر.** (روح المعاني ۲/۱ ۱۴ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۹؍۱۱؍۱۴۲۶ھ

۱۰/ذوالحجہ کو صبح صادق کے بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے رمی کرنا کیسا ہے؟

سوال (۱۳۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دنیا کے بدلتے ہوئے حالات، بڑھتی ہوئی آبادی اور دوسرے مسائل نے ہر شعبۂ زندگی کو متاثر کیا ہے، حتی کہ عبادات بھی اس سے خالی نہیں، اس لئے آج اہل علم ایسے مسائل کو بھی اپنی تحقیقات وترجیحات کا موضوع بنانے پر مجبور ہیں، جن کا تعلق عبادات سے ہے۔ ایسے مسائل میں حج سے متعلق بھی بعض امور ہیں، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا حج وعمرہ کے مسائل کے لئے ایک سمینار پہلے بھی کر چکی ہے، مگر بعض مسائل نے پھر اکیڈمی کو اس طرح توجہ کرنے پر مجبور کیا ہے۔ اس پس منظر میں فی الحال دو مسائل پیش خدمت ہیں:

الف: - رمی جمار کے اوقات: جمرات کی رمی حج کے معروف اعمال میں ہے، دس ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور رات کے آخر تک باقی رہتا ہے، گیارہ اور بارہ کی رمی کا وقت زوال سے شروع ہو کر اگلی صبح تک مانا گیا ہے؛ البتہ ان تینوں دنوں کی رمی کے اوقات کے سلسلہ میں فقہاء نے جائز، مستحب اور مکروہ اوقات کی تقسیم بھی کی ہے، تیرہ ذی الحجہ کو منی میں قیام اور رمی لازمی نہیں ہے۔

اس تفصیل کے ساتھ یہ بھی صراحت موجود ہے کہ ضرورت کے وقت اگر وقت مسنون ومستحب سے رمی کو مقدم یا موخر کیا جائے تو کراہت نہیں ہوتی ہے۔

آج کل حجاج کی بڑھتی ہوئی غیر معمولی تعداد کے پیشِ نظر رمی جمار کے موقع پر مجمع کثیر اکٹھا ہو جاتا ہے، جو تمام تر انتظامات کے باوجود سنگین حادثات کا سبب بن جاتا ہے، پچھلے برسوں میں متعدد ایسے حادثات رونما ہوئے جن میں مرنے والوں کی تعدا بڑھتی جا رہی ہے، اس صورت حال پر سعودی حکومت اور وہاں کے علماء کے علاوہ عالمی سطح پر پوری امتِ مسلمہ رنجیدہ فکر مند ہے، اور یہ

سوال بڑی شدت کے ساتھ سامنے آ رہا ہے کہ رمی جمار کے اوقات کے سلسلہ میں معروف ائمۂ اُمت (حضرات صحابہ وتابعین وائمۂ مجتہدین) کے اقوال کی روشنی میں جو وسعت ہوسکتی ہے، ان کو اختیار کر کے ان حادثات پر قابو پانے کی کہاں تک گنجائش ہوسکتی ہے۔

اس تمہید کی روشنی میں درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش ہیں:

(۱) دس ذی الحجہ کی رمی طلوعِ آفتاب سے قبل صبح صادق سے کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دسویں ذی الحجہ کو صبح صادق سے طلوع آفتاب تک کا وقت حنفیہ کے نزدیک گوکہ مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی عذر کی وجہ سے مثلاً خواتین یا کمزور لوگ مزدلفہ سے جلدی آ کر اس درمیان رمی کر لیں تو وہ رمی معتبر ہوگی، اور ایسے لوگوں پر کوئی گناہ نہ ہوگا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمر نساءه ثقله صبيحة جمع، أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد، ولا يرموا الجمرة إلا مصبحين. (شرح معاني الآثار، الحج / باب وقت رمي جمرة العقبة للضعفاء ۲۹۳/۲ رقم: ۳۸۹۲-۳۸۹۳، السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب الوقت المختار لرمي جمرة العقبة ۲۹۰/۷ رقم: ۹۶۵۴)

وفي رواية عنه: أن رسول اللّٰه عليه وسلم بعثه في الثقل وقال: لا ترموا الجمار حتى تصبحوا. (شرح معاني الآثار، الحج / باب وقت رمي جمرة العقبة للضعفاء ۲۹۳/۲ رقم: ۳۸۹۳)

أما الرمي في اليوم الأول فلأداءه وقت الجواز من الفجر إلى الفجر ...... ووقت مكروه قبل طلوع الشمس وبعد الغروب وإن كان بعذر لا كراهة. (غنية / باب رمي الجمار ۱۸۱ إدارة القرآن كراچی)

أول وقت جواز الرمي في اليوم الأول، أي من أيام النحر، يدخل بطلوع الفجر الثاني من يوم النحر أظهره زيادة لبيانه، فلايجوز قبله، وهٰذا وقت الجواز

مع الإساء ة أي لتركه السنة من غير ضرورة. (مناسك ملا علي القاري / باب رمي الجمار وأحكامه: فصل في وقت رمي الجمرة العقبة يوم النحر ٢٣٦ إدارة القرآن كراچی)

وما بعد طلوع الفجر إلى طلوع الشمس وقت مكروه ...... والليل وقت وقت مكروه بغير عذر، أما بعذر فلا يكره. (البحر العميق ١٦٦٧/٢)

ووقته من الفجر إلى الفجر ...... ويكره للفجر (درمختار) أي من الغروف إلى الفجر، وكذا يكره قبل طلوع الشمس. وهٰذا عند عدم العذر فلا إساء ة برمي الضعفة قبل الشمس الخ. (درمختار مع الشامي ٥٣٤/٣ زكريا، كذا في الفتاوىٰ التاتارخانية ٥٢٣/٣ زكريا)

ويسن من طلوع الشمس إلى الزول، ...... ويكره من الغروب إلى الفجر، وكذا قبل طلوع الشمس، وهٰذا عند عدم العذر فلا إساء ة برمي الضعفة قبل الشمس ولا برمي الرعاة ليلا. (غنية / باب مناسك منى يوم النحر ١٧٠-١٦٩ إدارة القرآن كراچی)

أولها يوم النحر، ووقت الرمي فيه ثلاثة أنواع: مكروه، ومسنون، ومباح، فما بعد طلوع الفجر إلى وقت الطلوع مكروه. (الفتاوىٰ الهندية ٢٣٣/١)

وله أوقات أربعة: وقت الجواز، ووقت الاستحباب، ووقت الإباحة، ووقت الكراهة ...... والرابع: قبل طلوع الشمس وبعد الغروب. (البحر الرائق ٦٠٤/٢ زكريا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور اور خواتین کا ۱۰/ ذی الحجہ کو آدھی رات سے رمی شروع کرنا

سوال (۱۴۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا بوڑھے، بیمار، معذور اور خواتین نیز ان سے جڑے ہوئے لوگوں کے لئے دس ذی الحجہ کی

رمی دسویں شب کے نصف سے کی جاسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیمار معذور اور خواتین وغیرہ کے لئے دسویں ذی الحجہ کی رمی نصف شب سے کرنے کی اجازت نہیں؛ کیوں کہ دسویں ذی الحجہ کی رمی کا وقت صبح صادق سے شروع ہوتا ہے، اور گیارہ کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے، یہ وقت پہلے ہی سے وسیع ہے، اس میں مزید وسعت دینے کی ضرورت نہیں ہے، زیادہ سے زیادہ معذور کمزور اور خواتین کی بیماری اور کمزوری کا لحاظ رکھتے ہوئے صبح صادق کے بعد طلوع آفتاب سے پہلے (جس وقت بھیڑ کم ہوجاتی ہے) ان کو رمی کرنے کی گنجائش دی جاسکتی ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما مفصلا قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم للعباس ليلة المزدلفة: إذهب بضعفائنا ونسائنا فليصلوا الصبح بمنىٰ، وليرموا جمرة العقبة قبل أن تصبحهم دفعة الناس، قال الراوي: فكان عطاء يفعله بعد ما كبر وضعف. (فتح الباري ۳/ ۴۲۱، إعلاء السنن ۱۰/ ۱۵۸ دار الكتب العلمية بيروت)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم كان يأمر نساء ثقلة صبيحة جمع، أن يفيضوا مع أول الفجر بسواد، وأن لا يرموا الجمرة إلا مصبحين. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / باب الوقت المختار لرمي جمرة العقبة ۷/ ۲۹۰ رقم: ۹۶۵۴، عمدة القاري ۴/ ۶۹۰، إعلاء السنن ۱۰/ ۱۵۸ دار الكتب العلمية بيروت)

وخالف في ذٰلک الحنفية: فقالوا: لا يرمي جمرة العقبة إلا بعد طلوع الشمس، فإن رمي قبل طلوع الشمس وبعد طلوع الفجر جاز، وإن رماها قبل الفجر أعادها، وبهذا قال أحمد وإسحاق، والجمهور ...... واحتج الجمهور بحديث ابن عمر رضي اللّٰه عنها ...... أنه كان يقدم ضعفة أهله فيقفون عند

المشعر الحرام بالمزدلفة بليل ...... فمنهم من يقدم منیٰ لصلاة الفجر، ومنهم من يقدم بعد ذٰلک، فإذا قدم رموا الجمرة وكان ابن عمر يقول: أرخص في أولئک رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم. (صحيح البخاري رقم: ١٦٧٦، فتح الباري ٤٢٠/٣، إعلاء السنن ١٦٣/١٠-١٦٥ دار الكتب العلمية بيروت)

قال مالک وأبو حنيفة وأحمد وإسحاق: جائز رميها بعد الفجر قبل طلوع الشمس، وقال مالک: لم يبلغنا أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رخص لأحد برمي قبل أن يطلع الفجر، ولا يجوز رميها قبل الفجر، فإن رماها قبل الفجر أعادها، وكذٰلک قال أبو حنيفة وأصحابه: لا يجوز رميها، وقال ابن المنذر: السنة أن لا ترمى إلا بعد طلوع الشمس، ولا يجزئ الرمي قبل طلوع الفجر، فإن رمى أعاد إذ فاعله مخالف لما سنه رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم لأمته، ومن رماها بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس فلا إعادة عليه، إذ لا أعلم أحدا قال: لا يجزئه. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبي ٧/٢-٦ المكتبة التجارية)

فوقت الجواز أداء طلوع الفجر فلايصح قبله. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ١٨١، إدارة القرآن كراچی)

ولو رمي قبل طلوع فجر يوم النحر لم يصح اتفاقاً. (البحر الرائق ٦٠٤/٢ زكريا)

ولو رمى قبل طلوع الفجر لم يصح اتفاقاً. (الفتاویٰ الهندية ٢٣٣/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰/ذی الحجہ کی رمی گیارہ کو زوال سے پہلے قضا کر سکتے ہیں؟

سوال (۱۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: اور دس ذی الحجہ کی رمی کی قضا کیا گیارہ کو زوال سے پہلے کر سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دس کی رمی کی قضاء گیارہ تاریخ کو زوال سے قبل کر سکتے ہیں، مگر تاخیر کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔

ولو لم يرم يوم النحر ...... رماه في الليلة المقبلة ولاشي عليه سوى الإساءة إن لم يكن بعذر، ولولم يرم في الليل رماه في النهار ولو قبل الزوال قضاء عنده وعليه الكفارة التأخير. (غنية الناسك/ باب رمي الجمار/١٨٢ إدارة القرآن كراچي)

فوقت الجواز أداء من طلوع الفجر ...... إلى طلوع الفجر من غده، فإذا طلع فات وقت الأداء ولزمه الدم والقضاء. (غنية الناسك/ باب مناسك من يوم النحر ١٦٩ إدارة القرآن كراچی)

في اليوم حتى لو أخره حتى طلوع الفجر الثاني لزمه دم. (البحر الرائق ٢/ ٦٠٤ زكريا، كذا في الرد المحتار للعلامة الشامي ٣/ ٥٣٤ زكريا)

آخره عن وقته: أي المعين له في كل يوم فعليه القضاء والجزاء. (شامي ٣/ ٥٤٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۹/۱۱/۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بارھویں تاریخ کی رمی کا وقت

سوال (۱۴۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: تیسرا مسئلہ بارہویں تاریخ کی رمی کے اوقات میں توسع کا ہے، دسویں تاریخ اور بارہویں تاریخ کو عموماً حادثات ہوتے ہیں، دسویں تاریخ کو سب چاہتے ہیں کہ افضل وقت میں رمی کر لیں اسی لئے ہر سال اموات کا سلسلہ ہوتا ہے، اسی طرح بارہویں تاریخ کو ہر ایک کی خواہش ہوتی ہے

کہ زوال کے بعد اور غروب آفتاب سے قبل رمی سے فارغ ہوکر مکہ مکرمہ روانہ ہوجائیں، ظاہر ہے کہ اس مختصر وقت میں تمام لوگ کیسے فارغ ہوسکتے ہیں؟ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بے شمار لوگ کچلے جاتے ہیں، میں اس مسئلہ میں خاص پریشان تھا، مختلف علماء کرام سے بات چیت رہی کہ کسی طرح سے بارہویں تاریخ کے اوقات میں گنجائش ہونی چاہئے، بہت سے حضرات نے دبے لفظوں میں کہا بھی کہ بالکل اس سلسلہ میں تخفیف ہونی چاہئے، وہ تخفیف یہ ہے کہ جولوگ بارہویں تاریخ کو فجر کے بعد اور زوال سے پہلے رمی کرتے ہیں اسے جائز قرار دیا جائے دم لازم نہ قرار دیا جائے، جبکہ خود امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک قول مؤید بھی ہے کہ گیارہویں اور بارہویں کی رمی قبل الزوال جائز ہے۔ اور امام صاحب کی دلیل یہ ہے کہ جب دسویں تاریخ کو جو یوم النحر ہے اس میں رمی قبل الزوال ہے تو گیارہویں اور بارہویں کی رمی بھی قبل الزوال جائز ہونی چاہئے، کیونکہ یہ سب ایام ایام نحر ہیں۔

(تفصیلات دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۱۳۷-۱۳۸)

دوسری تخفیف یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مغرب کے بعد کنکری مارے تو تیرہویں تاریخ کی رمی اس پر واجب نہیں، اگر ہجوم کی وجہ سے لوگ تاخیر سے مغرب کے بعد رات کو رمی کرلیں اور مکہ مکرمہ اس کے بعد جانا چاہیں تو اس کی گنجائش نکلنی چاہئے، زیادہ سے زیادہ اس میں کراہت کا فتویٰ ہے، جہاں رمی کے پہلے دن زوال کے بعد اور دوسرے دن غروب آفتاب کے بعد جو پہلے کراہت کا فتوی دیا جاتا تھا اب ہجوم کی وجہ سے کراہت کا فتویٰ نہیں دیتے ہیں تو اسی طرح اس آخری دن اگر کراہت کا فتویٰ اٹھالیں، تو امت کے لئے کافی آسانی ہوجائے گی، عوام بیچارے مکروہ کا لفظ یوں ہی سمجھتے ہیں جیسے کہ وہ حرام ہی ہو، آپ حضرات سے درخواست ہے کہ ان مسائل میں حتی الامکان توسع اختیار فرماکر تفصیلی جوابات سے نوازیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بارہویں تاریخ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، امام اعظم علیہ الرحمہ کا مفتی بہ قول یہی ہے، اور جو روایت اس کے برخلاف مروی

ہے وہ نہایت ضعیف اور غیر مفتی بہ ہے۔ اور تجربہ سے یہ بات ثابت ہے کہ بارہویں تاریخ کو زوال سے لیکر مغرب تک بآسانی اکثر لوگ رمی کے عمل سے فارغ ہوجاتے ہیں، مثلا اگر سات بجے غروب ہورہا ہے تو پانچ بجے تک زیادہ تر بھیڑ چھٹ جاتی ہے، اور لوگ اس کے بعد نسبۃً آسانی کے ساتھ رمی کا رکن ادا کرسکتے ہیں، یہ تقریباً ہر سال کا تجربہ ہے، اور عام طور پر اس دن حادثات بھی پیش نہیں آتے؛ اس لئے بلاوجہ مفتی بہ قول کو چھوڑ کر ضعیف پر فتویٰ دینے کی قطعا اجازت نہیں دی جائیگی، البتہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ بارہویں تاریخ کو مغرب کے بعد بھی اگر رمی کی جائے تو وہ کراہت کے ساتھ ادا ہوجاتی ہے اور اگلے دن کا قیام بھی ضروری نہیں ہوتا، اور خواتین ومعذور لوگوں کے لئے مغرب کے بعد رمی کرنے میں کوئی کراہت بھی نہیں ہے، یہ گنجائش پہلے ہی سے کتب فقہ میں موجود ہے، اس میں مزید کسی تخفیف کی ضرورت نہیں ہے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه قال: رمى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الجمرة يوم النحر ضحىً، وأما بعد فإذا زالت الشمس. (صحيح مسلم / باب بيان وقت استحباب الرمي ٤٢٠/١ رقم: ١٢٩٩، سنن أبي داؤد ٢٧١/١ رقم: ١٩٧١، سنن الترمذي ١٧٩/١ رقم: ٨٩٥)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يرمي الجمار إذا زالت الشمس. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٨٦/٨ رقم: ١٤٧٩٠)

وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق، وهو اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي، فبعد الزوال، حتى لايجوز الرمى فيهما قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة، وروى عن أبي حنيفة: أن الأفضل أن يرمى في اليوم الثاني والثالث بعد الزوال، فإن رمى قبله جاز، وجه هذه الرواية: أن قبل الزوال وقت الرمي في يوم النحر فكذا في اليوم الثاني والثالث؛ لأن الكل أيام النحر، وجه الرواية المشهورة ما روي عن جابر رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم رمى الجمرة يوم النحر ضحى ورمى في بقية الأيام بعد

الزوال، وهٰذا باب لا يعرف بالقياس. (بدائع الصنائع / وقت الرمي ۲/ ٤ ۳۲ نعيميه ديوبند)

والوقت المسنون في اليومين من الزوال إلى غروب الشمس، ومن الغروب إلى طلوع الفجر وقت مكروه، ولو لم يرم يوم النحر، أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة، ولا شيء عليه سوى الإساءة إن لم يكن بعذر.

(غنية الناسك / باب رمي الجمار ۱۸۱-۱۸۲ ادارة القرآن كراچی) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۱-۱۲/ ذی الحجہ کو طلوعِ صبح صادق سے رمی کرنا

سوال (۱۴۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا گیارہ ذی الحجہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی طلوع صبح صادق سے کرنے کی گنجائش ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی کا وقت زوال کے بعد سے شروع ہوتا ہے، اس لئے ان دونوں میں زوال سے پہلے رمی کرنے کی گنجائش نہیں۔

وقال جابر رضي اللّٰه عنه: رمى النبي صلى اللّٰه عليه وسلم يوم النحر ضحى، ورمى بعد ذٰلک بعد الزوال. (ذكره البخاري تعليقا ۱/ ۲۳۵)

عن وبرة قال: سألت ابن عمر رضي اللّٰه عنهما متى أرمي الجمار؟ قال: إذا رمى إمامک فارمه، فأعدت عليه المسألة، قال: كنا نتحين، فما زالت الشمس رمينا. (صحيح البخاري / باب رمي الجمار ۱/ ۲۳۵ رقم: ۱۷٤٦، فتح الباري ٤/ ۷۳۹ بيروت)

قال الحافظ في الفتح: وفيه دليل على أن السنة أن يرمى الجمار في غير يوم الأضحى بعد الزوال، وبه قال الجمهور. (فتح الباري ٤/ ۷۳۹ دار الكتب العلمية بيروت)

قال العلامة العثماني بعد نقل حديث وبرة: دلالته على وجوب الرمي بعد

الزوال ظاهرة، والمراد رمي الجمار الثلاث في أيام التشريق بعد يوم النحر، فإن قوله: "كنا نتحين" دلى على أن وقت الرمي في هذه الأيام إذا زالت الشمس لا قبله. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٨٦/٨ رقم: ١٤٧٩١)

عن ابن عمر رضي الله عنهما أنه كان يرمي الجمار إذا زالت الشمس.

(المصنف لابن أبي شيبة ٤٨٦/٨ رقم: ١٤٧٩١)

عن محمد بن السائب عن أبيه قال: رأيت عمر يخرج إذا زالت الشمس يرمي الجمار. (المصنف لابن أبى شيبة ٤٨٦/٨ رقم: ١٤٧٩٢)

أما وقت الجواز في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر فمن الزوال إلى طلوع الفجر من الغد، فلايجوز قبل الزوال في ظاهر الرواية، وعليه الجمهور.

(غينة الناسك / باب رمي الجمار ١٨١ إدارة القرآن كراچى)

أما وقت الرمي في اليوم الثاني والثالث، فهو مابعد الزوال إلى طلوع الشمس من الغد حتى لايجوز الرمي فيهما قبل الزوال. (الفتاوى الهندية ٢٣٣/١)

وأما وقت الرمي من اليوم الأول والثاني من أيام التشريق، وهو اليوم الثاني والثالث من أيام الرمي، فبعد الزوال حتى لايجوز الرمي فيهما قبل الزوال في الرواية المشهورة عن أبي حنيفة. (بدائع الصنائع ٣٢٤/٢ نعيميه ديوبند) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۲۱/۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲؍ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کرنا

سوال (۱۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور زید کی اہلیہ دونوں نے حج ادا کیا دوران حج ۱۲؍ ذی الحجہ کو جمرات پر کنکریاں زوال سے پہلے ماری بعد میں معلوم ہوا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک کنکریاں مارنے کا وقت زوال کے بعد ہے،

اب دونوں پر دم لازم آ گیا اور اب واپس بھی آ چکے ہیں، تو کیا کریں اگر دم لازم ہے تو اس کی مقدار کیا ہے اور کن ایام میں ادا کریں اور کیا حدود حرم میں ہی پہنچ کر ادا کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں ۱۲/ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کرنے کی بنا پر آپ دونوں پر دم جنایت لازم ہوگیا ہے، اور اس دم کا حدود حرم میں ذبح کرنا ضروری ہے، آپ کسی جانے والے کے بدست دونوں دموں کی قیمت بھیج دیں اور انہیں مکلّف کریں کہ وہ حدود حرم میں آپ دونوں کی طرف سے ذبح کرا دیں، مدرسہ صولتیہ میں بھی اس کا معقول انتظام رہتا ہے وہاں سے بھی رجوع کر سکتے ہیں۔

وأما في الثاني والثالث فمن الزوال (درمختار) فلا يجوز قبله في المشهور ...... فلو أخره عن وقته أي المعين له في كل يوم فعليه القضاء والجزاء. (زبدة المناسك ۲۱۲)

أن الصحابة رضي اللّٰه عنهم أجمعين أيضا فهموا من فعله عليه الصلاة والسلام أن وقت الرمي في أيام التشريق بعد الزوال، ويدل عليه ما رواه البخاري و أبو داؤد عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما قال: كنا نتحين، فإذا زالت الشمس رمينا، وحينئذ خلافه يشبه خلاف الإجماع فما يفعله كثير من الناس من الرمي قبل الزوال فهنو خطأ موجب الدم، ومحل للإنكار والذم، لكونه مخالفا لصحيح الرواية، ولظاهر الرواية وللمتون والإجماع. (حاشية مناسك ملا علي القاري ۲۳۸، انوار مناسك ۴۸۸) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۱-۱۲/ذی الحجہ کو غروبِ آفتاب کے بعد رمی کرنا

سوال (۱۴۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کیا ۱۱؍ اور ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی جائے تو اس میں کراہت ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: گیارہ اور بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کرنا بلاعذر مکروہ ہے؛ لیکن اگر کسی عذر (مثلاً شدید ازدحام یا طبعی کمزوری وغیرہ) کی وجہ سے اس وقت رمی کی تو کوئی کراہت نہیں۔

ویکره للفجر أي من الغروب إلی الفجر. (در مختار مع الشامي ۳/ ٥٣٤)

والوقت المسنون في اليومين من الزوال إلی غروب الشمس، ومن الغروب إلی طلوع الفجر وقت مكروه، ولو لم يرم يوم النحر، أو الثاني أو الثالث رماه في الليلة المقبلة، ولا شيء عليه سوی الإساءة إن لم يكن بعذر.

(غنية الناسك / باب رمي الجمار ۱۸۱-۱۸۲ إدارة القرآن كراچی)

وما بعد الغروب إلی طلوع الفجر وقت مكروه. (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۳۳)

وله أوقات أربعة: وقت الجواز، ووقت الاستحباب، ووقت الإباحة، ووقت الكراهة ...... والرابع: قبل طلوع الشمس وبعد الغروب. (البحر الرائق ۲/ ٦٠٤ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/ ۱/ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی غروبِ آفتاب کے بعد کرنے سے ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی واجب ہو جائے گی؟

سوال (۱۴٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ۱۲؍ ذی الحجہ کی رمی کے لئے غروب آفتاب کے بعد تک منی میں ٹھہرا جائے تو ۱۳؍ ذی الحجہ کی رمی لازم تو نہیں ہوگی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بارہ ذی الحجہ کی رمی غروب آفتاب کے بعد کی پھر بھی تیرھویں کی رمی واجب نہ ہوگی؛ البتہ اگر منی کے حدود میں رہتے ہوئے صبح صادق ہوجائے تو اب تیرھویں کی رمی واجب ہے۔

ویسقط بنفره قبل طلوع فجر الرابع، ولو نفر من اللیل قبل طلوعه لا شيء علیه في ظاهر الروایة عن الإمام، وقد أساء، ولو نفر بعد طلوع الفجر قبل الرمي یلزمه الدم اتفاقاً فإن لم ینفر حتی طلع الفجر من الیوم الرابع وجب علیه الرمي في یومه ذلک، فیرمي الجمار الثلاث بعد الزوال. (غنیة الناسك / باب رمي الجمار ۱۸٤ إدارة القرآن کراچی)

فإن لم ینفر حتی غربت الشمس یکره له أن ینفر حتی رمی في الرابع، ولو نفر من اللیل قبل طلوع الفجر من الیوم الرابع لا شيء علیه، وقد أساء أي لترکه السنة، ولا یلزمه رمي الیوم الرابع في ظاهر الروایة، نص علیه محمد في الرقیات، وإلیه أشار في الأصل وهو المذکور في المتن. (مناسك ملا علي القاري / باب رمي الجمار وأحکامه ٢٤٤ إدارة القرآن کراچی، بدائع الصنائع ٢/ ٣٢٥ نعیمیه دیوبند، کذا في الدر المختار مع الشامي ٣/ ٥٤٣ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا معذورین اور ضعفاء کی طرف سے رمی جمار میں نیابت جائز ہے؟

سوال (۱۴۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا معذور، بیمار، کمزور شخص، اسی طرح عورت کی طرف سے رمی جمار میں نیابت درست ہے

یانہیں؟ اگرنہیں تو کس کے لئے رمی جمار میں نائب بنانے کی گنجائش ہے؟ اور جس شخص کو نائب بنایا جائے گا وہ شخص کس طرح دوسرے کی طرف سے رمی کرے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگرکوئی شخص ایسا مکز ور، بیمار یا معذور ہو کہ کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکتا ہو یا ایسا معذور تو نہ ہو؛ لیکن اس کے لئے جمرات تک پیدل چل رجانا دشوار ہو اور اس کو سواری یا وہیل چیئر پر لے جانے والا بھی میسر نہ ہو تو ایسے مرد یا عورت کی طرف سے رمی کے لئے نائب بنانا درست ہے اور اگر اس طرح کا عذر نہ ہو تو نائب بنا کر رمی کرنا معتبر نہ ہوگا اور محض عورت ہونا عذر کے لئے کافی نہیں ہے؛ لہٰذا جو عورت تندرست ہو اور خود جا کر کنکریاں مار سکتی ہو اس کی طرف سے نایب درست نہیں ہے۔

فإن كان مريضاً له قدرة على حضور الرمي محمولا، وليستطيع الرمي كذلك من غير أن يلحقه ألم شديد ولا يخاف زيادة امرض ولا بطأ البرألا يجوز النيابة عنه إلا أن لايجد من يحمله. (غنية الناسك ١٨٧-١٨٨)

والرجل والمرأة في الرمي، سواء إلا أن رميها في الليل أفضل …… فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر. (غنية الناسك ١٨٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۲/۳/۶ ۱۴۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حادثہ کی وجہ سے مردوں کا عورتوں کی طرف سے نیابۃً جمرات پر کنکر مارنا؟

سوال (۱۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم چار حجاج جن میں دو مرد تھے، اور دو عورتیں تھیں، شیطان کے کنکریاں مارنے کے دوران حادثہ میں سیکڑوں افراد ہلاک ہو گئے، جن کی لاشیں وہیں پڑی تھیں، منظر بڑا دلدوز تھا وحشت کا عالم

تھا، عورتوں کا دل کمزور ہونے کی وجہ سے اور موت کا خطرہ پیش نظر ہونے کی وجہ سے عورتیں کنکریاں مارنے کی ہمت نہیں کرسکیں، ناچار ہم دونوں مردوں نے ان کی طرف سے وکالت کرتے ہوئے کنکریاں ماریں، کیا یہ عمل درست تھا، اگر نہیں تو کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جمرات پر جو حادثات پیش آتے ہیں، سعودی حکومت بہت مختصر وقت میں ان پر قابو پالیتی ہے، اور متاثرین کو ہنگامی طور پر وہاں سے جلد از جلد منتقل کردیا جاتا ہے، اور تھوڑی ہی دیر میں ایسی صورت سامنے آتی ہے گویا کچھ یہاں ہوا ہی نہ ہو، اور رمی کا وقت کافی وسیع بھی ہوتا ہے، اور کمزوروں کے لئے رات میں رمی کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں ہے، اس لئے مسئولہ صورت میں ایک وقتی دہشت کی وجہ سے جن عورتوں کی طرف سے رمی میں نیابت کی گئی ہے، وہ صحیح نہیں ہوئی، اور اس ترک رمی پر دم جنایت واجب ہے، جو حدود حرم میں کبھی بھی ذبح کیا جاسکتا ہے۔

عن إبراهيم قال: يُحملُ المريض إلى الجمار، فإن استطاع أن يومي فليوم، وإن لم يستطيع فليوضع الحصى في حفِّه، ثم يُرمى بها من كَفِّه. (المصنف لابن أبي شيبة ٦٣٦/٦ رقم: ١٥٣٩٤)

عن إبراهيم قال: يُشْهَدُ بالمريض المناسكُ كلُّها، ويطاف به على مَحمِل، فإذا رمى الجمار وُضع في كفِّه، ثم رُميَ به من كفِّه. (المصنف لابن أبي شيبة ٦٣٦/٦ رقم: ١٥٣٩٥)

والرجل والمرأة في الرمي، سواء إلا أن رميها في الليل أفضل فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ١٨٨ إدارة القرآن كراچی)

فإن كان مريض له قدرة على حضور المرمي محمولاً ويستطيع رميا كذلک من غير أن يلحقه ألم شديد، ولا يخاف زيادة المرض ولا بطوء

البرء، لا يجوز النيابة عنه. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ١٨٧ إدارة القرآن كراچی)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/۸/۱۴۲۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۲/تاریخ کو منی سے جلدی روانہ ہونے کے لئے عورت کی طرف سے رمی کرنا

سوال (۱۴۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص مغرب سے قبل منی چھوڑنے کی غرض سے ۱۲/تاریخ کو رمی میں عورت کی نیابت کرے، جبکہ عورت کے ساتھ کوئی شرعی عذر لاحق نہ ہو تو یہ نیابت جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز نہ ہوگی تو کوئی کفارہ ہوگا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس عورت کو کوئی شرعی عذر لاحق نہ ہو اس کی طرف سے رمی میں نیابت جائز نہیں، اگر اس نے اپنی رمی خود نہ کی تو ترک رمی کی وجہ سے ایک دم جنایت واجب ہے، اور یہ دم کبھی بھی حدود حرم میں ذبح کرایا جاسکتا ہے، نیز یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ عورت وغیرہ کے لئے بارہ تاریخ کو مغرب کے بعد بھی رمی کرنے میں کوئی حرج نہیں، اس لئے یہ نیابت کے لئے عذر نہیں بن سکتا۔

الرجل والمرأة في الرمي سواء إلا أن رميها في الليل أفضل، فلا تجوز النيابة عن المرأة بغير عذر. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ١٨٨ إدارة القرآن كراچی)

فإن أخر الرمي فيهما إلى الليل فرمى قبل طلوع الفجر جاز ولا شئ عليه؛ لأن الليل وقت الرمي في أيام الرمي لما روينا من الحديث ...... أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أذن للرعاة أن يرموا بالليل. (طبرانی فی الكبير رقم: ١١٣٧٩، مسند

البزار رقم: ۱۱۳۹)

ولا يقال: إنه رخص لهم ذٰلک لعذر؛ لأنا نقول: ما كان لهم عذر؛ لأنه يمكنهم أن يستنيب بعضهم بعضا فيأتي بالنهار فيرمي، فثبت أن الإباحة ما كانت لعذر، فيدل على الجواز مطلقا فلا يجب الدم. (بدائع الصنائع ۳۲٤/۲ نعيميه ديو بند)

ويكره من الغروب إلى الفجر ...... و هٰذا عند العذر، فلا إساء ة يرمي الضعفة قبل الشمس ولا يرمي الرعاة ليلا. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ۱۷۰ إدارة القرآن كراچی)

وإن ترک رمي يوم فعليه دم، ولو يوم النحر؛ لأنه نسک تام. (البحر الرائق ٤١/۳ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۳/۱۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حوادث کی وجہ سے اَوقاتِ رمی کے سلسلہ میں مسلکِ غیر پر فتویٰ دینا؟

سوال (۱۵۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک بار پھر سیکڑوں حاجی جمرات کو کنکری مارتے وقت اپنے مسلمان بھائیوں کے پاؤں تلے شہید ہوگئے، شہادت سے قبل مچی بھگدڑ میں وہ اپنے دیگر ساتھیوں کے پاؤں تلے روندے گئے، وہ گرے تو ان کے اوپر سے ہزاروں حاجی ان کو کچلتے اور روندتے نکلے، یہ تکلیف دہ حادثہ اپنی طرح کا پہلا حادثہ نہیں تھا، اس سے پہلے بھی متعدد بار ایسا ہوچکا ہے؛ بلکہ اب تو رفتہ رفتہ یہ تقریباً ہر سال کا معمول بنتا جارہا ہے۔

آخر ایسا کیوں ہوتا ہے؟ اس سوال کے جواب میں عام طور پر آپ لوگوں کو حجاج کو دوش دیتے دیکھیں گے کہ ان کی ناسمجھی، نادانی اور ان کا تربیت یافتہ نہ ہونا، ان حادثات کا اصل سبب

ہے، بلاشبہ تمام عازمین حج اعلی درجہ کے سمجھ دار، دانا اور تربیت یافتہ ہوتے ہیں، نہ ہو سکتے ہیں، لیکن آخر کیا وجہ ہے کہ انہیں حجاج کے ہاتھوں دوران حج کسی اور مقام پر بالعموم ایسے حادثے رونما نہیں ہوتے۔ اگر ان تمام حادثات میں دوش صرف حجاج کا ہے تو حج کے دیگر ارکان کی ادائیگی کے وقت ایسی صورتِ حال کیوں نہیں پیدا ہوتی؟ کیا وہ حجاج جو منی میں رمی جمرات کے وقت غیر تربیت یافتہ ہوتے ہیں، دیگر مناسک کی ادائے گی کے وقت اعلی درجہ کے تربیت یافتہ ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے ایسا نہیں ہے تو پھر رمی جمرات کے وقت ایسے حادثے کیوں رونما ہوتے ہیں؟

دراصل رمی جمرات کا وقت اور مقام نہایت تنگ ہوتا ہے۔ آپ خود غور فرمائیں کہ پچیس لاکھ سے زائد حجاجِ کرام کو رمی کرنی ہو، رمی کرنے کا مقام بھی متعین ہو اور وقت بھی نہایت محدود، ایسی صورت حال میں اس اژدحام کا کیا عالم ہوتا ہوگا، اور اس اژدحام میں اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو کیا اس کو کنٹرول کرنا آسان بلکہ ممکن ہوگا؟

اب ظاہر ہے کہ نہ یہ ممکن ہے کہ اس اژدحام اور اس کے نتیجہ میں وجود میں آنے والے حادثات سے بچنے کے لئے عازمین حج کی تعداد کم کی جائے کہ وہ پہلے ہی سے مسلمانوں کی مجموعی تعداد کے اعتبار سے نہایت کم ہے، اور نہ یہ ممکن ہے کہ رمی جمرات کے مقام کو اتنی وسعت دے دی جائے کہ اژدحام سے بچایا جا سکے۔ لہٰذا بس وقت کی توسیع وہ چیز ہے جو اس طرح کے حادثات سے بچانے میں ہماری کچھ مدد کر سکتی ہے، ضرورت ہے کہ علماء (علماء احناف) اس پر غور فرمائیں، اور اگر شرعی دلائل کی روشنی میں رمی کے وقت میں توسیع کر کے ان تلف ہونے والی جانوں کو بچانا ممکن ہو تو اپنے فتاوی کے ذریعہ ان کو بچائیں، اس طرح کے حادثات کی زد میں آنے والوں کی تعداد بھی تو سیکڑوں تک ہوتی ہے، ڈر ہے کہ کہیں ان کی تعداد بڑھ کر کبھی ہزاروں کی حدود نہ تجاوز کر جائے۔ قبل اس کے کہ (خدانخواستہ) ایسا ہو ہمارے اصحاب علم وفتوی کو اس طرف توجہ دینی چاہئے کہ یہ مسئلہ ان کی توجہ کا مستحق اور منتظر ہے۔ زیر نظر تحریر کا مقصد بھی اس اہم مسئلہ پر محترم علماء کی خدمت میں چند گذارشات کا پیش کرنا ہے۔

۱۰/ذی الحجہ کو پہلی رمی ہوتی ہے، اور احناف کے نزدیک اس کا وقت صبح صادق سے شروع ہوکر اگلے دن کی صبح صادق تک رہتا ہے، جب کہ اس کا مستحب وقت ان کے نزدیک طلوع آفتاب سے زوال تک رہتا ہے۔

چوں کہ ۱۰/ذی الحجہ حاجی کے لئے سب سے زیادہ مشغول دن ہوتا ہے اور اس دن اس کو کئی مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں، رمی کرنی ہوتی ہے، قربانی کرنی ہوتی ہے، حلق (یا تقصیر) کروانا ہوتا ہے، طواف زیارت بھی اسی دن ہوتا ہے، اور پھر منیٰ واپسی کرنی ہوتی، اور احناف کے نزدیک ان سب کا آغاز حاجی کو رمی سے ہی کرنا ہے، اس لئے حاجی کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ رمی جلد از جلد کرے؛ تا کہ وہ پھر دیگر مناسک ادا کر کے منیٰ جلد واپس آسکے۔ ایسی صورت میں صبح کے وقت جمرۃ العقبہ کی رمی سے تمام لوگ جلد فارغ ہونا چاہتے ہیں، نتیجۃً وہاں زبردست اژدحام ہوتا ہے، اور کسی طرح کے حادثات کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

دیگر مسالک میں سے حنابلہ اور شوافع کے یہاں ۱۰/ذی الحجہ کو رمی کا وقت نصف رات سے شروع ہوجاتا ہے، ظاہر ہے ایسی صورت میں حجاج کے وقت میں گنجائش نکل آتی ہے، اور اس پر عمل کرنے والوں کے لئے یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ کثرت اژدحام کے وقت کی آزمائش سے بچ جائیں، اور اس دن کے دیگر مناسک بھی کسی قدر آرام سے ادا کرلیں، اس طرح وہ ان متوقع حادثات سے بچ سکتے ہیں، جن کا خطرہ بھیڑ کی زیادتی کی وجہ سے صبح کے وقت بڑھ جاتا ہے، اور خوف رہتا ہے کہ کہیں حجاج کی ایک بڑی تعداد اس طرح کے کسی حادثہ کی زد میں نہ آجائے۔

علماء احناف بالخصوص ان کے اصحاب فتوی کے لئے یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ اس مسئلہ میں امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مسلک پر عمل کرکے سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کو متوقع حادثات سے بچایا جاسکتا ہے، فقہائے احناف نے ماضی میں اس سے بہت کم درجہ کی ''ضرورت'' میں مسلک غیر پر فتوی دیا ہے۔ یہاں مسئلہ مسلمانوں کی جان کا ہے، جس کے لئے شریعت نے ''ضرورت'' کے وقت میتہ اور خنزیر جیسے محرمات کے استعمال کی اجازت دی ہے۔

مسئلہ مفقود عنہا زوجہا ممتدۃ الطہر کی عدت اور تعلیم قرآن و مسائل کی اجرت جیسے کتنے ہیں کہ اس میں ہمارے متقدمین کی آراء کچھ اور تھیں، لیکن تغیر زمانہ کے نتیجے میں وجود میں آئی "شرعی ضرورت" نے متاخرین کو مجبور کیا کہ وہ کسی اور مسلک پر فتوی دیں۔ اور ذکر کئے گئے تینوں مسائل میں جن شرعی ضرورتوں نے اپنے مسلک سے عدول پر فقہائے احناف کو مجبور کیا تھا، اگر غور کیا جائے تو وہ زیر نظر مسئلہ میں موجود "ضرورت" سے کہیں کم تر تھیں، ان میں سے کسی بھی مسئلہ میں ایک فرد واحد کی بھی جان تلف نہیں ہو رہی تھی، اور یہاں مسئلہ ہر سال سیکڑوں ہزاروں حاجیوں کو متوقع خطرات سے بچانے کا ہے۔

پھر شوافع اور حنابلہ کا یہ مسلک ایسا بے دلیل بھی نہیں کہ اس کی طرف عدول اس وجہ سے مشکل ہو کہ اس رائے کے پیچھے مضبوط دلائل نہیں۔ ان حضرات کے مستدلات میں سے صرف ایک دلیل کو یہاں ہم ذکر کر رہے ہیں، جس سے بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہ رائے اپنے لئے قابل لحاظ دلائل کی بنیاد پر رکھتی ہے۔ امام بخاری اور امام مسلم نے اپنی اپنی صحیح میں حضرت اسماء بنت ابی بکر کے مولی حضرت عبداللہ کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت اسماء ۱۰ر ذی الحجہ کی شب کو چاند کے غائب ہو جانے کے بعد مزدلفہ سے منی کی طرف چلیں، اور وہاں پہنچ کر رمی کی اور رمی کے بعد اپنی قیام گاہ واپس آ کر نماز فجر ادا کی، حضرت عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا "ما أرانا إلا قد غلسنا" جس کے جواب میں حضرت اسماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کے لئے اس کی اجازت دی تھی۔ شوافع اور حنابلہ کا کہنا ہے کہ "قد غلسنا" سے مراد طلوع فجر سے پہلے رمی کرنا ہے، ان کے اس قول کی تائید ابوداؤد کی روایت میں اسی موقع کے یہ الفاظ کرتے ہیں "إنا رمينا الجمرة بليل" ۔ یہ تو حضرت اسماء کا ذکر ہے، ابوداؤد نے اسی مقام پر ایک اور حدیث ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ام سلمہ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے ۱۰ر ویں ذی الحجہ کو طلوع فجر سے پہلے رمی کی تھی۔ اب رہیں وہ احادیث جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "ضعفة أهله" کو یہ نصیحت کی تھی کہ وہ طلوع فجر سے پہلے رمی نہ

کریں، تو یہ حضرات ان احادیث کے سلسلے میں یہ کہتے ہیں کہ وہ افضل پر عمل کا حکم تھا، اور افضل بہرحال بعد میں ہی رمی کرنا ہے۔

یہاں تک جو عرض کیا گیا وہ ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی کے سلسلے میں تھا، اس کے بعد ۱۱، ۱۲؍ذی الحجہ کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ کا مشہور اور احناف کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور اگلے دن کی صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے، اور دیگر تمام مسالک میں بھی ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت زوال سے ہی شروع ہوتا ہے، اس صورت میں ۱۱؍ذی الحجہ کو تو زیادہ پریشانی نہیں پیش آتی کہ اس دن سوائے رمی کے کوئی اور رکن ادا نہیں کرنا ہوتا؛ لیکن ۱۲؍ذی الحجہ کو چوں کہ تقریباً تمام حاجی غروب سے پہلے منی کی حدود سے باہر نکلنا چاہتے ہیں اس لئے اس دن وقت کی قلت مسئلہ بنتی ہے، جس کے نتیجہ میں زبردست اژدحام ہو جاتا ہے، اور پھر یہ اژدحام نہایت تکلیف دہ حادثات کا بھی سبب بنتا ہے۔ خیال رہے کہ اس طرح کے حادثات عام طور پر ۱۲؍ذی الحجہ کو ہی ہوتے ہیں۔

علماء احناف کے لئے یہ امر قابل توجہ ہے کہ کیا ایسی صورت میں امام ابوحنیفہؒ کے ایک غیر مشہور اور غیر مفتی بہ قول پر فتوی دیا جا سکتا ہے؟ جس کے مطابق ان دونوں دنوں میں رمی کا وقت طلوع فجر سے شروع ہو جاتا ہے، ہمارے اہل علم واقف ہیں کہ ''ضرورت وحاجت'' کے وقت ماضی میں فقہاء حنفیہ نے متعدد مسائل میں قول مرجوح وغیر مفتی بہ پر فتوی دیا ہے، اور جیسا کہ پیچھے کئی بار گذرا یہاں ''ضرورت'' سیکڑوں ہزاروں مسلمانوں کی جانوں کی حفاظت ہے، جب کہ جن مسائل میں غیر مفتی بہ قول کو اختیار کر لیا گیا ہے، اہل علم واقف ہیں کہ ان میں سے اکثر مسائل میں ''ضرورت'' اس سے کم درجہ کی ہے۔

اب تک جو کچھ لکھا گیا اس کی روشنی میں دو سوال سامنے آتے ہیں:

(۱) کیا ۱۰؍ذی الحجہ کی رمی کے سلسلہ میں شوافع اور حنابلہ کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے اس دن کی رمی کا آغاز نصف لیل سے ہونے پر فتوی دیا جا سکتا ہے؟

(۲) کیا خود امام ابوحنیفہؒ کے ایک غیر مفتی بہ قول پر فتویٰ دے کر ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کی رمی کے وقت کو طلوع فجر سے شروع مانا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ذی الحجہ کی دسویں تاریخ میں رمی کے ابتدا کی وقت کے متعلق حضرت امام شافعی وغیرہم کے دلائل کو بحث میں نہ لاتے ہوئے اصولی طور پر عرض ہے کہ دوسرے امام کے مسلک پر عمل کرنے کے لئے واقعی ضرورت کا پایا جانا شرط ہے، اور چونکہ حنفیہ اور جمہور علماء کے مسلک میں دس تاریخ کو رمی کا وقت مکمل چوبیس گھنٹہ (دسویں کی صبح صادق سے گیارہویں کی صبح صادق تک) ہے، اور اس میں بھیڑ وغیرہ کے عذر سے وقت مکروہ میں رمی کرنے میں بھی حرج نہیں، نیز سالوں کا مشاہدہ یہ ہے کہ شام تک بھیڑ کافی حد تک چھٹ جاتی ہے، اور رات میں تو میدان بالکل خالی نظر آتا ہے، اس لئے اس مسئلہ میں عدول عن المذہب کی نہ ضرورت ہے اور نہ اجازت ہے، علاوہ ازیں حنفیہ کے نزدیک وقوف مزدلفہ کا واجب وقت دسویں تاریخ کو صبح صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے، اب اگر آج کے دن صبح صادق سے قبل رمی کی اجازت دی جائے گی، تو لازما وقوف مزدلفہ کا واجب ترک ہوجائے گا، حالانکہ اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، لہٰذا مسئلہ میں تبدیلی کے بجائے حجاج کو صحیح تربیت دینے، انہیں شریعت میں پہلے سے موجود وقت کی وسعت سے آگاہ کرنے، اور ذمہ دار رفقاء سفر کے ذریعہ ان پر عمل درآمد کرانے کی ضرورت ہے، بالخصوص حجاج کو جلد بازی سے بچنے کی تلقین کی جائے، اس کے بغیر سوال نامہ کی تمہید میں آپ نے جو حجاج کے جانی تحفظ کا مطالبہ پیش کیا ہے، وہ پورا نہ ہوسکے گا۔

قال في الغنية: أما الرمي في اليوم الأول – فلأدائه وقت الجواز من الفجر إلى الفجر ووقت مسنون من طلوع الشمس إلى الزوال، ووقت مباح من الزوال إلى الغروب، ووقت مكروه قبل طلوع الشمس وبعد الغروب، وإن كان بعد لاكراهة فيهما. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ۱۸۱ إدارة القرآن كراچی)

۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو زوال سے قبل رمی کے جواز کے متعلق حضرت امام ابوحنیفہؒ کا قول انتہائی

ضعیف اور غیر مفتی بہ ہے، حتی کہ بعض علماء نے امام صاحبؒ کی طرف اس کی نسبت کو بھی غلط فہمی قرار دیا ہے، بایں ہمہ کسی بھی ضعیف قول پر عمل اور فتوی کے لئے شرعی ضرورت کا متحقق ہونا ضروری ہے، اور یہاں کوئی شرعی ضرورت متحقق نہیں ہے، اس لئے کہ زوال کے بعد سے اگلے دن کی صبح صادق تک اچھا خاصا لمبا وقت ملتا ہے، اور عوام بلکہ بعض خواص میں جو یہ بات مشہور ہوگئی ہے کہ ۱۲ تاریخ کو غروب سے قبل منی سے نکلنا لازم ہے، ورنہ اگلے دن کی رمی واجب ہوجائے گی، یہ مفروضہ حنفی مسلک کی رو سے قطعاً غلط ہے، مسئلہ یہ ہے کہ ۱۲؍تاریخ کی رمی کا وقت تیرہویں کی صبح صادق تک باقی رہتا ہے، اور عذر کی وجہ سے اس رات میں رمی بلا کراہت درست ہے، اس لئے اس غلط فہمی کو دور کرنے کی ضرورت ہے، ہمارا بار بار کا مشاہدہ ہے کہ ۱۲؍تاریخ کو غروب کے بعد جمرات میں بھیڑ بالکل چھٹ جاتی ہے، اور اس وقت ضعفاء اور خواتین بھی بآسانی قریب سے جا کر رمی کر لیتے ہیں، اس لئے ایک ضعیف ترین قول کو بنیاد بنا کر رمی کے وقت کو تبدیل کرنے کے بجائے پہلے ہی سے جو رخصت شریعت میں موجود ہے اسی پر عمل کی ترغیب دینی چاہئے۔

وأما وقت الجواز في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر، فمن الزوال إلى طلوع الفجر من الغد، فلايجوز قبل الزوال في ظاهر الرواية، وعليه الجمهور من أصحاب المتون والشروح والفتاوى، قال في الفيض: وهو الصواب اهـ .

وروى الحسن عن أبي حنيفةؒ أنه لو أراد أن ينفر في اليوم الثالث من أيام النحر له أن يرمى قبل الزوال، وإن رمى بعده فهو أفضل، وإنما لايجوز قبل الزوال ممن لايريد النفر اهـ. وهو خلاف ظاهر الرواية، وخلاف النص من فعله صلى الله عليه وسلم، وفعل الصحابة بعده، قال في البدائع: وهٰذا باب لا يعرف بالقياس؛ بل بالتوقيف اهـ.

وقال في الفتح: لا يجوز فيهما قبل الزوال اتفاقاً لوجوب اتباع المنقول لعدم المعقولية، اهـ. (غنية الناسك / باب رمي الجمار ١٨١ إدارة القرآن كراچی)

وله النفر من منى قبل طلوع فجر الرابع. (درمختار مع الشامی ۳؍۵۴۳، بدائع

الصنائع ۲/ ۳۲۵، انوار مناسک ۴۸۸ -۴۹۲ میں بھی اس مسئلہ کی تفصیل ہے)فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ :احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/ ۸/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح :شبیر احمد عفا اللہ عنہ

منیٰ میں ۲۴/ گھنٹہ رمی کے بارے میں چسپاں کئے گئے اشتہارات کا کیا حکم ہے؟

سوال(۱۵۱) :- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ :حکومت کی طرف سے جگہ جگہ اشتہارات چسپاں کئے گئے ہیں، جن پر لکھا ہے کہ چوبیس گھنٹہ رمی کی جاسکتی ہے۔ مفتی بشیر احمد صاحب فرماتے ہیں کہ اس اعلان کی کوئی شرعی بنیاد نہیں ہے، یہاں پر بھی مجھ ناچیز کی یہ بات سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ وہاں کے ذمہ داران کے اعلانات اور احکامات کی پابندی ہم عام حاجیوں پر لازمی اور ضروری کیوں نہیں ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پہلے دن یعنی یوم النحر (دسویں ذی الحجہ) میں فی الجملہ رمی کا وقت ۲۴/ گھنٹہ ہے؛ لیکن ۱۱-۱۲/ تاریخ کو یہ وقت زوال سے شروع ہوتا ہے، اور اگلے دن کی صبح صادق تک رہتا ہے؛ لہٰذا اِن دنوں میں ۲۴/ گھنٹہ رمی کرنے کی بات بے دلیل ہے، اور جن اعلانات کا آپ نے ذکر فرمایا ہے، یہ معلمین اپنے طور پر اپنی سہولت کے لئے چھاپتے رہتے ہیں؛ لیکن جب مسئلہ سعودی علماء اور وہاں کے دارالافتاء سے پوچھا جائے، تو وہ یہی بتاتے ہیں کہ زوال کے بعد ہی رمی کی جائے گی، اس لئے ان اعلانات کو سعودی حکومت کا اعلان سمجھنا صحیح نہیں، اور اگر بالفرض یہ اعلان حکومت ہی کی طرف سے ہو، تب بھی حنفیہ کے لئے اس کی پابندی جائز نہیں؛ کیوں کہ ہمارے مسلک کے راجح قول میں ۱۱-۱۲/ ذی الحجہ کو زوال سے پہلے رمی کی اجازت نہیں، اگر کوئی حاجی زوال سے قبل رمی کر لے، اور بعد میں وقت کے اندر نہ دہرائے، تو اس پر ترکِ رمی کی وجہ سے دم لازم ہوگا، حجاج کو یہ مسئلہ اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۳/ ۳۴۹، انوار

مناسک ۸۷۴-۹۷۴، ایضاح المناسک ۱۵۱-۱۵۴)

عن جابر رضي الله عنه قال: رمى رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمرة يوم النحر ضحىً و أما بعد فإذا زالت الشمس. (صحيح مسلم / باب بيان وقت استحباب الرمي ٤٢٠/١ رقم: ١٢٩٩، سنن أبي داؤد ٢٧١/١ رقم: ١٩٧١، سنن الترمذي ١٧٩/١ رقم: ٨٩٥)

عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يرمي الجمار إذا زالت الشمس. (المصنف لابن أبي شيبة ٤٨٦/٨، رقم: ١٤٧٩٠)

أما الرمي في اليوم الأول فلأدائه وقت الجواز من الفجر إلى الفجر ...... وأما وقت الجواز في اليوم الثاني والثالث من أيام النحر، فمن الزوال إلى طلوع الفجر من الغد، فلا يجوز قبل الزوال اتفاقاً لوجوب اتباع المنقول لعدم المعقولية ......، والوقت المسنون في اليومين من الزوال إلى غروب الشمس، ومن الغروب إلى طلوع الفجر وقت مكروه، وإذا طلع الفجر فقد فات وقت الأداء عند الإمام، وبقي وقت القضاء إلى آخر أيام التشريق، فلو أخره عن وقت أدائه فعليه القضاء والجزاء.

(غنية الناسك ١٨١-١٨٢ كراچی، كذا في البدائع الصنائع ٣٢/٤ نعيميه ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا ہر دن کی رمی چھوڑنے پر الگ الگ دم واجب ہوگا یا ایک ہی دم کافی ہوگا؟

سوال (۱۵۲): - زید نے ۱۰؍تاریخ کو جمرۂ عقبہ کی رمی چھوڑ دی اور ۱۱؍کی صبح کو کسی کے بتلانے سے دم دے دیا، اور ۱۱؍کی صبح کو زوال سے پہلے ہی ۱۰؍کی رمی کی قضا کر لی، اور ۱۱؍تاریخ کی رمی پھر چھوڑ دی۔ معلوم یہ کرنا ہے کیا ہر دن کی رمی چھوڑنے پر الگ الگ دم آئے گا یا جو دم دس کی رمی چھوڑنے پر گیارہ تاریخ کو دیا جا چکا ہے، وہی کافی ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اس مسئلہ کے بارے میں صریح جزئیہ نہیں ملا؛ لیکن قواعد واصول سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسئولہ صورت میں جو دم دس ذی الحجہ کی رمی چھوڑنے کی نیت سے دیا گیا ہے وہ گیارہ تاریخ کی رمی چھوڑنے کی طرف سے کافی نہ ہوگا؛ بلکہ گیارہ کے ترک پر الگ سے دم ہوگا، ہاں اگر یہ پہلے دم نہ دیا ہوتا؛ بلکہ ساری رمی کے ترک کا مرتکب ہوتا تو پھر اس کے لئے ایک ہی دم دینا کافی ہوجاتا، اس مسئلہ کی نظیر روزہ کے کفارہ کا مسئلہ ہے کہ اگر عمداً افطار کے بعد کفارہ ادا کردیا ہے، پھر بعد میں یہی جرم پایا گیا تو از سرِ نو کفارہ دینا ہوگا، اور اگر افطار کے متعدد واقعات پیش آچکے اور بیچ میں کفارہ نہیں دیا تو بعد میں ایک ہی کفارہ کافی ہوجاتا ہے۔

ولو لم يرم في الليل رماه في النهار، ولو قبل الزوال قضاء عنده، وعليه الكفارة للتاخير الخ، ولو أخر رمى الأيام كلها إلى الرابع مثلا رماها كلها قبل الزوال، أو بعده على التاليف عنده، وعليه دم واحد للتاخير. (غنية الناسك/ ١٨٢ إدارة القرآن كراچی، كذا في الرد المحتار ٣/ ٥٤٢ زكريا)

ولو ترك الكل وهو الجمار الثلاث فيه للزمه دم عنده ...... فإن ترك الرمي كله في سائر الأيام إلى آخر أيام الرمي، وهو اليوم الرابع فإنه يرميها فيه على الترتيب وعليه دم عنده ...... ثم على قوله: لا يلزمه إلا دم واحد، وإن كان ترك وظيفة يوم واحد بانفراده يوجب دما واحدا وقع ذٰلك لا يجب عليه لتأخير الكل إلا دم واحد. (بدائع الصنائع / وقت الرمي ٣/ ٣٢٦ نعيمية ديوبند، كذا في المناسك لملا علي القاري / باب رمي الجمار وأحكامه ٢٤١ إدارة القرآن كراچی، وكذا في الهداية ١/ ٢٧٥ أشرفية ديو بند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۷/۱۰/۱۴۲۹ھ

منیٰ سے متعلق مسائل

ایام منی میں حدودِ مزدلفہ میں بنے خیموں میں قیام کرنا

سوال (۱۵۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: سنا ہے کہ منی کی حدود اب بڑھا کر مزدلفہ کی حدود میں داخل کردی گئی ہیں، تو ایسے میں منی کا قیام مخدوش ہوجاتا ہے، جبکہ منی میں قیام کرنے والوں کو صراحۃً بورڈ وغیرہ پڑھکر اندازہ ہوجاتا ہے کہ ہم مزدلفہ کی سرحد میں داخل ہوکر قیام کررہے ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا نہیں ہے کہ منی کی حدود بڑھادی گئی ہوں؛ بلکہ وہ اپنی جگہ قائم ہیں، صرف خیموں کے سلسلہ کو مزدلفہ کی حد تک وسیع کردیا گیا ہے، ایسی صورت میں جو شخص مزدلفہ کی حدود میں واقع خیموں میں ایام منی میں قیام کرے گا وہ ترک سنت کا مرتکب ہوگا؛ لیکن اس کی وجہ سے اس پر کوئی دم لازم نہیں آئے گا۔ (ایضاح المناسک ۱۵۶/ ۱۵۷)

ویکره أن لا یبیت بمنیٰ لیالی الرمي ولو بات في غیره متعمداً لا یلزمه شيء عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/ ۵۳٤ زکریا)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: أفاض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من آخر یومه حین صلی الظهر، ثم رجع إلی منی، فمكث بها لیالي أیام التشریق، یرمي الجمرة إذا زالت الشمس، كل جمرة بسبع حصیات، یكبر مع كل حصاة، و یقف عند الأولی والثانیة، فیطیل القیام، و یتضرع، ویرمي الثالثة و لا

يقف عندها. (سنن أبي داؤد، المناسك / باب في رمي الجمار ۱/ ۲۷۱ رقم: ۱۹۷۳)

لا يبيت ولا في الطريق؛ لأن البيتونة بمنىٰ لياليها سنة عندنا. (أوجز المسالك ۳/ ٥ ٦۲ مكتبة يحيوي سهارنفور)

ويسن أن يبيت بمنى ليالي أيام الرمي، فلو بات بغيرها متعمداً كره، ولا شيء عليه عندنا. (غنية قديم/ ۹٥، كذا في الأوجز المسالك / البيوتة بمكة ليالي منى ۳/ ٥ ٤ ٦ مكتبة يحوي سهارنفور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۸/ ۶/ ۱۴۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حجاج کی کثرت یا حکومتی پابندی کی وجہ سے ۸/ تا ۱۲/ ذی الحجہ کو منیٰ سے باہر قیام کرنا

سوال (۱۵۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: آج حجاج کی کثرت کی وجہ سے یہ بھی ایک مسئلہ بن چکا ہے کہ حجاج کی ایک بڑی تعداد کے خیمے ۸تا۱۲ذی الحجہ کے قیام کے لئے مزدلفہ میں لگتے ہیں، اور بعض لوگ منی سے متصل مکہ کی آخری آبادی ''حی العزیزیہ'' میں قیام کر لیتے ہیں، جس کی وجہ سے بہت سے حجاج تشویش کا شکار رہتے ہیں، اس سلسلے میں سوال یہ ہے کہ ان دنوں میں حاجی کے قیام منی کی کیا حیثیت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عام حالات میں ایام تشریق میں حدود منی میں رات گزارنا حاجی کے لئے سنتِ مؤکدہ ہے، اگر کوئی شخص جان بوجھ کر اس سنت کو ترک کرے، یعنی منی میں ٹھہرنے کا انتظام ہونے کے باوجود وہاں نہ ٹھہرے، تو وہ کراہتِ تحریمی کا مرتکب ہوکر گنہگار ہوگا؛ لیکن اگر منی میں قیام کا انتظام نہ ہوسکے، جیسا کہ آج کل حکومتی پابندیوں کی وجہ سے کثرت سے یہ صورت پیش آتی ہے، تو اس ترک سنت کی وجہ سے اس پر کوئی دم واجب نہ ہوگا، اور اس کے

حج میں بھی کوئی خرابی نہ آئے گی، اور چوں کہ بالقصد اس نے ترک سنت نہیں کی ہے؛ اس لئے امید ہے کہ وہ گنہگار بھی نہ ہو۔

ویسن أن یبیت بمنی لیالي أیام الرمي، فلو بات بغیرها متعمداً کره، ولا شيء علیه عندنا. (غنیة الناسك / باب طواف الزیارة ۱۷۹ ادارة القرآن کراچی، کذا في الفتاویٰ التاتارخانیة ۵۳۴/۳ زکریا، أوجز المسالك / البیوتة بمکة لیالی منی ۶۴۵/۳ یحیوی سهارنفور، أنوار مناسك ۴۹۷)

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: أفاض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من آخر یومه حین صلی الظهر، ثم رجع إلی منی، فمکث بها لیالي أیام التشریق، یرمي الجمرة إذا زالت الشمس، کل جمرة بسبع حصیات، یکبر مع کل حصاة، و یقف عند الأولی و الثانیة، فیطیل القیام، و یتضرع، ویرمي الثالثة و لا یقف عندها. (سنن أبي داؤد، المناسك / باب في رمي الجمار ۲۷۱/۱ رقم: ۱۹۷۳)

ولو بات بمکة وصلی بها الفجر یوم عرفة ثم توجه إلی عرفات ومر بمنی أجزأه؛ ولکن أساء بترک الاقتداء برسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم. (الفتاویٰ الهندیة ۲۶۷/۱، کذا في الهدایة مع فتح القدیر ۴۶۷/۲ دار الفکر بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حدودِ منیٰ میں جگہ کی تنگی کے باعث حدودِ مکہ میں قیام کرکے رمی جمرات کرنا

سوال (۱۵۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی حاجی حدود مکہ میں ہی مقیم رہے اور وہیں سے رمی وغیرہ کے لئے جایا کرے تو کیا حج پر کوئی اثر پڑے گا؟

کیا حدود حرم میں کسی بھی جگہ حاجی قیام کرسکتا ہے، خواہ مکہ مکرمہ شہر کے اندر ہو یا مضافات

میں؟ اور کیا منی کے علاوہ مزدلفہ میں بھی قیام کرسکتا ہے؟ اس لئے کہ مزدلفہ بھی حدود حرم میں داخل ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کوئی شخص ایام منی میں منیٰ کی حدود میں جگہ نہ ملنے کی وجہ سے حدود مکہ میں مقیم رہا، یا منی کے قریب کسی محلّہ میں یا مزدلفہ میں ٹھہرا رہا، اور رمی کے مقررہ اوقات میں آتا جاتا رہا، تو بھی اس کا حج درست ہوجائے گا۔ اور اس پر کوئی جنایت لازم نہ ہوگی۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: أفاض رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم من آخر یومه حین صلی الظهر، ثم رجع إلی منی، فمکث بها لیالي أیام التشریق، یرمي الجمرة إذا زالت الشمس، کل جمرة بسبع حصیات، یکبر مع کل حصاة، و یقف عند الأولی و الثانیة، فیطیل القیام، و یتضرع، ویرمي الثالثة و لا یقف عندها. (سنن أبي داؤد، المناسك / باب في رمي الجمار ۱/ ۲۷۱ رقم: ۱۹۷۳)

لا یبیت ولا في الطریق؛ لأن البیتونة بمنیٰ لیالیها سنة عندنا. (أوجز المسالك ۳/ ٦۲٥ مکتبة یحیوي سهارنفور)

ویکره أن لا یبیت بمنیٰ لیالی الرمي ولو بات في غیره متعمداً لا یلزمه شيء عندنا. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۳/ ٥۳٤ زکریا، کذا في غنیة الناسك ۱۷۹ کراچیی)

لا یبیت و لا في الطریق لأن البیتونة بمنیٰ لیالیها سنة عندنا. (أوجز المسالك ۳/ ٦۲٥، انوار مناسك ٤۹۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۸/۱/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حاجی کا منیٰ، مزدلفہ اور میدانِ عرفات میں اتمام کرنا

سوال (۱٥٦): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک حاجی نے دوران حج منی مزدلفہ اور میدان عرفات میں نمازیں قصر نہیں کیں، بلکہ مسجد

خیف اور مسجد نمرہ میں بھی امام کے دو رکعت پر سلام پھیر دینے پر بھی بقیہ دو رکعات کھڑے ہوکر اور پڑھیں، تو کیا یہ عمل از روئے حنفی مسلک جائز اور درست ہے، اور اگر نہیں تو کیا عمل صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حاجی ایام حج میں مقیم ہو اس کے لئے پوری نماز پڑھنا لازم ہے، لہٰذا جس مقیم حاجی نے مذکورہ عمل کیا ہے، وہ شرعاً درست ہے، البتہ اگر وہ حاجی مسافر رہا ہو تو اتمام کرکے گنہگار رہوا، تاہم اب اسے نمازیں دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ (نظام الفتاویٰ ۶؍۱۶۴)

فلو أتم وقعد في الثانية صح و إلا لا، أی و إن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه؛ لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلا كالفجر وصار آثما لتاخير السلام و إن لم يقصد فقد خلط النفل بالفرض قبل إكماله. (البحر الرائق ۲ / ۱۳۰ کوئٹہ)

روى عن أبي حنيفة أنه قال: من أتم الصلاة فقد أساء وخالف السنة.

(شامي / باب صلاة المسافر ۲/ ٦٠٣ زكريا)

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولىٰ تم فرضه، ولكنه أساء، لو عامدا لتاخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح لنقل، وخلط النفل بالفرض و هذا لا يحل. (درمختار ۲/ ٦٠٩- ٦١٠ زكريا)

فإذا تم الرباعية و الحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد، صحت صلاته مع الكراهة، لتاخير الواجب، وهو السلام عن محله، إن كان عامدًا، فإذا كان ساهيا ليسجد للسهو. (مراقي الفلاح / باب صلاة المسافر ٤٢٥ قديمی، كذا في تبيين الحقائق / باب صلاة المسافر ١/ ٥١١ دار الكتب العلمية بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۸؍۲؍۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مقیم شخص کا ایامِ حج میں قصر کرنا

سوال (۱۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی مقیم اپنے آپ کو مقیم سمجھتے ہوئے بھی منی میں یا عرفات میں یا مزدلفہ میں قصر نمازیں ادا کرے یہ سمجھتے ہوئے کہ ان جگہوں پر حالت حج میں قصر نمازیں ہی ادا کی جاتی ہیں، تو اس کا یہ سمجھنا کہاں تک صحیح ہے، اگر غلط ہے تو کیا کرنا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفی مقیم شخص کے لئے ایام حج میں قصر جائز نہیں، اس لئے کہ حنفیہ کے نزدیک سبب قصر سفر ہے نہ کہ حج، لہٰذا مذکورہ حنفی مقیم شخص نے منی عرفات مزدلفہ میں جو نمازیں قصر پڑھی ہیں ان کو دوہرانا لازم ہے۔

وليس الحج موجباً للقصر؛ لأن أهل منى وعرفات إذا كانوا حجاجاً أتموا وليس هو متعلقاً بالموضع، وإنما هو متعلق بالسفر وأهل مكة مقيمون هناك لا يقصرون، وعلى كل حال، فالأئمة الثلاثة أبو حنيفةؒ والشافعيؒ وأحمدؒ ومعهم الثوري، وعطاء من أهل مكة والزهري من أهل المدينة يرون القصر لأجل السفر لا لأجل النسك. (معارف السنن ٦/ ١٩٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۱۰/ ذی الحجہ کو عزیزیہ پہنچ کر ۲۰/ دن منیٰ، مزدلفہ اور مکہ میں ٹھہرنے والا مسافر ہے یا مقیم؟

سوال (۱۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی ٦/ ذی الحجہ کو حج کے لئے جارہا ہے، ۷/ ذی الحجہ کو سیدھا عزیزیہ میں مقیم ہوگا، ۸/

ذی الحجہ کی رات کو عزیزیہ سے منی پہنچے گا منیٰ میں اس کی نماز قصر ہوگی، یا پوری پڑھی جائیگی؟ حج کے ارکان کے بعد مکہ مکرمہ زادہا اللہ شرفا وتعظیماً آ جائے گا مکہ میں ۲۰/دن قیام رہے گا، سعودی حکومت کے مطابق منی مکہ کے حدود میں ہے، اگر نماز ادا ہے تو اس صورت میں منی جانے کی کیا ضرورت ہے؟ عزیزیہ ہی میں رک سکتے ہیں؟ اور اس صورت میں میں چوتھے دن کی کنکری کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عزیزیہ مکہ معظّمہ کا ایک متصل محلّہ ہے، اور منی کی حدود شرعیہ توقیفی ہیں، ان میں ردوبدل کی کسی کو اجازت نہیں ہے، تاہم اب چونکہ مکہ معظّمہ کی آبادی منی مزدلفہ سے متصل ہوچکی ہے، اس لئے صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں منی اور مزدلفہ کا حکم وہی ہوگا جو مکہ معظّمہ کا ہے، اور قصر واتمام کے علاوہ دیگر مسائل ومناسک (جیسے منی میں رات گذارنا جمرات کی رمی کرنا وغیرہ) میں منی کا جو حکم پہلے تھا وہی اب بھی ہے، اس مختصر تمہید کے بعد مسئولہ صورت کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ شخص جس نے ۸/ذی الحجہ کو عزیزیہ پہنچ کر بیس دن منی، مزدلفہ اور مکہ معظّمہ میں قیام کا ارادہ کیا ہے، وہ مقیم سمجھا جائے گا، البتہ ایام منی میں منی کی حدود میں رات گذارنے کی سنت اس پر بدستور باقی رہے گی، عزیزیہ میں قیام منی کے قیام کے درجہ میں نہیں ہوگا، اگر یہ شخص ۱۳/ذی الحجہ کی صبح صادق سے پہلے منی کی حدود سے نکل کر عزیزیہ میں آ کر مقیم ہوگیا، تو اس پر چوتھے دن کی کنکری مارنا واجب نہیں ہوگا۔ (مستفاد انوار مناسک ۴۵۴-۴۵۷)

إذا كانت القرى متصلة بربض المصر، فحينئذ تعتبر مجاوزة القرى، والصحيح ما ذكرنا أنه يعتبر عمران المصر إلا إذا ثمة قرية، أو قرى متصلة بربض المصر، فحينئذ يعتبر مجاوزة القرى. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۲/ ۵ کراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۴/۱۱/۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج میں ۱۷/دن کے قیام کے دوران نماز میں قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال (۱۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید حج کے لیے مکہ مکرمہ گیا حج کے قبل، حج کے دوران اور حج کے بعد مکہ مکرمہ میں زید کا مجموعی قیام سترہ دنوں کا ہے ایسی حالت میں منیٰ عرفات اور مزدلفہ میں قصر کرے یا پوری نماز پڑھے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: جدید تحقیق اور مشاہدہ کے مطابق آج کل مکہ مکرمہ کی آبادی منی اور مزدلفہ تک پہنچ گئی ہے؛ لہٰذا جو شخص حج کے لیے مکہ معظّمہ جائے اور اس کا قیام حج سے قبل یا بعد کل ملا کر ۱۵/ دن یا اس سے زیادہ ہو تو اسے مکہ معظّمہ، منی، مزدلفہ اور عرفات میں نماز پوری پڑھنی ہوگی اس کے لیے قصر کا حکم نہیں ہے۔

أقول وينبغي تقييد ما في الخانية والتاتارخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مر أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلا بمزارع، فإذا صحت في الفناء؛ لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها؛ لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (شامي ٢٦/٣ بيروت)

وقال بعض مشائخنا: إن الخلاف بين أصحابنا في هٰذا بناء على أن منى من توابع مكة عندها، وعند محمد ليس من توابعها، وهٰذا غير سديد؛ لأن بينهما أربعة فراسخ، وهٰذا قول بعض الناس في تقدير التوابع، فأما عندنا فبخلافه على ما مر. والصحيح أن الخلاف فيه بناء على أن المصر الجامع شرط عندنا إلا أن محمدا يقول: إن منى ليس بمصر جامع؛ بل هو قرية، فلا تجوز الجمعة فيها كما لا تجوز بعرفات، وهما يقولان: إنها تنحصر في أيام الموسم. (بدائع الصنائع ٥٨٥/١-٥٨٦، البحر الرائق ١٤٢/٢، حج وزیارت نمبر ندائے شاهی ٢٢٦-٢٣٠، كتاب المسائل ٢٧٦/٢) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

املاه: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قیام حج کے دوران نماز میں قصر کے بجائے اتمام کرلیا

سوال (۱۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ:اگرقصر کرنا تھااتمام کیا تو کیا ہوگا اوراتمام کرنا تھا قصر کیا تو کیا ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگران ایام میں واقعۃً حاجی مسافر تھامگراس نے اتمام کرلیا تو اگر دوسری رکعت پرقعدہ کیا ہے تو فرض ادا ہوجائیگا، تاہم چونکہ وقت پرسلام نہیں پھیرا ہے اس لیے تاخیر واجب کی وجہ سے بہتر ہے کہ اعادہ کرلے، اوروقت کے اندراندراعادہ زیادہ مؤکد ہے اوروقت نکلنے کے بعد اتنی تاکید نہیں، اوران ایام میں مقیم تھااوراتمام کاحکم معلوم ہونے کے باوجود نمازیں قصر پڑھیں، تو بعد میں وہ نمازیں دہرانی لازم ہوں گی اوراگراتمام کاحکم معلوم نہیں تھا، یاکسی ایسے مفتی کی رائے پرعمل کیا جواتمام کا قائل نہیں تو ایسی صورت میں اعادہ کاحکم نہیں ہے۔ (نظام الفتاویٰ ۶/۱۶۴)

فلو أتم وقعد في الثانية صح و إلا لا، أی و إن لم يقعد على رأس الركعتين لم يصح فرضه؛ لأنه إذا قعد فقد تم فرضه وصارت الأخريان له نفلا كالفجر وصار آثما لتاخير السلام و إن لم يقصد فقد خلط النفل بالفرض قبل إكماله. (البحر الرائق ۲/ ۱۳۰ كوئٹه)

روی عن أبي حنيفة أنه قال: من أتم الصلاة فقد أساء وخالف السنة.

(شامي / باب صلاة المسافر ۲/۳ ۰ ٦ زكريا)

فلو أتم مسافر إن قعد في القعدة الأولیٰ تم فرضه ولكنه أساء، لو عامدا لتاخير السلام، وترك واجب القصر، وواجب تكبيرة افتتاح لنقل، وخلط النفل بالفرض و هذا لا يحل. (در مختار ۲/ ٦۰۹- ٦١٠ زكريا)

فإذا تم الرباعية و الحال أنه قعد القعود الأول قدر التشهد، صحت صلاته مع الكراهة، لتاخير الواجب، وهو السلام عن محله، إن كان عامدًا، فإذا كان ساهيا ليسجد للسهو. (مراقي الفلاح / باب صلاة المسافر ٤٢٥ قديمی، كذا في تبيين

الحقائق / باب صلاۃ المسافر ۱/۱ ۵۱ دار الکتب العلمیۃ بیروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۳۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نوٹ: قارئین کے استفادہ کے لئے حضرت الاستاذ کا منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام سے متعلق اسلامی فقہ اکیڈمی کے فقہی سیمینار (منعقدہ ''برہان پور'' ۱۴۲۸ھ) کے لئے تحریر کیا گیا مقالہ پیش خدمت ہے۔ (از مرتب)

قصر واتمام کے مسئلہ میں کیا مکہ ومنیٰ ایک شہر شمار ہوگا؟

سوال (۱۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس سے پہلے اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے بعض سیمیناروں میں حج سے متعلق بعض مسائل پر بحث وتحقیق کے بعد فیصلے کئے گئے تھے اس وقت بھی حج سے متعلق ایک اہم مسئلہ پر شرعی بحث وتحقیق کے لئے آپ حضرات کو زحمت دی جارہی ہے، امید ہے کہ مسئلہ کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے پوری تحقیق وتفصیل سے جوابات تحریر فرمائیں گے، انشاء اللہ آپ حضرات کی تحقیق اور علمی ریاضت زیر بحث مسئلہ میں کسی نتیجہ تک پہنچنے میں اکیڈمی کے لئے معاون ثابت ہوگی۔ یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد ادوار میں منیٰ کی آبادی مکہ مکرمہ سے بالکل الگ اور خاصے فاصلہ پر تھی، مکہ مکرمہ اور منیٰ کو دو الگ آبادی شمار کیا جاتا تھا، اس لئے اگر کوئی شخص مکہ اور منیٰ دونوں میں ملاکر پندرہ ایام کی قیام کی نیت کرتا تھا تو بھی اس پر مسافر کے احکام جاری ہوتے تھے، اور وہ مقیم کی امامت میں نماز ادا نہ کرنے کی صورت میں قصر کرتا تھا، یہ بات بھی اہل علم جانتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک مسافر کے لئے قصر رخصت نہیں بلکہ عزیمت ہے۔

ادھر چند سالوں سے صورت حال میں تبدیلی آئی ہے مکہ مکرمہ کی آبادی بڑھتے بڑھتے منیٰ، بلکہ اس سے آگے تک پہنچ چکی ہے اور منیٰ سرکاری طور پر بلدیۂ مکہ مکرمہ کا حصہ قرار پاچکا ہے، اس صورت حال نے ایک بڑا اہم فقہی سوال یہ پیدا کردیا ہے کہ اب بھی مکہ اور منی الگ الگ آبادیاں مان

کرو ہی فتویٰ دیا جائے جو ماضی میں تھا، کہ اگر ایک شخص مکہ اور منیٰ دونوں کو ملا کر پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت کرتا ہے تو وہ شرعاً مسافر ہی رہے گا اور اس پر قصر لازم ہوگا، کیوں کہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرون سابقہ میں ایسا ہی تھا یا صورت حال کی تبدیلی اور واقعاتی اور سرکاری دونوں سطح پر مکہ مکرمہ میں منیٰ کی شمولیت کی وجہ سے دونوں کو ایک آبادی تصور کیا جائے گا، اور اگر دونوں کو ملا کر پندرہ یوم یا اس سے زائد قیام کا ارادہ ہو تو ایسے شخص کو مقیم مانا جائے گا، اور اس پر مقیم کے احکام جاری ہوں گے۔

غالباً آپ کے علم میں یہ بات ہوگی کہ اس مسئلہ میں برصغیر کے علماء میں ایک سے زائد آراء پائی جاتی ہیں، اس کی وجہ سے حج پر جانے والے حضرات خاص طور پر کشمکش کا شکار ہوتے ہیں کہ کس رائے کو اختیار کر کے اس پر عمل کریں؟ اس لئے اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ دونوں آراء اور ان کے دلائل کا باریک بینی سے مطالعہ کر کے کوئی رائے قائم کی جائے، اور ترجیحی رائے کے دلائل و وجوہ بھی تفصیل سے لکھے جائیں تا کہ اکیڈمی کو فیصلہ تک پہنچنے میں سہولت ہو۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللہ التوفیق، حامداً ومصلیاً ومسلماً: سبھی مشاعر مقدسہ (حرم، صفا و مروہ، منیٰ، مزدلفہ اور عرفات) کی حدود توقیفی ہیں، ان میں کمی بیشی کا کسی کو اختیار نہیں ہے؛ لیکن ان کی اپنی حدیں برقرار رکھ کر اگر کسی عارض کی وجہ سے کوئی دوسرا حکم ان سے متصل ہو جائے تو اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے، مثال کے طور پر حرم کی حدود تنعیم تک ختم ہو جاتی ہیں؛ لیکن تنعیم سے بہت آگے تک مکہ کی آبادی بڑھ چکی ہے جس کی وجہ سے وہ آبادی اگرچہ حرم میں شمار نہیں ہوتی مگر مکہ کے شہر میں داخل سمجھی جاتی ہے، اس آبادی کے بڑھنے سے حرم کے حدود میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، مگر اصول کے مطابق وہ اضافہ شدہ آبادی شہر مکہ ہی کے حکم میں ہے۔

اسی طرح مسعیٰ (صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے کی جگہ) کو ابھی تک سعودی حکومت نے مسجد حرام کی حدود میں داخل نہیں کیا ہے؛ لیکن اگر وہاں تک جماعت کی صفیں پہنچ جائیں، تو وہاں نماز پڑھنے سے حرم کی جماعت کا ثواب یقیناً حاصل ہوگا اور اس حکم کی وجہ سے مسعیٰ کی حدود میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

نیز مکہ مکرمہ کے بعض قدیم محلوں میں اتصال عمرانی بھی نہیں ہے؛ بلکہ بڑے بڑے فناء یا پہاڑ ہیں، اسی طرح سے نئی کالونیاں یا آبادیاں بھی ایک دوسرے سے کافی کٹی ہوئی ہیں؛ لیکن حدود مکہ کے اندر ہی ہیں، جیسے العوالی ایک منفصل اور منقطع مستقل نئی کالونی اور آبادی ہے۔

اس تمہید کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ منی اور مزدلفہ کی شرعی حدود اپنی جگہ بالکل متعین اور ناقابل ترمیم ہیں اور جو عبادت ان میں سے جس جگہ ادا کرنے کا حکم ہے اس کے حدود میں ادا کئے بغیر اس عبادت کا ثواب نہیں مل سکتا، مثلاً منیٰ میں رات گذارنے کا جو ثواب ہے وہ حدود مزدلفہ میں رات گذارنے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح وقوفِ مزدلفہ کا حکم وقوفِ منیٰ سے پورا نہیں ہوسکتا وغیرہ، لہٰذا مناسک کی ادائیگی کے اعتبار سے مشاعر مقدسہ کی حدود میں ترمیم وتبدیلی کا موضوع یہاں زیر بحث ہی نہیں ہے؛ بلکہ موضوع بحث یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک قصر واتمام کا تعلق مناسک حج سے نہیں ہے؛ بلکہ اس کا تعلق ان عام اصولوں سے ہے، جن کو ہر جگہ کے لئے قصر واتمام کی بنیاد بنایا گیا ہے، وہ اصول جس طرح دنیا کے اور شہروں اور آبادیوں پر جاری ہوں گے۔

اسی طرح مکہ معظّمہ اور اس سے ملحق جگہوں پر بھی جاری ہوں گے، مثلاً یہ کہ شہر اور اس سے ملحق فناء شہر یا حکومتی اور عرفی اعتبار سے جن جگہوں پر ایک آبادی کا اطلاق ہوتا ہو وہ سب ایک شہر کے حکم میں سمجھے جائیں گے اور وہاں پر پندرہ دن یا اس سے زائد قیام کی نیت سے ٹھہرنے والا اس وقت تک مقیم ہی کہلائے گا جب تک کہ اس شہر اور اس سے ملحق جگہ سے سفر کے ارادہ سے باہر نہ چلا جائے۔

اس اصول کی روشنی میں جب ہم جائزہ لیتے ہیں تو یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اگرچہ ماضی میں عرصۂ دراز تک مکہ معظّمہ، منیٰ اور مزدلفہ بالکل الگ الگ مقامات تھے، منیٰ اور مکہ کے بڑے حصے کے درمیان بڑے بڑے پہاڑ حائل تھے۔ اسی طرح مزدلفہ کے اردگرد کوئی آبادی نہ تھی اور عرفات تو بالکل ہی الگ تھا، لیکن گذشتہ چندسالوں میں دیکھتے ہی دیکھتے مکہ معظّمہ کی آبادی اس تیزی سے بڑھی کہ منی تین جانب سے آبادی کے بیچ میں آگیا، ایک جانب عزیزیہ، دوسری جانب شرائع، معیصم اور عدل، اور تیسری جانب ربیع صدقی ہے، اور پہاڑوں کے درمیان بڑی بڑی وسیع

سرنگیں نکال کر منیٰ کا رابطہ مکہ معظّمہ سے بہت قوی کر دیا گیا، اور یہ راستے اہل مکہ کے لئے گذر گاہ کے طور پر استعمال ہوتے رہتے ہیں، منیٰ کے بعد مشرقی طرف سے منیٰ کے مغربی طرف آنے جانے کے لئے سال بھر منیٰ کی ہی سڑکیں اور سرنگیں استعمال ہورہی ہیں، نیز مکہ معظّمہ اور مشاعر مقدسہ کی میونسپلٹی بھی ایک ہی کر دی گئی ہے، [اوران کی نگہبانی حفاظت صفائی نگرانی کے لئے سال بھر مقررہ ٹیمیں ۲۴ رگھنٹے منیٰ میں موجود رہتی ہیں، وہاں متعدد منزلہ رہائشی بلڈنگیں بھی تیزی سے بنائی جارہی ہیں، جمرات کوبری (پل) کا کام بھی منیٰ میں سال بھر ۲۴ رگھنٹے چالو رہتا ہے، جہاں ہزاروں کا عملہ نمازیں ادا کررہا ہے، اور مبیت وطعام وقیام مکمل طور پر اس عملہ کے لئے ہورہا ہے اور ہر سال پل کی ایک منزل تیار کی جارہی ہے۔] اور شیخ محمد بن عبداللہ السبیل جو حرم شریف کے امام وخطیب اور حرمین شریفین کی اعلیٰ اختیاراتی انتظامی کمیٹی کے رئیس رہ چکے ہیں، انہوں نے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کے جواب میں واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ: ’’منیٰ اب مکہ معظّمہ کے ایک محلّہ کے درجہ میں آچکا ہے اور جو حکم مکہ کا ہے وہی حکم منیٰ کا ہے‘‘۔ اور شیخ مذکور قابل اعتبار اور اعتماد دینی علمی مذہبی شخصیت ہیں جن کے اس قول کو رد نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح مزدلفہ کا میدان بھی عزیزیہ کی جانب سے بالکل متصل ہو چکا ہے، [عزیزیہ جنوبیہ کے انتہاء پر مکہ مکرمہ کی جمعیۃ الہلال الاحمر السعودی کی مرکزی دفتر کی عمارت مزدلفہ سے قبل تیار ہوچکی ہے، اسی کے برابر میں ایک بڑا نیا ہسپتال بھی تعمیر کی آخری مرحلوں میں ہے، اس ہسپتال کے مشرقی جانب ایک نئی کالونی بھی تیار ہوچکی ہے جس کی بعض زمینوں پر عمارتوں بھی تعمیر ہوچکی ہیں، اسی طرح سے عزیزیہ جنوب کی طرف اور پھیل چکا ہے اور یہ سب تعمیرات مزدلفہ سے قبل ہی ہیں۔]

ان سب چیزوں کو دیکھتے ہوئے اب منیٰ اور مزدلفہ کو صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ معظّمہ سے الگ مقامات قرار دینے اوران کو مکہ کے تابع نہ ماننے کی کوئی دلیل نہیں ہے، اس لئے ہماری ناقص نظر میں اب منیٰ اور مزدلفہ توابع مکہ میں داخل ہیں اور مکہ میں اقامت کی نیت کرنے والے کی نیتِ اقامت منیٰ اور مزدلفہ جانے سے باطل نہیں ہوگی، اور یہاں آکر بھی وہ بدستور مقیم رہے گا اور عرفات کو اگر مکہ کے تابع نہ مانا جائے تب بھی اس حکم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا؛ اس لئے کہ نیت اقامت

میں دن نہیں؛ بلکہ رات گذارنے کا اعتبار رہوتا ہے اور عرفات میں عموماً رات نہیں گذاری جاتی۔

اس مسئلہ سے درج ذیل تین ضمنی مسائل متعلق ہوتے ہیں:

(۱) قصر واتمام کا مسئلہ۔

(۲) نماز جمعہ کی ادائیگی کا مسئلہ کہ جب ان جگہوں کو تابع مان لیا گیا تو یہاں جمعہ کا قیام بھی کرنا ہوگا۔

(۳) مالی قربانی کا معاملہ کہ جو شخص اصولاً مقیم یا مال دار ہو اس پر مالی قربانی واجب ہوگی۔

فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق على ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر قد نص الأئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذٰلك، وإلى موضع يحد بمسافة يسع عساكر مصر ويصلح ميداناً للخيل والفرسان ورمي النبل والبندوق البارود واختار المدافع، وهٰذا يزيد على فراسخ فظهر أن التحديد بحسب الأمصار. (شامي ٣/٩ زكريا)

أقول: وينبغي تقييد ما في الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن في فناء المصر لما مر أنها تصح اقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع فإذا صحت في الفناء لأنه ملحق بالمصر يجب على من كان فيه أن يصليها لأنه من أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (شامي ٣/٢٦ زكريا)

ومنىٰ مصر لاعرفات فتجوز الجمعة بمنىٰ ولا تجوز بعرفات، أما الأول فهو قولهما، وقال محمد: لا تجوز بمنىٰ كعرفات، واختلفوا في بناء الخلاف فقيل مبنى على أنها من توابع مكة عندهما خلافاً له، وهٰذا غير سديد لأن بينهما أربع فراسخ، وتقدير التوابع للحصرية غير صحيح والصحيح أنها مبنى على أنها تتمصر في أيام الموسم عندهما وشمل التجميع بها في غير أيام الموسم وفي المحيط قيل: إنما تجوز الجمعة عندهما بمنىٰ في أيام الموسم لا في غيرها

وقيل تجوز في جميع الأيام لأن منىٰ من فناء مكة وقد علمت فساد كونها من فناء مكة فترجح تخصيص جوازها بأيام الموسم وإنها تصير مصراً في تلك الأيام وقرية في غيرها . (البحر الرائق ١٤٢/٢)

وإنما اقتصر المصنف على هٰذا الوجه من التعليل دون التعليل بأن منىٰ من أفنية مكة لأنه فاسد لأن بينهما فرسخين وتقدير الفناء بذٰلك غير صحيح، قال محمد في الأصل: إذا نوى المسافر أن يقيم بمكة ومنىٰ خمسة عشر يوماً لا يصير مقيماً فعلم اعتبارها شرعاً موضعين . (فتح القدير ٥٤/٢)

وقال بعض مشائخنا : أن الخلاف بين أصحابنا في هٰذا بناءً علىٰ أن منىٰ من توابع مكة عندهما وعند محمد ليس من توابعها، وهٰذا غير سديد لأن بينهما أربعة فراسخ وهٰذا قول بعض الناس في تقدير التوابع فأما عندنا فبخلافه على ما مر، والصحيح أن الخلاف فيه بناء على أن المصر الجامع شرط عندنا الا أن محمداً يقول: إن منىٰ ليس بمصر جامع بل هو قرية فلا تجوز الجمعة بها كما لا تجوز بعرفات وهما يقولان: إنها تتمصر في أيام الموسم. (بدائع الصنائع زكريا ٥٨٥/١-٥٨٦)

نوٹ :- ان عبارات سے معلوم ہوا کہ شیخین کے قول کی تعلیل کرتے ہوئے بعض قدیم فقہاء نے بھی منیٰ کو فناء مکہ میں شامل قرار دیا تھا، جس کی اس وقت اس بناء پر تردید کی گئی تھی کہ منیٰ اور مکہ معظّمہ میں چار فرسخ کا طویل فاصلہ تھا؛ لیکن اب جب کہ مکہ کی آبادی منیٰ اور مزدلفہ تک پہنچ چکی ہے، تو اب ان کے فناء مکہ ہونے سے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔

وضاحت:- مذکورہ بالا تحریر میں بین القوسین ''[ ]'' عبارت مدرسہ صولتیہ مکہ مکرمہ کے مدیر محترم حضرت مولانا محمد حشیم (ماجد مسعود) صاحب زید مجدہم کی اضافہ فرمودہ ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حجاج کے لئے منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام کا مسئلہ

نــوٹ:- ذیل میں استفادہ کے لئے حضرت الاستاذ کا منیٰ ومزدلفہ میں قصر واتمام سے متعلق ادارۃ المباحث الفقہیۃ (جمعیۃ علماء ہند) کے دسویں فقہی اجتماع (منعقدہ ممبئ حج ہاؤس ۱۴۳۵ھ) کے لئے لکھا گیا مقالہ پیش خدمت ہے۔ (ازمرتب)

خیرالقرون کے زمانہ سے سعودی حکومت کے زمانہ تک منیٰ اور مکۃ المکرّمہ کے درمیان چھ سات کلومیٹر کا فاصلہ ویران اور صحراء کی شکل میں رہا ہے، اور اس طویل فاصلہ کے درمیان کسی قسم کی کوئی آبادی نہیں رہی ہے، اسی کے تناظر میں خیرالقرون اور فقہاء کے زمانہ سے منیٰ اور مکۃ المکرّمہ کو دو الگ الگ مقام شمار کیا جاتا رہا ہے، اور مسئلہ قصر واتمام میں مقیم اس وقت شمار کیا جاتا ہے، جب کہ مقام واحد میں پندرہ دن یا اس سے زائد تسلسل کے ساتھ رات گذارنے کا ارادہ ہو، تو ایسی جگہ پر نمازوں کے اتمام کا حکم ہے، اور اگر الگ الگ فاصلہ کے دو مقاموں میں رات گذارنے کا ارادہ ہو تو مقیم شمار نہیں کیا جاسکتا ہے؛ لہٰذا قصر کرنا لازم ہوجاتا ہے، جیسا کہ کتبِ فقہ سے واضح ہے؛ لیکن سعودی حکومت آنے کے بعد خاص طور پر شاہ فہد کے زمانہ میں مکۃ المکرّمہ اور منیٰ کے درمیان چھ سات کلومیٹر کے غیر آباد جو میدان اور ٹیلے وغیرہ تھے، وہ سب آبادی میں تبدیل ہوگئے اور ان جگہوں پر شاندار عمارتیں تعمیر ہوگئیں، اور اب یہ آبادی منیٰ کی دونوں جانب سے تجاوز کر کے مزدلفہ اور پھر مزدلفہ سے بھی تجاوز کر کے آگے تک پہنچ چکی ہے، اور منیٰ اور مزدلفہ متصل ہوکر شہر مکۃ المکرّمہ کے درمیان میں داخل ہوچکے ہیں، تو اب قابل غور بات یہ ہے کہ خیرالقرون کے زمانہ سے سعودی حکومت تک لگ بھگ چودہ سو سال تک دونوں مقامات کے درمیان جو غیر آباد فاصلہ رہا ہے، اس کی حیثیت اور آج کے زمانہ میں متصل ہوکر مکۃ المکرّمہ کی آبادی کے بیچ میں آجانے کے بعد کی حیثیت دونوں یکساں ہوگی یا دونوں میں فرق ہوگا؟ مسئلہ کی تنقیح کے لیے چند سوالات پیش ہیں:

شہر کے متصلہ مقامات کو کن شرطوں کے ساتھ بحکم شہر مانا جاسکتا ہے؟

سوال (۱۶۳):- شہر سے قریبی مقام جو عرصۂ دراز سے بالکل الگ تھلگ رہا ہو، اس کے بحکم شہر ہونے کے لئے کن باتوں کا پایا جانا ضروری ہے؟ کن کن صورتوں میں اس الگ تھلگ حصہ کو شہر کا محلّہ قرار دیا جائے گا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر کے آس پاس کے مقامات درج ذیل تین وجوہات کی وجہ سے شہر کے حکم میں لائے جاسکتے ہیں:

الف:- وہ مقامات شہر سے اتنے متصل ہو جائیں کہ ان میں اور شہر میں کوئی خاص فاصلہ نہ رہے اور یہ فاصلہ شہر کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے اعتبار سے مختلف ہوسکتا ہے لہٰذا اس میں کوئی تحدید نہ کرنے کے بجائے عرف کا اعتبار کیا جائے گا یعنی اگر شہر والے ان مقامات کو شہر میں داخل ماننے لگیں تو وہ داخل سمجھے جائیں گے اور اگر داخل نہ مانیں تو وہ شہر کے تابع نہ ہوں گے۔

ب:- قریبی مقامات سے اگر مذکورہ شہر کی مصالح وابستہ ہوں مثلاً فوجی چھاؤنی، یا عیدگاہ وغیرہ تو ان مقامات کو فنائے شہر میں داخل مانا جائے گا گو کہ ان میں کچھ فاصلہ بھی ہو، یہ فاصلہ مانع نہیں بنے گا۔

ج:- اگر حکومت کی طرف سے کسی قریبی مقام کو شہر کے ماتحت کر دیا جائے تو یہ سرکاری حکم بھی اس مقام کو شہر کے تابع بنانے میں مؤثر ہوگا اس لئے کہ مصالح مرسلہ میں حکمِ حاکم رافع اختلاف اور نافذ ہوتا ہے۔

۱:- **والتعريف أحسن من التحديد؛ لأنه لايوجد ذلك في كل مصر وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره، بيانه: أن التقدير بغلوة أو ميل لايصح في مثل مصر.** (شامي ۳/۸ زكريا، منحة الخالق ۲/۱۴۰ كوئٹه)

۲:- **إن كان بينه وبين المصر أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر**

مجاوزة الفناء أيضاً. (البحر الرائق ۱۲۸/۲ زكريا، بزازية: ٧١/٤، خلاصة الفتاوى ١٩٨/١ أشرفية ديوبند)

٣:– **وأما الفناء: وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب، ودفن الموتى، وإلقاء التراب.** (شامي ٥٩٩/٢–٦٠٠ زكريا)

٤:– **المسافر إذا خرج من المصر و بقرب المصر قرية إن كانت القرية متصلة لا يقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر.** (الفتاوىٰ الولوالجية ١٣١/١، الفتاوىٰ السراجية ٧٧/١، فتح القدير ١٣٩/٢)

٥:– **من جاوز بيوت مصره، وهو: ما حول المدينة من بيوت ومساكن، وكذا يشترط مجاوزة القرية المتصلة بالربض هو الصحيح.** (سكب الأنهر ١٣٨/١، مجمع الأنهر ١٣٨/١، خانية ١٦٥/١)

٦:– **فلا بد من الإقامة بمصر و بالإقامة فيما أي في محل هو داخل في حد الإقامة بها أي بالمصر، وهو المكان الذي من فارقه بنية السفر يصير مسافرًا من وصل إليه يصير مقيماً في الأصح، كربض المصر، وفناءه الذي لم ينفصل عنه بغلوة.** (حاشية الطحطاوي ٥٠٤)

٧:– **إذن الحاكم ببناء الجامع فى الرستاق إذن بالجمعة اتفاقاً على ماقاله السرخي، وإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه (وتحته في الشامية) لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعاً عليه.** (شامي ٦/٣ زكريا)

٨:– **فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق فإنه يرتفع أيضاً بتقنين من قبل الحكومة، وقوله: ثم إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها.** (تكمله فتح الملهم ٦٣٦/١)

٩:– **إذا قضى القاضي برأي نفسه في حادثة اختلف فيه الفقهاء نفذ على الكل، وثبت صحته في حق من يخالفه.** (كشف الأسرار ٢٦/٤) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کیا شہر سے متصل غیر آباد جگہ شہر کا جزو بن سکتی ہے؟

سوال (۱۶۴):- شہر کی آبادی بڑھتی ہوئی جس قریبی مقام تک پہنچ کر متصل ہو جائے، تو اس قریبی مقام کے شہر میں داخل ہو کر مقامِ واحد کے حکم میں ہونے کے لئے کیا اس قریبی مقام میں پہلے سے آبادی ہونا شرط ہے یا غیر آباد جگہ بھی اس شہر کا جزو بن سکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی غیر آباد جگہ سے شہر کی مصلحت وابستہ ہو اور کسی ضرورت کی وجہ سے اسے غیر آباد رکھا گیا ہو تو یہ علاقہ بھی فناء شہر میں داخل ہوسکتا ہے مثال کے طور پر شہر سے متصل کوئی بڑا میدان پروگراموں کے لئے چھوڑ دیا جائے تو یہ میدان شہر سے باہر نہیں کہلایا جاسکتا۔

۱:– قال الشامي أقول: إذا علمت ظهر لک أن میدان الحصافي دمشق من ربض المصر، وأن خارج باب اللّٰه إلی القریة القدم من فنائه؛ لأنه مشتمل علی الجبانة المتصلة بالعمران وهو معد لنزول الحاج الشریف فإنه قدیستوعب نزولهم من الجبانة إلی ما یحاذي القریة المذکورة فعلی هذا لایصح القصر فیه للحاج، وکذا المرجة الخضراء، فإنها معدة لقصر الثیاب ورکض الدواب ونزول العساکر مالم یجاوز صدر الباز بناءً علی ماحققه الشر نبلالي في رسالته من أن الفناء یختلف باختلاف کبر المصر وصغره فلا یلزم تقدیره بغلوة کما روي عن محمدؒ ولا بمیل أو میلین کما روی عن أبي یوسفؒ. (شامي ۲/ ۶۰۰ زکریا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

شہر سے متصل مقام کو بحکم شہر ہونے کے لیے کس قسم کا اتصال شرط ہے؟

سوال (۱۶۵):- اگر محض اتصال کی وجہ سے ایک جگہ دوسری جگہ کے حکم میں ہو جائے تو

کس طرح کا اتصال ہونا چاہئے؟ ایک جانب سے یا ہر چہار جانب سے؟ مثلاً دو جانب سے تو اتصال پایا جائے؛ لیکن دیگر جانبوں سے فاصلہ ہوتو کیا یہ فاصلہ مقام واحد کا حکم کرنے میں مانع بنے گا یا نہیں؟ اگر ہاں تو کتنا فاصلہ موضع واحد کے حکم کے لئے مانع بن سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر دونوں جانب آبادی موجود ہے تو کسی ایک جانب کا اتصال بھی دونوں آبادیوں کو ایک حکم میں رکھنے کے لئے کافی ہے؛ لیکن اگر خالی میدان ہو تو اس کو شہر سے متصل قرار دینے کے لئے متعدد جگہوں سے اتصال کی ضرورت ہوگی اور اس میں عرف کا بھی لحاظ رکھا جائے گا اور فاصلہ کی تحدید شہروں کی حیثیت کے اعتبار سے کم وبیش ہوسکتی ہے جیسا کہ اوپر گذرا۔

۱:– والقريتان المتدانيتان المتصل بناء إحدا هما بالأخرى أو التي يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فهما كالقرية الواحدة. (الموسوعة الفقهية ٢٧٩/٢٧)

٢:– ولو كانت قريتان متدانيتين فاتصل بناء أحدهما بالأخرىٰ فهما كالواحدة. (المغني ٥٠/٢)

٣:– ولو كان للبلد محال، كل محلة منفردة عن الأخرى كبغداد في الماضي، فمتى خرج من محلته أبيح له القصر إذا فارق أهله، وإن كان بعضها متصلاً ببعض كاتصال أحياء المدن المعاصرة، لم يقصر حتى يفارقها جميعها.

(الفقه الإسلامي ٢٩٦/٢، المغني ٥٠/٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کسی جگہ پر آبادی ہونے کا اطلاق کب ہوسکتا ہے؟

سوال (۱٦٦):- شہری اعتبار سے آبادی سے کیا مراد ہوتی ہے؟ کس خطے پر آبادی کا اطلاق کب ہوسکتا ہے؟ مثلاً منیٰ میں دفاتر، خیمے، ایام حج کے مہمان خانے اور ہسپتال وغیرہ ہیں، تو ان کی وجہ سے منیٰ کو آبادعلاقہ قرار دیا جائے گا یا غیر آباد شمار ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شرعی طور پر آبادی کا ایک مطلب تو واضح ہے کہ وہاں بالفعل لوگ رہائش اختیار کرتے ہوں، اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وہاں رہائش کے انتظامات ہوں اگر چہ بالفعل لوگ موجود نہ ہوں، مثلاً کسی بڑی کالونی کے رہنے والے لوگ کسی خاص موقعہ پر اسے خالی کرکے چلے جائیں، تو اس سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ یہ کالونی شہر سے باہر ہوگئی ہے؛ بلکہ رہائشی انتظامات ہونے کی بنیاد پر اسے آبادی کے دائرہ میں ہی داخل سمجھا جائے گا، بعینہٖ یہی صورتِ حال منی کی بھی ہے کہ وہاں پر کچھ عمارتیں تو ایسی ہیں جو بالفعل آباد رہتی ہیں، اور بقیہ جو خیمے وغیرہ لگائے گئے ہیں وہ بھی مضبوط اور مستحکم ہیں، ان میں رہائش کے سب انتظامات موجود ہیں، اور ایام منی میں ان سے استفادہ کیا جاتا ہے، اس لئے منی کے اس علاقہ کو مطلقاً غیر آباد نہیں کہا جاسکتا۔

۱:- **وإن كان في الجانب الذي خرج منه محلة منفصلة عن المصر وفي القديم كانت متصلةً بالمصر لايقصر الصلاة حتى يجاوز تلك المحلة.** (الفتاویٰ الهندية ۱/۱۳۹، خلاصة الفتاویٰ ۱/۱۹۸ أشرفية ديوبند، البحر الرائق ۲/۲٦٦ زكريا، شامي ۲/٦۰۰ زكريا)

۲:- **وإن كانت المحلة بعيدة من المصر، وكانت قبل ذلك متصلة بالمصر فإنه لايقصر حتى يجاوز تلك المحلة ويخلف دورها.** (الفتاوی التاتارخانية ۲/٤۹٤ رقم: ٣٠٩٦ زكريا)

۳:- **وأراد بالمحلة في المسألتين ما كان عامراً، أما لو كانت المحلة خراباً ليس فيها عمارة فلا يشترط مجاوزتها في المسألة الأولىٰ ولو متصلة بالمصر، كما لايخفى فعلى هذا لا يشترط مجاوزة المدارس التي في سفح قاسيون إلا ما كان له أبنية قائمة كمسجد الأفرم والناصرية.** (شامي ۲/٦۰۰ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۵/۵ھ

کیا ''منیٰ'' آبادی کے گھیرے میں آنے کی وجہ سے اس کی استقلالی حیثیت ختم ہوجائے گی؟

سوال (۱٦۷):- ایک وسیع وعریض میدان جوکئی کلومیٹر تک پھیلا ہوا ہو، مثلاً ''منیٰ'' جوصدیوں سے ایک خاص مقصد کے لئے استعمال ہورہا ہے، نیز اس کی ایک مستقل حیثیت ہے، اگر ایسا میدان وسعت آبادی کی وجہ سے آبادی کے گھیرے میں آجائے؛ لیکن اس میں اب بھی وہی کام انجام پاتا ہو، جو ہر زمانے میں انجام پاتا آیا ہے، قرب وجوار کی آبادی کی کوئی خاص ضرورت اس میدان سے وابستہ نہ ہو، تو کیا آبادی کے گھیرے میں آنے کی وجہ سے یہ کہا جائے گا کہ اب یہ میدان آبادی کا حصہ بن گیا، اس کی استقلالی حیثیت ختم ہوگئی، یا یہ کہا جائے گا کہ یہ جیسے پہلے مستقل تھا، کسی کے تابع نہ تھا، اب بھی مستقل ہے، آبادی کے تابع نہیں ہے؟ شہر کے بیچ میں واقع بڑے بڑے پارکوں اور خالی میدانوں (جیسے نئی دہلی میں لال قلعہ یا انڈیا گیٹ کے پاس بڑے بڑے پارک ہیں) کے درمیان اور مذکورہ بالا میدان کے درمیان شرعی اعتبار سے کوئی فرق ہوگا یا دونوں کا حکم یکساں ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منیٰ کے علاقہ کو بالکلیہ مکہ معظّمہ سے غیر متعلق قرار دینا صحیح نہیں ہے؛ اس لئے کہ منیٰ میں مناسک حج کی ادائیگی ایسی مصلحت ہے جس میں سب مسلمان مشترک ہیں، ان میں اہل مکہ بھی شامل ہیں، نیز رمضان المبارک وغیرہ میں معتمرین اور زائرین کی سواریوں کے لئے ان میدانوں میں پارکنگ کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، اور پارکنگ موجودہ دور میں ایک مصلحت ہے اس لئے منی کے رقبہ کو مصالح مکہ سے بالکل خارج نہیں کیا جاسکتا، اور اس کا حکم بھی بڑے شہروں کے درمیان واقع میدانوں ہی کے مانند ہوگا۔

۱:- أن منیٰ من فناء مکة فإنه من الحرم قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿هَدْيًا بٰلِغَ

الْكَعْبَةِ﴾ سماه باسم الكعبة لكونه تبعاً لها. لما أن الهدايا والضحايا لاتنحر بمكة بل بمنىٰ دل ذلك على أنه في حكمها أو في فنائها. (الكفاية مع الفتح ٢/ ٢٥ كوئٹه، البحر العميق ٣/ ١٤٩٢)

٢ :- **تعريف الفناء وهو ما أعد لحوائج أهل المصر.** (عناية ٢/ ٥١ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کیا پہاڑی سرنگوں اور شاہی محل کے ذریعہ منیٰ کو عزیزیہ سے متصل قرار دیا جاسکتا ہے؟

سوال (۱٦۸):- منیٰ کی موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ محلّہ ''شیشہ'' کی طرف سے بغیر کسی پہاڑی رکاوٹ کے جمرات کا میدان عمارتوں سے مل گیا ہے، یہی صورت ''ریع صدقی'' کی طرف سے ملنے والی سڑک سے بھی ہے، اس کے علاوہ ''عزیزیہ شمالیہ'' اور منیٰ کے درمیان پہاڑیاں حائل ہیں، ان میں اتصال کے لئے کئی سرنگیں بنائی گئی ہیں، ہر سرنگ کی لمبائی آدھے کلومیٹر سے زیادہ ہی ہے؛ تاہم مزدلفہ کی جانب ملنے والی پہاڑی پر شاہی محل تعمیر کیا گیا ہے، جو کافی دور تک عزیزیہ اور منیٰ کی جانب دونوں پہاڑیوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، اس کے بالمقابل ''کوئتی مسجد'' کی جانب بھی پہاڑیوں میں سرنگ بنائی گئی ہیں، جہاں دوسری جانب ''معیصیم'' کی قربان گاہیں تعمیر ہیں۔ اس صورتِ حال میں سوال یہ ہے کہ پہاڑی سرنگوں اور شاہی محل کے ذریعہ منیٰ کو عزیزیہ سے متصل قرار دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں سہولت کے لئے ایک نقشہ بھی سوال نامہ کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے، اس کو بغور ملاحظہ فرماکر جواب تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شہر مکہ معظّمہ پہلے ہی سے پہاڑیوں کے درمیان آباد ہے اور اس کے کئی محلے پہاڑیوں کے دامن میں یا پہاڑوں کے اوپر بسے ہوئے ہیں، اور ان میں

تعمیراتی اتصال نہ ہونے کے باوجود انہیں عرفاً مکہ معظّمہ کا جزء ہی سمجھا جاتا رہا ہے، اور پہاڑیوں کو حائل قرار نہیں دیا جاتا رہا، اور اب جب کہ پہاڑیوں کے اندر جا بجا سرنگیں بنادی گئی ہیں، تو یہ اتصال مزید مضبوط ہوگیا۔ یہی صورتِ حال منی کی بھی ہے کہ مکہ معظّمہ اور منی کے درمیان محلّہ ''شیشہ'' اور ''ریع صدقی'' کی طرف سے، نیز عزیزیہ جنوبیہ کی طرف سے بغیر سرنگ کے اتصال ہے اور اس کے علاوہ کئی جگہوں پر پہاڑی سرنگوں کے ذریعہ سے رابطہ کی صورت نکالی گئی ہے، اور اس پہاڑ پر اوپر شاہی محل آباد ہے، جس کا رقبہ منی سے لے کر عزیزیہ تک دونوں جانب پھیلا ہوا ہے، اس لئے ان روابط کی بنیاد پر منی کو عزیزیہ کی جانب سے بھی متصل قرار دیا جائے گا۔

۱:- **إن كان بينه وبين المصر أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضاً.** (البحر الرائق ۱۲۸/۲ زكريا، بزازية ۷۱/٤، خلاصة الفتاوى ۱۹۸/۱ أشرفية ديوبند)

۲:- **وإن كان في وسط البلد نهر فاجتاز فليس له القصر؛ لأنه لم يخرج من البلد ولم يفارق البنيان فأشبه الرحبة والميدان في وسط البلد.** (المغني ۵۰/۲)

۳:- **وإن كان للبلد محال كل محلة منفردة عن الأخرىٰ كبغداد فمتى خرج من محلته أبيح له القصر إذا فارق محلته، وإن كان بعضها متصلاً ببعض لم يقصر حتى يفارق جميعها.** (المغني لابن قدامة ۵۰/۲، الفقه الإسلامي وأدلته ۲۹٦/۲) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

فناءِ شہر کی جامع تعریف کیا ہے؟

سوال (۷):- فناءِ شہر کی جامع تعریف کیا ہے؟ فناءِ شہر کے تحقق کے لئے اہل شہر کے کس طرح کی ضروریات کا وہاں سے متعلق ہونا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فناءِ شہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس سے شہر کی کسی بھی

طرح کی ضرورت وابستہ ہو، مثال کے طور پر ایئرپورٹ، ریلوے اسٹیشن، کار پارکنگ، سبزی منڈی، عیدگاہ، قبرستان، گھوڑ دوڑ کا میدان اور جنگی مشق کا میدان وغیرہ۔

۱:- **تعریف الفناء: وهو ما أعد لحوائج أهل المصر.** (عناية ٢/ ٥١)

۲:- **فناءه وهو ماحوله اتصل به أولا لأجل مصالحه.** (تنوير الأبصار مع الدر المختار على الشامي ٣/ ٧ زكريا)

۳:- **وفناء البلد عندالفقهاء هو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب ونحوذلك.** (الموسوعة الفقهيه ٢٢/ ٨٨، شامى ٢/ ١٣٩ كراچي، ٢/ ٥٩٩- ٣/ ٧ زكريا)

٤:- **فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر المتصل به.** (بزازية ٤/ ٧٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کیا منیٰ بطور پارکنگ مستعمل ہونے کی وجہ سے مصالح مکہ میں شمار ہوسکتا ہے؟

سوال (۱۶۹):- آج کل رمضان المبارک میں معتمرین کی کثرت ہوتی ہے، اور حکومت سعودیہ کی طرف سے جمرات کے اِردگرد بڑے میدانوں کو معتمرین کی بسوں کے لئے پارکنگ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ جمرات کے قریب لگے ہوئے سرکاری بورڈ سے واضح ہوتا ہے، تو کیا اس اعتبار سے منیٰ کو مصالح بلد میں شمار کیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورِ حاضر میں شہر کی بہت سی ایسی ضروریات بڑھ گئی ہیں جو پہلے زمانہ میں موجود نہیں تھیں، ان میں سے ایک بہت بڑا مسئلہ بڑے شہروں میں گاڑیوں کی پارکنگ کا ہوتا ہے، جس کے لئے شہروں میں کثیر منزلہ عمارتیں بھی تعمیر کی جاتی ہیں، بریں بنا گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے میدان بھی دورِ حاضر میں بڑے شہروں کی اہم ضروریات میں سے

ہے؛ لہٰذا رمضان المبارک یا دیگر ایام میں معتمرین کی کثرت وازدحام کی بناء پر حکومت کی طرف سے منیٰ کو بطور پارکنگ استعمال کرنے کی وجہ سے منیٰ مکہ معظّمہ کے مصالح میں بلاشبہ شامل ہوجائے گا۔ فقہاء نے بعض شہروں میں حاجیوں کے قیام کے لئے چھوڑے گئے بڑے بڑے میدانوں کو مصالح بلد میں شامل کیا ہے، جہاں حجاجِ کرام کے قافلے آتے جاتے ہوئے قیام کرتے تھے، تو جب دیگر شہروں میں اس ضرورت کے لئے چھوڑے گئے خالی میدانوں کو فناء شہر مان لیا گیا ہے، تو منیٰ کو اس درجہ میں رکھنے میں کیا اشکال ہے؟

۱:– **وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كركض الدواب ودفن الموتى وإلقاء التراب.** (شامي ۲/۵۹۹ زكريا، وكذا في بزازية ۴/۷۴، الموسوعة الفقهية ۲۲/۸۸، شامي ۲/۱۳۹ كراچي، عناية مع الفتح ۲/۵۱ زكريا، درمختار مع الشامي ۳/۷ زكريا)

۲:– **قال الشامي: أقول: إذا علمت ظهر لك أن ميدان الحصا في دمشق من ربض المصر وأن خارج باب اللّٰه إلى القرية القدم من فنائه؛ لأنه مشتمل على الجبانة المتصلة بالعمران، وهو معد لنزول الحاج الشريف؛ فإنه قد يستوعب نزولهم من الجبانة إلى ما يحاذي القرية المذكورة، فعلى هذا لايصح القصر فيه للحاج، وكذا المرجة الخضراء؛ فإنها معدة لقصر الثياب وركض الدواب ونزول العساكر ما لم يجاوز صدر الباز، بناءً على ما حققه الشرنبلالي في رسالته من أن الفناء يختلف باختلاف كبر المصر وصغره فلا يلزم تقديره بغلوة، كما روي عن محمد ولا بميل أو بميلين كما روي عن أبي يوسف.** (شامي ۲/۶۰۰ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

منیٰ اور مکہ کو دو الگ الگ مستقل مقام قرار دینا فاصلہ کی وجہ سے ہے یا منیٰ کی مشعریت کی وجہ سے ہے؟

سوال (۱۷۰):- خیر القرون سے مکہ مکرمہ اور منیٰ کے درمیان چھ سات کلومیٹر کے

ویران علاقے کا فاصلہ رہا ہے، اور یہ صورتِ حال چودہ سو سال تک رہی، اور فقہاء نے دونوں مقاموں کو الگ الگ شمار کیا۔

اب قابل تحقیق امر یہ ہے کہ فقہاء کا یہ حکم فاصلہ کی علت کے ساتھ معلول ہے یا اس کی وجہ منیٰ کا ''مشعر'' ہونا ہے؟ اور یہ حکم ایسا توقیفی ہے جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، تو اس بارے میں اگر کوئی نص ہو تو اسے پیش کیا جائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہاں دو باتیں بالکل الگ الگ ہیں:

الف:- اول یہ کہ منیٰ ایک مشعر ہے جس کی حدود میں خاص مناسک ادا کئے جاتے ہیں وہ حدود توقیفی ہیں، جن کو بدلنے کا کسی کو اختیار نہیں، یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے۔

ب:- دوسرا امر قابل غور یہ ہے کہ منیٰ کے مشعر رہتے ہوئے اور اس کی حدود میں کسی طرح کی تبدیلی نہ کرتے ہوئے کیا بعض ضمنی مسائل میں وہ حکما مکہ معظّمہ کے تابع ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تو فقہی جزئیات کی روشنی میں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ منیٰ اپنی جگہ پر مشعر رہتے ہوئے اتصال آبادی کی بنیاد پر شہر مکہ کے تابع ہوسکتا ہے، اور اس تابعیت کا اثر منیٰ کے مخصوص اعمال پر نہیں پڑتا، یعنی منی کے شہر مکہ کے تابع ہونے سے یہ لازم نہیں آئے گا کہ مبیت منی کی سنیت ختم ہو جائے یا مکہ تک عام ہو جائے وغیرہ؛ بلکہ اس کا اثر صرف قصر واتمام، مالی قربانی یا اقامت جمعہ پر ہی پڑسکتا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ بہت سے فقہاء نے زمانہ سابق میں منی کو فناء مکہ میں داخل ماننے کی بات کہی تھی؛ لیکن اس بات کو دیگر فقہاء نے یہ کہہ کر رد کر دیا کہ منی اور مکہ میں کافی فاصلہ ہے، تو معلوم یہ ہوا کہ فقہاء کی نظر میں منیٰ کے فناء مکہ میں شامل نہ ہونے کی علت فاصلہ تھا، اگر ان کے نزدیک اس کا نفس مشعر ہونا فناء بننے سے مانع ہوتا، تو وہ جواب میں فاصلہ کی بات نہ کہتے؛ بلکہ واضح جواب یہ ہوتا کہ منی چوں کہ ایک مشعر ہے، اس لئے وہ مکہ کے تابع کبھی نہیں ہوسکتا، حالاں کہ اس طرح کی بات فقہاء سے کہیں منقول نہیں ہے۔

۱:– إن منى من فناء مكة فانه من الحرم قال اللّٰه تعالىٰ: ﴿هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ سماه باسم الكعبة لكونه تبعاً لها، لما أن الهدايا والضحايا لاتنحر بمكة؛ بل بمنى دل ذٰلک على أنه في حكمها أو في فنائها. (الكفاية مع الفتح ۲/ ۲۵ كراچي، البحر العميق ۳/ ۱۴۹۲)

۲:– بخلاف منى عند أبي حنيفة رحمه اللّٰه تعالىٰ وأبي يوسفؒ؛ لأنها من فناء مكة ولأنها بمنزلة المصر في هذه الأيام لما فيها من الأبنية والأسواق المركبة. (المبسوط ۴/ ۵۵)

۳:– ولأن منى من أفنية مكة وتوابعها؛ لأنها في الحرم وتوابع الشيء يقوم مقام ذٰلک الشيء. (البناية ۳/ ۴۸)

۴:– وتجوز الجمعة في فناء المصر وهو الموضع المعد لمصالح المصر المتصل به، وقَدَّرَ بعضهم الفناء بالغلوة، وقيل: بفرسخين، حتى قيل: إن جواز الجمعة بمنى بناء على الفناء لا على البناء، ومنى على فرسخين من مكة، وقيل: بفرسخ. (بزازية ۴/ ۷۴)

۵:– والأظهر أن المراد بالبلد الأرض بقرينة الإشارة بهذا في منى والبلدة وإن كانت اسم مكة لكن قد تطلق ويراد بها أرض الحرام كلها من باب إطلاق الجزء وإرادة الكل، ومنه قوله تعالىٰ: ﴿اِنَّمَا اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ رَبَّ هٰذِهِ الْبَلْدَةِ الَّذِیْ حَرَّمَهَا﴾ ولا شک أن التحريم يعم مواضع الحرم كلها. (مرقاة ۵/ ۳۶۶)

۶:– وكان أبو الحسن الكرخي يحتج لأبي حنيفة بجواز الجمعة بها؛ لإنها ومكة كمصر واحد فلما حج أبو بكر الجصاص ورأى بعد ما بينهما استضعف هذه العلة. (احسن التقاسيم في معرفة الأقاليم ۱/ ۲۶، بحوالہ حج میں قصرواتمام کی تحقیق ۱۱۰)

۷:– ومن المشايخ رحمه اللّٰه تعالىٰ من قال: إن عندهما إنما يجوز أداء

الـجـمـعة بـمـنى؛ لأنها من أفنية مكة وهذا فاسد؛ لأن بينهما فرسخين. (المحيط البرهاني ٢/١ ٤٤ رقم: ٢١٤٥ ڈابھیل)

٨:– وقيـل تـجوز لأنها من فناء مكة قلت: هذا إنما يستقيم على قول من قدر الفناء بفرسخين. (شرح العيني على الكنز ٩٨/١ بحوالہ حج میں قصر واتمام کی تحقیق ١٠٥)

٩:– وقـال بـعض مشايخنا أن الخلاف بين أصحابنا في هذا بناء على أن منى من توابع مكة عندهما، وعند محمدؒ ليس من توابعها، وهذا غير سديد؛ لأن بينهما أربعة فراسخ. (بدائع الصنائع ٥٨٥/١)

١٠:– ومـن عـلـل الـجـواز بـأنهـا مـن فـنـاء مكة رد بأن بينهما فرسخين وتقدير الفناء بذلك غير صحيح. (النهر الفائق ٣٥٤/١)

١١:– وقيـل تـجـوز فـي جميع الأيام؛ لأن منى من فناء مكة وقد علمت فسـاد كـونهـا من فناء مكة، فترجح تخصيص جوازها بأيام الموسم، وأنها تـصير مصراً في تلك الأيام وقرية في غيرها. (البحر الرائق ١٤٢/٢)

١٢:– وإنـمـا اقتـصـر المصنف على هذا الوجه من التعليل دون التعليل بـأن منى من أفنية مكة؛ لأنه فاسد لأن بينهما فرسخين وتقدير الفناء بذلك غير صحيح. (فتح القدير ٥٤/٢)

١٣:– وبـمـنـىٰ أبـنية ودور وسـكك، وقـولهـم تتمصر في أيام الموسم يشيـر إلـى أن الـجـمـعة لا تـجـوز فيها في غير أيام الموسم؛ لأنها لا تبقىٰ مصراً بـعـدهـا وقيـل: تـجـوز لأنها من فناء مكة. وهذا لا يستقيم إلا على قول من قدر الفناء بفرسخين لأن بينهما فرسخين. (تبيين الحقائق ٥٢٥/١-٥٢٦ زکریا، ٢١٨/١ کوئٹہ)

تنبیہ: -مذکورہ بالاعبارات میں جہاں بھی حضرات شیخینؒ کے قول کی تعلیل کرتے ہوئے منٰی کے فناء مکہ ہونے کی تردید کی گئی ہے اس کی بنیاد دونوں کے درمیان کئی فرسخ کا فاصلہ ہونا ہے

لیکن موجودہ دور میں جبکہ یہ فاصلہ باقی نہیں رہا تو تردید کی بنیاد ہی ختم ہوگئی، اور اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ فاصلہ ہے یا نہیں؟ شیخین کی تعلیل میں منی کو فناء مکہ قرار دینے کی بات کہنا اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ فی نفسہ منی فناء مکہ میں شامل ہوسکتا ہے شرعاً یہ محال نہیں ہے۔ جب کہ کوئی اور مانع نہ پایا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حکومت اگر دو الگ مقامات کو ایک شمار کرلے تو کیا قصر واتمام کے باب میں دونوں ایک ہی شمار ہوں گے؟

سوال (۱۷۱):- ایک مقام کو حکومت کسی دوسری جگہ کے ساتھ ملحق قرار دے کر دونوں کو موضع واحد تسلیم کرلے، خواہ اس کی کوئی بھی مصلحت ہو، تو کیا قصر واتمام کے باب میں بھی دونوں موضع واحد کے حکم میں ہوجائیں گے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: کسی جگہ کو شہر کے ساتھ ملحق کرنا دراصل ایک انتظامی معاملہ ہے اور مصالح مرسلہ میں شامل ہے، اس طرح کے معاملات میں حکم حاکم فیصل کی حیثیت رکھتا ہے، بریں بنا جب کہ سعودی حکومت کے ذمہ داران اس بات کی وضاحت کرچکے ہیں کہ منی اب مکہ معظّمہ کے ایک محلّہ کی حیثیت اختیار کرچکا ہے تو منی کو شہر مکہ کے تابع نہ ماننے کی کوئی وجہ نہیں رہی۔

اب ہم ذیل میں موجودہ زمانہ کے حکومت کے اہم ذمہ داران اور صاحب نظر مستند علماء کرام کی آراء پیش کرتے ہیں، جن سے یہ واضح ہوگا کہ اب حکومت سعودیہ کی نظر میں منیٰ ومزدلفہ مکہ کے تابع قرار دے دئے گئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''امیر نائف'' وزیر داخلہ سعودی عرب کی رائے

(۱) سعودی عرب کے سابق وزیر داخلہ اور اعلیٰ اختیاراتی حج کمیٹی کے چیئرمین امیر نائف ابن عبدالعزیزؒ نے صراحت کی ہے کہ تمام مشاعر مقدسہ اب مکہ شہر کے بیچوں بیچ آگئے ہیں، ان کے الفاظ یہ ہیں:

نشاهد ان مكة شرفها الله تعالىٰ تعدى توسعها في جهة الجنوب عرفة، ومن جهة الشمال الغربي وصلت إلى الشرائع فأصبحت المشاعر في وسط مدينة مكة. (أخبار الجزيرة ۷/ذي الحجة ۱۴۲۹ھ ۵ دسمبر ۲۰۰۸ء بحواله حج میں قصر واتمام کی تحقیق ۱۳۹، مؤلفه: مفتی محمد رضوان صاحب راول پنڈی پاکستان)

ترجمہ:- ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مکہ معظّمہ کی وسعت جانب جنوب میں عرفات تک اور جانب شمال مغرب میں شرائع تک پہنچ چکی ہے، اور اب سبھی مشاعر مکہ شہر کے بیچوں بیچ آ گئے ہیں۔

اب غور فرمائیے کہ جب سعودی وزیر داخلہ خود مشاعر مقدسہ کو شہر مکہ کے وسط میں ہونے کا اعلان کر رہے ہیں، تو اس کے بعد کسی کے نہ ماننے کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟

شیخ عثیمینؒ کا فتویٰ

(۲) سعودی عرب کے ایک بڑے معتبر عالم شیخ محمد صالح بن محمد العثیمینؒ (متوفی ۱۴۲۱ھ) فرماتے ہیں:

وفي يومنا هٰذا إذا تأمل المتأمل يجد أن منى حي من أحياء مكة، وحينئذٍ يقوى القول بأنهم لا يقصرون في منىٰ الخ. (الشرح الممتع على زاد المستقنع ۷/۷۷، بحواله: حج میں قصر واتمام کی تحقیق ۱۳۵)

ترجمہ: اور ہمارے آج کے اس دور میں اگر کوئی گہرائی سے جائزہ لے گا تو وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ "منیٰ" مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ ہے، اور اسی سے اس قول کی تائید ہوتی ہے کہ حجاج منیٰ میں قصر نہیں کریں گے۔

شیخ سبیّل کا مکتوب

(۳) سابق امام حرم شیخ محمد بن عبد اللہ السبیّل جو اپنے زمانہ میں حرمین شریفین کی اعلیٰ اختیاراتی نگراں کمیٹی کے رئیس رہے ہیں، انہوں نے مشہور عالم دین حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی پاکستان کے ایک سوال کے جواب میں واضح طور پر یہ

تحریر کیا تھا کہ: ''مکہ شہر کی آبادی منیٰ کے علاوہ حدودِ عرفات تک پہنچ گئی ہے، اور حکومت بھی ان جگہوں کو ایک آبادی شمار کرتی ہے''۔ شیخ کے الفاظ یہ ہیں:

الـذي يـظهر لنا أن منىٰ أصبحت اليوم جزءً من مدينة مكة بعد أن اكتنفها بـنيـان مـكة وتـجاوزها إلى حدود عرفة، وبناءً على هٰذا، فإنها قد أصبحت اليوم من أحياء مدينة مكة، فلايعد الذاهب إليها من مكة مسافراً ...... الخ.

إن حـكـومة الـمملكة العربية السعودية تعد منى من مكة على اعتبار أنها حـي مـن أحـيـاء هـا. (بحوالہ: رسالہ حج میں قصر واتمام کی تحقیق ۱۳۳، شیخ موصوف کی پوری تحریر ملاحظہ کریں: انوار مناسک ۶۸۱، مؤلفہ: مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی)

ترجمہ:- یہ بات ہمارے سامنے ظاہر ہے کہ آج کل منیٰ شہر مکہ کا ایک جزو بن چکا ہے، یہاں تک کہ مکہ کی عمارتیں نہ صرف یہ کہ اس کے پہلو تک پہنچ چکی ہیں؛ بلکہ حدودِ عرفات تک مل گئی ہیں، بریں بناء منیٰ آج کل شہر مکہ کے محلوں میں سے ایک ہے؛ لہٰذا مکہ سے منیٰ کی طرف جانے والا شخص مسافر نہ ہوگا۔ (اور شیخ موصوف آگے حکومت سعودیہ کا موقف بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ) سعودی حکومت منیٰ کو مکہ میں شامل مانتی ہے، یہ اعتبار کرتے ہوئے کہ وہ مکہ کے محلوں میں سے ایک محلّہ ہے۔

ایک عالم محقق کی تحقیق

(۴) عرب کے ایک محقق عالم ڈاکٹر عبداللہ نذیر احمد عبدالرحمٰن جوجدہ کے ''ملک عبدالعزیز یونیورسٹی'' کے معاون استاذ ہیں، اور جنہوں نے علامہ ابن الضیاء المکی الحنفی المتوفی ۸۵۴ھ کی جامع ترین کتاب ''البحر العمیق فی مناسک المعتمر والحاج الی بیت اللہ العتیق'' کی ۵؍جلدوں میں تعلیق وتحقیق اور اشاعت کا عظیم علمی کارنامہ انجام دیا ہے، وہ اس موضوع پر اپنی رائے اس طرح ظاہر کرتے ہیں:

فـان مـنىٰ الاٰن اصبحت من ضمن مكة المكرمة، لتوسع البناء والعمران، وامتدادها إليها، ومن ثم اختلف الحكم باختلاف العلة، اذ الحكم يدور مع العلة

حيث ما دار سلباً و ايجاباً، وحصل الخلاف في المسئلة بين العلماء باعتبار ما كان المنى عليها، اما الأن فقد تغير الوضع فاصبحت منى من مكة المكرمة وليس ذٰلک في زمن موسم الحج بل على مدار السنة لاستدامة إقامة الناس بها. (حاشية: البحر العميق ۱٤۹۳/۳)

ترجمہ:- ’’منیٰ اب مکہ معظّمہ کے اندر آ چکا ہے؛ کیوں کہ آبادی کی وسعت منیٰ تک پہنچ گئی ہے،اس بناء پر علت کے بدلنے سے حکم بھی بدلے گا؛ کیوں کہ حکم علت کے ساتھ دائر رہتا ہے، جہاں بھی دائر ہو،مثبت یا منفی طور پر، اور پہلے زمانہ میں منیٰ کی جو صورتِ حال تھی اسی اعتبار سے (منیٰ میں اقامتِ جمعہ کے سلسلہ میں) فقہاء میں اختلاف ہوا تھا؛لیکن اب صورتِ حال بدل چکی ہے،اور منیٰ مکہ معظّمہ میں شامل ہو چکا ہے،اور یہ صرف موسم حج ہی کے لئے نہیں ہے؛ بلکہ سال بھر کے لئے یہی حکم ہے؛ کیوں کہ برابر وہاں لوگوں کی آمد ورفت جاری رہتی ہے‘‘۔

مفتی مدینہ حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی مہاجر مدنیؒ کا فتویٰ

(۵) مدینہ منورہ کے متبحر عالم،مفسرِ قرآن حضرت مولانا مفتی عاشق الٰہی بلند شہری مہاجر مدنی نوراللہ مرقدہٗ (المتوفی ۱۴۲۲ھ)نے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:’’اگر حکومتِ سعودی منیٰ کو مکہ معظّمہ کا محلّہ تسلیم کر لے تو صرف قصر و اتمام کے مسئلہ میں فرق آ سکتا ہے، جو امورِ منیٰ سے متعلق ہیں وہ بہر حال منیٰ ہی سے متعلق رہیں گے،یعنی منیٰ اگر چہ مکہ معظّمہ کا محلّہ بن جائے پھر بھی وہاں یوم الترویہ گذارنا، پانچ نمازیں منیٰ میں پڑھنا،نویں کو منیٰ سے روانہ ہونا سنت رہے گا‘‘۔

نیز فرمایا:’’اگر منیٰ کو مکہ معظّمہ کا حصہ مان لیا جائے تو مکہ معظّمہ میں پندرہ دن رہنے سے مقیم ہوجائے گا،اور شک کو مٹانے کے لئے دو رکعت کی جگہ چار رکعت پڑھ لے تب بھی نماز ہوجائے گی‘‘۔(یادگارِ صالحین۸۳۲-۸۳۳،مؤلفہ:مفتی عبدالرحمٰن کوثر مدنی مدظلہٗ)

ایک شبہ کا ازالہ

یہ کہہ کر منیٰ اور مزدلفہ کو حدودِ مکہ سے خارج نہیں کیا جاسکتا کہ یہ محض میدان ہے، یہاں کوئی

آبادی نہیں ہے؛ اس لئے کہ شہری حدود میں شمولیت کے لئے آبادی اور تعمیرات کا ہونا لازمی شرط نہیں ہے۔ آج بھی بڑے بڑے شہروں میں لق ودق پارک اور بڑے بڑے وسیع الشان میدان ضرورت کی بنا پر عمارتوں سے خالی رکھے جاتے ہیں۔ (دہلی کے قلب میں انڈیا گیٹ کے اطراف کا بہت بڑا رقبہ محض میدان ہے، اسی طرح کی صورتِ حال اور بڑے شہروں میں بھی ہے) لیکن انہیں کوئی بھی شہر سے باہر قرار نہیں دیتا، پھر منیٰ اور مزدلفہ وغیرہ ہی کو اتصال آبادی کے باوجود الگ جگہیں قرار دینے پر اصرار کیوں ہے؟ یہ بات سمجھ سے بالا تر ہے۔ (ماخوذ: کتاب المسائل ۲۷۸/۳-۲۷۹) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

موسم حج میں ''منیٰ'' میں جمعہ کا کیا حکم ہے؟

سوال (۱۱): - موسم حج کے موقع پر قیام منیٰ کے دوران جمعہ کا دن آجائے تو منیٰ میں جمعہ جائز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کن دلائل کی بنیاد پر؟ اگر ہے تو اس کی وجوہات کیا ہیں؟

سوال (۱۷۲): - فقہی کتابوں میں ایام حج میں منیٰ کو شہر قرار دیا گیا ہے، چناں چہ ایام حج میں وہاں جمعہ پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ البحر الرائق میں ہے:

ومنیٰ مصر لا عرفات، فتجوز الجمعة بمنیٰ. (البحر الرائق ۱٤۲/۲)

اور موجودہ دور میں یہ بات مخفی نہیں ہے کہ منیٰ میں شہر ہونے کی تمام شرائط ایام حج میں متحقق ہوجاتی ہیں؛ لہٰذا ایام حج میں بھی منیٰ کو غیر آباد مان کر مکہ سے عدم اتصال ثابت کرنا کیا صحیح ہوسکتا ہے؟ کیا ایسا ممکن نہیں کہ ایامِ حج کی آبادی کو معتبر مان کر منیٰ کو مکہ معظّمہ سے متصل قرار دیا جائے؟ کیا شرعاً اس میں کوئی حرج ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے نزدیک قیام منی کے دوران اگر جمعہ کا دن آجائے تو منی میں بلاشبہ جمعہ جائز ہے اور اس کے بارے میں فقہ میں صراحت موجود ہے کہ ایام حج میں منی شہر کی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اگر چہ غیر ایام حج میں یہاں

بالفعل آبادی نہ رہتی ہو لیکن ایام حج میں یقیناً یہ جگہ آباد ہو جاتی ہے، اور اس آبادی کا شرعی طور پر اعتبار ہوتا ہے اسی وجہ سے وہاں جمعہ کو جائز قرار دیا گیا اور جب یہ آبادی معتبر ہے تو اس کے مکہ معظّمہ کے اتصال میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے، کیوں کہ ایام حج میں منی اور مکہ میں آمد ورفت کا تسلسل اس کثرت سے رہتا ہے اور جابجا اس طرح دکانیں اور خیمے لگا دیئے جاتے ہیں کہ کوئی بھی مشاہدہ کرنے والا اتصال سے انکار نہیں کرسکتا۔

۱:- وجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط (الدر) (وتحته في حاشية الطحطاوي على الدر) هذا على المعتمد. (طحطاوي على الدر ۱/ ۳٤۱ کوئٹہ)

۲:- وجازت الجمعة بمنى في الموسم فقط لوجود الخليفة أو أمير الحجاز أو العراق أو مكة ووجودالأسواق والسكك. (الدر مع الرد ۳/ ۱٤ زکریا)

۳:- ولهما أنها أي منى تتمصر في الموسم لاجتماع من ينفذ الأحكام ويقيم الحدود والأسواق والسكك، قيل: فيها ثلاث سكك وغاية ما فيها أنه يزول تمصرها بزوال الموسم وذلک غير قادح في مصريتها قبله، إذ ما من مصر إلا ويزول تمصره في الجملة، مع ذلک تقام فيه الجمعة. (فتح القدير ۲/ ۵۲ زکریا، ۲/ ۲٦ کوئٹہ، مجمع الأنهر ۱/ ۲٤۸)

٤:- ومنى مصر قال الشيخ أبو نصر في شرح القدوري رحمه اللّٰه: قال أبو حنيفة وأبو يوسف: يجوز إقامة الجمعة بمنى فمن أصحابنا من قال: لأنها من توابع مكة فصارت كربض المصر، ومنهم من قال إنها في نفسها موضع لذلک؛ لأن فيها جامعاً وأسواقاً مرتبةً وسلطاناً يقيم الحدود في أيام الموسم فصارت كسائر الأمصار. (حاشیہ چلپی ۲/ ۵۲ زکریا، ۱/ ۲۱۸ کوئٹہ، وهكذا في الكفاية مع الفتح ۲/ ۱٤ كراچي، ۲/ ۱٦ أشرفية، عناية ۲/ ۵۲ زكريا، ۲/ ۲٦ كوئٹہ، بدائع الصنائع ۱/ ۵۸٦ زكريا، البحر الرائق ۲/ ۱٤۲ كوئٹہ، تبيين الحقائق ۱/ ۵۲۵ زكريا، ۱/ ۲۱۸ كوئٹہ، ملتقى الأبحر ۱/ ۲٤۸، سكب الأنهر

٤٨/١ ٢-٩ ٢٤، البناية ٣/٨ ٤ نعيميه ديوبند، طحطاوي على الدر ٣٤١/١ كوئٹه، المحيط البرهاني ٢/ ٤١ ٤

رقم: ٥ ٤ ١ ٢ ڈابھیل، حلبي كبير ٥٥١ لاهور، حاشية الطحطاوي ٣ ١ ٥ أشرفية ديوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

حدیث ''منیٰ مناخ من سبق'' کا منشاء کیا ہے؟

سوال (۱۷۳):- حدیث: ''منیٰ مناخ من سبق'' کا منشاء کیا ہے؟ کیا اس کی وجہ سے منیٰ میں اگر آبادی ہوجائے تو اسے شرعاً غیر معتبر قرار دیا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ''منیٰ مناخ من سبق والی حدیث شریف کا منشا صرف دو باتیں ہیں:

الف:- اول کہ منی کی زمین پر کسی کی ذاتی ملکیت نہیں بلکہ یہ جگہ عملاً پوری امت کے لئے وقف ہے اور اس کی متولی حکومت ہے۔

ب:- دوسرے یہ کہ جو شخص منی میں پہنچ کر پہلے کسی جگہ پر قبضہ کرلے وہی اس کا حقدار ہے اس حدیث سے یہ لازم نہیں آتا کہ منی کی کسی طرح کی بھی آبادی معتبر نہیں، کیوں کہ اگر یہ آبادی غیر معتبر ہوتی تو فقہاء احناف منی کو شہر مان کر وہاں جمعہ قائم کرنے کی اجازت نہ دیتے، بریں بناء اگر حکومت کے انتظام میں وہاں کوئی تعمیر عارضی یا مستقل بنائی جائے جس پر کسی کی ذاتی ملکیت نہ ہو تو یہ حدیث شریف کے خلاف نہ ہوگی۔

١:- عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: قلنا يا رسول اللّٰه! ألا نبني لك بناءً يظلك بمنىٰ؟ قال لامنى مناخ من سبق. (سنن الترمذي ١٧٧/١، سنن ابن ماجة ٢١٦)

٢:- قوله قال لا: لأن منى ليس مختص بأحد إنما هو موضع العبادة من الرمي وذبح الهدي والحلق ونحوها فلو أجيز البناء فيها لكثرت الأبنية ويضيق المكان وهذا مثل الشوارع مقاعد الأسواق وعند أبي حنيفة أرض الحرم موقوفة فلا يجوز أن يملكها أحد. (حاشية سنن الترمذي ١٧٧/١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کیا عرف اور حکومتی انتظام کی وجہ سے دو الگ جگہوں کو مقام واحد کے درجہ میں رکھا جا سکتا ہے؟

سوال (۱۷۴):- آج کل مکہ معظّمہ کے کئی محلے مثلاً عدل اور شرائع باہم متصل نہیں ہیں؛ بلکہ ان کے درمیان پہاڑیاں حائل ہیں؛ لیکن عرفاً انہیں مکہ معظّمہ کا محلّہ ہی قرار دیا جاتا ہے، تو سوال یہ ہے کہ عرف یا حکومتی انتظام ایک ہونے کی بنا پر ان جگہوں کو مقام واحد کے درجہ میں رکھا جاسکتا ہے یا نہیں؟ نیز ان محلوں میں اور منیٰ ومزدلفہ میں کیا فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ معظّمہ کے جو منفصلہ محلے عرفاً ایک سمجھے جاتے ہیں ان کو عرف یا حکومتی انتظام ایک ہونے کی بناء پر شہر مکہ ہی کے حکم میں رکھا جائے گا، اور ان کے درمیان پہاڑیوں کا فاصلہ حائل نہیں ہوگا، اس کی نظیر یہ ہے کہ بہت سے شہروں کے بیچ وبیچ بڑی بڑی دریائیں گذرتی ہیں اور ان پر جابجا پل بنا کر شہر کے دونوں حصہ کا رابطہ مضبوط کر دیا جاتا ہے اور بسا اوقات ان پلوں کا فاصلہ کافی طویل ہوتا ہے، جیسا کہ دلی، کلکتہ، اور الہ آباد وغیرہ میں نظر آتا ہے اور اس کے باوجود شہر کے دونوں حصوں کو ایک ہی شہر کے درجہ میں رکھا جاتا ہے، بعینہ یہی صورت حال بالخصوص ایام حج میں منی، مزدلفہ اور مکہ معظّمہ کی ہوتی ہے۔

۱:– **وإن كان في وسط البلد نهر فاجتاز فليس له القصر؛ لأنه لم يخرج من البلد ولم يفارق البنيان فأشبه الرحبة والميدان في وسط البلد.** (المغني ۲/ ۵۰)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

قصر واتمام میں سے کس پر عمل کرنا زیادہ راجح ہے؟

سوال (۱۷۵):- فقہی کتابوں میں اگر دو جزیئے اس طرح کے ملیں، جن میں قصر واتمام دونوں پہلو کے دلائل پائے جائیں، یعنی بعض دلائل کی رو سے قصر ثابت ہوتا ہو، جب کہ

دوسرے بعض سے اتمام کا حکم لگتا ہو، تو وہاں پر بعض ائمہ نے احتیاطاً اتمام کو ترجیح دی ہے۔ اب قابلِ تحقیق امر یہ ہے کہ کیا زیرِ بحث مسئلہ میں بھی اتمام کو ترجیح دی جاسکتی ہے؟ علماء کے اس اختلاف کی وجہ سے کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ سابق حکم (قصر) مشکوک ہوگیا؟ یا ''**الیقین لا یزول بالشک**'' پر عمل کرتے ہوئے ''قصر'' پر ہی عمل درآمد بہتر ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: موجودہ صورتِ حال میں منیٰ کو شہر مکہ کے تابع مانا جانے یا نہ مانا جائے یہ ایک اجتہادی معاملہ ہے منصوص معاملہ نہیں ہے اور کسی اجتہادی مسئلہ میں اگر اختلاف کی وجہ سے قصر واتمام سے متعلق رائیں الگ الگ ہو جائیں تو احتیاط اسی میں ہے کہ اتمام کیا جائے تاکہ یقینی طور پر فریضہ ادا ہو جائے، لیکن اگر کسی کو یقین کی حد تک اطمینان ہو کہ منیٰ کبھی بھی مکہ معظّمہ کے تابع نہیں ہوسکتا تو وہ اپنی تحقیق پر عمل کرسکتا ہے لیکن دوسرے کو مجبور نہیں کیا جائے گا۔

۱:- **لأنه اجتمع في هذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع فرجحنا ما يرجب الأربع احتياطاً.** (شامي ۲/۱ ۰ ٦ زكريا، البحر الرائق ۲/ ۱۲۹ كوئٹه، ۲/ ۲۲۷ زكريا)

۲:- **وفي الولوالجية: افتتح الصلاة في السفينة حال إقامته في طرف البحر فنقلتها الريح وهو في السفينة فنوى السفر يتم صلاة المقيم عند أبي يوسفؒ. وفي الحجة، الفتوى على قول أبي يوسفؒ احتياطاً.** (الفتاویٰ الهندية ۱/ ۱٤٤)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۳۵/۵/۱۷ھ

قیامِ مکہ کے دوران تفریح کے لئے جدہ جانے کی وجہ سے قصر و اتمام کا حکم؟

سوال (۱۷٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: ہمارے یہاں سے حجاج کرام مختلف گروپ کے ساتھ حج پر جاتے ہیں، ہر گروپ والے اتمام وقصر مقیم ومسافر کے بارے میں اپنے اپنے معتمد علماء کرام کے فتویٰ پر عمل کرتے ہیں، عموماً ہمارے یہاں سے حجاج کرام کی روانگی ذی الحجہ کی ابتداء سے ہوتی ہے اور واپسی تقریباً محرم الحرام کے دوسرے عشرہ تک ہوتی ہے، کل سفر ۴۰/ یا ۴۵/ دن تک کا ہوتا ہے، عموماً حرمین شریفین میں اقامت کا شیڈول ہر گروپ والوں کا ایک ہی ہوتا ہے، مکہ مکرمہ میں کم وبیش ایک مہینہ اور مدینہ منورہ میں ۸/ دن، اس اعتبار سے اکثر حجاج کرام تقریباً ذی الحجہ کا پورا مہینہ مکہ مکرمہ میں گذارتے ہیں؛ البتہ قیام مکہ مکرمہ کے دوران ہر گروپ والے اپنے اپنے گروپ کے حجاج کو تفریح کے لئے جدہ لے جاتے ہیں، پھر جدہ سے کچھ دور پانی پر بنی ہوئی مسجد میں بھی لے جاتے ہیں، جس کی مسافت مسجد حرام سے ۵۰/ میل سے زائد بنتی ہے اور یہ سفر صرف صبح سے رات تک ہوتا ہے، یعنی ۱۱/۱۲/ بجے رات کو دوبارہ مکہ مکرمہ آجاتے ہیں، واضح رہے کہ سامان اور رہائش وغیرہ مکہ مکرمہ میں باقی رہتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ:

الف:- جو حجاجِ کرام منی، مزدلفہ کو ایک علاقہ شمار کرنے والے علماء کرام کے قول پر عمل کرتے ہیں، ان کے مقیم بننے میں تفریح کے لئے جدہ جانے کی نیت رکاوٹ بنے گی یا نہیں؟ مثلاً ایک حاجی ۵/ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچتا ہے اور ۵/ محرم الحرام کو مدینہ منورہ روانہ ہوگا، تو مکہ مکرمہ میں مجموعی قیام ۳۰/ دن کا ہے؛ لیکن ۱۲/ ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد مدینہ روانہ ہونے سے پہلے درمیان میں ۱۷/ ذی الحجہ کو جدہ جانے کا پروگرام طے ہوتا ہے، اس لحاظ سے مدت اقامت ۱۵/ دن پوری ہونے سے پہلے بارھویں دن سفر شرعی کی نیت اس کے مکہ مکرمہ میں مقیم بننے میں مانع ہوگی یا نہیں؟ (واضح رہے کہ جدہ جاتے وقت رہائش اور سامان وغیرہ مکہ مکرمہ کے ہوٹل میں چھوڑ کر جاتے ہیں اور دوبارہ مکہ مکرمہ رات ہی کو پہنچ جاتے ہیں)

ب:- اور جو حجاج کرام مکہ، منی اور مزدلفہ کو الگ الگ علاقہ شمار کرنے والے علماء کرام کے قول پر عمل کرتے ہیں وہ حجاج کرام مذکورہ روانگی کی تاریخ کے مطابق حج سے پہلے مسافر ہی

ہوں گے؛ البتہ ۱۲؍ ذی الحجہ کے بعد ان کا قیام مکہ مکرمہ میں مزید ۲۳؍ دن کا ہوتا ہے؛ لہٰذا سترہ ذی الحجہ کو سفر شرعی کی نیت اس کے حج کے بعد مقیم بننے میں مانع ہوگی یا نہیں؟ نیز یہ بھی وضاحت فرمادیں کہ جدہ میں رات میں سونے اور نہ سونے کی صورت میں حکم میں کوئی فرق ہوگا یا نہیں؟

ج:- اگر ان لوگوں کے جدہ جانے کی تاریخ مقرر نہ ہو درمیان میں کسی ایک دن ہو تو مسئلے میں کوئی فرق آئے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: واضح رہے کہ اس وقت مکہ معظّمہ اور جدہ کی آبادی پھیل جانے کی وجہ سے دونوں شہروں کا فاصلہ صرف ۶۰/ ۶۲؍ کلومیٹر رہ گیا ہے، پس مکہ معظّمہ سے جدہ جانے والا شخص مسافر شمار نہیں ہوتا۔ اور آپ نے سوال میں پانی پر بنی ہوئی جس مسجد کا ذکر کیا ہے اس کے بارے میں حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب مدظلہ العالی مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد کے مشاہدہ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ یہ مسجد جدہ شہر سے باہر نہیں ہے؛ بلکہ شہر ہی کا ایک حصہ ہے، مفتی صاحب موصوف نے اس مسجد میں کئی مرتبہ مغرب کی نماز بھی ادا کی ہے؛ لہٰذا مکہ سے اس مسجد تک جانے والے لوگ جو صبح جاکر رات تک مکہ معظّمہ واپس لوٹ آتے ہیں ان کا وطن اقامت اس سفر سے باطل نہیں ہوتا؛ اس لئے آپ نے اس مسافت کو مسافت شرعی مان کر جو سوالات قائم فرمائے ہیں ان کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ البتہ اگر پہلے ہی سے پورے گروپ کو جدہ جاکر رات کو ہوٹل میں ٹھہرنے کا نظام ہو تو مذکورہ سوالات پیش آسکتے ہیں، ان کے متعلق جوابات درج ذیل ہیں:

الف:- جو حاجی ۵؍ ذی الحجہ کو مکہ معظّمہ پہنچا اور اس کا ۱۷؍ ذی الحجہ کو جدہ جاکر رات گذارنے کا پہلے سے ارادہ ہے، تو مذکورہ حاجی ۵؍ ذی الحجہ سے ۱۷؍ ذی الحجہ تک مسافر ہی رہے گا مقیم نہیں کہلائے گا اگر چہ اس کا سامان مکہ معظّمہ میں ہو پھر بھی حکم میں کوئی فرق نہ ہوگا۔

من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدًا مسيرة ثلاثة أيام و لياليها صلى الفرض الرباعي ركعتين و جوبا لقول ابن عباس: إن اللّٰه فرض على لسان نبيكم

صلاة المقيم أربعا والمسافر ركعتين ...... فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر ...... ولم يذكر وطن السكنى وهو ما نوى فيه أقل من نصف شهر لعدم فائدته. (درمختار ۵۹۹/۲-۶۱۵ زکریا)

ب:- بارہ ذی الحجہ کو منی سے مکہ مکرمہ آکر ۲۳؍ دن قیام کرنے کا ارادہ ہے اور ۱۷؍ ذی الحجہ کو جدہ جانے کا ارادہ ہے تو جدہ جانے کی وجہ سے مکہ میں مقیم بننے میں کوئی فرق نہیں آئے گا؛ اس لئے کہ اب جدہ اور مکہ مکرمہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت نہیں رہی ہے؛ لہٰذا ایسے حجاج کرام مکہ مکرمہ میں شرعی طور پر مقیم ہی شمار کئے جائیں گے۔ اور اگر جدہ اس ارادے سے جائیں کہ وہاں سیر وتفریح کر کے یا اپنی ضروریات پوری کر کے واپس رات تک مکہ مکرمہ ہی آنا ہے، پھر جدہ جانے کے بعد واپسی میں رات ہو جائے اور رات کا کچھ حصہ سونے میں بھی گذر جائے مگر ارادہ رات گذانے کا نہیں تھا جیسا کہ سوالنامہ میں اس بات کو واضح کیا گیا ہے کہ جدہ کا سفر صبح سے لے کر ۱۲؍ بجے رات کے درمیان درمیان ہی ہوتا ہے، وہاں پر رات گذارنے کا ارادہ نہیں ہوتا ہے، تو ایسی صورت میں بدستور مقیم رہیں گے مسافر نہیں بنیں گے، ہاں البتہ اگر حج سے قبل مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی یہ ارادہ رہا ہو کہ سترہ ذی الحجہ کو ایک رات جدہ میں جا کر بھی گذارنا ہے، تو ایسی صورت میں ۵؍ ذی الحجہ سے ۱۷؍ ذی الحجہ کے درمیان ۱۵؍ دن پورے نہیں ہوتے ہیں؛ اس لئے سب کے نزدیک ۱۷؍ ذی الحجہ تک یہ حجاج کرام مسافر ہی رہیں گے اور ۱۷؍ ذی الحجہ کے بعد مکہ مکرمہ میں مسلسل ۱۸؍ دن رہنے کے ارادہ سے جو قیام ہوگا تو اس درمیان یہ سارے حجاج کرام مقیم ہو جائیں گے اور نمازوں کا اتمام ان پر لازم ہوگا۔

ج:- اس سوال کا مدار مکہ مکرمہ اور جدہ کے درمیان سفر شرعی کی مسافت ماننے پر ہے؛ لیکن اب چونکہ آبادی پھیل جانے کی وجہ سے مکہ معظّمہ اور جدہ شہر کے درمیان سفر شرعی کی مسافت نہیں رہی ہے؛ اس لئے اگر پہلے سے جدہ میں رات گذارنے کا ارادہ نہ ہو جیسا کہ سوال نامہ سے واضح ہے، تو محض سیر وتفریح کے لئے دن میں جدہ کا ارادہ کرنے سے اقامت پر کوئی فرق نہ پڑے گا اور وہ حجاج مکہ معظّمہ میں مقیم ہی شمار ہوں گے۔

فيقصر إن نوى الإقامة في أقل منه أي في نصف شهر ...... فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلى منى وعرفه فصار كنية الإقامة في غير موضعها وبعد عوده من منى تصح كما لو نوى مبيته بأحدهما أو كان أحدهما تبعا للآخر . وفي الشامي: أقول: ويظهر من هذه الحكاية أن نيته الإقامة لم تعمل عملها إلا بعد رجوعه لوجود خمسة عشر يوما بلا نية خروج في أثنائها، بخلاف ما قبل خروجه إلى عرفات؛ لأنه لما كان عازما على الخروج قبل تمام نصف شهر لم يصر مقيما ...... فإن دخل أولا الموضع الذي نوى المقام فيه نهارا لا يصير مقيما ، وإن دخل أولا ما نوى المبيت فيه يصير مقيما ثم بالخروج إلى الموضع الآخر لا يصير مسافرا؛ لأن موضع إقامة الرجل حيث يبيت به. (درمختار مع الشامي ٢/ ٦٠٦ – ٦٠٧ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر ایک ہی گروپ میں اتمام اور قصر دونوں کے قائل ہوں تو امام کس کو بنائیں؟

سوال (۱۷۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر ایک ہی گروپ میں جانے والے کچھ افراد اتمام کے قائل اور کچھ افراد قصر کے قائل علماء کرام کے قول پر عمل کرنے والے ہوں تو ایسی صورت میں ایک خیمہ میں باہم فتنہ وفساد سے اجتناب کرنے کی غرض سے منی، مزدلفہ اور عرفات میں مقیم حجاج کرام اپنے گروپ کے مسافر امام کی اقتدا کرکے اپنی بقیہ نماز پوری کرلے تو ایسا کرنا کیسا ہے؟ کیا ان کی نماز ادا ہو جائے گی؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حضرات اتمام کے قائل ہیں ان کی نظر میں قصر

کرنے والے حق پر نہیں ہیں؛ لہٰذا اگر وہ قصر کرنے والوں کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھ کر اپنی ما بقیہ نماز پوری کریں گے تو یہ اقتدا صحیح نہ ہوگی؛ کیوں کہ ان کی نظر میں امام نے ناقص فریضہ ادا کیا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی حنبلی امام جو مکہ کا باشندہ ہو، اگر وہ اپنے مسلک کے مطابق نُسُک کو موجب قصر سمجھتے ہوئے مسجد خیف میں چار رکعت والی نماز دو رکعت پڑھائے تو کسی حنفی مقتدی کے لئے اس کی اقتدا جائز نہیں ہے؛ کیوں کہ امام نے مقتدی کے خیال میں ناقص فریضہ ادا کیا ہے، اسی طرح کی بات مسئولہ صورت میں بھی کہی جائے گی؛ لہٰذا جس گروپ میں اتمام وقصر میں اختلاف کرنے والے موجود ہوں تو بہتر شکل یہ ہے کہ امام ایسے شخص کو بنایا جائے جو اتمام کا قائل ہو اور قصر کے قائلین بھی اس کی اقتدا میں نماز پڑھیں تو ان کی نماز یقیناً ادا ہو جائے گی۔ اور اگر اس پر اتفاق نہ ہو سکے تو پھر جو لوگ جس رائے کو حق سمجھتے ہوں اسی کے مطابق الگ الگ جماعت بنا کر نماز پڑھتے رہیں اور باہم نزاع نہ کریں۔ (مستفاد: آپ کے مسائل اور ان کا حل محقق و مدلل ۳۵۶-۳۵۳/۵)

ثم إن كان الإمام مقيما أتم الصلاة وأتم معه المسافرون أيضا، أي وكذا المقيمون ...... والحاصل أن الإمام إن كان مقيما فلا يجوز القصر للمسافرين والمقيمين، وإن كان مسافرا فلا يجوز القصر للمقيمين ولا يجوز للمقيم أي ولو كان إماما أن يقصر الصلاة أي لإختصاص القصر بالمسافر إجماعا وإنما الخلاف في كون الجمع للنسک والسفر ولا للمسافر أن يقتدى به أي بالمقيم إن قصر أي لعدم صحة صلاته بالقصر. (مناسك ملا علي القاري ۱۹٤– ۱۹٥، غنية الناسك ۱۹٥ سهارنفور)

فالحق ماعليه الجمهور أن القصر بمنى وعرفات كان للسفر لا لكونه من مناسک الحج. (إعلاء السنن ۱۰/٤۱۱ كراچي، كتاب المسائل ۲۸۳/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا مکہ کی آبادی کے منیٰ تک متصل ہوجانے کی وجہ سے منیٰ مکہ کا ایک علاقہ بن جائے گا؟

سوال (۱۷۸):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مکہ، منی، مزدلفہ اور عرفات الگ الگ مقامات تو ہیں؛ لیکن کیا مکہ کی آبادی بڑھ کر منی سے اتصال ہوجانے کی وجہ سے کیا منی مکہ کا ایک علاقہ شمار ہوگا؟ اس بارے میں آپ حضرات کا کیا موقف ہے؟ مدلل ومفصل جواب مرحمت فرمائے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: منیٰ، مزدلفہ اور عرفات کی شرعی حدود توقیفی ہیں؛ لہٰذا ان مشاعر کی حدود میں تبدیلی یا ترمیم کسی طرح ممکن نہیں ہے؛ البتہ آبادی کے اتصال کی وجہ سے صرف قصر واتمام کے مسئلہ میں ان مشاعر مقدسہ کو مکہ معظّمہ شہر کے تابع شمار کیا گیا ہے۔ اور ہم نے موجودہ صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے اسی کو صحیح سمجھا ہے کہ اتصال کی وجہ سے منی ومزدلفہ مکہ مکرمہ کا ایک جزو بن چکے ہیں۔

اور اس بارے میں چار باتیں پیش نظر رہنی چاہئیں:

(۱) منی ومزدلفہ کے مکہ مکرمہ سے متصل ہونے کے بارے میں معتبر علماء ومفتیان کرام نے مشاہدہ کیا ہے۔

(۲) عرب کے بڑے بڑے علماء اس وقت منی ومزدلفہ کی موجودہ حیثیت کے پیش نظر منی ومزدلفہ کو مکہ مکرمہ کے محلے اور جزو کے درجہ میں تسلیم کرتے ہیں۔

(۳) حکومت سعودیہ نے منی کو مکہ مکرمہ کا محلّہ اور جزو تسلیم کرلیا ہے۔ اور حکمِ حاکم رافع اختلاف ہوتا ہے۔

(۴) اور جب کسی جگہ قصر واتمام کے بارے میں اشتباہ واختلاف ہوجائے تو اتمام پر عمل کرنے کو فقہاء نے احوط کہا ہے، مذکورہ وجوہات کی بنا پر ہمارے نزدیک راجح یہی ہے کہ جن حجاج

کا قیام بشمول ایام منی مکہ مکرمہ میں ۱۵؍ دن کا طے ہو، انہیں سب جگہ اتمام کرنا چاہئے ۔ (انوار مناسک ۶۸۰-۴۵۶، کتاب المسائل ۲۸۰/۳)

والتعريف أحسن من التحديد لأنه لا يوجد ذلک في كل مصر، وإنما هو بحسب كبر المصر وصغره، بيانه ان التقدير بغلوة أو ميل لا يصح في مثل مصر. (شامي ۷/۳ زكريا، منحة الخالق ۱٤٠/۲)

إن كان بينه وبين المصر أقل من قدر غلوة ولم يكن بينهما مزرعة يعتبر مجاوزة الفناء أيضا. (البحر الرائق ۱۲۸/۲ زكريا، بزازية ۷۱/٤)

وأما الفناء وهو المكان المعد لمصالح البلد كربض الدواب ودفن الموتى والقاء التراب. (شامي ۵۹۹/۲-٦٠٠ زكريا)

المسافر إذا خرج من المصر وبقرب المصر قرية إن كانت القرية متصلة لا يقصر الصلاة؛ لأنها من جملة المصر. (الفتاوىٰ الولوالجية ۱۳۱/۱، الفتاوى السراجية ۷۷/۱، فتح القدير ۱۳۹/۲)

من جاوز بيوت مصره وهو ما حول المدينة من بيوت ومساكن، وكذا يشترط مجاوزة القرية المتصلة بالربض هو الصحيح. (سكب الأنهر مع مجمع الأنهر ۱۳۸/۱، خانية على الفتاوىٰ الهندية ۱٦٥/۱)

فلا بد من الإقامة بمصر وبالإقامة فينا أي في محل هو داخل في حد الإقامة بها أي بالمصر وهو المكان الذي من فارقه بنية السفر يصير مسافرا من وصل إليه يصير مقيما في الأصح ...... كربض المصر وفنائه الذي لم ينفصل عنه بغلوة. (حاشية الطحطاوي ٥٠٤)

إذن الحاكم ببناء الجامع في الرستاق إذن بالجمعة إتفاقا على ما قاله السرخسي وإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه. وفي الشامي: لأن هذا

مجتهد فيه، فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه. (درمختار مع الشامي ٦/٣ زكريا)

فكما أن النزاع يرتفع بالتعامل السابق؛ فإنه يرتفع أيضا بتقنين من قبل الحكومة، وقوله ثم إن حكم الحاكم رافع للخلاف في الأمور المجتهد فيها.

(تكملة فتح الملهم ٦٣٦/١)

إذا قضى القاضي برأي نفسه في حادثة اختلف فيه الفقهاء نفذ على الكل وثبت صحته في حق من يخالفه. (كشف الأسرار ٢٦/٤)

تعريف الفناء: وهو ما أعد لحوائج أهل المصر. (عناية ٥١/٢ زكريا)

والقريتان المتدانيتان المتصل بناء إحداهما بالأخرى أو التي يرتفق أهل إحداهما بالأخرى فيهما كالقرية الواحدة. (الموسوعة الفقهية ٢٧٩/٢، المغني لابن قدامة ٥٠/٢، الفقه الإسلامي وأدلته ٢٩٦/٢)

لأنه اجتمع في هذه الصلاة ما يوجب الأربع وما يمنع، فرجحنا ما يوجب الأربع احتياطا. (البحر الرائق ١٢٩/٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

موجودہ دور میں منیٰ اور مزدلفہ میں نماز کا حکم

سوال (۱۵۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس وقت جنابِ والا کی توجہ آپ کے مضمون ''مسائل منیٰ'' جو ندائے شاہی فروری ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا تھا، کی طرف دلانا چاہتا ہوں، اس مضمون میں آپ نے مشاعر مقدس میں سفر واقامت اور نمازوں میں قصر واتمام کا مسئلہ کافی تفصیل سے تحریر فرمایا تھا، آپ نے واضح دلائل اور شواہد سے یہ واضح فرمادیا تھا کہ جو شخص حج سے قبل مکہ معظمہ آئے، اور اس کا ارادہ بشمول ایام حج پندرہ روز قیام کا ہو تو وہ مقیم شمار ہوگا۔

لیکن ماہنامہ مظاہر علوم اکتوبر ۲۰۱۱ء میں کا مناسک حج پر ایک مضمون پڑھ کر بڑی الجھن میں پھنس گیا؛ کیوں کہ اس مضمون میں فاضل مضمون نگار نے فرمایا کہ حاجی منیٰ روانگی سے پندرہ روز پہلے مکہ مکرمہ پہنچے اور منیٰ روانگی تک وہیں قیام کی نیت ہوتو وہ شرعی مقیم ہے۔ موصوف نے مزید فرمایا کہ علماء دیوبند بالخصوص دار العلوم دیوبند اور مظاہر علوم سہارنپور کے موجودہ اربابِ افتاء کا یہی موقف ہے۔ بندہ ناچیز کی نظر میں مدرسہ شاہی مرادآباد اور یہاں کے انتہائی لائق وفائق اساتذۂ کرام بھی مسلک دیوبند کی واقعۃً نمائندگی اور پرزور ترویج کرتے ہیں، اس لئے فتویٰ میں یہ اختلاف بہت ہی شاق گذرا۔ مظاہر علوم کے مضمون میں جو باتیں زور دے کر کہی گئی ہیں، وہ یہ ہیں:

(۱) منی خالی میدان ہے اور میدان کا آبادی سے اتصال نہیں ہوتا۔

(۲) منی شعائر میں سے ہے، اس میں کوئی تبدیلی ممکن نہیں ہے۔

آنجناب سے گذارش ہے کہ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: فقہی عبارات اور مشاہدہ کی روشنی میں ہماری حتمی رائے یہی ہے کہ منیٰ اور مزدلفہ موجودہ دور میں مکہ معظّمہ کے توابع اور ملحق علاقوں میں شامل ہو چکے ہیں، اور کسی بھی شہری علاقہ کے حدود کی تعیین میں یا تو اس علاقہ کے عرف کا اعتبار ہوتا ہے یا حکومت کی صراحت کا اعتبار رہوتا ہے، اور موجودہ زمانہ میں اہل مکہ کے عرف اور سعودی حکومت کے اس واضح اعلان کے بعد کہ منیٰ مکہ معظّمہ کا ایک محلّہ ہے، اب کسی کے لئے اس سے انکار کی گنجائش نہیں، اس بارے میں تفصیلی مضمون ندائے شاہی فروری ۲۰۱۱ء میں چھپا تھا، جس میں سعودی وزیر داخلہ اور علماء اعیان کی آراء پیش کی گئی تھیں، بعد میں یہی مضمون کتاب المسائل ۳/۲۷۶-۲۸۰ میں شائع ہوا ہے۔

بریں بنا اب جو شخص حج کو جائے گا اس کے لئے قصر واتمام کے مسئلہ میں مکہ اور منیٰ ومزدلفہ ایک ہی جگہ کے درجہ میں ہوں گے، اور مجموعی قیام کا اعتبار کیا جائے گا، اس بارے میں اصولی عبارت یہ ہے:

وإن كـان إحـداهـمـا تبـعـاً للاٰخـر حتـى تجب الجمعة على سكانه يصير مقيماً. (الفتاویٰ الهندية ١/ ١٤٠، بدائع الصنائع ١/ ١٧٠ زكريا)

اور مظاہر علوم کے مضمون میں منیٰ اور مکہ کے الگ الگ مقام ہونے کے جو دلائل دئے گئے ہیں، ان سے ہمیں اتفاق نہیں؛ کیوں کہ:

الف: - اس مضمون میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ میدان کا آبادی سے اتصال نہیں ہوتا، حالاں کہ یہ دعویٰ صحیح نہیں، خود فتاویٰ شامی میں ہے کہ بڑے شہر کے ملحق فناء میں گھڑ دوڑی کے میدان، فوج ٹھہرنے کا علاقہ، اور چاند ماری کا علاقہ سب شامل ہوں گے، حالاں کہ یہ کئی کئی میل کا خالی رقبہ ہوسکتا ہے، پھر بھی اسے توابع مصر میں مانا گیا ہے، اور منیٰ یقیناً ایسے ہی علاقہ میں داخل ہے؛ کیوں کہ اس علاقہ میں اب سال بھر چہل پہل رہتی ہے، اور اس کے میدان پارکنگ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ عبارت ملاحظہ فرمایئے:

فالقول بالتحديد بمسافة يخالف التعريف المتفق علىٰ ما صدق عليه بأنه المعد لمصالح المصر قد نص الأئمة على أن الفناء ما أعد لدفن الموتىٰ وحوائج المصر كركض الخيل والدواب وجمع العساكر والخروج للرمي وغير ذٰلك، وإلـى مـوضـع يـحد بمسافة يسع عساكر مصر ويصلح ميداناً للخيل والفرسان ورمـي الـنبـل والبندوق البارود وافتاء المدافع وهٰذا يزيد على فراسخ، فظهر أن التحديد بحسب الأمصار. (شامي ٣/ ٩ زكريا)

أقـول: ويـنبـغـي تـقـييد ما في الخانية والتاترخانية بما إذا لم يكن في فناء الـمـصـر لـما مرّ أنها تصح إقامتها في الفناء ولو منفصلاً بمزارع فإذا صحت في الـفـنـاء؛ لأنـه مـلـحـق بـالمصر يجب على ما كان فيه أن يصليها؛ لأنه ممن أهل المصر كما يعلم من تعليل البرهان. (شامي ٣/ ٢٦ زكريا)

اور مضمون میں جو حدیث پیش کی گئی ہے، اس کا اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں؛ کیوں کہ

حدیث کا مقصد یہ ہے کہ منیٰ میں ذاتی رہائش گاہ نہ بنائی جائے، عارضی تعمیر یا مکہ کے تابع ہونے کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسی طرح شامی کی عبارت: "**بخلاف البساتین**" سے وہ باغات اور کھیت مراد ہیں کہ جن کو اس مقصد کے لئے مقرر نہیں کیا گیا؛ بلکہ عارضی طور پر وہاں فوج آ کر ٹھہر گئی اور جو میدان کسی خاص مقصد کے لئے خالی چھوڑا گیا ہو وہ یقیناً فناء میں داخل ہے، جب کہ وہ متصل ہو چکا ہو۔

ب:- مذکورہ مضمون میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ منیٰ شعائر میں سے ہے اور اس کے کسی حکم میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، خواہ وہ ضمنی حکم ہی کیوں نہ ہو، اور اس کی تائید میں مسعیٰ کی موجودہ کیفیت کو دلیل کے طور پر پیش کیا گیا ہے، حالاں کہ یہ دلیل منیٰ اور مزدلفہ کے توابع مکہ ہونے کی مؤید ہے؛ اس لئے کہ بالا تفاق مسجد حرام میں پڑھی جانے والی جماعت کی نماز کی جو صفیں مسعیٰ کی حدود کے اندر تک پہنچ جائیں، ان صفوں کو متصل ہی کہا جائے گا، اور حدودِ مسعیٰ میں پڑھنے والے نمازیوں کو جماعت کا ثواب ملے گا، اور اتصالِ صفوف کی وجہ سے مسعیٰ اور مسجد حرام کو مقام واحد کا درجہ دیا جائے گا، اور یہ کہا جائے گا کہ جو لوگ حدودِ مسعیٰ میں کھڑے ہیں، ان کا حدودِ مسجد میں کھڑے ہونے والے نمازیوں سے کوئی تعلق نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ مسعیٰ کے مسجد سے الگ ہونے کے باوجود کوئی ضمنی حکم اس پر مرتب ہوسکتا ہے، بعینہٖ یہی معاملہ منیٰ کے بارے میں ہے کہ منیٰ کی حدود توقیفی ہیں، ان میں تبدیلی کا کسی کو اختیار نہیں، ہاں جب اتصالِ آبادی ہوگا، تو قصر واتمام کا حکم بدلے گا، تو یہ عجیب بات ہے کہ جو دلیل منیٰ کو تابع ماننے کی مؤید تھی، فاضل مضمون نگار نے زورِ بیان میں اس کا رخ ہی بدل ڈالا، اگر فاضل مضمون نگار کی بات مان لی جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتصالِ صفوف کے باوجود مسعیٰ میں نماز پڑھنے والے نمازیوں کی صفیں منقطع مانی جائیں، حالاں کہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

ان سب تفصیلات کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ضرور ملحوظ رکھنی چاہئے کہ خود صاحب مضمون اس بات کا اقرار فرما رہے ہیں کہ یہ مسئلہ اختلافی ہوگیا ہے، اب اس اختلافی مسئلہ کی بنیاد پر منیٰ میں

قصر واتمام میں شک تو ضرور پیدا ہوگیا اور جہاں قصر واتمام میں شک ہوجائے تو اصول یہ ہے کہ اِتمام احوط ہے؛ تاکہ یقینی طور پر فریضہ ادا ہوسکے۔ الاشباہ والنظائر میں ہے:

ولو شک في الصلاۃ مقیم أو مسافر صلی أربعاً. (الأشباہ والنظائر ۱۲۲/۱)

اس واضح اصول کے باوجود اس مسئلہ میں بے جا سختی روا نہیں ہے، اور احوط یہی ہے کہ مجموعی قیام کا اعتبار کرتے ہوئے قصر واتمام کا مسئلہ بتایا جائے۔ (مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب المسائل ۲۷۶/۳-۲۸۰، انوار مناسک ۴۵۴-۴۶۳، انوار رحمت ۷۱-۸۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳۳/۶/۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مزدلفہ سے متعلق مسائل

مزدلفہ کی ایک دعا کا صحیح مطلب

سوال (۱۷۹): -کیا فرماتے ہیں علماءِ دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حجۃ الوداع کے موقع کی دعا جو مزدلفہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ یا اللہ! آپ کے خزانوں میں کمی نہیں، مظلوم کو اپنے خزانہ سے بدلہ دے دیجئے، اور ظالم کو معاف فرما کر جنت میں پہنچا دیجئے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی قبول فرما لیا، یہ دعا بھی مانگی کہ کوئی دشمن ایسا نہ ہو کہ سو فیصد ان کو ختم کر دے یہ بھی قبول ہوگئی، پھر دعا مانگی کہ یہ آپس میں نہ لڑیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ان کی بداعمالیوں کی کوئی سزا بھی تو ہو، دوسری جگہ حدیث آتی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے امتی کو اللہ تعالیٰ نافرمانیوں کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت دیں گے، اس حدیث کو سامنے رکھ کر یہ بتایا جائے کہ جب سبھی نافرمان وظالم جنت میں جائیں گے ہی، تو گویا سبھی مسلمان جنتی ہیں اور جنتیوں سے لڑنا بھڑنا نہیں چاہئے، اب اگر وہ ظلم کریں تو کیا ہمیں بدلہ لینا ہے یا زمین غصب کرے تو کرنے دینا ہے، یا ان پر مقدمہ کرنا ان سے باتیں بند کر دینا یا ان کو مار پیٹ کروانا جائز ہے؟ اور اگر دنیا میں ان کی سزا نہ ہوئی اور وہ مر گئے تو کیا انہیں کافر سمجھنا ہے؛ کیوں کہ ان کے مظالم کا بدلہ دنیا میں انہیں نہیں ملا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: احادیثِ شریفہ کے ایسے معنی متعین کئے جاتے ہیں جو دیگر احادیث اور نصوص سے متعارض نہ ہوں، اسی بات کو سامنے رکھ کر آپ کی ذکر کردہ حدیث

مزدلفہ کا مطلب علماء نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اس میں معافی کی بات یا تو اس سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج میں شریک ہونے والوں کے ساتھ خاص ہے، یا اس شخص کے لئے ہے جس کے ذمہ کسی دوسرے بندہ کا حق نہ ہو، اور وہ تادم حیات نافرمانیوں سے اجتناب کرتا رہا ہو۔

وظاهر الحديث عموم المغفرة وشمولها حق اللّٰه تعالیٰ وحق العباد إلا أنه قابل للتقييد من كان معه صلى اللّٰه عليه وسلم في تلك السنة أو بمن يقبل حجه بأن لم يرفث ولم يفسق. (مرقاة المفاتيح ۲۴۱/۱۲)

اور دوسری حدیث کہ: ''مؤمن کو نافرمانی کی سزا دنیا میں دے کر آخرت میں جنت ملتی ہے''، اس کو بھی عام نہیں کہا جاسکتا؛ کیوں کہ دیگر احادیث سے ثابت ہے کہ حقوق میں کوتاہی پر آخرت میں سخت سزا ملے گی؛ اس لئے اس حدیث کو حقوق اللہ کے ساتھ خاص مانا جائے گا، اور حقوق العباد بغیر صاحب حق کے معافی کے معاف نہیں ہوں گے؛ لہٰذا کسی صاحب حق کا اپنے حق کا مطالبہ کرنا حدیث کے کسی طرح خلاف نہیں ہے، اور یہ بات بھی غلط اور بلا دلیل ہے کہ جسے دنیا میں سزا نہ ملے وہ کافر سمجھا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

غلطی سے وقوف مزدلفہ حدود سے پہلے کرلیا؟

سوال (۱۸۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم لوگ پچھلی مرتبہ عرفات سے لوٹتے وقت مزدلفہ میں داخل ہونے سے پہلے ہی بس سے اتر گئے تھے، چناں چہ رات کو قیام کے بعد جب وہاں سے چلے تو مزدلفہ کا بورڈ نظر آنے پر معلوم ہوا کہ رات کو مزدلفہ میں داخل ہی نہیں ہوئے، چنانچہ نماز جمع بین الصلوٰتین کا وجوب باقی رہ گیا جو مزدلفہ میں ہونا چاہئے تھا؛ اس لئے دم لازم آنا چاہئے۔ اب سوال یہ ہے کہ ایسے حالات میں اس بار حج کے موقعہ پر پچھلا دم کس طرح ادا ہو؟ کیا وہ اب بھی ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: مسئولہ صورت میں مزدلفہ میں مغرب اور عشاء نہ پڑھنے کی بنا پر ترکِ سنت کا ارتکاب ہوا؛ تاہم اس کی وجہ سے کوئی دم واجب نہیں ہے؛ البتہ دسویں تاریخ کو صبح صادق سے سورج نکلنے کے درمیان مزدلفہ میں وقوف یا اس سے گذرنا واجب ہے، اب آپ یہ دیکھ لیں کہ اس وقت کے اندر اندر آپ مزدلفہ سے گذرے یا نہیں، اگر مزدلفہ کی حدود سے گذرے ہوں تو دم واجب نہیں، اور اگر نہ گذرے ہوں تو دم ضروری ہے اور اس کی شکل یہ ہے کہ حدود حرم میں اسی نیت سے جانور ذبح کر دیا جائے، حدود حرم سے باہر ذبح کافی نہیں۔ (فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲۲۲)

عن جابر رضي اللّٰه عنه في حديث طويل باب صفة حجة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ...... فيه: حتى أتى المزدلفة، فصلى بها المغرب والعشاء بأذان واحد وأقامتين، ولم يسبح بينهما شيئا، ثم اضطجع رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم حتى طلع الفجر، وصلى الفجر حين تبين له الصبح بأذان وأقامة. (صحيح مسلم، الحج / باب حجة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ۱/۳۹۸ رقم: ۱۲۱۸، سنن أبي داؤد، المناسك / باب صفة حجة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ۱/۲٦٤ رقم: ۱۹۰۵)

ثم وقف بمزدلفة ووقته من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس مارا كما في عرفة (در مختار) هٰذا الوقوف واجب عندنا لا سنة، والبيوتة بمزدلفة سنة مؤكدة إلى الفجر لا واجبة، وقدر الواجب منه ساعة ولو لطيفة، وقدر السنة امتداد الوقوف إلى الإسفار جدا. (الدر المختار مع الرد المحتار للشامي ۳/۵۲۹ زكريا، كذا فى المناسك لملا علي القاري / باب أحكام المزدلفة ۲۱۹، إدارة القرآن كراچى)

عن أسامة بن زيد رضي اللّٰه عنه أنه قال ردفت رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم من عرفات فلما بلغ رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم الشعب الأيسر الذى دون المزدلفة، أناخ فبال ثم جاء فصببت عليه الوضوء وضوءاً خفيفا، فقلت

الصلاة يا رسول اللّٰہ! قال: الصلاة أمامک، فرکب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم حتی أتی المزدلفة، فصلی، ثم ردف الفضل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم غداة جمع. (صحیح البخاري ۱/۲۲٦ رقم: ۱٦٦۹، صحیح مسلم ۱/۱٥٤ رقم: ۱۲۸۰)

عن عروة بن مضرس بن أوس بن حارثة بن لأم الطائي رضي اللّٰہ عنه قال: أتیت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم بالمزدلفة حین خرج إلی الصلاة فقلت یا رسول اللّٰہ! إني جئت من جبلی طئ أکللت راحلتي وأتبعت نفسي، واللّٰہ ما ترکت من جبل إلا وقف علیه فهل لي من حج؟ فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم من شهد صلا تنا هٰذه ووقف معنا حتی یدفع وقد وقف بعرفة قبل ذٰلک لیلا أو نهارا فقد تم حجه وقضی تفثه. (سنن الترمذي ۱/۱۷۹ رقم: ۸۹۲، سنن أبي داؤد ۱/۲٦۰ رقم: ۱۹٥۰، سنن النسائي ۲/۳۸ رقم: ۳۰۳٦)

حتی لو صلی الصلا تین أو إحدهما قبل الوصول إلی مزدلفة أو بعد التجاوز عنها إلی منی لم یجزه عند أبي حنیفة ومحمدؒ وعلیه إعادته بهما إذا وصل أو رجع قبل أن یطلع الفجر، ولو لم یعده حتی طلع الفجر عاد إلی الجواز وسقط القضاء وتقرر المأثم لترکه واجب التاخیر. (غنیة الناسک ۱٦۳، ومثله في البحر الرائق ۲/٥۹۷، درمختار ۳/٥۲٦ زکریا، مناسک ملا علي القاري ۲۱۷)

ولو مربها في وقته من غیر أن یمکث فیها جاز. (غنیة الناسک/ ۱٦۷ کراچی)

ولو ترک الوقوف بها فدفع لیلاً فعلیه دم. (غنیة الناسک/ ۱٦٦، الدر المختار ۳/٥۸٦ زکریا، بدائع الصنائع ۲/۳۲۲، مناسک ملا علي القاري ۲۱۹)

ولا یجوز ذبح الهدایا إلا في الحرم. (هدایه، باب الهدي ۱/ ۳۰۱) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۸/٦/ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذورین کے لئے وقوف مزدلفہ کا ترک جائز ہے

سوال(۱۸۱):-کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: چونکہ احناف کے نزدیک وقوف مزدلفہ واجب ہے جو کہ فجر کے بعد کرنا ہوتا ہے؛ اسلئے فقہ حنفی پر عمل کرنے والے حضرات بہت پریشان ہوجاتے ہیں، اور آج کل یہ پریشانی بہت عام ہوچکی ہے کہ عورتیں بچے بوڑھے اور بیمار لوگ صبح صادق کے بعد وقوف سے فارغ ہوکر جو بس کا انتظار کرتے ہیں وہ نہ پوچھیں اور پھر ہجوم الگ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ بیچارے بوڑھے اور معذور لوگ اتنے پریشان ہوتے ہیں کہ منی پہنچتے پہنچتے وہ بے حال ہوجاتے ہیں، یہاں تک دیکھنے میں آیا کہ بعض لوگ صبح کو منی سے روانہ ہوتے ہیں اور دوپہر میں اور بعض لوگ شام اور رات میں پہونچتے ہیں، جبکہ ان کو ایک اور بڑا مرحلہ یعنی جمرۂ عقبی کی رمی بھی کرنی ہے۔

مذکورہ بالا پریشانیوں کے پیش نظر کیا معذورین کو اس بات کی اجازت دی جاسکتی ہے کہ وہ مغرب اور عشاء مزدلفہ میں پڑھنے کے بعد منی جاسکتے ہیں اور وقوف مزدلفہ کے ترک کرنے پر کوئی دم لازم نہیں ہوگا، جبکہ کئی احادیث سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان کے کمزور لوگوں کو مزدلفہ کی رات ہی منی بھیج دیا کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں ان لوگوں کے ساتھ تھا کہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ کی رات کو اپنے خاندان کے کمزور لوگوں کے ساتھ منی روانہ کیا۔ (بخاری شریف ۱/۲۲۷)

اسی طرح سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ اور حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہما کو اجازت دے دی تھی کہ وہ مزدلفہ کی رات کو منی جاسکتی ہیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: وقوف مزدلفہ کے مسئلے میں پہلے سے ہی سہولت موجود ہے، عورتیں اور معذور لوگ اگر رات میں منی چلے آئیں تو ان پر کوئی دم واجب نہیں ہے؛ لیکن جو لوگ طاقت ور ہوں اور رک سکتے ہوں، تو ان کے لئے بہر حال دس تاریخ کی صبح صادق کے بعد

تک مزدلفہ میں رکنا ضروری ہے، ورنہ دم لازم ہوگا۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: استأذنت سودة النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ليلة جمع، وكانت ثقيلة ثبطة فأذن لها. (صحيح البخاري ۱/۲۲۷-۲۲۸ رقم: ۱۶۷۸)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال للعباس ليلة المزدلفة: إذهب لضعفائنا ونسائنا ليصلوا الصبح بمنىٰ. (شرح معاني الآثار للطحاوي ۲/۱۲۹ رقم: ۳۸۸۹ بيروت)

ثم وقف بمزدلفة، ووقته من طلوع الفجر إلى طلوع الشمس، مارًّا كما في عرفة، لكن لو تركه بعذر كزحمة بمزدلفة لاشيء عليه. (درمختار ۳/ ۵۲۹ زكريا)

ولأن ترك الوقوف بمزدلفة جائز لعذر على مانبين، ولو كان فرضا لما جاز تركه أصلا كسائر الفرائض، فدل أنه ليس بفرض بل هو واجب، إلا أنه قد يسقط وجوبه لعذر من ضعف أو مرض أو حيض أو نحو ذلك، حتى لو تعجل ولميقف لا شيء عليه. (بدائع الصنائع ۲/۳۲۱ زكريا، البحر الرائق ۲/ ۶۰۰، غنية الناسك ۱۶۶، الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۳۲۰ زكريا)

وهذا الوقوف من الواجبات عندنا وليس بركن حتى لو تركه، أصلا يلزمه الدم ولكن يجزيه الحج. (الفتاوىٰ التاتارخانية ۳/ ۵۲۰ زكريا)

الوقوف لمزدلفة واجب عندنا لا سنة (قوله) فلو ترك الوقوف بها فدفع ليلا فعليه دم إلا إذا كان لعذر. (غنية الناسك ۱۶۶) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معمر اور کمزور آدمی کا بھیڑ کی وجہ سے وقوفِ مزدلفہ کو ترک کرنا؟

سوال (۱۸۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگلی بار حج میں ہم تین حاجی ہم رکاب تھے، جن میں ایک میری اہلیہ بھی تھی، ہم تینوں معمر تھے، یعنی ساٹھ سال کی عمر سے متجاوز تھے، اور تینوں بیمار بھی تھے، چلنے میں دشواری بھی تھی، اس پر مستزاد یہ کہ میدان عرفات سے لوٹتے ہوئے بس والے نے ہم کو راستہ میں ایک جگہ بس سے اتار دیا، اور کہا یہ مزدلفہ ہے، جب کہ وہ جگہ مزدلفہ سے کافی دور تھی، ناچارا فتاں وخیزاں کئی میل پیدل چل کر ہم مزدلفہ میں پہنچے اور دیر رات کو کسی طرح مغرب وعشاء پڑھی، پانی بھی دستیاب نہیں تھا بڑی مشکل سے پانی تلاش وجستجو سے حاصل ہوا، اور لوگوں کا بڑا ہجوم تھا قضائے حاجت کی جگہ بھی نہ تھی، اگر وہاں قیام کرتے تو پیشاب پاخانہ کی دشواری سامنے تھی، اس لئے یہ طے کیا کہ بڑھاپا بیماری اور عورت کے ساتھ ہونے کی وجہ سے رات میں ہی روانگی کی جائے، چنانچہ قریب سے ہی بس میں سوار ہو کر منی کے لئے روانہ ہو گئے، اگر وہاں رکتے تو فجر کی نماز ادا کرنا ممکن نہیں تھا، اس لئے کہ چاروں طرف لوگوں کے ہجوم کی وجہ سے قضاء حاجت کی جگہ نہ تھی، یہ بات خوب چل پھر کر دیکھ لی گئی تھی، لہٰذا ان اعذار کی وجہ سے رات میں ہی مزدلفہ سے روانہ ہو گئے، کیا ان اعذار کی وجہ سے وقوف مزدلفہ کا وجوب ساقط ہو سکتا ہے، اگر نہیں تو کیا کیا جائے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ تینوں حضرات معمر اور ضعیف تھے، نیز بھیڑ کی کثرت بھی موجب عذر تھی، اس لئے مسئولہ صورت میں وقوف مزدلفہ کے ترک کی وجہ سے کوئی دم لازم نہیں ہے۔

أو أطلق بعضهم وجوب الدم بترك واجب بعذر، أو بغير عذر كما في ارتكاب محظور إلا في النص به، وهو ترك الوقوف بمزدلفة لخوف الزحام، أو الضعف. (غنية الناسك ۱۲۸ قديم)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال للعباس ليلة المزدلفة: اذهب بضعفائنا ونسائنا فليصلوا الصبح بمنى وليرموا

جمرة العقبة قبل أن يصيبهم دفعة الناس. (شرح المعاني الآثار ۲/ ۲۹۱ رقم: ۳۸۸۹)

فإن كان به عذر أو خا الزحام فلا بأس بأن يتعجل بليل ولا شئ عليه.

(الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۵۲۰ زكريا)

إلا إذا كان لعلة أي مرض أو ضعف أي ضعف بينة من كبر أو صغر أو يكون أي الناسک امرأة تخاف الزحام فلا شيء عليه. (مناسك ملا علي القاري ۲۱۹ بيروت)

إلا إذا كان لعذر بأن يكون به ضعف أو علة ...... فلا شيء عليه. (غنية الناسك ۱٦٦، شامي ۳/ ۵۲۹ زكريا، بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۹/ ۸/ ۱۴۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

معذور لوگوں کے وقوف مزدلفہ ترک کرنے پر دم واجب نہ ہوگا

سوال (۱۸۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: معذور ومجبور عورتیں اور مرد وقوف مزدلفہ چھوڑ سکتے ہیں گنجائش ہے کوئی دم تو نہیں ہوگا؟ کیا ان عورتوں اور معذوروں کے ساتھ جو تندرست مرد ہیں وہ بھی اگر عورتوں کی نگرانی اور معذوروں کی دیکھ بھال کی وجہ سے یا ان کو منی میں کمروں اور خیموں میں چھوڑ کر آنے میں زبردست پریشانی ہو، تو کیا تندرست مردوں پر بھی وقوف مزدلفہ چھوڑنے کی وجہ سے دم نہیں ہوگا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو معذورین ہیں ان پر ترک وقوف مزدلفہ کی وجہ سے دم واجب نہیں؛ لیکن جو تندرست حضرات ان کے ساتھ جائیں گے ان پر دم واجب ہوگا؛ اس لئے کہ یہ عذر قدرتی نہیں ہے؛ بلکہ بندوں کی طرف سے ہے اور ایسا عذر مسقطِ دم نہیں ہے؛ لیکن معذورین کی خدمت گذاری کی بنا پر امید ہے کہ وہ گنہ گار نہ ہوں گے۔

وأما ترک الواجبات بعذر فلا شيء عليه ثم مرادهم بالعذر ما يكون من

اللّٰه تعالی، فلو کان من العباد فلیس بعذر. (غنیة الناسک ۲۳۹)

وقالت الأحناف: الواجب هو الحضور بالمزدلفة قبل فجر یوم النحر، فلو ترک الحضور لزمه دم، إلا إذا کان له عذر، فإنه لا یجب علیه الحضور، ولا شيء علیه حینئذ. (فقه السنة ۷۲۵/۱ دار الکتاب العربي بیروت)

قال مجاهد وقتادة والزهري: من لم یقف بها فقد ضیع نسکا، وعلیه دم.

(إعلاء السنن ۱۵۵/۱۰ دار الکتب العلمیة بیروت)

إلا إذا کان لعذر بأن یکون به ضعف أو علة ...... فلا شيء علیه. (غنیة الناسک ۱٦٦، شامي زکریا ۵۲۹/۳، الفتاویٰ التاتارخانیة ۳۲۰/۳ زکریا، مناسک ملا علي القاري ۲۱۹)

إلا إذا کان لعذر بأن یکون به ضعف أو علة ...... فلا شيء علیه. (غنیة الناسک ۱٦٦، شامي ۵۲۹/۳ زکریا، بدائع الصنائع ۳۲۲/۲ زکریا) *فقط واللہ تعالیٰ اعلم*

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۱۱/۱۴۲۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عرفات سے متعلق مسائل

حج اکبر کسے کہتے ہیں؟

سوال (۱۸۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج اکبر کسے کہتے ہیں؟ مطالعہ کے دوران بعض آثار حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اور اُمت کے تابعین سے مروی آثار واَقوال پر نظر پڑی کہ: ''**الحج الأكبر يوم النحر، الحج الأكبر يوم يهراق فيه دم، الحج الأكبر يوما، وافق فيه حج رسول الله صلى الله عليه وسلم، وصح أهل الملل.** (المصنف لابن أبي شيبة ٦٢٣/٨)

اِن آثار میں مختلف ایام پر حج اکبر کا اطلاق کیا گیا ہے۔

مفتی صاحب سے گذارش ہے کہ حج اکبر کسے کہتے ہیں؟ وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اس بارے میں اگرچہ متعدد اقوال ہیں؛ لیکن اکثر علماء ومفسرین کے نزدیک حج اکبر کا اطلاق حج کے پانچ دنوں میں سے ''یوم النحر''، یعنی ۱۰/ذی الحجہ پر ہوتا ہے۔قرآنِ کریم میں ہے:

﴿وَاَذَانٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْءٌ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ، فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَكُمْ، وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ، وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ [التوبة: ٣]

علامہ بن کثیرؒ ''یوم الحج الاکبر'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وهـو يـوم النحر الذي هو أفضل أيام المناسک وأظهرها وأكبرها جمعًا.

(تفسير ابن كثير مكمل ٥٩٦ دار السلام رياض)

عن الحارث عن علي رضي اللّٰه عنه قال: يوم الحج الأكبر يوم النحر.

عن عكرمة عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: الحج الأكبر يوم النحر.

عـن أبـي إسـحٰق قال: سئلت عبد اللّٰه بن شداد عن الحج الأكبر، فقال: الحج الأكبر يوم النحر.

عـن عبـد اللّٰه بن سنان قال: حدثنا المغيرة بن شعبة على بعير فقال: هٰذا يـوم الـنـحـر، وهٰـذا يوم الأضحىٰ، وهٰذا يوم الحج الأكبر. (المـصنف لابن أبي شيبة ٦٢٣/٨ المجلس العلمي)

اور جمعہ کے دن ''یوم عرفہ'' واقع ہونے کے بارے میں جو حج اکبر کی بات عوام میں مشہور ہے، اس کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملی۔ (مستفاد: فتاویٰ محمودیہ ۲۹۵/۱۰) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

یوم عرفہ کو جمعہ کا دن واقع ہونے کی فضیلت

سوال (۱۸۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے سنا ہے کہ اگر یوم عرفہ (۹/ذی الحجہ) جمعہ کے دن واقع ہو جائے تو اس دن وقوف عرفہ سے ستر حجوں کا ثواب ملتا ہے؟ اس کی کیا حقیقت ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بعض فقہی کتابوں میں یہ روایت منقول ہے کہ اگر یوم عرفہ جمعہ کے دن واقع ہو، تو سبھی حجاج کی مغفرت کا فیصلہ ہوتا ہے، اور اس حج کا ثواب ستر گنا بڑھ جاتا ہے؛ لیکن محدثین کے نزدیک یہ روایت سند کے اعتبار سے بے اصل اور باطل ہے۔

عن طلحة بن عبيد اللّٰه بن كريز أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم قال:

أفضل الأيام يوم عرفة وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجة في غير يوم الجمعة. أخرجه رزين في تجريد الصحاح.

قال المحشي: قال المناوي: هٰذا حديث باطل لا أصل له. (فيض القدير ۲/۳۸، البحر العميق ۲۲۳/۱ ۲ المكتبة المكية)

تاہم اگر یہ حدیث صحیح نہ ہو پھر بھی جمعہ کے دن یوم عرفہ کی فضیلت دیگر دنوں سے زیادہ ہوگی؛ اس لئے کہ جمعہ کا دن افضل ترین دن ہے، اوراس میں ایک ساعت ایسی ہوتی ہے جس میں دعا کی قبولیت یقینی ہے۔ نیز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حج میں بھی یوم عرفہ جمعہ کا دن واقع ہوا تھا۔ (مستفاد: البحر العمیق ۲۲۴/۱)

قوله: أفضل الأيام عند اللّٰه يوم الجمعة، قال المناوي: لما له من الفضائل التي لم تجتمع لغيره فمنها أن فيه ساعة محققة الإجابة، وموافقته يوم وقفت المصطفىٰ صلى اللّٰه عليه وسلم واجتماع الخلائق فيه في الأقطار للخطبة والصلاة؛ ولأنه يوم عيد، كما في الخبر لموافقته يوم الجمع الأكبر، والموقف الأعظم يوم القيامة ...... ولأن الطاعة الواقعة فيه أفضل منها في سائر الأيام ...... ولموافقته يوم المزيد في الجنة، وهو اليوم الذي يجتمع فيه أهلها على كُثبان المسک، فلهٰذه الوجوه فضلت وقفة الجمعة على غيرها؛ لكن ما استفاض أنها **تعدل اثنتين وسبعين حجة باطل لا أصل له، كما بينه بعض الحفاظ.** (فيض القدير ۳٦/۲ تحت رقم: ۱۲٤۲ دار الفكر بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۶/۳/۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ہوائی جہاز کے ذریعہ میدان عرفات کی فضا کو پار کرنے پر وقوفِ صحیح ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال (۱۸٦): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: کتاب ''زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک ۱۱۹'' کی یہ تحریر توجہ طلب ہے۔ ہوائی جہاز جس مقام کی فضا میں گزرے، اسی مقام کا حکم رکھتا ہے، اس لئے اگر بعد زوال یوم عرفہ کے فضائی عرفات پر گزرے تو محرم کا حج ہو جائے گا۔ (زبدۃ المناسک ۱۱۹)

لیکن ہوائی جہاز میں سوار ہو کر طواف کرنے سے طواف تو صحیح ہو جائے گا، بشرطیکہ ہوائی جہاز مسجد کی حدود میں داخل رہے؛ لیکن بلا عذر ایسا کرنے سے دم واجب ہوگا، جیسا کہ ہوائی جہاز کے علاوہ میں بھی بلا عذر سوار ہو کر طواف کرنے کا حکم ہے؛ لیکن ہوائی جہاز میں سوار ہو کر عرفات میں سے گزرنے سے وقوف عرفہ نہ ہوگا۔ چوں کہ طواف کی حقیقت دوران حول البیت (یعنی خانہ کے چاروں طرف گھومنا) ہے اور مکان طواف حول البیت (طواف کرنے کی جگہ خانہ کعبہ) ہے، اور گھر یعنی خانہ کعبہ سے متعلق یہ تصریح موجود ہے کہ زمین سے لے کر آسمان تک بیت اللہ ہے۔ یہ طواف خانہ کعبہ سے مرتفع ہو کر بھی جائز ہے، اس لئے ہوائی جہاز میں بشرائط مذکور طواف صحیح ہو جائے گا؛ لیکن وقوفِ عرفہ سے متعلق کہیں یہ تصریح نہیں ملی کہ زمین سے لے کر آسمان تک وقوفِ عرفہ ہے؛ بلکہ اکثر کتب میں وقوف کو زمین کے ساتھ مقید کیا ہے۔ (بحوالہ امداد الاحکام ۲/۲۰۰، البحر الرائق ۴/۳۳۹۔ عالمگیری ۱/۲۴۸، المکمل و مدلل مسائل حض وعمرہ ۲۳۷)

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات اگرچہ صحیح ہے کہ جس طرح خانہ کعبہ کے متعلق زمین سے آسمان تک بیت اللہ ہونے کی کتب فقہ میں تصریح ہے اس طرح کی بات عرفات وغیرہ کے بارے میں صراحتا منقول نہیں ہے؛ لیکن عرفہ کی فضا کو عرفات ہی کے درجہ میں رکھنے کے بارے میں بیت اللہ پر قیاس کرنے میں حرج نہیں ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مواقیت اور حدود حرم کے بارے میں فضائی حدود کا بھی وہی حکم ہے جو ارض حدود کا ہے۔ چنانچہ آج امت کا تعامل بھی اسی پر ہے۔

بریں بنا اس مسئلہ میں زبدۃ المناسک کی تحقیق راجح معلوم ہوتی ہے۔ بعد میں جب ''امداد

الاحکام'' سے مراجعت کی گئی، تو اس میں حضرت مولا ظفر احمد صاحبؒ کے مذکورہ فی السوال فتویٰ کے بعد حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی درج ذیل تحریر سامنے آئی، اس سے بھی ''زبدۃ المناسک'' کے مسئلہ کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت تحریر فرماتے ہیں: احقر اشرف علی **قیاسا علی کون هواء الكعبة في حكمها وكون هواء المسجد في حكمه** صحت کو راجح سمجھتا ہے؛ لیکن جزم نہیں۔ (امداد الاحکام ۲۰/۱)

اور جن فقہی عبارتوں میں ارضِ عرفات کی قید لگی ہوئی ہے، وہ اس شرط پر ہے کہ فقہاء کے زمانے میں اس کے بغیر وقوف عرفہ کا امکان ہی نہ تھا، اس لئے صاحبِ درمختار لکھتے ہیں:

في شرح اللباب، والظاهر أن هٰذا ركن لعدم تصور الوقوف بدونه الخ

(شامي ٣/ ٥٢٢ زكريا)

اور آج جب کہ فضائی طور پر وقوف کا امکان متحقق ہو چکا ہے؛ لہٰذا اَب صحت کی بات ہی راجح ہونی چاہئے۔

وكره الوطي فوق مسجد؛ لأن مسجد إلى عنان السماء. (مجمع الأنهر ١/ ١٩٠، شامي ٢/ ٤٢٨ زكريا)

القدر المفروض من الوقوف إلى قوله أوعلى الدابة أو محمولا مع الغفلة. (البحر العميق ٣/ ١٥١٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۹/۵/۱۴۳۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

''مسجد نمرہ'' میں جمع بین الصلوٰتین کرنا

سوال (۱۸۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کے مسئلہ سے متعلق مفتی صاحب نے تحریر فرمایا تھا کہ ''مسجد نمرہ'' میں امام صاحب اگر واقعۃً ریاض وغیرہ سے سفر کر کے آتے ہیں، تو حنفی حضرات کا ان کی

اقتداء میں دونوں نمازوں کوایک ساتھ پڑھنا درست ہوگا، مسئلہ یہ ہے کہ عام حاجی کواس بارے میں عموماً کچھ بھی پتہ نہیں ہوتا، اور جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ بھی سنی سنائی تک ہی محدود ہوتا ہے، معتبر خبر نہیں ہوتی۔ مجھ تک حنفی علماء کا زبانی قول پہنچا ہے کہ مسجد نمرہ میں ظہر عصر کی نماز جمع کرکے امام کے ساتھ ادا کریں اور اگر اپنے خیموں میں نماز ادا کریں تو ظہر کی ظہر کے وقت اور عصر کی نماز عصر کے وقت ادا کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰه التوفيق: ہمارے علم کے مطابق آج کل ''مسجد نمرہ'' میں نماز پڑھانے کے لئے سعودی عرب کے مفتی اعظم شیخ عبدالعزیز آل شیخ ریاض سے تشریف لاتے ہیں؛ لہٰذا مسجد نمرہ میں ان کی اقتداء میں ظہر وعصر کی نماز جمع کرکے پڑھنا بالاتفاق جائز ہے؛ البتہ جو حضرات ''مسجد نمرہ'' میں نہ جاسکیں اور اپنے خیموں میں مقیم ہوں، تو حنفیہ کے راجح قول کے اعتبار سے ان کو ظہر کی نماز اپنے وقت میں اور عصر کی نماز اپنے وقت میں ادا کرنی چاہئے، جمع نہیں کرنی چاہئے۔ (مستفاد: کتاب المسائل ۲۹۶/۳، انوار مناسک ۴۲۲)

أخرج مسلم وأبو داؤد وابن ماجة حديث جابر الطويل – واللفظ للأول ففيه ثم أذن، ثم أقام فصلى الظهر، ثم أقام فصلى العصر، ولم يصل بينهما شيئا، ثم ركب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم، حتى أتى الموقف الخ. (صحيح مسلم ۳۹۷/۱ رقم: ۱۲۱۸، سنن أبي داؤد ۲۶۳/۱ رقم: ۱۹۰۵، سنن ابن ماجة ۲۲۲/۲ رقم: ۳۰۷٤)

والحاصل أن مكان الجمع هو المسجد وما في معناه اتفاقاً، فإن كان المسجد في عرفة فهو في عرفة وما قرب منها لأنه في حكمها فجملة الشروط ستة ...... ولو فقد شرط منها يصلي كل صلاة في الخيمة على حدة في وقتها بجماعة أو غيرها. (غنية الناسك ۱۵۳)

وشرط لصحة هذا الجمع الإمام الأعظم أو نائبه وإلا صلوا وحدانا.

(درمختار مع الشامي ۳/ ۵۲۰ زكريا)

فالحاصل أن عند أبي حنيفة شرط جواز الجمع بين صلاة الظهر والعصر في وقت الظهر يوم عرفة إحرام الحج، والإمام الأكبر والجماعة، وعندهما إحرام الحج لا غير، وفي المنافع: واعلم أن من شرط الجمع: الوقت والمكان والإحرام والإمام والجماعة عن أبي حنيفة. (الفتاویٰ التاتارخانية ۳/ ۵۰۷ زكريا، الفتاویٰ الهندية ۱/ ۲۲۸)

من صلى الظهر في رحله أي في منزل وحده صلى العصر في وقته عند أبي حنيفة. (عنايه على الهداية ۲/ ۳۷۱ کوئٹه) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۶/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہل خیمہ کے لئے عرفات میں جمع بین الصلوٰتین کا حکم؟

سوال (۱۸۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اہلِ خیمہ کے لئے عرفات میں جمع بین الصلوٰتین مشروع ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق چوں کہ عرفات کے میدان میں خیموں میں ٹھہرنے والے حجاج سرکاری امام کے پیچھے نماز نہیں پڑھ پاتے (جو جمع بین الصلوٰتین کی منجملہ شرطوں میں سے ایک ہے) لہٰذا وہ خیمہ میں رہتے ہوئے ظہر کی نماز ظہر کے وقت میں اور عصر کی نماز عصر کے وقت میں پڑھیں گے۔

عن جابر رضي اللّٰه عنه في حديث طويل وركب رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم إلى منىٰ ...... حتى إذا أتى عرفة ...... أذن ثم أقام فصلى الظهر ثم أقام فصلى العصر ولم يصل بينهما شيئا. (صحيح مسلم رقم: ۱۲۱۸، سنن أبي داؤد رقم: ۱۹۰۵)

قال العلامة العثماني تحته: قال محمد: أخبرنا أبو حنيفة عن حماد عن

إبـراهيـم قـال: إذا صـليت يوم عرفة في رحلک فصل كل واحدة من الصلاتين لوقتها وترتحل من منزلک حتى تفرغ من الصلاة، قال محمد: وبهٰذا كان يأخذ أبـو حـنيـفة ...... وكـذٰلک بـلغنا عن عائشـة أم المؤمنين وعبد اللّٰه بن عمرو عن عطاء بن أبي رباح وعن مجاهد. (الموطأ لإمام محمد ٥٢، إعلاء السنن ١٠/ ١٢١)

عـن هـمام أن نافعا حدثه أن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما كان إذا لم يدرک الإمام يوم عرفة جمع بين الظهر والعصر في منزله . (ذكره البخاري تعليقا، كتاب الحج / باب الجمع بين الصلاتين بعرفة)

وبهـذا قـال الـجـمهور: وخالفهم في ذٰلک النخعي والثورى وأبو حنيفة فـقـالوا: يختص الجمع بمن صلى مع الإمام وخالف أبا حنيفة في ذٰلک صاحباه والـطـحـاوي و مـن أقوىٰ الأدلة لهم – أي الجمهور – صنيع ابن عمر هٰذا، قاله الـحـافـظ في الفتح (٣/ ٤١٠) ولأبـي حـنيـفة أن الـمـحـافظة على الوقت فرض بـالـنـصـوص فـلا يـجـوز تركه إلا فيما ورد به الشرع وهو الجمع بالجماعة مع الإمام. (هداية ١/ ٣٧١، إعلاء السنن ١٠/ ١٢١-١٢٢ بيروت)

ولـو فـقـد شـرط مـنهـا يـصـلي كل صلاة في الخيمة على حدة في وقتها بجماعة أو غيرها. (غـنية الناسك ١٥٣، ومثله في الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٥٠٧ زكريا، درمختار مع الشامي ٣/ ٥٢١ زكريا، الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٢٨)

وفـي مـنسک ابن العجمي: المراد بالإمام الإمام الأعظم، أما إمام الرفقة فلا يجوز الجمع معه عند أبي حنيفةؒ. (البحر العميق ٣/ ١٤٨٨)

وفـي الـزيـادات: والـصحيح قول أبي حنيفةؒ. (البـحـر الـعميق ٣/ ١٤٨٣، هداية ٢-١٩٤-١٩٥ مكتبة البشرىٰ كراچى)

ائمہ ثلاثہ اور حنفیہ میں سے حضراتِ صاحبینؒ (امام ابویوسف اور امام محمدؒ) کے نزدیک چوں کہ عرفات میں جمع بین الصلاتین کے جواز کے لئے امام الحج کی امامت شرط نہیں ہے؛ لہٰذا ان

کے نزدیک خیمہ میں مقیم حجاج کے لئے بھی جمع بین الصلاتین مطلقاً مسنون ہے۔ بریں بنا اگر کوئی شخص خیمہ میں جمع بین الصلاتین کرنے لگے، تو اس سے تعرض کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے؛ البتہ احتیاط امام صاحبؒ کے قول پر عمل کرنے میں ہے۔

وعندهما لا يشترط بشيء من الشروط الثلاثة إلا الإحرام بالحج في العصر فقط، وبه قالت الثلاثة. (غنية الناسك ١٥٢، الفتاویٰ التاتارخانية ٥٠٧/٣، درمختار ٥٢١/٣ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۵/۵/۱۴۳۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عرفات میں خیموں کے اندر ظہر وعصر پڑھنے والوں کے لئے سنن ونوافل کا حکم؟

سوال (۱۸۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی حاجی عرفہ کے دن عرفات میں ظہر کی نماز باجماعت اپنے کیمپ میں پڑھے، پھر عصر کے وقت عصر کی نماز باجماعت اپنے کیمپ میں پڑھے تو ایسے حاجی مقیم ہو یا مسافر، ایسے لوگوں کا نماز ظہر کی سنتوں کے بعد نوافل نماز کا پڑھنا کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عرفات کے میدان میں خیمہ میں اگر ظہر کے وقت کی نماز اپنے وقت میں اور عصر کی نماز اپنے وقت میں پڑھی جائے تو ظہر کے بعد سنن ونوافل پڑھنے کی کوئی ممانعت احقر کی نظر سے نہیں گذری؛ بلکہ بعض کتابوں میں اس کے جواز کی صراحت موجود ہے؛ کیوں کہ یہ وقت نفل کے لئے مکروہ نہیں ہے؛ البتہ اگر جمع بین الصلوٰتین کرتے ہوئے ظہر کے ساتھ عصر بھی پڑھ لی جائے تو اب نفل پڑھنا مکروہ ہوگا؛ کیوں کہ عصر کے بعد نوافل پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

ويكره التنفل بعد أداء العصر في وقت الظهر وكان الأولى أن يقول: ولو في وقت الظهر؛ لأنه صلاه في وقته المشروع له، وقد كره شارع الصلاة بعده مطلقا، فلهذا لو أخر فرض العصر عن وقته لا يكره التنفل في وقته، فعلة الكراهة ليست وصول وقت العصر بل كون الوقت بعد حصول العصر. (مناسك ملا علي القاري ١٩٦، غنية الناسك ١٩٥ سهارنفور) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۵/۵/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اہلِ جدہ عرفات جاتے ہوئے نماز میں قصر کریں گے یا اتمام؟

سوال (۱۹۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جدہ کی آبادی ''حی الامیر فواز'' کے نزدیک واقع پولیس چوکی سے آگے ڈھائی کلومیٹر تک پھیل چکی ہے، جدہ کی آبادی ختم ہونے کے بعد سے منیٰ کے راستہ عرفات تک کی مسافت ۸۱ر کلومیٹر اور ۶۰۰ رمیٹر بنتی ہے؛ لیکن اگر ''کدیٰ'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے عرفات کا سفر کیا جائے، تو یہ مسافت صرف ۷۳ر کلومیٹر بنتی ہے، مکہ مکرمہ کی آبادی کا منیٰ کے راستہ عرفات سے اتصال تو بالکل مفقود ہے؛ البتہ دوسرے راستہ یعنی عوالی سے **''جمعية الأطفال المعوقعين''** تک آبادی کا تسلسل ہے، پھر ۳ر کلومیٹر ۴۰۰ رمیٹر کا علاقہ غیر آباد ہے، اس کے بعد **''جامعة أم القریٰ''** کی وسیع عمارت شروع ہوجاتی ہے، جس کے فوراً بعد ہی حدودِ عرفات کی ابتداء ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال میں اہل جدہ جب بقصد حج عرفات کو منزل سمجھ کر سفر کرتے ہیں، تو ان لوگوں کی وہاں شرعاً کیا حیثیت ہوگی؟ رہنمائی کی درخواست ہے اور علت ووجہ کی تنقیح بھی فرمادیں؛ تاکہ جدہ میں رہنے والے طلبہ اور دینی مسائل سے متعلق ومرتبط حضرات کے لئے لوگوں کو سمجھانا آسان ہوجائے کہ اہل جدہ قصر کریں، تو کس بناپر یا اقامت کو اختیار کریں، تو کس وجہ سے؟ اہل جدہ سال گذشتہ کافی پریشان رہے، لوگ دو حصوں میں تقسیم

ہوگئے، کسی نے اقامت کو ترجیح دی تو کسی نے سفر کو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر اہل جدہ کا ''کدی'' اور ''عوالی'' کے راستہ سے سیدھے عرفات جانے کا ارادہ ہو تو حسب تحریر سوال چوں کہ ۷۳ر کلومیٹر مسافت ہوتی ہے، اس لئے بلا شبہ اہل جدہ اس راستہ سے عرفات جانے کی صورت میں قصر نہیں کریں گے، اور اگر منیٰ کے راستہ سے عرفات جاتے ہیں اور یہ مسافت حسب تحریر سوال ۸۱ر کلومیٹر ۶۰۰ ر میٹر بنتی ہے، تو بھی محتاط اور محقق قول کے مطابق مسافت شرعی نہ ہونے کی وجہ سے ان کے لئے قصر جائز نہ ہوگا؛ اس لئے کہ محتاط قول کے اعتبار سے مسافت سفر ۸۲ر کلومیٹر ۲۹۶ ر میٹر بنتی ہے۔ (تفصیل دیکھئے: احسن الفتاویٰ ۴ر۹۱، ایضاح المسائل ۷۰، کتاب المسائل ۱ر۵۱۲)

بریں بنا مسئولہ صورت میں بہرصورت اہل جدہ کو سفر حج میں اتمام ہی کرنا چاہئے، یہی احوط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۰ر۱ر۱۴۳۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قربانی کے مسائل

حج قران اور تمتع میں بطور شکرانہ قربانی واجب ہے؟

سوال (۱۹۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج قران، تمتع اور حج افراد میں سے کون حج میں حاجی پر قربانی واجب ہوتی ہے؟ اور یہ قربانی کس وجہ سے واجب ہوتی ہے؟ آیا یہ مالی قربانی ہے یا بطور شکرانہ کے؟ اور شکرانہ کس چیز کا ہے؟ نیز اگر کوئی حاجی قران یا تمتع کرنے والا قربانی کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اس کے لئے شریعت کا کیا حکم ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورت مسئولہ کا جواب یہ ہے کہ حج کی قسموں میں سے صرف حج قران اور حج تمتع میں بطور شکرانہ قربانی واجب ہوتی ہے اور یہ شکرانہ اس بات پر ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی سفر میں حج اور عمرہ کی دونوں عبادتوں کو انجام دینے کی توفیق دی ہے اور حج افراد میں قربانی واجب نہیں۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رمی جمرة العقبة ثم انصرف إلی البدن فنحرها ...... الخ. (صحیح مسلم ۱/ ۴۲۱ رقم: ۱۳۰۵، سنن أبي داؤد ۱/ ۲۷۲ رقم: ۱۹۸۱)

أخرج البخاري حدیثا طویلا عن ابن عباس طرفه ...... فإذا فرغنا من المناسک جئنا فطفنا بالبیت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا و علینا الهدي کما قال اللّٰه عز وجل فما استیسر من الهدي الآیة. (صحیح البخاري ۱/ ۲۱۳ رقم: ۱۵۷۲)

وعلی المتمع دم إذا وجد ذٰلک، قال تعالی: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ﴾ [البقرة: ۱۹٦]

لأن وجوبه علی المتمتع لأجل شکر النِّعمة حیثُ وفّقَ لأداء النُّسکین والقارن یشارکه فیها. (تبیین الحقائق ۳۳۵/۲ زکریا)

ویجب الدم علی المتمتع شکراً لما أنعم اللّٰه تعالی علیه بتیسیر الجمع بین العبادتین. (الفتاوی الهندیة ۲۳۹/۱ زکریا)

والذبح له أفضل ویجب علی القارن والمتمتع. (شامی ۵۳٤/۲ زکریا)

البتہ جو قارن اور متمتع قربانی کی استطاعت نہ رکھے، یعنی اس کے پاس سفر کے اخراجات کے علاوہ اتنا مال نہ ہو کہ وہ قربانی کا جانور خرید سکے تو اس کے لئے شریعت نے یہ رخصت دی ہے کہ وہ قربانی کے بجائے دس روزے رکھے، جن میں سے کم از کم تین روزے یوم النحر سے پہلے پہلے رکھنے ضروری ہیں اور ما بقیہ روزے اس کے بعد رکھ سکتا ہے، پس اگر شخص نے یوم النحر سے قبل تین روزے نہ رکھ سکے تو اب اس کے لئے قربانی کے علاوہ کوئی متبادل نہ ہوگا۔

قال اللّٰه تعالی: ﴿فَاِذَا اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَی الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ، فَمَنْ لَمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلَاثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ، وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ، تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَةٌ، ذٰلِکَ لِمَنْ لَمْ یَکُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ﴾ [البقرة: ۱۹٦]

وإن کان معسراً لایجد ثمن الهدی فإنه یصوم ثلاثة أیام فی الحج ...... ثم یصوم سبعة أیام بعد ما مضت أیام التشریق عندنا. (الفتاوی الهندیة ۲۳۹/۱ زکریا)

فإن لم یصم إلی یوم النّحر تعیّن الدم إن لم یصم الیثلاثة في الحج وجب علیه الدّم ولایجوز أن یصوم الثلاثة والسبعة بعدها. (الفتاوی الهندیة ۲۳۹/۱ زکریا، تبیین الحقائق ۳۳٦/۲، شامي ۵۳٤/۲ کراچی)

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۳٦/۳/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا متمتع یا قارن پر مالی قربانی بھی واجب ہے؟

سوال (۱۹۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا متمتع یا قارن حاجی پر تمتع اور قران کی قربانی (دم شکر) کے ساتھ ساتھ مالی قربانی - جو عید الاضحیٰ میں صاحب حیثیت صاحب نصاب شخص پر واجب ہوتی ہے - بھی واجب ہوگی یا نہیں؟ اگر حاجی کے پاس کرایہ اور حج کے دیگر اخراجات کاٹ کر اتنی رقم بچ جائے کہ اس سے وہ بآسانی عید الاضحیٰ والی مالی قربانی کرسکتا ہے پھر وہ قربانی نہ کرسکا اور ایام نحر گذر گئے تو ایسے شخص کے بارے میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ نیز مالی قربانی کا بھی حدود حرم ہی میں کرانا ضروری ہے یا حاجی کے گھر والے بھی اس کے وطن میں کرسکتے ہیں؟ اور حاجی ان سے کرا سکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص ایام حج میں مقیم ہو اور صاحب حیثیت بھی ہو، اس پر حج کی قربانی (بشرطیکہ تمتع یا قران کیا ہو) کے ساتھ ساتھ مالی قربانی کرنا بھی واجب ہے، اور یہ مالی قربانی وہ اپنے وطن میں بھی کرا سکتا ہے، حدود حرم میں کرانا لازم نہیں، پھر اگر اس نے مالی قربانی چھوڑ دی ہے تو قربانی کا وقت گذرنے کے بعد اس پر ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنی لازم ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم رمی جمرة العقبة ثم انصرف إلی البدن فنحرها ...... الخ. (صحیح مسلم ۱/ ۴۲۱ رقم: ۱۳۰۵، سنن أبي داؤد ۱/ ۲۷۲ رقم: ۱۹۸۱)

أخرج عبد الرزاق عن ابراهیم قال: رخص للحاج والمسافر في أن لا یضحی وقال أیضا کانوا إذا شهدوا ضحوا و إذا سافروا لم یضحوا. (مصنف عبد الرزاق ۴/ ۳۸۲ رقم: ۸۱۴۲-۸۱۴۴)

وأنها تجري فیها النیابة فیجوز للإنسان أن یضحی بنفسه أو بغیره؛ لأنها قربة تتعلق بالمال فتجري فیها النیابة. (الفتاویٰ الهندیة ۵/ ۲۹۴)

فلا تجب على حاج مسافر، فأما أهل مكة فتلزمهم وإن حجوا. (شامي ٩/ ٤٥٧ زكريا)

وأما الأضحية، فإن كان مسافراً فلا تجب عليه وإلا فكالمالكي فتجب عليه. (غنية ٩٢ قديم، شامي ٣/ ٥٣٤ زكريا، تكملة: البحر الرائق ٨/ ١٧٣)

ولو لم يضح حتى مضت أيام النحر فقد فاته الذبح ...... إن كان من لم يضح غنيا ولم يوجب على نفسه شاة بعينها تصدق بقيمة شاة اشترى أو لم يشتر كذا في العتابية. (الفتاویٰ الهندية ٥/ ٢٩٦)

ولو تركت التضحية و مضت أيامها حية ناذر ...... و تصدق بقيمتها غني، شراها أولا. (الدر المختار / الأضحية ٩/ ٤٦٣، بدائع الصنائع ٤/ ٢٠٢ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۳/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

میاں بیوی دونوں کا حج تمتع میں صرف ایک قربانی کرنا

سوال (۱۹۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اور اس کی اہلیہ دونوں نے حج تمتع کا باندھا تھا؛ لیکن جس طرح گھر پر رہتے ہوئے ہر سال عید الاضحیٰ کے موقع پر صرف گھر کے ذمہ دار کی طرف سے صرف ایک قربانی کرتے تھے وہی طریقہ دوران حج بھی اختیار کیا کہ دونوں نے صرف ایک قربانی مقام منی میں کی، حج کے بعد معلوم ہوا کہ آپ کا حج ناقص رہا اور آپ پر دم لازم ہوا اب چونکہ حج کے ایام بھی گذر چکے ہیں، اور گھر واپسی ہوچکی ہے اب کیا کریں؟ اگر دم لازم ہے، تو اس کی مقدار کیا ہے اور کن ایام میں ادا کیا جائے؟ اور کیا حدود حرم میں پہنچ کر ہی ادا کرنا ضروری ہے؟ نیز ایک حاجی پر اگر کئی بار ایک سے زیادہ سہو ہوجائے اور دم لازم آجائے، تو کیا ہر سہو پر الگ الگ دم ادا کرنا ہوگا یا سب کی طرف سے ایک دم کی ادائے گی کافی سمجھی جائے گی؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر آپ نے یہ سمجھ کر قربانی کی ہے کہ جیسے اور حجاج قربانی کررہے ہیں میں بھی اسی طرح کررہا ہوں، تو یہ قربانی حج تمتع کی طرف سے مانی جاسکتی ہے؛ لیکن اگر حج کی قربانی کا کوئی خیال ہی نہ تھا؛ بلکہ صرف مالی قربانی ہی کا قصد تھا، جیسا کہ سوال کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے، تو صورت مسئولہ میں آپ پر اور آپ کی اہلیہ پر دم تمتع کے ساتھ دو دم جنایت بھی لازم ہیں، اور یہ سب دم حدود حرم میں ہی ذبح کرنے ضروری ہیں، گویا ہر ایک پر تین دم لازم ہوں گے: (۱) دم تمتع (۲) دم تمتع کو ۱۲ر ذی الحجہ سے مؤخر کرنے کا دم جنایت (۳) قربانی سے پہلے حلق یا قصر کی جنایت کا دم اور چوں کہ احرام سے نکلنے کی نیت سے حلق کرایا ہے؛ اس لئے مزید کسی جنایت پر دم نہ ہوگا۔ (مستفاد: انوار مناسک ر۵۰۷)

قال تعالیٰ: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ [البقرة: ١٩٦]

عن إبراهيم عن علقمة: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ﴾ فإن عجل فحلق قبل أن يبلغ الهدي محله فعليه فدية من صيام أو صدقة أو نسک، قال إبراهيم: فذكرته لسعيد بن جبير: فقال: هذا قول ابن عباس وعقد بيده ثلاثين و روى عن ابراهيم النخعي مثل ذٰلک. (تفسیر ابن أبي حاتم ١/٣٣٧ الشاملة)

أما قوله تعالى: ولا تحلقوا الخ ففيه مسائل: المسألة الأولىٰ: في الاٰية حذف؛ لأن الرجل لا يتحلل ببلوغ الهدي محله بل لا يحصل التحلل إلا بالنحر فتقدير الآية: حتى يبلغ الهدي محله وينحر فإذا نحر فاحلقوا. (تفسير الرازي ٣٠٥/٥ الشاملة)

عن مولى لابن عباس قال: تمتعت أن أنحر، وأخرت هديي حتى مضت الأيام، فسألت ابن عباس؟ فقال: اهد هديا لهديک، وهديا لما أخرت. (المصنف لابن أبى شيبة ٤/٨-٣٠٧ رقم: ١٥٧٠٩)

أخرج البخاري حديثا طويلا عن ابن عباس طرفه ...... فإذا فرغنا من

المناسک جئنا فطفنا بالبيت وبالصفا والمروة فقد تم حجنا و علينا الهدي كما قال اللّٰه عز وجل فما استيسر من الهدي الآية. (صحيح البخاري ۲۱۳/۱ رقم: ۱۵۷۲)

وعلى المتمع دم إذا وجد ذٰلک، قال تعالى: ﴿فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ [البقرة: ۱۹٦]

سئل رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: أدناه شاة و إنه دم شكر.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٦۲٦/۳)

إذا حلق القارن قبل الذبح و أخر إراقة الدم عن أيام النحر ينبغي أن يجب عليه ثلاثة دماء دم بحلقه قبل الذبح و دم لتاخير الذبح عن أيام النحر ودم القران والتمتع ولو حلق قبل الرمي والباقي بحالها و جب دم رابع قبل الرمي. (غنية الناسك ۲۸۰ إدارة القرآن کراچی)

فعليه دم وكذٰلک القارن والمتمتع إذا أخرا الذبح حتى مضت أيام النحر. (الفتاویٰ التاتارخانية ۵۸٦/۳ زکریا)

ولا يجوز ذبح هدي التطوع والمتعة والقران إلا في يوم النحر ...... أما دم دم المتعة والقران فلقوله تعالىٰ: ﴿فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوْا الْبَائِسَ الْفَقِيْرَ﴾ ويجوز ذبح بقية الهدايا في أى وقت شاء ...... ولا يجوز ذبح الهدايا إلا في الحرم لقوله تعالىٰ: بالغا الكعبة" ولأن الهدي اسم لما يهدى إلى مكان و مكانه الحرم قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: منى كلها منحر و فجاج مكة كلها منحر". (هداية / باب الهدي ۲ /۸٤- ۳۸۵ مکتبه البشریٰ کراچی)

والحديث أخرجه الإمام أبو داؤد في سننه. (سنن أبي داؤد/ باب الصلاة بجمع رقم: ۱۹۳۷، سنن ابن ماجة رقم: ۳۰٤۸) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۷/۱۰/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حاجی کی طرف سے اہل خانہ کا قربانی کرنا؟

سوال (۱۹۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص حج کرنے کو گیا ہے اور وہاں جا کر اس کو قربانی بھی کرنی ہے، اور اس شخص کے گھر پر بھی قربانی ہوتی ہے، اگر قربانی اسی کے گھر پر ہو جائے اور حج کے دوران وہ شخص قربانی وہاں نہ کرے تو اس کا حج جائز ہوگا یا کہ نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: تمتع اور قران کرنے والے پر جو قربانی بطور شکر واجب ہوتی ہے، اس کو حدودِ حرم میں کرنا لازم ہے، حدودِ حرم کے باہر اپنے گھر پر قربانی کرنے سے حج والی قربانی ادا نہ ہوگی، البتہ جو حاجی ایام حج میں مقیم اور مال دار ہو اس کے لئے اپنی مالی قربانی کہیں بھی کرنا جائز ہے، خواہ حدودِ حرم میں ہو یا اپنے گھر پر اس قربانی کا حج کی قربانی سے کوئی تعلق نہیں۔

عن جابر رضي اللّٰه قال: ثم قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: قد نحرت هٰهنا ومنى كلها فنحر. (سنن أبی داؤد / باب صفة حجة النبي صلى الله عليه وسلم رقم: ۱۹۰۷)

وخص ذبح الكل بالحرم. (كنز الدقائق مع البحر ۱۲۸/۳ زكريا)

ويختص بالمكان وهو الحرم والزمان وهو أيام النحر. (شامي / باب القران أفضل ۵۵۷/۳ زكريا)

هدي القارن والمتمتع هو واجب شكرا على اطلاق الارتفاق بالعمرة في وقت الحج فإنه أرفق وعلى توفيقه لأداء النسكين في أشهر الحج بسفر واحد ...... ويختص ذبحه بالمكان وهو الحرام ...... وبالزمان وهو أيام النحر حتى لو ذبح قبلها لم يجزه بالإجماع. (غنية الناسك / باب القران ۲۰۶-۲۰۷ إدارة القرآن كراچی)

وأما الأضحية فإن كان مسافراً فلا يجب عليه، وإلا فكالمكی فتجب.

(غنية الناسك ۱۷۲ إدارة القرآن كراچی)

عـند أبی حنیفة محل الهدي في الإحصار الحرم لقوله تعالیٰ: ﴿ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ﴾ [الحج: ۳۲]

واحتـجـوا مـن السـنة بـحـديث ناحية بن جندب صاحب النبي صلى الله عـليـه وسلم: ابعث معي الهدي فانحره بالحرم قال فكيف تصنع به قال: أخرجه في الأودية لا يقدرون عليه فانطلق به حتى أنحره في الحرم. (الجامع لأحكام القرآن ۱ جزء: ۲/ ۳۵۳ المكتبة التجارية) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۶/۱۴۲۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حلق کرانے اور وطن واپس لوٹنے کے بعد معلوم ہوا کہ تمتع کی قربانی نہیں ہوسکی؟

سوال (۱۹۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہم نے قربانی کے پیسے مکہ میں رہنے والے ایک عزیز کو دے دیئے تھے، اس نے دس تاریخ کو قربانی کرنے کا وعدہ کرلیا تھا، سفر حج سے واپسی پر معتبر ذرائع سے معلوم ہوا کہ اس شخص نے قربانی نہیں کی وہ ہر سال حاجیوں سے ایسے ہی قربانی کے نام سے پیسہ لے لیتا ہے، حاجی یہ سوچ کر کہ ہمارے علاقہ کا رہنے والا ہے ہماری خیر خواہی میں ہمارا یہ تعاون کر رہا ہے پیسہ دے کر مطمئن ہوجاتا ہے، پھر وہ شخص کسی بھی حاجی کے ذریعہ وہ سب پیسہ اپنے گھر بچوں کو بھیج دیتا ہے، اب واپسی پر یہ تحقیق ہوئی آئندہ کے لئے ایک دوسرے کو بتلانا بھی شروع کردیا ہے کہ فلاں شخص کو کوئی قربانی کے پیسے نہ دے، مگر جن حاجیوں کی قربانی نہیں ہوئی وہ کیا کریں، کیا دم تو لازم نہیں آیا اور قربانی دوبارہ کریں کیا کریں؟ وہ حاجی بہت پریشان ہیں امید ہے جلد ہی جواب مرحمت فرما کر ارسال فرمادیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جن حاجیوں کی قربانیاں نہیں ہوسکی

ہیں ان کو حدود حرم کے اندر اپنی قربانی کرانا لازم ہے، اور چوں کہ وقت مقررہ یعنی ایام نحر میں قربانی نہیں ہوئی، اس لئے بطور جنایت مزید ایک ایک قربانی لازم ہوگی۔

قال اللّٰه تعالیٰ: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْىُ مَحِلَّهٗ﴾

قال ابن جرير الطبراني: فإن كان أحرم بالحج فمحله يوم النحر ...... وإن هو رجع لم يزل محرما حتى ينحر عنه يوم النحر، فإن هو بلغه أن صاحبه لم ينحر عنه عاد محرما وبعث بهدي آخر، فواعد صاحبه يوم النحر عنه بمكة ويحل.

(تفسير الطبراني ٣/٦٧-٣٦٦)

قال أبو حنيفة وأصحابه: إذا حل المحصر قبل أن ينحر هدية فعليه دم ويعود حراما كما كان حتى ينحر هدية. (الجامع لأحكام القرآن ج ١ جزء: ٣٥٣/١ المكتبة التجارية)

وفي الحديث الطويل أخرج البخاري ومسلم بأسانيدهم فيه ثم لم يتحلل من شيء حرم منه حتى قضى حجه، ونحر هديه يوم النحر وأفاض وطاف بالبيت، ثم حل من كل شيء حرم منه. (صحيح البخاري رقم: ١٦٩١، صحيح مسلم رقم: ١٢٢٧، كذا إعلاء السنن ٣٣٦/١ رقم: ٢٨٧٦)

وكذٰلک لو بعث الهدي وواعدهم أن يذبحوا عنه في الحرم في يوم بعينه ثم حل من إحرام على ظن أنهم ذبحوا عنه فيه، ثم تبين أنهم لم يذبحوا فإنه يكون محرما. (بدائع الصنائع / حكم الإحصار ٣٩٩/٢ زكريا)

ويختص ذبحه بالمكان وهو الحرم، وبالزمان وهو أيام النحر حتى لو ذبح قبلها لم يجز بالإجماع ولو ذبح بعدها أجزأه بالإجماع، ولكن كان تاركا للواجب عند الإمام يجب بين الرمي والحلق ولا آخر له في حق السقوط. (غنية قديم ١٢٨)

ولو أخر القارن والمتمتع الذبح عن أيام النحر فعليه دم. (غنية ١٤٩)

إذا عجز القارن والمتمتع عن الهدي أو الصوم بأن كان شيخاً فانيا بقي علی ذمته ولا یجزئه الفدیة عن الصوم. (غنية جديد ۰ ۲۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۲/۱/۱۴۳۱ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قارن اور متمتع کیلئے رمی قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے؟

سوال (۱۹۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دسویں تاریخ کے مناسک میں احناف کے نزدیک ترتیب واجب ہے، آج کل حجاج کو جو دشواریاں لاحق ہوتی ہیں تقریبا سب اہل علم ان سے واقف ہیں، میں ذیل میں چند دشواریاں عرض کرتا ہوں۔

(۱) قربانی بہرحال رمی کے بعد کرنی ہوتی ہے لوگ اپنی قربانیوں کا مختلف طریقہ سے بندوبست کرتے ہیں، کچھ ذمہ دار لوگوں کو پیسے دیدیتے ہیں کہ وہ ان کی طرف سے قربانی کرلیں، کچھ لوگ بینک میں پیسے جمع کروا دیتے ہیں اور کچھ لوگ جو گروپ کے ساتھ جاتے ہیں وہ اپنے گروپ لیڈر کو پیسے دے دیتے ہیں، گوکہ ہر ایک اپنا وقت دے دیتا ہے کہ ہم آپ کی طرف سے اتنے بجے قربانی کریں گے، پھر اس کے باوجود اکثر یہ ہوتا ہے کہ رمی کرنے میں لوگوں سے تاخیر ہوتی جاتی ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ لوگ جب رمی کرنے جاتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ حادثہ کی وجہ سے اموات ہورہی ہیں تو یہ لوگ رک جاتے ہیں کہ بعد میں کریں گے ادھر معلوم ہوا کہ ان کی قربانی ہوچکی ہے، تو یہ بے چارے کیا کریں؟ ایک اور دم کا حکم لگانا کیا ان کے لئے پریشانی کا سبب نہیں ہوگا خاص کر جب آدمی مسافر ہوتا ہے تو ضرورت کے لحاظ سے اپنے پاس پیسہ رکھتا ہے؟

(۲) اسی طرح حلق کا مسئلہ ہوتا ہے، حجاج کو جو وقت دیا جاتا ہے کہ آپ اتنے بجے حلق کرلیں وہ لوگ تو احتیاطا کئی گھنٹہ کے بعد حلق کرتے ہیں، اس کے باوجود کئی دفعہ معلوم ہوا کہ ان کی قربانی آج نہیں ہوسکی اگلے دن ہوگی، جب کہ ان بے چاروں نے وقت مقررہ کے کئی گھنٹوں کے

بعد حلق کیا ہے، نیز یہ بھی دیکھنے میں آیا کہ رمی کے بعد لوگ بجائے یکسوئی حاصل کرنے کے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں کہ کیا ہماری قربانی ہوگئی، بعض دفعہ رات کے دس گیارہ بج جاتے ہیں اور قربانی کرنے والے حضرت کا کچھ پتہ نہیں ہوتا، جب وہ آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ٹریفک کی وجہ سے دیر ہوگئی موبائل کی بیٹری ختم ہوگئی تھی، اس لئے آپ لوگوں کو فون نہ کر سکا اور جب لوگوں کے نام پڑھتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ میاں کا ہوگیا بیوی کا نہیں ہوا یا بیوی کا ہوگیا میاں کا نہیں ہوا، ان تمام وجوہات کی وجہ سے حجاج بڑے پریشان رہتے ہیں، تنگ آکر کتنے حنفی حجاج بینک میں پیسہ جمع کردیتے ہیں، جب کہ بینک والوں کا حال یہ ہے کہ وہ تقریباً سب ہی کو دسویں تاریخ کی صبح دس گیارہ بجے کا وقت دیدیتے ہیں، ایک دفعہ میں نے ان لوگوں سے پوچھا کہ لاکھوں آدمیوں کی قربانی ایک ہی وقت میں آپ کیسے کرلیتے ہیں، تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ جیسے ہی پرچی کٹاتے ہیں آپ کی قربانی ہوجاتی ہے، یہ پرچہ آپ کی نیابت کرتا ہے، اب چاہے آپ کی قربانی تین دن کے بعد ہی کیوں نہ ہو آپ حلق وقصر کرکے احرام کھول سکتے ہیں، چناں چہ کتنے لوگوں کو دیکھا کہ رمی کرکے بینک سے پرچہ کٹواتے ہیں اور بینک والے کہتے ہیں کہ آدھا گھنٹہ کے بعد آپ حلق وقصر کرکے احرام کھول لیں اور لوگ اس پر عمل کرتے ہیں؟

مذکورہ بالا مسائل اور پریشانیوں کو سامنے رکھتے ہوئے آپ حضرات سے گذارش ہے کہ اس مسئلہ میں دوسرے ائمہ اور خاص کر صاحبینؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے کس قدر توسع کی گنجائش ہے، اگر کسی وجہ سے ترتیب قائم نہ رکھ سکے تو کیا دم ساقط ہونے کا فتویٰ دیا جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق حج میں قارن اور متمتع کے لئے رمی، قربانی اور حلق میں ترتیب واجب ہے، جس کے ترک پر دم واجب ہوجاتا ہے، بے شک موجودہ دور میں حکومت سعودیہ کے قربانی کے نظام کی وجہ سے اس ترتیب کا برقرار رکھنا مشکل ہوگیا ہے؛ لیکن یہ ایسا ناممکن العمل نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے سرے سے حکم ترتیب ہی کو کالعدم کردیا

جائے، واقعہ یہ ہے کہ مختلف قسم کی پابندیوں کے باوجود اب بھی ایسی صورتیں موجود ہیں جن کو اپنا کر باہمت اور واقف کار لوگ، اعمالِ حج میں ترتیب برقرار رکھ سکتے ہیں مثلاً:

(۱) ہمارے علم میں حدودِ حرم میں کم از کم چار مقامات ایسے ہیں جہاں حجاج خود جا کر اپنے ہاتھ سے قربانی کر سکتے ہیں۔

الف:- منیٰ اور مزدلفہ سے متصل ''المعیصیم'' (نامی قربان گاہ) جو بہت بڑے رقبہ میں پھیلی ہوئی ہے یہاں ہجوم زیادہ رہتا ہے۔

ب:- اسی جگہ سے ٹیکسیاں ملتی ہیں، جو مویشیوں کی بڑی منڈی (سوق المواشی) تک لے جاتی ہیں، وہاں جا کر آسانی سے قربانی کی جاسکتی ہے۔

ج:- اسی طرح مکہ معظمہ کے محلّہ ''شرائع'' میں بھی ایک بڑی قربان گاہ ہے، وہاں جانور خرید کر اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے۔

د:- نیز مکہ مکرمہ میں محلّہ ''مسفلہ'' سے آگے چل کر خالقہ نامی ایک بڑی منڈی ہے، اس میں بھی جانوروں کی فروختگی اور قربانی کا نظم ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ رمی کرنے کے بعد باہمت طاقت ور اور دیانت دار افراد ان جگہوں پر جا کر اپنی طرف سے اور اپنے ساتھیوں کی طرف سے قربانی کریں اور اس کے بعد حلق کرائیں؛ تاکہ ترتیب برقرار رہے۔

(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ جو لوگ ان جگہوں پر نہیں جاسکتے وہ واقف وجانکار اور معتمد علیہ ساتھیوں پر اعتماد کر کے ان کو قربانی کے لئے بھیج دیں، اور آج کل موبائل کی سہولت حج میں عام ہوگئی ہے، یہ حضرات جب قربانی کرلیں تو اپنے ساتھیوں کو خبر دیں کہ قربانی ہو چکی ہے، اب حلق کرالیا جائے؛ لیکن یہاں یہ خیال رہنا چاہئے کہ کسی بھی اجنبی اور ناواقف شخص پر اعتماد نہ کیا جائے؛ اس لئے کہ کئی سالوں سے ایسے واقعات پیش آئے کہ حجاج کی بلڈنگوں پر آ کر بعض لوگوں کو سستی قربانی کا لالچ دے کر بڑی تعداد میں رقمیں وصول کرلیں اور پھر قربانیاں نہیں کیں، اس لئے حجاج ایسے لوگوں کے جھانسے میں نہ آئیں؛ بلکہ صرف قابلِ اعتماد افراد کے ذریعہ ہی قربانی کرائیں۔

(۳) تیسری شکل یہ ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں قربانی کے لئے رقم جمع کرادیں اوران کے دئے ہوئے وقت کی پابندی کریں، الغرض موجودہ حالات میں مذکورہ بالا صورتوں کو اپنا کر جب ترتیب برقرار رکھی جاسکتی ہے، تو مطلقاً ترتیب کے حکم کو ساقط کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے حنفی حجاج کو اپنی ترتیب باقی رکھنے کی حتی الامکان کوشش کرنی چاہئے، اور بینک کا کوپن خرید کر خود اپنی مرضی سے ترتیب کو خراب نہیں کرنا چاہئے؛ تاہم اگر کوئی شخص اپنی کمزوری یا کسی اور معقول وجہ سے کوشش اور فکر کے باوجود ترتیب کو برقرار نہ رکھ سکے تو اس کے لئے حضرات صاحبین رحمہما اللہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے ترک ترتیب پر الگ سے کسی دم کے وجوب کا حکم نہیں دیا جائے گا، چنانچہ ادارۃ المباحث الفقہیہ جمعیۃ علماء ہند کے چھٹے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۴۱۷ھ (بمقام دیوبند) میں ہندوپاک کے معتبر علماء ومفتیانِ کرام نے یہ تجویز منظور فرمائی ہے۔

قلت: وقد يدل على وجوب الترتيب بين الرمي والذبح والحلق والطواف ما رواه أنس بن مالك رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم أتى منى، فأتى الجمرة فرماها، ثم أتى منزله بمنى و نحر ثم قال للخلاف: خذوا، أشار إلى جانبه الأيمن ثم الأيسر. (صحيح مسلم / باب بيان أن السنة يوم النحر أن يرمي ثم ينحر ثم يحلق رقم: ۱۳۰۵)

وفي حديث جابر رضي الله عنه: أن النبي صلى الله عليه وسلم انصرف إلى المنحر، فنحر، ثم ركب فأفاض إلى البيت. (صحيح مسلم / باب حجة النبي صلى الله عليه وسلم رقم: ۱۲۱۸)

عن إبراهيم قال: من حلق قبل أن يذبح أهرق دما فقرأ: ﴿وَلَا تَحْلِقُوْا رُؤُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ (المصنف لابن أبی شيبة كذا في الجوهر النقي ۳۴۷/۱، ومسند أحمد ۲۳۴/۱، وسنن النسائي ۵۲/۲ والبيهقي في السنن الكبرىٰ ۱۳۳/۵ إعلاء السنن ۱۸۳/۱۰ دار الكتب العلمية بيروت)

قال الشامي: والحاصل أن الطواف لايجب ترتيبه على شيء من الثلاثة، وإنما يجب ترتيب الثلاثة: الرمي ثم الذبح ثم الحلق، لكن المفرد لا ذبح عليه فيجب عليه الترتيب بين الرمى والحلق فقط. (شامي ٥٨٨/٣ زكريا)

اعلم أن ما يفعل في أيام النحر أربعة أشياء: الرمي والنحر والحلق والطواف، وهٰذا الترتيب واجب عند أبي حنيفة ومالک وأحمد. (البحر الرائق ٣/٢٤ كراچی) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/۴/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کے مسائل

بدل کسے کہتے ہیں؟

سوال (۱۹۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل کی جامع تعریف کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عاقل، بالغ اور مکلّف آدمی کا کسی شرعی معذور شخص کی جانب سے اس کے حکم سے ارکان حج ادا کرنے کو حج بدل کہتے ہیں۔

الحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت وبشرط نية الحج عنه وبشرط الأمر. (درمختار مع الشامي ٤/ ١٤ زكريا) **فقط** واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۹/۵/۱۴۲۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کے لئے شرائط کیا ہیں؟

سوال (۱۹۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا حج بدل کے لئے کچھ شرائط ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص حج بدل کے لئے جائے اس کا حج آمر کی طرف سے معتبر ہونے کے لئے درج ذیل شرطیں بھی لازم ہیں:

(۱) آمر کا اسے حج کرنے کا صراحۃً حکم دینا؛ البتہ وارث کا اپنے مورث کی طرف سے بلا امر حج کرنا بھی معتبر ہے۔

(۲) احرام باندھتے وقت مامور کا آمر کی طرف سے حج کی نیت کرنا۔

(۳) مامور کا آمر کی طرف سے خود حج کرنا، دوسرے سے نہ کرانا۔

(۴) اگر میت نے حج بدل کی وصیت میں کسی خاص شخص کو متعین کیا ہے تو اسی متعین شخص کا حج کرنا ضروری ہے، الا یہ کہ کوئی معقول عذر ہو۔

(۵) اکثر سفر حج میں آمر کا مال خرچ کرنا۔

(۶) اکثر سفر سوار ہو کر کرنا؛ لہٰذا اگر پیدل سفر کیا تو آمر کی طرف سے حج درست نہ ہوگا۔

(۷) آمر کے وطن سے سفر شروع کرنا۔

(۸) حج کو فاسد نہ کرنا؛ کیوں کہ اگر حج بدل کو فاسد کر دیا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہ ہو کر مامور کی طرف سے ہو جائے گا۔

(۹) آمر کے حکم کی مخالفت نہ کرنا، مثلاً اگر اس نے حج افراد کا حکم دیا ہے اور مامور نے اپنی مرضی سے حج قران یا حج تمتع کر لیا تو یہ حج آمر کی طرف سے نہیں ہوگا؛ البتہ اگر خود آمر یا وصی حج تمتع یا قران کی اجازت دے تو اس کی گنجائش ہے۔

(۱۰) ایک سفر میں ایک ہی حج کا احرام باندھنا؛ لہٰذا اگر مامور نے آمر کے احرام کے بعد اپنے حج کا بھی احرام باندھ لیا تو آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

(۱۱) ایک احرام میں دو شخصوں کی نیت نہ کرنا؛ لہٰذا اگر مثلاً دو آدمیوں نے مامور کو حج بدل کا حکم دیا اور اس نے اس سفر میں دونوں آمروں کی طرف سے نیت کر لی تو ان آمروں میں سے کسی کی طرف سے بھی حج ادا نہ ہوگا۔

(۱۲) حج کا فوت نہ ہونا۔

(مستفاد: فتاویٰ شامی ۴/۱۷-۱۸، غنیۃ الناسک ۳۲۰-۳۳۶، مناسک ملا علی قاری ۳۵-۴۵۲، جواہر الفقہ ۱/۵۰۰-۵۰۶)

التاسع: وجود العذر قبل الإحجاج فلو أحج صحح ثم عجز لا يجزيه، العاشر: أن يحج راكباً، فلو حج ماشياً ولو بأمره ضمن النفقة. (الرد المحتار / باب الحج عن الغير ٤/ ١٧ زكريا)

وبشرط نية الحج أي عن الأمر فيقول: أحرمت عن فلان ولبّيت عن فلان ولو نسي إسمه فنویٰ عن الآمر صح، وتكفى نية القلب. (الدر المختار ٤/ ١٥ زكريا)

وبقي من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها أو أكثرها، وحج المأمور بنفسه وتعيينه إن عينه. (در مختار / باب الحج عن الغير ٤/ ١٦ زكريا)

وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان باحجاج غيره إذا كان المحج وقت الأداء عاجزا عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات، أما إذا زال عجزه بعد ذٰلک فلا يسقط عنه حج الفرض. (الفتاویٰ التاتارخانية / باب الحج عن الغير ٢/ ٥٤٥، إدارة القرآن كراچى، بدائع الصنائع ٢/ ٤٥٥، نعيميه ديو بند)

اور جو حج بدل دوسرے کی طرف سے تبرعاً کیا جاتا ہے وہ اصل میں نفلی حج ہوتا ہے، اس لئے اس میں اس طرح کے شرائط نہیں ہیں۔

الحج التطوع عن الصحيح جائز ويكون الحج عن المحج. (شامي / باب الحج عن الغير ٢/ ٦٠٣ كراچى، انوار مناسك ٥٥٩)

وأما النفل فلا يشترط فيه شيء منها. . (شامي / باب الحج عن الغير ٤/ ١٨ زكريا)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۳۶/۳/۱۵ھ

حج بدل کرانا کب لازم ہوتا ہے

سوال (۱۹۹):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں

کہ: ایک شخص عاقل بالغ مسلمان اور صاحبِ حیثیت ہے، اس کے پاس حج کے اخراجات بھی ہیں اور مکمل استطاعت مالی ہے، تو کیا ایسا شخص حج بدل کراسکتا ہے؟ اور حج بدل کرانا کس شخص پر لازم اور ضروری ہوتا ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص میں درج ذیل شرائط پائی جائیں اس کے لئے حج بدل کرانا (یا حج بدل کی وصیت کرنا) لازم ہوتا ہے:

(۱) جو شخص مسلمان ہو۔

إسلام الآمر. (غنية الناسك ٣٣٦)

(۲) عاقل، بالغ اور مکلّف ہو۔

وعقلهما (الآمر والمامور) (غنية الناسك ٣٣١)

(۳) اس پر مالی اور جسمانی اعتبار سے حج فرض ہوچکا ہو۔

وجوب الحج على المحجوج عنه باليسار والصحة. (غنية الناسك ٣٣٢)

(۴) فرضیت کے بعد خود حج کرنے پر قادر نہیں رہا، یا تو اس لئے کہ مال نہیں ہے یا اس لئے کہ صحت معدوم ہوگئی۔ (یا عورت کو محرم یا شوہر ساتھ جانے والا نہ ملا) وغیرہ۔

عجزه عن الأداء بنفسه بزوال أحدهما. (غنية الناسك ٣٢١)

(۵) حج سے عاجزی موت تک برقرار رہی، خواہ ایسا عذر ہو جو زائل ہوسکتا ہو، مثلاً: قید وبند یا پاگل پن یا ایسا عذر ہو جو زائل نہ ہوسکتا ہو، جیسے: بڑھاپا۔

دوام العجز إلى الموت. (غنية الناسك ٣٢٠-٣٢١)

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۲۵/۵/۹ھ

جس پر حج فرض ہو اس کا بلا عذر دوسرے سے حج کرانا؟

سوال (۲۰۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: چھ بھائیوں کی مشترکہ تمبا کو (کھیتی) کی دکان ہے پانچ بھائیوں نے یکے بعد دیگرے حج کرلیا، ایک بھائی کو نماز روزہ سے کوئی واسطہ نہیں، اخلاق اچھے ہیں مدرسہ مسجد اور مستحق امداد لوگوں کی اعانت بھی کرتے ہیں، حلال وحرام میں بہت محتاط ہیں وہ صاحب مال ہونے کے باوجود حج نہیں کرنا چاہتے، اب وہ اگر حج کا خرچ دوسرے کو دے کر حج کرانا چاہیں، اور غیر مستطیع شخص ان کی طرف سے حج کرے تو یہ کیسا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص پر حج فرض ہو چکا ہو اور کسی طرح کا عذر اس کولاحق نہ ہو تو اس کے لئے دوسرے شخص سے حج بدل کرانا جائز نہیں ہے، نیز ایسے شخص کو خود حج نہ کرنے پر بہت سخت وعید آئی ہے، آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ''جو شخص سواری اور توشۂ سفر پر قادر ہو اور بآسانی حج کر کے واپس آسکتا ہو اس کے باوجود وہ حج نہ کرے، تو اس کے بارے میں سخت خطرہ ہے کہ وہ یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر'' لہٰذا ان صاحب کو کوتاہی نہیں کرنی چاہئے اور جلد از جلد فریضۂ حج ادا کرلینا چاہئے۔ (مستفاد انوار مناسک ۱۴۱/۵)

عن علي رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: من ملک زاداً أو راحلة تبلغه إلی بیت اللّٰه ولم یحج فلا علیه أن یموت یهودیاً أو نصرانیاً، وذلک أن اللّٰه یقول في کتابه: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً﴾. (سنن الترمذي ۱۶۷/۱ رقم: ۸۱۲، شعب الإیمان للبیهقي ۴۳۰/۳ رقم: ۳۹۷۸)

تقبل النیابة عند العجز فقط، لکن بشرط دوام العجز علی الموت. (شامي ۱۴/۴ زکریا)

والنیابة تجري في النوع الثالث عند العجز، ولا تجري عند القدرة، والشرط العجز الدائم إلی وقت الموت. (الفتاویٰ التاتارخانیة ۶۴/۳ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۱/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا نفلی حج بدل میں شرائط بدل کی رعایت ضروری ہے؟

سوال (۲۰۱):- کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی اپنی طرف سے دوسرے شخص کے ذریعہ نفلی حج کروانا چاہے خواہ اس نے اپنا حج فرض کیا ہو یا نہ کیا ہو، تو اس کے لئے وہی شرائط ہوں گے جو حج فرض کرانے میں مامور کے لئے آمر کی طرف سے اور آمر کے لئے مامور کے حق میں پائے جانے ضروری ہوتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر کوئی شخص نفلی طور پر کسی زندہ یا مردہ کی طرف سے حج بدل کرے یا کرائے، تو اس میں وطن سے جانے آنے یا کسی خاص جگہ سے حج کرنے یا آمر کے عاجز ہونے یا نہ ہونے وغیرہ کی کوئی قید نہیں ہے؛ بلکہ بلا کسی شرط کے مطلقاً یہ حج درست ہو جائے گا، اب اگر آمر نے اسے نفلی حج کرنے کا حکم دیا ہے تو سفر اسی کے خرچ پر ہوگا اور حج اسی کی جانب سے ہوگا، اور اگر آمر نے حکم نہیں دیا؛ بلکہ کوئی شخص اپنی مرضی سے دوسرے کو نفلی حج کا ثواب پہنچانا چاہتا ہے تو یہ حج دراصل کرنے والے ہی کی طرف سے ہوگا؛ البتہ ارکان کی ادائیگی کے بعد وہ اس کا ثواب دوسرے کو پہنچا سکتا ہے۔

وإن كانت نافلة كحج النفل وعمرة التطوع تجزئ في الحالتين ولا يشترط فيه العجز، ولا غيره مما يشترط في حج الفرض وعمرة الإسلام إلا أهلية النائب بالإسلام والعقل والتمييز والنية عنه في الإحرام إن أمره بالحج، وإلا فجعل ثوابه له بعد الأداء الخ. (غنية الناسك ۳۲۰)

أما حج التطوع فتجوز الإنابة فيه حالة القدرة؛ لأن باب النفل أوسع حتى إن صحيح البدن لو احد رجلاً بماله على سبيل التطوع عنه يجوز. (البحر العميق ۲۲۵۸، الفتاویٰ الهندية ۱/۲۵۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۴ھ

بیمار معذور کے لئے حج بدل کرانا جائز ہے

سوال (۲۰۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنے بھائی کو جو حج کر چکا تھا، حج بدل کے لئے بھیجا کہ تم میرا حج بھی کر کے آؤ، زید کی عمر تقریباً ستر سال کی ہے، اعضاء درست ہیں مگر بینائی کمزور ہے، زید خود اپنا حج ادا کر سکتا تھا، مگر اس نے اپنے بھائی ہی کو اپنا حج کرنے بھیجا، لہٰذا زید کے بھائی نے زید کی طرف سے حج وعمرہ دونوں کیا، کیا زید کا حج ادا مان لیا جائے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر زید ضعیفی یا بینائی کی کمی کی بناء پر ادائیگی حج سے عاجز ہے تو حج بدل کرانے سے اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا، اور اگر وہ بالکل عاجز نہیں ہے اور بینائی بھی اتنی کم نہیں ہے کہ حج نہ کر سکے، تو اس صورت میں سقوط فرض کے لئے حج بدل کافی نہیں؛ بلکہ خود حج کو جانا ضروری ہے، جو حج اس کی طرف سے دوسرے نے کیا ہے وہ اس کی جانب سے حج نفل شمار ہوگا۔

عن عبد اللّٰه بن عباس أن رجلا سأل النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أن أبي أدركه الحج وهو شيخ كبير لا يثبت على راحلته، فإن شددته، خشيت أن يموت، أفأحج عنه؟ قال: أرأيت لو كان عليه دين فقضيته أكان مجزئا؟ قال: نعم قال: فحج عن أبيک. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٤٦٦ رقم: ٥٢٤١ زكريا)

والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت……، هذا إي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله أي يمكن، وإن لم يكن كذلک كالعمى والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا إعادة مطلقاً، سواء استمر به ذلک العذر أم لا. (درمختار ٢/٥٩٩ بيروت، ٤/١٤-١٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۱/۲/۱۲ھ

عورت کا اپنی بیماری، ضعیف العمری، یا محرم نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرانا؟

سوال (۲۰۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا آدمی یا عورت جو حج کرنا چاہتی ہے، اپنے حالات صحت، ضعیف العمری، یا بیماری یا عورت ہونے کی بناپر محرم کا ساتھ نہ ملنے کی بناپر دوسرے شخص سے حج بدل کرا سکتے ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر بیماری یا کمزوری ایسی ہے کہ جس سے شفایاب ہوکر حج کرنے کے قابل ہونے کی تا زندگی امید نہیں ہے، تو ایسا شخص حج بدل کرا سکتا ہے؛ لیکن اگر ایسا ضعف نہیں ہے اور بیماری نہیں ہے تو حج بدل کرانا جائز نہیں ہے۔

عن عبد اللّٰه بن الزبير رضي اللّٰه عنه قال: جاء رجل من خثعم إلى رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم فقال: إن أبي أدركه الإسلام وهو شيخ كبير، لا يستطيع ركوب الرحل، والحج مكتوب عليه، أفأحج عنه؟ قال: أنت أكبر ولده؟ قال: نعم، قال: أرأيت لو كان على أبيک دين فقضيته عنه أكان ذٰلک يجزئ عنه؟ قال: نعم، قال: فاحجج عنه. (الفتاویٰ التاتارخانية ۶۴۸/۳ رقم: ۲۰۴۳ زکريا)

وأما المريض الذي يرجى برؤه والمحبوس فإنه إذا أناب عنه الغير فحج عنه ثم زال عذره بعد فإن ذٰلک لا يسقط فرض الحج. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ۷۰۷/۱ فتاویٰ محمودیہ ۱۷۲/۱۳، ایضاح المناسک ۱۷۰)

اگر عورت کا کوئی محرم نہ ہو تو اس پر حج کی ادائیگی فوراً ضروری نہیں ہے؛ البتہ اگر مرتے وقت تک محرم میسر نہ ہو تو حج بدل کی وصیت کرنا لازم ہے۔ (دارالعلوم ۵۲۲/۶، احسن الفتاویٰ ۵۲۲/۴)

ومع زوج أو محرم مع وجوب النفقة لمحرمها عليها. (شامي ۴۶۴/۳، هدایه ۱۳۴/۱)

ثمرته تظهر فی وجوب الوصية بالحج إذا مات قبل وجود المحرم يجب الإيصاء لأن الموت بعد الوجوب. (فتح القدير ٢/ ٤٢٢)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال النبي صلی اللّٰه علیه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذی رحم محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا و معها محرم، فقال رجل: يا رسول اللّٰه! إني أريد أن أخرج في جيش كذا و كذا، و امرأتي تريد الحج فقال: أخرج معها. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٤ رقم: ٤٨٨٥ زكريا)

إن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء. (أوجز المسالك ٣/ ٧٣٩، شامي ٢/ ٤٦٥ كراچی، انوار مناسك ٥٥٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/ ۷/ ۱۴۲۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدین کی طرف سے حج بدل

سوال (۲۰۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اس سال نفلی حج کا ارادہ رکھتا ہوں، تو کیا میں اپنے والدین کی جانب سے حج بدل کا ارادہ کرلوں، مگر یہ طے نہیں ہو پارہا ہے کہ ان پر حج فرض ہوا تھا یا نہیں؟ آثار وقرائن سے ظاہر ہے کہ ان پر حج فرض ہوا تھا، اس لئے کہ انہوں نے پنشن حاصل کرنے کے بعد اپنے پانچ بچوں کی شادیاں کیں، وہ اب سے چالیس سال پہلے ریٹائر ہوئے تھے، اس لئے اندازہ نہیں کہ ان کو پنشن کے موقع پر کتنی رقم ملی تھی اور اس وقت کتنی لاگت پر حج فرض ہوجایا کرتا تھا، اگر حج بدل کیا جائے تو کون سا کیا جائے؟ اور اس کا طریقہ کیا ہوگا، عمرہ وغیرہ کس طرح کریں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں بہتر ہے کہ آپ اپنے والد کی طرف سے حج بدل کرلیں، امید ہے کہ آپ کے حج کرنے سے ان پر واجب حج فرض بھی ان سے

ساقط ہو جائے گا اور اس نفلی حج بدل میں صرف اتنا کافی ہے کہ آپ احرام باندھتے وقت اپنے والد یا والدہ کی طرف سے حج بدل کی نیت کرلیں، بقیہ سب ارکان اسی طرح ادا کئے جائیں گے جیسے اپنے حج میں ادا کئے جاتے ہیں۔

فلا يجوز حج الغير بغير إذنه إلا إذا حج أو أحج الوارث عن مورثه أي، فيجزيه إن شاء الله تعالى، وهٰذا إذا لم يوص المورث. (الدرالمختار مع الشامي ٤/ ١٦ زكريا)

نية الحج عن المحجوج عنه عند الإحرام أو تعيينه قبل الشروع في الأعمال فلو قال بلسانه: أحرمت عن فلان أو لبيك بحجة عن فلان فهو أفضل. (غنية الناسك ١٧٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۴/۶/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنا حج وعمرہ کرنے کے بعد والدین یا حضور کی طرف سے عمرہ کرنا؟

سوال (۲۰۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمرہ اور حج کر لینے کے بعد اب اپنے والدین یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے عمرہ کرے تو کیا ثواب برابر مل سکتا ہے؟ کیا یہ جائز ہے؟ اور ایک عمرہ میں کئی لوگوں کو ثواب پہنچایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور والدین وغیرہ کی طرف سے نفل حج وعمرہ کرنا نہ صرف جائز؛ بلکہ مستحسن ہے، نیز ایک عمرہ کا ثواب کئی لوگوں کو بھی پہنچایا جاسکتا ہے۔ علامہ شامیؒ نے اس پر اچھی بحث کی ہے۔ (شامی ۲/ ۲۴۳-۲۴۴ کراچی، ۴/ ۱۵ زکریا)

بخلاف ما لو أهل بحج عن أبويه أو غيرهما من الأجانب حال كونه متبرعاً فعين بعد ذٰلك جاز؛ لأنه متبرع بالثواب، قال الشامي: فإذا أحرم بحجة عن إثنين أمره كل منهما بأن يحج عنه وقع عنه ولا يقدر على جعله لأحدهما،

وإن أحـرم عـنهما بغير أمرهما صح جعله لأحدهما أو لكل منهما. (الدر المختار مع الشامي ٤/ ٢٨ زكريا)

وروي أن ابـن الـموفق حج عن رسول الله صلى الله عليه وسلم: حججا، قـال: فـرأيـت رسـول الـلّـه صـلـى الله عليه وسلم في المنام، فقال: يا ابن موفق حـجـجـت عـنـي؟ قـلـت نـعم، قال: فإني أكافئك يوم القيامة، آخذ بيدك في الـموقف، فأدخلك الجنة، والخلائق في كرب الحساب. (البحر العميق في مناسك المعتمر والحاج إلى بيت الله العتيق ١/ ٩٨ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ
۱۹/۱۰/۱۴۱۳ھ

کیا خود حج کرنے سے قبل والدین کو حج کرانا ضروری ہے؟

سوال (۲۰۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عبداللہ ملازم پیشہ فرد ہے، اب اس کے پاس اتنی رقم ہوگئی ہے کہ اس پر حج فرض ہوگیا، اس کے والدین حیات ہیں، اس نے جب اس فرض کی ادائیگی کا اظہار خیال اپنے عزیز وا قارب سے کیا تو کچھ لوگوں نے اس سے کہا کہ تمہارا حج جب تک نہیں ہوسکتا، جب تک پہلے اپنے والدین کو حج نہ کراؤ گے، کیا ان لوگوں کا کہنا از روئے شرع درست ہے یا نہیں؟ ایسی شکل میں عبداللہ کو کیا کرنا چاہئے؟ والدین کے پاس اس قدر مال نہیں ہے جس پر حج فرض ہوتا ہے، کل خرچ عبداللہ کو برداشت کرنا ہے، ایسی صورت میں از روئے شریعت عبداللہ کو کیا کرنا چاہئے؟ عبداللہ کے پاس اس وقت اس قدر مال نہیں ہے کہ وہ والدین کے خرچ کو برداشت کرسکے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں صرف عبداللہ پر حج فرض ہے اور اس کے حج کی ادائیگی اس کے والدین کے حج پر موقوف نہیں ہے؛ لہٰذا اسے پہلے اپنا فرض ادا کرنا

چاہئے، بعد میں اگر اللہ تعالیٰ وسعت دے تو والدین کو بھی حج کرادے تو مستحق اجر وثواب ہوگا۔

ولا تثبت الاستطاعة بالعارية والإباحة، فلو بذل الابن لأبيه الطاعة وأباح له الزاد والراحلة لا يجب عليه الحج، وكذا لو وهب مالاً ليحج به لا يجب عليه قبوله. (غنية الناسك ٢١، ومثله في البحر الرائق ٢/٥٤٨ زكريا)

إن القدرة على الزاد والراحلة لابد فيها من الملك دون الإباحة والعارية. (شامي ٣/٤٦٠ زكريا)

ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة والإباحة سواء كانت الاباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين، والمولودين أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج. (الفتاویٰ الهندية ١/٢١٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۵/۱۱/۲۴ھ

اپنی کمائی سے والدین کو حج کرانا فرض ہوگا یا نفل؟

سوال (۲۰۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک شخص کا ایک بیٹا ہے جو کماتا ہے وہ اگر اپنی کمائی سے والدین کو حج کرائے تو والدین کی طرف سے وہ حج حج فرض ادا ہوگا یا حج نفل ادا ہوگا؟

بیٹا جو والدین کو حج کراتا ہے وہ اگر حج نفل ادا ہوگا تو آگے چل کر اگر والدین مالدار ہوجائیں جس سے وہ حج کر کے آسکتے ہیں، تو کیا وہ کیا ہوا حج نفل فرض کے لئے متبادل بنے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹا اگر اپنی کمائی سے والدین کو حج کرائے اور والدین حج فرض کی نیت کریں، تو ان کا فرض حج ادا ہوجائے گا، حتیٰ کہ اگر والدین بعد میں صاحب استطاعت ہوجائیں، تو انہیں دوبارہ حج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ومنها القدرة على الزاد والراحلة بطريق الملك أو الإجارة دون الإعارة

والإباحة، سواء كانت الإباحة من جهة من لا منة له عليه كالوالدين، والمولودين أو من غيرهم كالأجانب كذا في السراج الوهاج. (الفتاوى الهندية ۲۱۷/۱)

إن القدرة على الزاد والراحلة لابد فيها من الملك دون الإباحة والعارية. (شامي ٤٦٠/٣ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۳۰/۴/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنے اوپر حج فرض ہوتے ہوئے والد کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال (۲۰۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اس سال میں زیارتِ بیت اللہ کے لئے جارہا ہوں، اس سلسلہ میں ٹکٹ وغیرہ کا انتظام ہوگیا ہے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میرے والد عبدالغفار صوفی صاحب پچھلے سال اس دنیائے فانی سے چلے گئے لیکن انہوں نے زیارت بیت اللہ نہیں کی، جب کہ یہ ان پر فرض ہو چکا تھا، مرتے وقت انہوں نے زیارت پر جانے کا ارادہ کیا تھا، چوں کہ میں نے خود ابھی زیارتِ بیت اللہ نہیں کی ہے، اس لئے کچھ علماء کی رائے ہے کہ میں اپنے والد کے بدلے حج پر نہیں جاسکتا ہوں اور کچھ اس بات پر متفق ہیں کہ میں اس کے بدلے جاسکتا ہوں، اب آپ سے استدعا ہے کہ آپ مجھے صحیح صورتِ حال سے آگاہ کریں؛ تاکہ میں اسی حساب سے حج کے لئے نیت کروں۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں آپ کا والد صاحب کی طرف سے حج بدل کرنا اگرچہ صحیح ہے؛ لیکن اگر آپ پہلے سے حج پر قدرت رکھتے ہیں، تو مکروہِ تحریمی ہے اور اگر آپ پر حج فرض نہیں ہے تو خلافِ اولیٰ اور مکروہِ تنزیہی ہے۔

عن الحسن: أنه كان لا يرى بأسا أن يحج الصرورة عن الرجل. (المصنف لابن أبي شيبة / الحج ۱۸۹/۸ رقم: ۱۳٥٤٤)

والـذي يـقتـضيـه الـنـظـر أن حـج الـصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الـوجـوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم. وفي البـحـر: تـحـريـمية على الصرورة المأمور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يـحـج عـن نفسه؛ لأنه أثم بالتأخير. (شامي / باب الحج عن الغير ٤/ ٢١ زكريا، فتح القدير ٣/ ١٦٠ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۸/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اپنا حج کئے بغیر اپنے پیسے سے والدہ کی طرف سے حج بدل کرانا؟

ســـوال (۲۰۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: طاہرہ اپنے والد مرحوم، دادا، دادی مرحومہ کسی کے نام بھی حج بدل کرانا چاہتی ہے، کیا ایسی شکل میں یہ ضروری ہے کہ پہلے خود حج کرے خواہ طاہرہ پر خود حج فرض نہ ہوا ہو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: اگر طاہرہ اپنے والد، دادا، دادی کی طرف سے اپنی رقم سے نفلی حج کرانا چاہتی ہے تو گوکہ ان کی طرف سے حج بدل ہوجائے گا، اوران کواس کا ثواب پہنچ جائے گا؛ لیکن ضروریاتِ اصلیہ کے علاوہ حج کے مطابق رقم ہونے کی وجہ سے خود طاہرہ پر حج فرض ہے، پہلے طاہرہ کو اپنا حج کرنا لازم ہے؛ کیوں کہ حج فرض ہونے کے بعد تاخیر کرنا سخت گناہ ہے، اور اگر پھر بعد میں حج نہ ہوسکے تو طاہرہ سخت ترین وعید کی مستحق ہوجائے گی؛ اس لئے پہلے اپنا حج کرے بعد میں وسعت ہو تو مرحومین کی طرف سے حج کرائے۔

ويـجـوز حـج الصرورة وهو الذي لم يحج عن نفسه ويكره. (درر الحكام / حكم الهدي ١/ ٢٦٢ الشاملة)

عـن عـلـى رضـي الـلّه عنه قال: قال رسول اللّه صلى اللّه عليه وسلم: من

ملک زاد وراحلة تبلغه إلى بيت اللّٰه ولم يحج فلا عليه أن يموت يهودياً أو نصرانياً. (سنن الترمذي ١٦٧/١، مشكوٰة المصابيح ٢٢٢) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۵/۷/۱۴۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماں باپ کی طرف سے نفلی حج بدل کرانا؟

سوال (۲۱۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے ماں باپ پر حج فرض نہیں تھا، اسی حال میں ماں باپ کا انتقال ہوگیا، اب زید ان کی جانب سے حج کرانا چاہتا ہے تو کیا حج نفل ہوگا یا فرض ہوگا؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر ماں باپ پر حج فرض نہیں تھا اور بیٹے نے اپنی طرف سے بطور تبرع نفلی کرادیا تو یہ حج نفلی شمار ہوگا اور حج نفل کا ثواب زید کے والدین کو پہنچے گا۔

تبرع الولد بالإحجاج أو الحج بنفسه عن أبويه إذا مات وعليه حج الفرض ولم يوص به مندوب إليه جداً، لحديث ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن والديه أو قضىٰ عنهما مفرداً بعثه اللّٰه يوم القيامة مع الأبرار. (غنية الناسك / باب الحج عن الغير ٣٢٨ إدارة القرآن كراچی، والحديث أخرجه الإمام الطبراني في المعجم الأوسط ٨/٢ رقم: ٧٨٠٠)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن ميت فللّذي حج عنه مثل أجره، ومن فطر صائما فله مثل أجره، ومن دل على خير فله مثل أجر فاعله. (المعجم الأوسط ٢٣١/٤ رقم: ٥٨١٨)

عن زيد بن أرقم رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: قال من حج عن أبيه أو عن أمه أجزأ ذٰلک عنه وعنهما. (المعجم الكبير ٢٠٠/٥ رقم: ٥٠٨٣)

الصحيح من المذهب فيمن يحج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه فرضاً كان أو نفلاً وعن محمد أن الحج يقع عن الحاج وللمحجوج عنه ثواب النفقة والأول أصح. (غنية الناسك ٣٣٧ إدارة القرآن كراچی)

عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعاً فيجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيئا. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٤٧/٣ رقم: ٥٢٤٢ زكريا)

عن عبد الله بن عمرو عن أبيه عن جده رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب له عتقا من النار، وكان للمحجوع عنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيئا الحديث. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٤٧/٣ رقم: ٥٢٤٣ زكريا)

الذي تحصل لنا من مجموع ما قررناه أن من أهل بحجة عن شخصين، فإن أمراه بالحج وقع حجه عن نفسه البتة، وإن عين أحدهما بعد ذلک، وله بعد الفراغ جعل ثوابه لهما أو لأحدهما، وإن لم يأمراه فكذلک. (شامی ٦٠٩/٢ کراچی، ٢٩/٤ زكريا، فتاویٰ دارالعلوم ٥٦٣/٦) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۱ھ

بیٹا باپ کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

سوال (۲۱۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل بیٹا اپنے معذور یا مردہ باپ کی جانب سے کرسکتا ہے یا نہیں، اور کیا حج بدل حج تمتع یا حج قران کے طور پر کیا جاسکتا ہے یا نہیں، اور دم قران یا دم تمتع حج بدل میں بھی ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیٹا بھی اپنے باپ کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے۔

تبرع الولد بالإحجاج، أو الحج بنفسه عن أبويه إذا مات و عليه حج الفرض ولم يوص به مندوب إليه جداً، قال صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار، وقال: من حج عن أبيه أو أمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج، وقال: إذا حج الرجل عن والديه تقبل منه ومنهما واستبشرت أرواحهما وكتب عند اللّٰه برا (فتح ملخصا). (غنية الناسك / باب الحج عن الغير ۳۲۸ إدارة القرآن كراچی)

بخلاف ما لو أهل بحج عن أبويه أو غيرهما في الأجانب حال كونه متبرعا فعين ذٰلک جاز؛ لأنه متبرع بالثواب، فله جعله لأحدهما أو لهما، وفي الحديث: من حج عن أبويه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (الدر المختار مع الشامي ۳۱/٤-۲۸ زکریا، ٦/٢ ٦٠ کراچی)

وعن جابر أنه عليه السلام قال: من حج عن أبيه و أمه فقد قضى عنه حجته، وكان له فضل عشر حجج. (سنن الدارقطني ٢٦٠/٢)

اور حج بدل میں قران یا تمتع کیا جاسکتا ہے، مگر ان دونوں کا دم حج کرنے والے پر واجب ہوگا نہ کہ حج کرانے والے پر۔

ودم القران والتمتع و الجناية على الحاج إن أذن له الأمر بالقران و التمتع. (در مختار مع الشامي ٦١١/٢ کراچی، ٣٢/٤ زکریا)

ودم نسک وهو دم المتعة والقران و إنه على المأمور. (الفتاویٰ التاتارخانية ٦٥١/٣ زکریا، انوار مناسك ٥٥١)

والحاصل أن جميع الدماء المتعلقة بالإدام في مال الحاج إلا دم الإحصار فإنه في مال المحجوج عنه ...... و أما دم القران فلأنه دم نسک؛ لأنه يجب شكرا أو سائر أفعال النسک على الحاج. (بدائع الصنائع / بيان شرائط النيابة في

الحج ۲/ ۴۵۹ نعیمیه دیوبند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۱۴۱۳/۱۱/۴ھ

بیٹی کا اپنی والدہ کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال (۲۱۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمر کی دوسری موجودہ اہلیہ اپنی مرحومہ والدہ صاحبہ کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتی ہے جوان پر فرض تھا؛ حالانکہ اہلیہ کے بھائی صاحب حیثیت ہیں؛ لیکن عمر نے اہلیہ کو حج کے لئے پیسے ہدیہ کیا ہے اور کرے گا، تو اس طرح کے حج میں کوئی شرعی اعتراض وقباحت تو نہیں ہے، اہلیہ کی مرحومہ والدہ نے کوئی وصیت حج کے لئے اہلیہ کو نہیں کی تھی وہ ازراہ محبت ایسا کرنا چاہتی ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمر کی اہلیہ اپنی والدہ کی طرف سے بلاتکلف حج بدل کرسکتی ہیں جب کہ شوہر یا محرم ساتھ ہو، آپ کی طرف سے انہیں پیسے دینے میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

فيجوز إحجاج المراهق……، وكذا المرأة بإذن زوجها ووجود محرم معها. (غنية الناسك ۳۳۷ جديد)

وعلل في الفتح: الكراهة بما في المبسوط من أن حجها أنقص إذ لا رمل عليها ولا سعي في بطن الوادي ولا رفع صوت بالتلبية ولا حلق. (شامي ٤/ ٢١ زكريا)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفى سنن الحج فإنها لا ترمل في الطواف ولا تسعى بين الصفا والمروة ولا تحلق وغير ذٰلک من الأفعال التي جازت للرجل دونها. (البحر العميق ٤/ ٢٢٦٨، شامي ٤/ ٢١ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۵/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ثلث مال سے والدین کی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت کرنا؟

سوال (۲۱۳): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی زندگی میں اپنے ماں باپ کے حج کا ارادہ کرلیا تھا، اس کے لئے رقم بھی الگ کرلی تھی، پھر مرنے کے قریب وصیت کی کہ جو رقم میں نے الگ کی ہے اس سے میرے ماں باپ کا حج کرادینا، جو رقم الگ کی ہے وہ ثلث مال سے کم ہے اور ورثاء بھی رضامند ہیں، تو اس کی وصیت جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی وصیت کی ہے کہ ماں کا وطن سے کرادینا اور باپ کا مکۃ المکرّمہ سے کرادینا یہ وصیت صحیح ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: زید کا اپنے ثلث مال میں والدین کے لئے حج کرانے کی وصیت کرنا شرعاً درست ہے، اور جس کے لئے جہاں سے حج کرانے کی وصیت کی ہے اس کا لحاظ کیا جائے گا۔

عن الحسن أنه قال في الرجل فرط في زكاة، وفرط في الحج حتى حضرته الوفاة، قال: كان الحسن يقول: يبدأ بالحج والزكاة ثم قال بعد: لا، ولا كرامة، يدعه حتى إذا صار المال لغيره قال: حجوا عنى و زكوا عنى، هو من الثلث. (السنن الكبرىٰ للبيهقي / الحج ٣٧٨/٩ رقم: ١٢٨٦٥)

لأن الوصية بالحج تنفذ من الثلث، وهذا من توابع الوصية. (شامي ٦١٠/٢ بيروت، ٣١/٤ زكريا)

فإن كان يسع الكل تنفذ الوصية من الثلث في الكل، سواء كانت الوصايا للّٰه تعالىٰ بأن كانت الوصية بالقرب من الوصية بالحج الفرض ......، وحج

التطوع. (الفتاویٰ الهندية ١١٤/٦)

وفي الشامي: وإن فسر المكان يحج عنه منه. (شامي ٦٠٥/٢ بيروت، ٢٣/٤ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ
۲۳/۳/۱۴۱۱ھ

میت کی طرف سے حج بدل کرنا؟

سوال (۲۱۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں اپنی مرحومہ والدہ کی طرف سے حج بدل کرنا چاہتا ہوں، جن کا انتقال قریب بیس سال پہلے ہوچکا ہے، کیا اتنا طویل عرصہ گذر جانے کے بعد بھی حج بدل کرایا جاسکتا ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر والدہ پر حج فرض تھا پھر وہ حج کئے بغیر وفات پاگئی اورانہوں نے حج کی وصیت کی اور حج کے خرچہ کے بقدر مال چھوڑا ہے، تو ان کی طرف سے ثلث مال سے حج بدل کرانا لازم ہے، اوراگر ان پر حج فرض نہیں تھا، یا فرض تو تھا لیکن وصیت نہیں کی، یا وصیت کی لیکن مال نہیں چھوڑا، تو ان کی طرف سے حج بدل ضروری تو نہیں ہے؛ لیکن اگر بطور تبرع ان کی طرف سے حج بدل کرلیا جائے تو اس کا ثواب والدہ کو پہنچے گا، اورکرنے والے کو ثواب بھی ملے گا انشاء اللہ تعالی۔

عن الحسن: في الرجل يحج عن الرجل قال: يرجیٰ له مثل أجره.

(المصنف لابن أبي شيبة ٧١١/٨ رقم: ١٥٧٤٠)

عن الحسن: في الرجل يحج عن الرجل الذي لم يحج، قال: يجزئه.

(المصنف لابن أبي شيبة ٧١١/٨ رقم: ١٥٧٣٨)

وإن لم يوص به فتبرع عنه الوارث، فحج أي الوارث ونحوه بنفسه، أو

أحج عنه غيره جاز. (شامي ٤/ ١٦ زكريا)

لو مات رجل بعد وجو ب الحج ولم يوص به فحج رجل عنه، أو حج عن أبيـه، أو أمـه عـن حـجة الإسـلام مـن غير وصية، قال أبوحنيفة رحمه اللّٰه تعالى: يجزيه إن شاء اللّٰه تعالى. (شامي ٤/ ١٦ زكريا)

إذا كان ميتا وعليه حج الفرض ولم يو ص به،أو أوصى به ولا مال له، فإنه لـو تبـر ع عـنـه الـوارث، وكـذا الأجنبي فحج عنه، أو أحج، قال أبو حنيفة رحمه اللّٰه: يجزيه إن شاء اللّٰه تعالى عن حجة الإسلام. (غنية الناسك ١٧٣ قديم، ٣٢٢ كراچي)

تبـر ع الولد بالإحجاج، أو الحج بنفسه عن أبويه إذا مات وعليه حج الفرض، ولـم يـوص به مندوب إليه جدا، قال صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن أبويه أو قضى عنهما مغرما بعث يوم القيامة مع الأبرار. (غنية الناسك ٣٢٨ إدارة القرآن كراچي)

عـن أبـي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: مـن حـج عـن ميت فللّذي حج عنه مثل أجره ومن فطر صائما فله مثل أجره ومن دل على خير فله مثل أجر فاعله. (المعجم الأوسط ٤/ ٢٣١ رقم: ٥٨١٨)

عـن عبـد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسـلـم: إذا تـصـدق بـصـدقة تطوعاً فيجعلها عن أبويه، فيكون لهما أجرها، ولا ينقص من أجره شيئا. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٦٤٧ رقم: ٥٢٤٢ زكريا)

عـن عبـد الـلّٰـه بن عمرو عن أبيه عن جده رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن والديه بعد وفاتهما كتب له عتقا من النار، وكـان لـلـمـجـمـو ع عـنهما أجر حجة تامة من غير أن ينقص من أجورهما شيئا الحديث. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٦٤٧ رقم: ٥٢٤٣ زكريا)

ومـن مـات وعليه فرض الحج ولم يو ص به لم يلزم الوارث أن يحج عنه،

إن أحب أن يحج عنه حج أو أرجو أن يجزيه إن شاء اللّٰه تعالى. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥٦٤/٢، فتاوی محمودیه ٤٠٣/١٠ ڈابھیل، فتاویٰ دارالعلوم ٥٧٢/٦) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۶/۸/۱۴۳۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر وصیت کے میت کی طرف سے حج کرنا

سوال (۲۱۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: دور ماضی میں کوئی صاحب جن کا انتقال ہو چکا ہے، اس وقت ان کی مالی اعتبار سے حیثیت ایسی نہ تھی جو حج فرض ہوتا، لہٰذا انہوں نے کوئی وصیت بھی نہیں کی کہ میرے انتقال کے بعد میرا کوئی وارث میری طرف سے حج کرے، لہٰذا اگر ان کا وارث ان کے لئے حج کرتا ہے تو وہ حج بدل کی نیت کرے یا نفلی حج کی؟ اگر حج نفلی کرتا ہے تو اس کا ثواب صرف ایک ہی کے لئے ہوگا، یا پھر کئی لوگوں کو شامل کیا جاسکتا ہے؟

اگر حج بدل کیا جائے تو اس کا ثواب کئی لوگوں کے لئے پہنچا سکتے ہیں؟ یا پھر ایک کو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ میت پر خود حج فرض نہیں تھا، اور نہ ہی انہوں نے کوئی وصیت کی ہے، اس لئے وارث پر ان کی طرف سے حج بدل کرانا لازم نہیں ہے؛ لیکن اگر کوئی شخص بطور تبرع میت کی طرف سے حج بدل کرلے، تو اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے گا، اسی طرح حج نفل کر کے اس کا ثواب ایک یا متعدد حضرات کو پہنچایا جاسکتا ہے، اور نفلی حج بدل کا حکم بھی حج نفل ہی کی طرح ہے۔ (انوار مناسک ۵۴۹)

بخلاف مالو أهل بحج من أبويه أو غيرهما من الأجانب حال كونه تبرعاً فعين بعد ذلك جاز؛ لأنه تبرع بالثواب، فله جعله لأحدهما أو لهما. (درمختار) وإن أحرم عنهما بغير أمرهما صح جعله لأحدهما، أو لكل منهما.

(شامي ۳ /۲۸۱ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۲۱/ ۱۴۲۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بغیر وصیت کے حج بدل کرنا بہتر ہے یا نفلی حج کرکے ثواب پہنچانا

سوال (۲۱۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسے مرحوم رشتہ دار کی طرف سے جس نے وصیت نہیں کی ہے حج بدل کرکے ایصال ثواب کرنا زیادہ بہتر ہے یا اپنا نفلی حج کرکے اس کا ثواب بخشنے میں زیادہ ثواب ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مرحوم رشتہ دار پر حج فرض ہوچکا تھا، لیکن وہ ادا کرنے سے پہلے وفات پاگیا، تو اس کی طرف سے حج بدل کرنا افضل ہے، اور اگر میت پر حج فرض نہ تھا، تو اس کی طرف سے حج بدل کرنا یا نفلی حج کرکے اسے ثواب پہنچانا دونوں برابر ہے۔

كما إذا كان ميتا وعليه حج الفرض ولم يوص به، أو أوصى به ولا مال له، فإنه لو تبرع عنه الوارث، وكذا الأجنبي، فحج عنه، أو أحج قال أبوحنيفة: يجزيه إن شاء الله تعالىٰ عن حجة الإسلام. (غنية ٢ ٣٢ إدارة القرآن كراچی)

وإن لم يوص به حتى مات أثم بتفويته الفرض عن وقته إمكان الأداء في الجملة فيأثم؛ لكن يسقط عنه في أحكام الدنيا عندنا، حتى لا يلزم الوارث الحج من تركه؛ لانه عبادة، والعبادات تسقط بموت من عليه، سواء كانت بدنية أو مالية في حق أحكام الدنيا عندنا . (بدائع الصنائع، البحر العميق ٤/٨ ٤ ٢٣) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک سے زائد لوگوں کو نفل حج کا ثواب پہنچانا؟

سوال (۲۱۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر حج بدل کیا جائے تو اس کا ثواب کئی لوگوں کے لئے پہنچا سکتے ہیں؟ یا پھر ایک کو؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج نفل کر کے اس کا ثواب ایک یا متعدد حضرات کو پہنچایا جا سکتا ہے، اور نفلی حج بدل کا حکم بھی حج نفل ہی کی طرح ہے۔ (انوار مناسک ۵۴۹)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من حج عن ميت فللّذي حج عنه مثل أجره ومن فطر صائما فله مثل أجره، ومن دل على خير فله مثل أجر فاعله. (المعجم الأوسط ٤/ ٢٣١ رقم: ٥٨١٨)

بخلاف ما لو أهل بحج من أبويه أو غيرهما من الأجانب حال كونه تبرعاً فعين بعد ذلک جاز؛ لأنه تبرع بالثواب، فله جعله لأحدهما أو لهما. (درمختار) وإن أحرم عنهما بغير أمرهما صح جعله لأحدهما، أو لكل منهما.

(شامي ٤/ ٢٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۱/۱۰/۱۴۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کرانے والے، کرنے والے اور جس کی طرف سے کر رہا ہے کس کو زیادہ ثواب ملے گا؟

سوال (۲۱۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: نیز حج بدل مین حج بدل کرانے والے، حج بدل کرنے والے اور جس کی طرف سے حج بدل کیا ہے، ان تینوں کو برابر ایک ایک حج کا ثواب ملتا ہے، یا کمی زیادتی کے ساتھ؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کرنے والے اور کرانے والے نیز جس کی طرف سے حج بدل کیا جا رہا ہے ان کو اپنے عمل کے اعتبار سے کم وزیادہ ثواب ملے گا، میت کی طرف

سے وارث یا اجنبی شخص حج کرتا ہے، تو حج میت کی طرف سے ادا ہوگا، اگر کوئی شخص بذات خود اپنے ہی مال سے کسی عزیز یا دیگر شخص کی طرف سے حج بدل کرتا ہے، تو حج کرنے والے کو سات حجوں کا ثواب ملے گا اور جو شخص کسی دوسرے کے حکم سے میت کی طرف سے حج بدل کرے گا، تو اس حج کرنے والے کو اپنے عمل حج کا ثواب ملے گا، اور حج کے بعد زائد عمرے یا طواف کرے گا تو وہ خود اسی کے ہوں گے۔ (جواہر الفقہ ۱/۵۰۶، ایضاح المناسک ۱۷۴)

كما إذا كان ميتاً وعليه حج الفرض ولم يوص به، أو أوصى به ولا مال، فإنه لو تبرع عنه الوارث، وكذا الأجنبي فحج عنه، أو حج قال أبوحنيفة: يجزيه انشاء الله تعالىٰ عن حجة الإسلام. (غنية ۳۲۲ إدارة القرآن كراچى)

وعن ابن عباس رضى الله عنه مرفوعاً من حج عن أبيه أو أمه فقد قضا حجته، وكان له فضل عشر حجج. (سنن الدار قطني رقم: ۲۰۸۷) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۶/۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

بیوی کی طرف سے نفلی حج کرنا

سوال (۲۱۹): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اپنا حج کر چکا اور زید کی بیوی جس پر حج فرض نہیں تھا وہ انتقال کر چکی، اب زید دوبارہ عازم حج ہے اور چاہتا ہے کہ اس حج کو اپنی مرحومہ بیوی کی طرف سے کرے، تو یہ درست ہے یا نہیں، اور اس کا کیا طریقہ ہے؟ اور زید کو بھی کچھ ثواب ملے گا یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بیوی کی طرف سے نفلی حج درست ہوجائے گا، اور اس شوہر کو بھی ثواب ملے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۵۰۶، ایضاح المناسک ۱۷۴)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما مرفوعاً: من حج عن ميت كتب للميت

حـجة وللحاج سبع حجات وعن جابر مرفوعا: من حج عن أبيه أو أمه فقد قضى عنه حجته وكان له فضل عشر حجج. (غنية الناسك ١٨١) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۹/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹے لڑکے کو بیوی کی طرف سے حج بدل کیلئے ساتھ لیجانا؟

سوال (۲۲۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری اہلیہ کا انتقال ہوگیا ہے اور میں نے پہلی مرتبہ حج بیت اللہ شریف کے لئے درخواست دی ہے جو منظور ہوگئی ہے، لیکن میری خواہش ہے کہ اہلیہ مرحومہ کے لئے بھی کوئی حج بدل کا انتظام ہوجائے، اس کے لئے میں نے اپنے چھوٹے لڑکے کے حج کے لئے سوچ رکھا ہے، لڑکے نے اب تک کوئی حج نہیں کیا ہے کیا میں اس کو ساتھ حج بدل کے لئے لے جاسکتا ہوں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: افضل یہ ہے کہ ایسے شخص سے حج بدل کرایا جائے جس نے پہلے سے اپنا حج کررکھا ہو، لیکن اگر ایسے شخص نے حج بدل کرلیا تو مرحوم کی طرف سے حج ادا ہوجاتا ہے، بریں بنا صورتِ مسئولہ میں اہلیہ مرحومہ کے حج بدل کے لئے چھوٹے لڑکے کو اپنے ساتھ لے جانے کی گنجائش ہے، ہاں اگر لڑکا خود مال دار اور صاحب استطاعت ہو تو اس کا حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہوگا۔

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلاً عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه ...... وفي الكرماني: الأفضل أن يكون عالماً بطريق الحج وأفعاله، ويكون حراً عاقلاً بالغاً ...... ومع هٰذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر. (الفتاویٰ الهندية ٢٥٧/١)

ويجوز حج الصرورة وهو الذي لم يحج عن نفسه ويكره. (درر الحكام / حكم الهدي ٢٦٢/١ الشاملة)

قال في الفتح بعد ما أطال الاستدلال: والذي يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم الخ. قال في البحر: والحق أنها تنزيهية على الآمر لقولهم والأفضل ...... تحريمية على الصرورة المامور الذي اجتمعت فيه شروط الحج ولم يحج عن نفسه؛ لانه آثم بالتاخير. (شامي / باب الحج عن الغير ٤/ ٢١ بيروت، شامي ٢/ ٦٠٣-٦٠٤ كراچی، کتاب المسائل ٣/ ٣٦٨) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۲۲/ ۱۰/ ۱۴۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کہاں سے کرائے؟

سوال (۲۲۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنی والدہ کی وفات سے قبل دو سال تک زیارت بیت اللہ شریف کے لئے درخواست دی؛ لیکن وہ منظور نہ ہوسکی اور والدہ کا انتقال ہوگیا، والدہ نے انتقال سے قبل زید کو یہ وصیت کی کہ اگر تمہارے پاس گنجائش ہو تو میرا حج بدل کرادینا، زید کے پاس اس وقت حج بدل کرانے کی گنجائش تھی؛ لیکن اس وقت نہیں کراسکا، اب حج بدل کرانے کا ارادہ ہے، تو دریافت یہ کرنا ہے کہ حج بدل وطن ہی سے کرانا ضروری ہے یا مکہ معظّمہ میں بھی کراسکتے ہیں؟ معلوم یہ ہوا ہے کہ مدرسہ صولتیہ میں اس کا نظم ہوتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: صورتِ مسئولہ میں اگر والدہ کے مال سے حج بدل کرایا جائے، یعنی مرحومہ نے اتنا مال چھوڑا ہو کہ سارے حقوق متقدمہ کی ادائیگی کے بعد حج کا خرچہ نکل آتا ہو، تو اس کا حج اس کے وطن سے کرانا ضروری ہے، اور اگر بیٹا خود اپنے مال سے حج کرارہا ہے، والدہ نے مال نہیں چھوڑا تو کسی بھی جگہ سے حج بدل کرانے کی گنجائش ہے، مکہ مکرمہ

سے بھی کرا سکتے ہیں، مگر میقات کے باہر سے حج کرانا صاحب استطاعت کے لئے افضل ہے۔

(مستفاد: احسن الفتاویٰ ۴/ ۵۲۹)

ومنها أن يحج من بلده الذي يسكن؛ لأن الحج مفروض عليه من بلده فمطلق الوصية تنصرف إليه، هٰذا إذا كان ثلث ماله يكفي ذٰلک، أما إذا كان لا يكفي فمن حيث يبلغ. (البحر العميق ٤/ ٢٣٦٦)

فإن فسر المال أو المكان فالأمر عليه أي على ما فسره وإلا فيحج عنه من بلده، فلو أحج الوصي عنه من غيره لم يصح، إن وفى به أي بالحج من بلده ثلثه، وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً. (شامي ٦/ ٦٠٤-٥ كراچى ٦٠، شامي ٤/ ٢٣-٢٤ زكريا)

فمن عجز عن الحج بنفسه وجب عليه أن يستنيب غيره ليحج عنه ويصح الحج عنه بشروط، منها: وإن لم يعين وجب أن يحج عنه من بلده إن كان ثلث ماله يكفي، فإن لم يكفي وجب أن يحج عنه من المكان الذي يكفي عنه المال. (كتاب الفقه على المذاهب الأربعة ١/ ٧٠٧-٧٠٩)

هٰذا إذا كان ثلث المال يبلغ أن يحج عنه من بلده حج عنه، فإن كان لا يبلغ يحج من حيث يبلغ استحسانا. (بدائع الصنائع / وأما بيان فوائت الحج ٢/ ٤٧١ نعيمية ديو بند، ٢/ ٢٢٢ كراچى، غنية الناسك جديد ٣٢٩، انوار مناسك ٥٤٥-٥٤٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/ ۱۰/ ۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدرسہ صولتیہ میں حج بدل کا پیسہ جمع کرکے حج بدل کرانا

سوال (۲۲۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل میں ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ حج بدل کا نظم مدرسہ صولتیہ والے کرتے ہیں، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک سال رقم جمع کی اور آئندہ سال کو انہوں نے کسی کے ذریعہ حج بدل کرادیا اور

اس کی اطلاع بذریعہ رسید دے دی، تو کیا وہیں سے حج بدل کرایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ یا وطن سے ہی حج بدل کا سفر کرنا ضروری ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مال کی وسعت ہوتے ہوئے یہ طریقہ اختیار کرنا مکروہ ہے؛ لیکن اس سے حج فرض جبھی ساقط ہوگا جب کہ میت نے خود وہاں سے حج کرانے کی وصیت کی ہو۔

ولو عين مكانا غير بلده فكما أوصٰى قرب من مكة أو بعد. (غنية الناسك ٣٢٩ إدارة القرآن كراچى)

وإن أوصىٰ أن يحج عنه من موضع كذا من غير بلده يحج عنه من ثلث ماله من ذٰلک الموضع الذي بين قرب من مكة أو بعد عنها؛ لأن الإحجاج لايجوز إلا بأمره فيتقدر بقدر أمره. (بدائع الصنائع ٢/ ٢٢٣ قديم، ٣/ ٢٩٤ بيروت)

فلو أحج الوصي من غير ما وجب الإحجاج منه يضمن؛ لأنه خالف و يكون الحج له و يحج عن الميت ثانيا. (غنية الناسك ٣٢٩ جديد، كذا في الزبدة ٢/ ٤٥٢)

اور جو صاحبِ استطاعت شخص ہندوستان میں مقیم ہو اور بیماری یا کمزوری کی وجہ سے حج کرنے سے عاجز ہوجائے تو اس کے خرچ سے اس کے وطن سے حج بدل کرانا ضروری ہے۔

فمن عجز عن الحج بنفسه وجب عليه أن يستنيب غيره ليحج عنه ويصح الحج عنه بشروط ...... و إن لم يعين وجب أن يحج عنه من بلده إن كان ثلث ماله يكفي. (الفقه على المذاهب الأربعة ١/ ٧٠٩-٧٠٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۶/۱۰/۱۴۱۱ھ

حج بدل اپنے ذاتی پیسہ سے کرنا

سوال (۲۲۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: میرے بھائی کے لڑکے نوکری کے لئے ریاض گئے ہوئے ہیں، چوں کہ انہوں نے اپنا حج اور عمرہ پورا کرلیا ہے، اب نوکری کے سلسلہ میں ریاض میں ہیں، اب وہ اپنے دادا کے نام حج بدل کرسکتے ہیں یانہیں؟ تفصیل کے ساتھ جواب لکھیں۔

نوٹ:- وہ لڑکا حج بدل اپنے ذاتی پیسہ سے کرنا چاہتا ہے میں اس کو پیسہ دینا چاہتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر چچیرے دادا نے اپنا حج بدل کرانے کی وصیت کی ہے تو ان کا حج بدل اس وقت تک ادا نہ ہوگا، جب تک کہ ان کا پیسہ حج بدل میں خرچ نہ کیا جائے، ہاں اگر ان کا کوئی عزیز ان کی طرف سے نفلی حج کرنا چاہتا ہے، جیسا کہ سوال مذکورہ بالا سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ریاض میں رہنے والا شخص ایصال ثواب کی نیت سے اپنے چچیرے دادا کی طرف سے حج کرنا چاہتا ہے تو ایسی صورت میں اس کا حج کرنا درست ہے، آپ کے لئے اس کا پیسہ دینا ضروری نہیں ہے، مگر یہ حج بدل نہ ہوگا۔

عن أنس رضي اللّٰه عنه قال: یا رسول اللّٰه! إنا نتصدق عن موتانا ونحج عنهم وندعولهم فهل یصل ذٰلک إلیهم قال نعم، إنه لیصل الیهم وإنهم لیفرحون به کما یفرح أحدکم بالطبق إذا أهدی إلیه. رواه أبو حفص العکبري (شامي ۲۹٦/۲ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۴/۹/۳ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کون کرے؟

سوال (۲۲۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید اس سال مع بیوی کے حج کو جارہا ہے، اس کی دوسری بیوی کا انتقال ہوچکا ہے، اس پر بھی حج فرض تھا زید مرحومہ بیوی کی طرف سے حج کرانے کے لئے اپنے بھائی کو جو دین دار صوم

وصلوٰۃ کا پابند ہے، ساتھ لے جارہا ہے، زید کا یہ بھائی مالدار نہیں ہے، اس پر حج فرض نہیں ہے، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ حج بدل وہی آدمی کرسکتا ہے جو پہلے اپنا حج کرچکا ہو، زید کا بھائی جو حج مرحومہ کی طرف سے حج کرنے کی نیت سے کرے گا اس کا کیا رہے گا یا اس کو کس طرح نیت کرنی چاہئے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہتر ہے کہ حج بدل ایسے شخص سے کرایا جائے جو اپنا حج پہلے کرچکا ہو؛ لیکن اگر اپنا حج فرض ادا کئے بغیر بھی کوئی شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کرلے تو بھی صحیح ہوجاتا ہے؛ لہٰذا آپ اپنے مذکورہ بھائی کو مرحومہ بیوی کی طرف سے حج بدل کے لئے لے جاسکتے ہیں، وہ اسی مرحومہ کی طرف سے احرام باندھے گا اور نیت کرے گا، حج بدل کے احکامات مسائل حج کی کتابوں میں ملاحظہ کئے جائیں۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما: أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم سمع رجلا یقول: لبیک عن شبرمة قال: من شبرمة؟ قال: أخ لي، أو قریب لي، قال: حججت عن نفسک؟ قال: لا، قال: حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة. (سنن أبي داؤد / باب الرجل یحج عن غیره رقم: ۱۸۱۱)

واختلف في أن من لم یحج عن نفسه، هل یجوز له أن یحج عن غیره؟ …… وعند الحنفیة: یکره له ما لم یحج عن نفسه واستدل المانعون بحدیث ابن عباس هٰذا وقالوا: هٰذا الحدیث یدل علی أنه یجب علیه أن یحج عن نفسه، ثم یحج عن غیره. (بذل المجهود ۵۹/۷-۱۵۸ مرکز الشیخ أبي الحسن الندوي، مظفر فور أعظم جراه)

والأصل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه. (البحر الرائق ۶۹/۳ کراچی، ۱۲۳/۳ زکریا)

والأفضل أن یکون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غیره یصیر تارکاً إسقاط الحج عن نفسه فیتمکن في هٰذا الإحجاج ضرب کراهة؛ ولأنه إذا کان

حج مرة كان أعرف بالمناسک، و كذا هو أبعد عن محل الخلاف فكان أفضل.

(بدائع الصنائع ٣/ ٢٧٤ بيروت)

والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه. (البحر الرائق ٣/ ٦٩ كراچی)

ولأنه إذا كان حج مرة كان أعرف بالمناسک، وكذا هو أبعد عن محل الخلاف فكان أفضل. (بدائع الصنائع ٣/ ٢٧٤ بيروت)

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه، وفي الكرماني: الأفضل أن يكون عالما بطريق الحج وأفعاله و يكون حراً عاقلاً بالغاً. (الفتاویٰ الهندية ١/ ٢٥٧، أنوار مناسك ٥٥٢) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۱/۱۱/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل کرنا؟

سوال (۲۲۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہمارے مفتی صاحب نے دس آدمیوں کے حج کے بدلے میں خود نے ایک حج فری کیا، مگر دوسرے آدمی سے حج بدل کا پیسہ لے لیا، تو کیا مذہب اسلام میں عالم کے لئے ایک ٹائم میں دو حج کرنے کا قانون ہے؟ کیا اس کے لئے ایک ٹائم میں دو حج جائز ہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مفتی صاحب کے معاملہ کی تحقیق تو ان سے تفتیش کے بعد ہی ہوسکتی ہے، عموماً اس طرح کی افواہیں علماء کو بدنام کرنے کے لئے پھیلائی جاتی ہیں، باقی مسئلہ یہی ہے کہ ایک وقت میں دو شخصوں کی طرف سے حج بدل نہیں کیا جاسکتا۔

ومن حج عن كل من اٰمريه وقع عنه وضمن مالهما. (درمختار / باب الحج عن الغير ٢/ ٦٠٧ كراچی)

السابع: أن يفرد الإهلال لواحد معين، فلو أهل بحجة عن آمريه، ولو كانا أبويه نيته عنها، ووقعت الحجة عنه و ضمن نفقتهما إن أنفق من مالهما؛ لأنه خالفهما بترك التعيين و لا يقدر على لأحدهما لعدم الأولوية. (غنية الناسك / باب الحج عن الغير ٣٢٥ إدارة القرآن كراچی، بدائع الصنائع / بيان شرائط النيابة في الحج ٤٥٨/٢ نعيمية ديو بند) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۲/۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

امیر الحجاج کا دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا؟

سوال (۲۲۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: امیر الحجاج کے تمام اخراجات ٹور کمپنی برداشت کرتی ہے، ایسی حالت میں کیا وہ کسی کی طرف سے حج بدل کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: حج بدل کے لئے آمر یعنی حج کرانے والے کی طرف سے حکم اور نفقہ شرط ہے، اب اگر وہ ٹور کمپنی سے معاملہ کرلے کہ میری طرف سے حج بدل کرادیا جائے تو ٹور کمپنی ساتھ لے جانے والے عالم سے کہے کہ فلاں کی طرف سے حج بدل کریں تو اب آمر کا حج بدل صحیح ہوسکتا ہے، اس تفصیل کے بغیر دوسرے کی طرف سے حج بدل صحیح نہ ہوگا، ہاں وہ عالم یہ کرسکتا ہے کہ اپنی طرف سے نفلی حج کرکے اس کا ثواب جس کو چاہے پہنچادے۔

وبشرط نية الحج أي عن الآمر فيقول: أحرمت عن فلان ولبَّيت عن فلان ولو نسي إسمه فنوىٰ عن الآمر صح، وتكفى نية القلب ......وبشرط الأمر به أي بالحج عنه فلا يجوز حج الغير بغير إذنه ...... وبقي من الشرائط النفقة من مال الآمر كلها أو أكثرها. (درمختار / باب الحج عن الغير ٤/١٥-١٦ زكريا، غنية الناسك / باب الحج عن الغير ٣٣٦ إدارة القرآن كراچی)

عن الحسن وعطاء أنهما قالا: إذا حج الرجل عن الرجل فنسي أن يسميه فقد أجزأ عنه الحج، فإن اللّٰه تعالىٰ قد علم عمن حج. (المصنف لابن أبي شيبة / الحج فيه إذا نسي أن يسميه ٨/٢٣٥ رقم: ١٣٧٢٨)

عن عبد اللّٰه بن عمرو رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا تصدق بصدقة تطوعا فيجعلها عن أبويه فيكون لهما أجرها ولا ينقص من أجره شيئا. (مجمع الزوائد / باب الصدقة على الميت ٣/١٣٨)

جئنا إلى الكلام في حجة التطوع فنقول: من أمر غيره بحج التطوع جاز ذٰلك ويصير للآمر ثواب النفقة في طريق الحج من حيث أنه حيث أنه سبب إلى الحج بالإتفاق، أو يصير المأمور جاعلا ثواب فعله للأمر فهذا جائز عند أهل السنة. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٦٤٧ زكريا)

الحج التطوع عن الصحيح جائز ويكون الحج عن المحج. (شامي ٢/٦٠٣ كراچی، انوار مناسك ٥٥٩)

وأما النفل فلا يشترط فيه شيء منها. (شامي ٤/١٨ زكريا، غنية الناسك / باب الحج عن الغير ٣٢٢-٣٢٣ إدارة القرآن كراچی، مناسك ملا علي القاري / باب الحج عن الغير ٤٣٦-٤٣٧ إدارة القرآن كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٦٤٨ رقم: ٥٢٤٣ زكريا ديوبند) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۲۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجنا جس نے اپنا حج نہ کیا ہو؟

سوال (۲۲۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل کے لئے کوئی ایسا شخص جاسکتا ہے یا نہیں جس نے خود اپنا حج فرض نہ کیا ہو، کیا اس بارے میں صاحب استطاعت اور غیر صاحب استطاعت کے حکم میں فرق ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر مستطیع شخص اپنا حج فرض ادا کرنے کے بجائے دوسرے کی طرف سے حج بدل کے لئے جائے اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی ہے، اور غیر مستطیع شخص اگر ایسا کرے تو یہ عمل آمر کے لئے خلافِ اولیٰ ہے؛ لیکن آمر کا حج بہر دوصورت ادا ہوجائے گا، اور بہر حال افضل یہ ہے کہ جانکار تجربہ کار اور دیانت دار شخص جو اپنا حج پہلے کر چکا ہو، اسے حج بدل کے لئے بھیجا جائے۔ (مستفاد: جواہر الفقہ ۱/۵۰۷، احسن الفتاویٰ ۴/۵۱۲، ایضاح المسائل ۱۲۳، ایضاح المناسک ۱۷۰)

قال في الفتح والبحر: والحق أنها تنزيهية للآمر لقولهم: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه حجة الإسلام تحريمية على الصرورة المامور إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملک الزاد والراحلة والصحة؛ لأنه يتضيق عليه والحالة هٰذه في أول سني الإمكان فيأثم بتركه. وكذا في كافي أبي الفضل: قال: إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملک الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم. (غنية الناسك / باب الحج عن الغير ٣٣٨ إدارة القرآن كراچی، كذا في الدر المختار مع الرد المحتار ٦٠٣/٢ كراچی، ٢١/٤ زكريا، فتح القدير / باب الحج عن الغير ١٥١/٣ دار الفكر بيروت، بدائع الصنائع ٤٥٦/٢ نعيميه ديو بند) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفر لہ ۱۴۲۱/۵/۲۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اس کو حج بدل کرنے کی وصیت کرنا؟

سوال (۲۲۸): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید کے چار لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، تو زید مرحوم نے اپنی زندگی میں اپنے ایک لڑکے کے لئے کہا کہ تم حج کو چلے جانا، جب کہ اس لڑکے نے ابھی تک اپنا حج نہیں کیا ہے؛ لہٰذا جس نے فریضۂ حج ادا کرلیا ہے اس کو بھیجا جائے یا مامور ہی جاسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس لڑکے سے میت نے حج کرنے کو متعین طور پر کہا ہے، وہی اس کی جانب سے حج بدل کرے گا اور پہلے سے حج کرنا حج بدل کی صحت کے لئے لازم نہیں ہے۔

وبقي من الشرائط ...... وحج المأمور بنفسه وتعينه إن عينه. (درمختار ۲/ ۶۰۰ کراچی، ۴/ ۱۶ زکریا)

ولا يشترط البلوغ والحرية ولا الذكورة ولا أن يكون قد حج عن نفسه. (غنية الناسك ۳۳۷ إدارة القرآن کراچی، زبدة المناسك ۲/ ۴۴)

المامور المعين إن عينه الآمر بأن قال: يحج عني فلان لا غيره فمات فلان لم يجز حج غيره عنه ولو لم يصرح بالمنع بأن لم يقل لا غيره فمات فلان أحجوا عنه غيره. (غنية جديد ۳۲۸، قديم ۱۷۶ انوار مناسك ۵۴۸) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۶/۱۰/۱۴۱۱ھ

جس پر حج فرض نہ ہو اس کا بار بار حج بدل کرنا؟

سوال (۲۲۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جو لوگ ایک سے زائد حج بدل کر چکے ہیں، حالانکہ ان پر حج فرض نہیں ہے، تو اس کا حج بدل کے لئے جانا اور لوگوں کا اس سے حج کروانا کیسا ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں وضاحت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں مذکورہ شخص سے حج بدل کرانا جائز مگر مکروہ تنزیہی ہے۔

فجاز حج الصرورة من لم يحج عن نفسه ...... وغيرهم أولى لعدم

الخلاف، وتحته في الشامية: ولا يخفى أن التعليل يفيد أن الكراهة تنزيهية وقال في الفتح أيضا: والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسہٖ.
(در مختار مع الشامي / باب الحج عن الغير ٤ / ٢١ زکریا، ٢/ ٦٠٣ کراچی، کذا في غنیة الناسك ٣٣٧ إدارة القرآن کراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٦٤٩ زکریا)

ومع هٰذا لو أحج رجلاً لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا وسقط الحج عن الآمر. (الفتاوىٰ الهندية ١/ ٢٥٧، البحر الرائق ٣/ ٦٩، بدائع الصنائع ٣/ ٢٧٤ بيروت) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

جو شخص صاحب نصاب نہ ہو اس کا دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنا

سوال (۲۳۰): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر زید حج بدل کرنا چاہتا ہے اور حاجی نہیں ہے اور صاحب نصاب نہیں ہے، تو حج بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص خود صاحب استطاعت نہ ہو وہ اگر دوسرے کی طرف سے حج بدل کرے، تو اس کی بکراہت اجازت ہے، تاہم بہتر اور افضل یہی ہے کہ ایسے شخص سے حج بدل کرایا جائے جو پہلے اپنا حج کرچکا ہو، اور حج کے ارکان ومناسک سے اچھی طرح واقف ہو۔

والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه، وذكر في البدائع كراهة إحجاج الصرورة؛ لأنه تارک فرض الحج. (شامي ٤/ ٢١ زکریا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۰/۲/۸ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

صاحبِ استطاعت کا اپنا حج کئے بغیر حج بدل کرنا مکروہِ تحریمی ہے

سوال (۲۳۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایسا شخص جس نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے، وہ کسی دوسرے شخص کا حج بدل ادا کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

(۲) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ نے اپنی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' میں تحریر فرمایا ہے کہ مذکورہ بالا شخص اگر حج بدل ادا کرتا ہے تو احناف کے نزدیک جائز ہے، مگر مکروہ ہے'' اس مکروہ سے کیا مراد ہے، اس کی عام فہم انداز میں وضاحت فرمائیں۔

(۳) ایسا شخص جو کسی شرعی عذر کی بنا پر سفر کی صعوبتیں برداشت نہیں کرسکتا، وہ اپنا حج بدل ایسے شخص سے کرائے جس نے ابھی اپنا فریضہ ادا نہیں کیا ہے، اور نہ ہی اس پر فرض ہے، ایسی صورت میں ان دونوں لوگوں کا کیا حکم ہوگا؟ الگ الگ واضح فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جس شخص نے خود پہلے حج نہیں کیا ہے، اس سے حج بدل کرانا بکراہت درست ہے، اور کراہت میں تفصیل یہ ہے کہ اگر مامور بالحج خود صاحب استطاعت ہوا ور اپنا حج نہ کرکے دوسرے کی طرف سے حج بدل کے لئے جائے تو اس کا یہ عمل مکروہ تحریمی ہوگا، اور اگر مامور پر حج فرض نہیں ہے اور وہ دوسرے کی طرف سے حج بدل کرنے جارہا ہے، تو یہ عمل خلاف اولیٰ اور مکروہ تنزیہی ہے، زیادہ بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لئے ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اپنا حج پہلے ادا کرچکا ہو، اور مسائل ومناسک حج سے اچھی طرح واقفیت رکھتا ہو۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما: أن النبي صلی اللّٰه علیه وسلم سمع رجلا یقول: لبیک عن شبرمة قال: من شبرمة؟ قال: أخ لي، أو قریب لي، قال: حججت عن نفسک؟ قال: لا، قال: حج عن نفسک ثم حج عن شبرمة. (سنن أبي داؤد / باب الرجل یحج عن غیره رقم: ۱۸۱۱)

عـن جـعـفـر عـن أبيـه: أن عـليـا كـان لا يرى بأسا أن يحج الصرورة عن الرجل. (المصنف لابن أبي شيبة / الحج ٨/ ١٨٩ رقم: ١٣٥٤٢)

عـن مـجـاهد: في الرجل يحج عن الرجل ولم يكن حج قط؟ قال: يجزئ عـنه وعن صاحبه الأول، قال أبو بكر: الصرورة الذي لم يحج قط. (المصنف لابن أبي شيبة / الحج ٨/ ١٨٩ رقم: ١٣٥٤٣)

يـجـوز إحـجاج الصرورة وهو الذي لم يحج أولا عن نفسه لكنه مكروه.
(البحر الرائق ٣/ ٦٩ كراچی، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٦٤٩ زكريا ديوبند)

والـذي يـقتـضيـه الـنـظـر أن حـج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقيق الـوجوب عليه بملک الزاد والراحلة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم. (فتح القدير ٣/ ١٦٠ بيروت)

والأفـضـل إحـجـاج الحر العالم بالمناسک الذي حج عن نفسه. (شامي ٤/ ٢١ زكـريـا، الـفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٦٤٩ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/ ٢٥٧ كوئٹه، بدائع الصنائع / بيان شرائط جواز النيابة ٣/ ٢٧٤ بيروت) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۲/۶/۲۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کی طرف سے کیا عورت حج بدل کرسکتی ہے؟

سوال (۲۳۲): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری والدہ محترمہ ضعیف بھی ہے، اور ہاٹ کی مریضہ بھی ہے، ان کے بدلے میں میں کسی کو حج کے لئے بھیجنا چاہتا ہوں، اس کی کیا شکل ہے؟ کیسے آدمی کو بھیجا جائے؟ عورت کو یا مرد کو بھیجا جائے، حج بدل کے بارے میں پوری تفصیل تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مرد کی طرف سے عورت کو حج بدل کرنا جائز مگر مکروہ

ہے؛ اس لئے کہ عورت کے حج میں بہت سی سنتیں مثلاً رمل، اضطباع وغیرہ نہیں ہیں، اس لئے بہتر یہی ہے کہ مرد سے حج بدل کرایا جائے۔ (معلم الحجاج ۲۸۶)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفى سنن الحج فإنها لا ترمل في الطواف، ولا تسعى بين الصفا والمروة، ولا تحلق وغير ذٰلک من الأفعال التي جازت للرجل دونها. (البحر العميق ٤/٢٢٦٨، شامي ٤/٢١ بيروت)

عن الفضل بن عباس رضي اللّٰه عنهما أن امرأة من خثعم قالت: يا رسول اللّٰه! إن أبي أدركته فريضة اللّٰه في الحج، وهو شيخ كبير، لا يستطيع أن يستوي على ظهر البعير، قال حجي عنه. (سنن الترمذي ١/١٨٥)

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز. (البحر العميق ٤/٢٢٦٨)

وعلل في الفتح: الكراهة في المرأة بما في المبسوط من أن حجها أنقص؛ إذ لا رمل عليها، ولا سعي في بطن الوادي، ولا رفع صوت بالتلبية، ولا حلق.

(شامي / باب الحج عن الغير / مطلب في الحج الصرورة ٤/٢١ زكريا، كتاب المسائل ٣/٣٦٦)

فإن حج امرأة جاز مع الكراهة؛ لأن حج المرأة أنقص؛ لأنه ليس فيه رمل ولا سعي في بطن الوادي ورفع الصوت بالتلبية و لا الحلق فكان إحجاج الرجل عنه أكمل من إحجاج المرأة. (المبسوط ٤/١٥٥، أوجز المسالك ٢/٨٩٣، بدائع الصنائع ٢/٢١٣، أنوار مناسك ٥٠٣) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۴/۱۱/۱۴۱۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا عورت محرم مرد کے ساتھ حج بدل کرسکتی ہے؟

سوال (۲۳۳۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: کیا عورت محرم مرد وغیرہ کے ساتھ حج بدل کرسکتی ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت اگرچہ حج بدل کرسکتی ہے، مگر بہتر ہے کہ مرد سے حج بدل کرایا جائے۔

وعلل في الفتح: الكراهة بما في المبسوط من أن حجها أنقص إذ لا رمل عليها ولا سعي في بطن الوادي ولا رفع صوت بالتلبية ولا حلق. (شامي ٤/ ٢١ زكريا)

اور محرم یا شوہر کے ساتھ عورت کے نفلی حج کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ولا فرق أيضاً بين أن يكون الحاج عن الغير رجلاً أو امرأة إلا أنه يكره إحجاج المرأة ويجوز، أما الجواز فلحديث الخثعمية، وأما الكراهة فلأنه يدخل في حجها ضرب نقصان؛ لأن المرأة لا تستوفى سنن الحج، فإنها لا ترمل في الطواف ولا تسعى بين الصفا والمروة ولا تحلق وغير ذٰلک من الإفعال التي جازت للرجل دونها. (البحر العميق ٤/ ٦٨ ٢٢، شامي ٤/ ٢١ بيروت) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۹/ ۳/ ۱۴۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل میں تمتع کرنا؟

سوال (۲۳۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل میں تمتع کرسکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں اصل یہ ہے کہ مامور کا حج میقاتی ہو، یعنی

وہ میقات سے حج کا احرام باندھے اور یہ بات حج افراد اور حج قران میں تو پائی جاتی ہے؛ لیکن حج تمتع میں نہیں پائی جاتی، اسی لئے بہت سی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ حج بدل میں افراد یا قران ہی ہونا چاہیئے، حج تمتع سے حج بدل معتبر نہ ہوگا۔

قالوا: قيد بالقران؛ لان في التمتع يصير مخالفاً بالإجماع وإن نوى العمرة عن الآمر؛ لأنه أمر بالإنفاق في سفر الحج، وقد اتفق في سفر العمرة؛ ولأنه أمر بحجة ميقاتية وقد أتى بحجة مكية. (البحر العميق ٤/ ٢٣ ٣١، مناسك ملا علی القاري ٤٥٩)

نیز زبدۃ المناسک از: حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، غنیۃ الناسک، از: حضرت مولانا حسن شاہ مہاجر مکیؒ، اور معلم الحجاج، از: حضرت مولانا قاری سعید احمد صاحب اجراڑویؒ، وغیرہ میں بھی یہی رائے اپنائی گئی ہے۔

لیکن موجودہ دور میں بالخصوص احرام میں طوالت اور جنایات احرام کے ارتکاب کے خطرہ کی وجہ سے محقق مفتیانِ کرام نے آمر کی اجازت سے حج بدل میں تمتع کے جواز کی رائے اپنائی ہے۔

چناں چہ لباب المناسک (للشیخ رحمت اللہ سندھی) اور ارشاد الساری حاشیۃ مناسک ملا علی قاری (از: علامہ محمد سعید عبدالغنی مکی) اور زبدۃ المناسک مع عمدۃ المناسک (مؤلفہ حضرت مولانا شیر محمد سندھیؒ مہاجر مدنی) ۴۵۶، جواہر الفقہ (مؤلفہ: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ) ۵۰۸-۵۱۶، احسن الفتاویٰ (مؤلفہ: مفتی رشید احمد لدھیانویؒ) ۵۲۳/۴ اور انوار مناسک (مؤلفہ: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی) ۵۵۰-۵۵۱ میں بھی دلائل کے ساتھ یہی رائے مذکور ہے۔

نیز ادارۃ المباحث الفقہیۃ جمعیۃ علماء ہند کے چھٹے فقہی اجتماع منعقدہ ۱۴۱۷ھ میں منظور کردہ تجویز کے الفاظ حسب ذیل ہیں: ’’حج بدل کا اصل حکم تو یہی ہے کہ مامور حج افراد کرے؛ لیکن اگر آمر یا وصی تمتع کی اجازت دے تو تمتع بھی درست ہے؛ البتہ دم تمتع مامور اپنے مال سے ادا کرے الا یہ کہ آمر دم تمتع ادا کرنے کی بھی اجازت دے دے، خواہ یہ اجازت صراحۃً ہو یا دلالۃً‘‘۔

تاہم بہتر یہی ہے کہ حج بدل میں حج افراد کیا جائے؛ تا کہ کوئی خلجان نہ رہے، اور اس کی آسان

شکل یہ ہوسکتی ہے کہ حج کے قریبی وقت میں سفر کیا جائے (اور آج کل پرائیویٹ ٹور سے جانے میں اس میں زیادہ دشواری نہیں ہے؛ کیوں کہ بہت سے ٹور والے بالکل آخری دنوں میں سفر پر لے جاتے ہیں) یا اولاً مدینہ منورہ جائیں اور وہاں سے ذی الحجہ کے شروع میں حج کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ چلے جائیں۔

قال الشيخ أبو بكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذ أمر غيره بأن يحج عنه ينبغي أن يفوض الأمر إلى المامور، فيقول: حج عني بهٰذا كيف شئت إن شئت حجة؟ وإن شئت حجة وعمرة، وإن شئت قرانا، والباقي من المال مني لک وصية كيلا يضيق الأمر على الحاج ولا يجب عليه رد ما فضل إلى الورثة. (فتاویٰ قاضي خان ۳۰۷/۱)

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن اذن له الآمر بالقران والتمتع.

(در مختار ۶۱۱/۲ كراچي، ۳۲/۴ زكريا)

لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المامور صح ولا يكون مخالفا بلا خلاف بين الأمة الأسلاف. (إرشاد الساري لملا علي القاري ۳۰۴ بحواله جواهر الفقه ۵۱۲/۱ انوار مناسك ۵۰۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۲/۱۱/۱۴۱۹ھ

مطلق حج بدل کی وصیت میں کون سے حج احرام باندھے؟

سوال (۲۳۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید نے اپنے ماں باپ کی طرف سے حج کرانے کی وصیت کی اور زید کا انتقال ہوگیا، حال یہ ہے کہ جن کی طرف سے وصیت کی ہے ان پر حج فرض نہیں تھا، اب ورثاء بکر کو بھیج رہے ہیں تو بکر اس صورت میں احرام حجِ افراد ہی کا باندھے گا یا قران وتمتع کا بھی احرام باندھ سکتا ہے؟ جب کہ آمر کی طرف سے تینوں قسم کے احرام باندھنے کی اجازت ہے، اور دم قران ودم تمتع آمر کے مال سے ہوگا یا مامور خود اپنے مال سے ادا کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کرانے والا اگر مطلق اجازت دے کہ حج کی کوئی قسم بھی ادا کرو تو مامور کے لئے قران وتمتع کی بھی اجازت ہے، اگرچہ تمتع نہ کرنے میں احتیاط زیادہ ہے، اور دم قران وتمتع مامور پر واجب ہوگا آمر پر نہیں۔

ولو أطلق النية عن ذكر المحجوج عنه فله أن يعينه قبل الشروع في الأعمال، وإن لم يعينه حتى شرع في الأعمال تعذر التعيين وتحققت المخالفة فيقع الحج عنه وعليه الضمان. (غنية الناسك ۳۳۵/ إدارة القرآن كراچي)

فلو أمره بالحج فتمتع ولو عن الآمر فهو مخالف ضامن إجماعاً. (غنية الناسك كراچی ۳۳۳، زبدة المناسك مع عمدة المناسك ۴۵۵/۲-۴۵۶)

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع. (درمختار ۶۱۱/۲ كراچی، ۳۲/۴ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۲۳/۳/۱۴۱۱ھ

حج بدل میں تمتع کی قربانی کس طرف سے ہوگی؟

سوال (۲۳۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل میں جب مامور حج تمتع یا قران کرے گا تو قربانی لازم ہوجائے گی، اور یہ قربانی خود مامور کے نام سے ہوگی، اور حج اس کی طرف سے ادا ہوگا جس کی طرف سے حج کرے۔ (ہدایۃ ۲۹۸/۱، درمع الرد ۲۴۷/۲، البحر الرائق زکریا ۳-۱۱۶)

لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ مامور نے قربانی اپنے نام سے کرنے کے بجائے جس کی طرف سے حج بدل کر رہا ہے اس کے نام سے کی (مرحومین کے نام سے) تو ایسی صورت میں شرعی احکام کیا ہیں؟ بظاہر اس مسئلہ میں مامور سے حسب ذیل غلطیوں کا ارتکاب ہوا ہے:

(۱) مامور سے حج تمتع یا قران کی وجہ سے قربانی کا وجوب ساقط نہیں ہوا (۲) مامور نے واجبات میں ترتیب کو نذر انداز کردیا، یعنی قربانی کئے بغیر حلق اور احرام سے باہر آ گیا (۳) قربانی ایام نحر میں نہ ہونے کی صورت میں مزید ایک دم واجب ہوگا۔ گویا (۱) حج کی قربانی کی قضاء (۲) حنفی مفتی بہ قول کے مطابق عدم ترتیب کی وجہ سے ایک دم جبر (۳) ایام نحر میں قربانی نہ ہونے کی صورت میں مزید ایک دم جبر۔

اس لحاظ سے مامور پر ایک دم شکر کی قربانی اور دو دم جبر عائد ہوں گے۔ براہِ کرم شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں تمتع کی قربانی مامور کی طرف سے متعین ہوتی ہے اور متعین جانور کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر ذبح کرتے وقت کسی اور کی طرف سے بھی نیت کرلے پھر بھی وہ قربانی متعین شخص ہی کی طرف سے ہوتی ہے؛ لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں جو مامور تمتع کی نیت سے جانور خریدے گا وہ خریدتے ہی مامور کی طرف سے متعین ہو جائے گا، اب ذبح کرتے وقت نیت خواہ کچھ بھی ہو وہ مامور ہی کی طرف سے سمجھا جائے گا، بریں بنا آپ نے جو اشکالات اٹھائے ہیں وہ قابل توجہ نہیں۔

وجملة ذٰلک أن الدماء في باب الحج على ثلاثة أنواع: نوع منها يجب نسكاً كدم المتعة والقران فذٰلک عن الحاج؛ لأنه وجب شكراً لما أنعم اللّٰه عليه من إطلاق العمرة في أشهر الحج ووفقه للجمع بينهما، ولذٰلک حل التناول منه، والمأمور هو المختص بهٰذه النعمة، إذ الفعل تحقق منه. (البحر العميق ٤/ ٢٣٤٠)

ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الأمر بالقران والتمتع. (درمختار مع الشامي ٢/ ٦١١ كراچی، ٤/ ٣٢ زكريا)

ودم نسک وهو دم المتعة والقران وإنه على المأمور. (الفتاوىٰ التاتارخانية ٣/ ٦٥١ زكريا، انوار مناسك ٥٥١)

نية التعيين قارنت الفعل وهو الشراء، فأوجبت تعيين المشترى للأضحية. (بدائع الصنائع ٢/٤ ٢٠زكريا)

فأما إذا اشترى شاة ثم أوجبها أضحية بلسانه تصير أضحية في قولهم.

(الفتاویٰ الهندية ٥/ ٢٩٤)

وفي الخانية: رجل ضحى ولم ينو الأضحية قالوا: يجوز؛ لأنه اشتراها للأضحية فقد تعينت للأضحية. (غنية الناسك ٣٠٩ جديد) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/۱۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل میں تمتع کرنے کیلئے آمر کی طرف سے نیت کرنا ضروری ہے

سوال (۲۳۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحب یہ چاہتے ہیں کہ ان کی طرف سے حج بدل ہوجائے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ عمرہ وحج کیا جاوے، یعنی تمتع ان کی طرف سے کیا جائے، آنے جانے کا کل خرچ وہ دے دیں گے، جواب طلب یہ بات ہے کہ جانے والا شخص کس طرح ان کا حج وعمرہ کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں تمتع بھی درست ہے اور عمرہ وحج دونوں میں آمر کی طرف سے نیت کرنی ہوگی۔ (جواہر الفقہ ۱/۵۱۳)

نية الحج عن المحجوج عنه عند الإحرام أو تعيينه قبل الشروع في الأعمال فلو قال بلسانه: أحرمت عن فلان أو لبيك بحجة عن فلان فهو أفضل. (غنية الناسك ١٧٤، الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٦٤٧ رقم: ٥٢٤١ زكريا، إيضاح المناسك ١٧١)

عن ابن عمر رضي الله عنهما قال: تكفيك النية في الحج والعمرة إذا أردت أن تحرم. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/٥٦٢ رقم: ١٥٠٦٩) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴/۴/۱۴۲۰ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مامور کا حج بدل میں تمتع کی قربانی اس کی طرف سے کرنا جس کی طرف سے حج بدل کررہا ہے

سوال (۲۳۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حج بدل میں جب مامور حج تمتع یا قران کرے گا تو قربانی لازم ہوجائے گی، اور یہ قربانی خود مامور کے نام سے ہوگی، اور حج اس کی طرف سے ادا ہوگا جس کی طرف سے حج کرے۔ (ہدایۃ ۱/۲۹۸، درمع الرد ۲/۲۴۷، البحرالرائق ۳۱-۱۱۶ زکریا) لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ مامور نے قربانی اپنے نام سے کرنے کے بجائے جس کی طرف سے حج بدل کررہا ہے اس کے نام سے کی (مرحومین کے نام سے) تو ایسی صورت میں شرعی احکام کیا ہیں؟ بظاہر اس مسئلہ میں مامور سے حسبِ ذیل غلطیوں کا ارتکاب ہوا ہے:

(۱) مامور سے حج تمتع یا قران کی وجہ سے قربانی کا وجوب ساقط نہیں ہوا (۲) مامور نے واجبات میں ترتیب کو نذر انداز کردیا، یعنی قربانی کئے بغیر حلق اور احرام سے باہر آ گیا (۳) قربانی ایام نحر میں نہ ہونے کی صورت میں مزید ایک دم واجب ہوگا۔ گویا (۱) حج کی قربانی کی قضاء (۲) حنفی مفتی بہ قول کے مطابق عدم ترتیب کی وجہ سے ایک دم جبر (۳) ایام نحر میں قربانی نہ ہونے کی صورت میں مزید ایک دم جبر۔

اس لحاظ سے مامور پر ایک دم شکر کی قربانی اور دو دم جبر عائد ہوں گے۔ براہِ کرم شرعی جواب سے مطلع فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل میں تمتع کی قربانی مامور کی طرف سے متعین ہوتی ہے اور متعین جانور کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اگر ذبح کرتے وقت کسی اور کی طرف سے بھی نیت کرلے پھر بھی وہ قربانی متعین شخص ہی کی طرف سے ہوتی ہے؛ لہٰذا زیر بحث مسئلہ میں جو مامور تمتع کی نیت سے جانور خریدے گا وہ خریدتے ہی مامور کی طرف سے متعین ہوجائے گا، اب ذبح

کرتے وقت نیت خواہ کچھ بھی ہو وہ مامور ہی کی طرف سے سمجھا جائے گا، بریں بنا آپ نے جو اشکالات اٹھائے ہیں وہ قابل توجہ نہیں۔

وجملة ذٰلک أن الدماء في باب الحج علی ثلاثة أنواع: نوع منها یجب نسکاً کدم المتعة والقران فذٰلک عن الحاج؛ لأنه وجب شکراً لما أنعم اللّٰه علیه من إطلاق العمرة في أشهر الحج ووفقه للجمع بینهما، ولذٰلک حل التناول منه، والمأمور هو المختص بهٰذه النعمة، إذ الفعل تحقق منه. (البحر العمیق ٤/ ٢٣٤٠)

نیة التعیین قارنت الفعل وهو الشراء، فأوجبت المشتری للأضحیة.

(بدائع الصنائع ٤/ ٢٠٢ زکریا)

فأما إذا اشتری شاة ثم أوجبها أضحیة بلسانه تصیر أضحیة في قولهم.

(الفتاویٰ الهندیة ٥/ ٢٩٤)

وفي الخانیة: رجل ضحی ولم ینو الأضحیة قالوا: یجوز؛ لأنه اشتراها للأضحیة فقد تعینت للأضحیة. (غنیة الناسك ٣٥٩ جدید) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۲۶/ ۱۱/ ۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

حج بدل کے لئے دی گئی رقم کو اپنے استعمال میں لانا

سوال (۲۴۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک صاحبِ خیر نے ایک شخص کو حج کرنے کے لئے روپیہ دیا، شخص مذکور نے حج کی درخواست دی؛ لیکن نامنظور ہوتی رہی اور اب وہ معذور ہے حج کے لئے نہیں جاسکتا، تو کیا وہ روپیہ شخص مذکور اپنے استعمال میں لاسکتا ہے، یا اس کے لئے حج بدل کرانا ضروری ہے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کرنے والے کی حیثیت آمر کی جانب سے وکیل

ہونے کی ہے، جو رقم اسے حج کے لئے دی گئی ہے وہ امانت ہے، اس رقم کو وہ صرف حج بدل ہی میں صرف کرنے کا مجاز ہے، بلا اجازت آمر وہ رقم نہ تو وہ خود اپنے تصرف میں لاسکتا ہے اور نہ اس کے ذریعہ کسی دوسرے شخص کو حج بدل کراسکتا ہے۔ البتہ اگر آمر نے ہر طرح خرچ کرنے کا کلی اختیار دے دیا ہو جیسا کہ عام معمول ہے، تو اس رقم کو مطلقاً کہیں بھی اپنی مرضی سے خرچ کرنا جائز ہے۔

عن أبي حرة الرقاشي عن عمه رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ألا لا تظلموا، ألا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفسه منه.

(مشكوٰة المصابيح / باب الغضب ۲۵۵، شعب الإيمان للبيهقي ۷٦۹/۲ رقم ۵٤۹۳)

وليس للوكيل أن يؤكل فيما وكل به؛ لأنه فوض إليه التصرف دون التوكيل به. (هداية ۱۷٦/۳، زبدة المناسك ٤۵۵/۲)

لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ولا ولايته. (در مختار مع الشامي / باب الغضب، مطلب: فيما لا يجوز التصرف بمال الغير ۲۹۱/۹) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۲/۳/۲۶ھ

حج بدل کو جاتے وقت چندہ کی رسید لے جانا

سوال (۲۴۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جب میرے اوپر حج فرض ہوا تھا میں اسی وقت اپنا فرض ادا کرچکا تھا، اس وقت ایک صاحب مجھے حج بدل کے لئے بھیجنا چاہتے ہیں، اگر انہوں نے مجھے حج بدل کے لئے بھیج دیا تو کیا میں اس حج کے سفر میں ایک مسجد کے چندہ کی رسید بک جس کی تعمیر ودیکھ بھال کی ذمہ داری میرے اوپر ہے، ساتھ لے جا کر وہاں اپنے ملنے والوں سے مسجد کا چندہ فراہم کرسکتا ہوں؛ تاکہ یہاں آ کر مسجد کی تعمیر وغیرہ میں وہ رقم صرف کروں۔ ایک شخص غریب ہے اس پر حج فرض نہیں ہوا تھا، اسی وجہ سے اس نے اپنا حج فرض ادا نہیں کیا، تو کیا وہ حج بدل کرسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: حج بدل کو جاتے وقت رسید لے جانا مناسب نہیں ہے، اس مقصد سے الگ سفر کیا جائے یا جب خود اپنے روپیہ سے جائے تو ساتھ لے جائے؛ تاکہ کسی کو اعتراض کا موقع نہ رہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پہلے سے حج کئے ہوئے شخص کو حج بدل پر بھیجا جائے۔

والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج عن نفسه أن يحج رجلاً قد حج عن نفسه. (الفتاویٰ الهندية ۲۵۷/۱، کتاب المسائل ۳۶۶/۳) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۱/۴/۱۴۱۷ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

’’انوار رحمت‘‘ کے ایک مسئلہ کی تحقیق

سوال (۲۴۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب دامت برکاتہم کی کتاب ’’انوار رحمت‘‘ ص: ۵۶/ پر بیت اللہ کو دیکھنے کے بعد حج واجب ہوجانا کے تحت ’’منحۃ الخالق‘‘ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر ایسا شخص جس پر حج فرض نہیں ہے وہ حج بدل پر جائے تو اس پر بیت اللہ کو دیکھنے کے بعد اپنا حج بھی فرض ہوجاتا ہے، اگر نہیں کریگا تو گنہگار رہے گا، جب کہ تحفۃ الحجاج ۱۸۴/ پر لکھا ہے کہ عام لوگوں میں بلکہ بہت سے اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہے کہ جس نے اپنا حج نہ کیا ہو اور وہ حج بدل پر جائے تو اس پر بیت اللہ کو دیکھنے کے بعد اپنا حج فرض ہوجائے گا، یہ قول خلاف تحقیق ہے، اس سلسلے میں وضاحت اور فیصلہ مطلوب ہے، دوران مطالعہ ان اختلافات سے الجھن ہوتی ہے، گستاخی معاف فرماتے ہوئے تفصیل سے وضاحت فرما کر تشفی فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ مسئلہ اختلافی ہے، علامہ شامی علیہ الرحمہ نے ’’منحۃ الخالق‘‘ میں ’’مجمع الانہر‘‘ کے حوالہ سے وہی بات لکھی ہے، جو آپ نے ’’انوار رحمت‘‘ کے حوالہ سے

نقل فرمائی ہے، نیز ''انواررحمت'' میں اس مسئلہ کے اختلافی ہونے کی نشان دہی بھی کی گئی ہے۔ اور انواررحمت میں ''منحۃ الخالق'' کے حوالہ سے جو عبارت نقل کی گئی ہے، وہ درج ذیل ہے، ملاحظہ فرمائیں:

ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج بنفسه، وعليه أن يتوقف إلى عام قابل ويحج لنفسه، أو أن يحج بعد عوده أهله بماله وإن فقيراً، فلتحفظ والناس عنها غافلون. (منحة الخالق ٦٩/٣ قديم، ٢٣/٣ ١ نسخهٔ جديد زكريا ديو بند، بحواله انوار رحمت ٥٧)

لیکن اس بارے میں دوسری رائے یہ ہے کہ حج بدل کرنے والا اگر فقیر ہو تو بیت اللہ شریف تک پہونچنے سے اس پر اپنا حج فرض نہیں ہوگا، شیخ عبدالغنی النابلسی اور بعض دیگر مفتیان کا فتویٰ یہی ہے۔ اور علامہ شامی نے ''ردالمحتار'' میں اس مسئلہ پر تفصیلی بحث فرمائی ہے اور بظاہر آپ کا رجحان شیخ عبدالغنی النابلسی کے فتویٰ کے مطابق عدم وجوب کی طرف ہے، پھر بھی چونکہ یہ مسئلہ اختلاف پر مبنی ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ ایسے شخص کو ہی حج بدل کیلئے بھیجا جائے جو پہلے اپنا حج کر چکا ہو، تاکہ یہ بحث ہی پیدا نہ ہو۔

قلت: وقد أفتى بالوجوب مفتى دار السلطنة العلامة أبو السعود، وتبعه في سكب الأنهر، وكذا أفتى به السيد أحمد بادشاه، وألف فيه رسالة، وأفتى سيدي عبد الغني النابلسي بخلافه، وألف فيه رسالة؛ لأنه في هذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر ويحج عنه، وفي تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه ويترك عياله ببلده حرج عظيم، وكذا في تكليفه بالعود وهو فقير حرج عظيم أيضاً. (شامي / باب الحج عن الغير ٢٢/٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۶/۸/۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورتوں کے حج سے متعلق مسائل

عورت پر حج کی فرضیت کا مسئلہ

سوال (۲۴۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عورت پر حج کب فرض ہوتا ہے؟ کیا عورت پر حج فرض ہونے کے لئے اپنے اخراجات کے ساتھ ساتھ کسی محرم یا شوہر کے خرچ کا ہونا بھی ضروری ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عورت پر حج کی فرضیت کی شرائط وہی ہیں جو مردوں کے لئے ہیں، یعنی تندرست ہونا اور مالی وسعت کا ہونا وغیرہ؛ البتہ عورت کے لئے مزید شرط یہ ہے کہ وہ اپنے حج کے اخراجات کے ساتھ محرم یا شوہر کے حج کے اخراجات کی بھی مالک ہو؛ لہٰذا اگر اس کے پاس صرف اپنے حج کے بقدر مال ہے تو اس پر راجح قول کے مطابق حج فرض نہیں؛ تاہم اگر وہ کسی محرم یا شوہر کے ساتھ اسی روپیہ سے حج کو چلی گئی تو اس کا حج فرض ادا ہو جائے گا۔

فیشترط أن تکون قادرة علی نفقتها و نفقته. (شامي ٣/ ٤٦٤ زکریا، انوار مناسك ١٧٤) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

شوہر کا اپنے پیسہ سے بیوی کو حج کرانا؟

سوال (۲۴۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہت سے حضرات مع اہلیہ حج کے لئے جاتے ہیں، فریضۂ حج پر صرف ہونے والی رقم عورت کی ملکیت نہیں ہوتی؛ بلکہ اس کا مالک شوہر ہی ہوتا ہے، اور شوہر بیوی کو فریضۂ حج کی ادائیگی پر صرف

ہونے والی رقم کا مالک بنائے بغیر ہی اس کو حج کرادیتا ہے، مذکورہ بالا شکل میں عورت کا حج فرض ادا ہوا یا نفل؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جب عورت نے مکہ معظمہ پہنچ کر حج کرلیا، تو اس کا فریضہ بلاشبہ ادا ہوگیا، اپنی ملکیت کی رقم سے ہی پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

فإنه عند وصوله إلى الميقات صارقا دراً بقدرة نفسهٖ فيجب عليه. (شامي، باب الحج عن الغير / مطلب في حج الضرورة ٤/٢ ٦٠ كراچی، ٢٢/٤ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

چھوٹی بیوی کو لے کر حج کرنا؟

سوال (۲۴۵): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری دو بیویاں ہیں، پہلی بیوی سے تین بچے ہیں، وہ بچے میرے پاس ہیں، کسی بات پر بگاڑ ہوگیا ہے، بیوی ماں باپ کے گھر ہے، اب چھوٹی بیوی جو میرے پاس رہتی ہیں، اس کو لے کر حج کو جاسکتا ہوں یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: شوہر کو اختیار ہے جس بیوی کو چاہے حج کے لئے لے جاسکتا ہے؛ البتہ دونوں کے درمیان قرعہ اندازی کرنا مستحب ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها قالت: كان رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: إذا أراد سفراً أقرع بين نسائه، فأيهن خرج سهمها خرج بها معه. (صحيح البخاري رقم: ٢٦٨٨، صحيح مسلم رقم: ٢٧٧٠، مرقاة المفاتيح ٣٤٩/٦ رقم: ٣٢٣٢ دار الكتب العلمية بيروت)

ولا قسم في السفر دفعاً للحرج فله السفر بمن شاء منهن، والقرعة أحب

تـطييباً لقلوبهن. (درمختار، النكاح / باب القسم ٤/ ٣٨٤ زكريا، الفتاویٰ الهندية ١/ ٣٤١) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۹/۴/۱۰ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا شوہر کے ساتھ حج پر جانے کو ضروری سمجھنا؟

سوال (۲۴۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ وہ اپنے والدین کے ساتھ حج بیت اللہ پر جائے، روپیہ کا انتظام انشاء اللہ میں کروں گا، اہلیہ کا کہنا ہے کہ والدین کے ساتھ حج نہیں ہوتا، شوہر کا ہونا ضروری ہے، کیا یہ بات صحیح ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کے لئے جس طرح شوہر کے ساتھ سفر حج میں جانا جائز ہے، اسی طرح اپنے دیگر محرم مثلاً والد کے ساتھ جانا بھی درست ہے، آپ کی اہلیہ کا یہ کہنا کہ سفر میں شوہر کا ساتھ ہونا ضروری ہے، درست نہیں ہے۔

عن أبي سعيد الخدري رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعدًا إلا ومعها أبوها، أو أخوها، أو زوجها، أو ابنها، أو ذو محرم منها. (صحيح البخاري رقم: ١١٩٧، صحيح مسلم ٨٢٧، سنن أبي داؤد رقم: ١٧٢٦، سنن الترمذي رقم: ١١٦٩، سنن ابن ماجة قم: ٢٩٩٨، الترغيب والترهيب مكمل ٦٤٥ رقم: ٤٦٧٧ بيت الأفكار الدولية)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٢/ ٣٠٠ زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت

أو عـجوزاً أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۹/۱۱/۱۴۳۲ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عدت کے دوران حج کو جانا؟

سوال (۲۴۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زہراء خاتون اس سال حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتی تھیں کہ ابھی اچانک ان کے شوہر جناب نظام الدین صاحب کا انتقال ہوگیا، اب وہ اپنے بڑے لڑکے جمشید ماموکے ہمراہ حج بیت اللہ کو جانا چاہتی ہیں، ضروری امر طلب بات یہ ہے کہ ان کی عدت عیدالاضحیٰ کو پوری ہوگی اور حج کے لئے روانگی عدت سے ۲۵/ دن پہلے ہوگی؛ لہٰذا ایسی حالت میں کیا زہراء خاتون حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عدت کے دوران حج کے سفر پر جانا درست نہیں ہے؛ لہٰذا صورت مسئولہ میں زہراء خاتون اس سال حج کو نہ جائیں۔

عـن سعيـد بـن الـمسيـب أن عـمـر بـن الخطاب رضي اللّٰه عنه كان يرد المتوفى عنه أزواجهن من البيداء، يمنعهن الحج. (الموطأ لإمام مالك، الطلاق / باب مقام المتوفى عنها زوجها في بيتها حتى تحل ٣٧٧ رقم: ٨٨، شرح معاني الآثار ٢/ ٤٤٥ رقم: ٤٤٨٢)

عن مجاهد أن عمر وعثمان ردّا نسوة حاجّاتٍ ومعتمراتٍ، حتى اعتددن في بيوتهن. (المصنف لابن أبي شيبة، الحج / من كره لها أن تحج في عدتها ٤/ ٥٠٨ رقم: ١٤٦٧)

ومع عـدم عـدة عليها مطلقاً، أية عدة كانت......، وفي الشامي: فلا يجب عليها الحج إذا وجدت. (شامي ٢/ ٤٦٥ كراچی، شامي ٣/ ٤٦٥-٤٦٦ زكريا)

المعتدة لا تسافر لحج. (الفتاویٰ التاتارخانية ٥/ ٢٥٣ زكريا)

والشرط الثاني: أن تكون خالية عن العدة عدة وفاة كانت أو عدة طلاق.

(الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٥ زكريا)

فلو كانت معتدة عند خروج أهل بلدها لا يجب عليها، فإن حجت وهی فی العدة جازت بالإتفاق و كانت عاصية. (غنية الناسك ٢٩) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۶/۸/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عورت کا سفر حج کے لئے کسی کو اپنا دینی بھائی بنانا؟

سوال (۲۴۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میں حج کرنا چاہتی ہوں اور میرا کوئی محرم ایسا نہیں ہے جو فی الحال مجھے حج کرادے، میں اپنا دینی بھائی بنانا چاہتی ہوں جس کے ساتھ حج کرآؤں، آپ براہِ کرم مجھے اس کے طریقوں اور قاعدوں سے آگاہ کردیجئے، جس کے ساتھ میں حج کرآؤں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بغیر محرم کے حج کو جانا جائز نہیں ہے، جب آپ کے ساتھ کوئی محرم نہیں جاسکتا تو آپ ہرگز سفر کا ارادہ نہ کریں، محض کسی کو دینی بھائی بنانے سے وہ آپ کا محرم نہیں بن سکتا۔

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما قال: قال النبي صلى اللّٰه عليه وسلم: لا تسافر المرأة إلا مع ذي محرم، ولا يدخل عليها رجل إلا ومعها محرم، فقال رجل: يا رسول اللّٰه! إني أريد أن أخرج في جيش كذا وكذا، وامرأتي تريد الحج، فقال: أخرج معها. (صحيح البخاري، كتاب جزاء الصيد / باب حج النساء ١/ ٢٥٠ رقم: ١٨٦٢، صحيح مسلم، الحج / باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره ١/ ٤٣٢ رقم: ١٣٤١)

والمحرم في حق المرأة شرط، شابة كانت أو عجوزة إذا كانت بينها

وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٤ زكريا)

ومع زوج بالغ ......، مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لامرأة حرة ولو عجوزاً في سفر. (درمختار ٢/ ٤٦٤ كراچی، ٣/ ٤٦٤ زكريا)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٢/ ٣٠٠ زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت أو عجوزاً، أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/ ٤٧٥ رقم: ٤٨٨٨ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

انجان مرد کو بیوی کا محرم بنانا؟

سوال (۲۴۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: مفتی صاحب نے اپنی بیوی کا محرم انجان آدمی کو بنایا، اور دوسری انجان عورت کے محرم یہ مفتی صاحب خود بنے، تو کیا اس حال میں مفتی صاحب کا نکاح سلامت رہا یا نہیں؟ اور اس طرح ان کا حج درست ہوگیا یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر کسی قانونی ضرورت کی وجہ سے ایسا کیا گیا ہے، مگر بیوی کو اپنے ساتھ سفر میں رکھا اور انجان عورت اپنے محرم کے ساتھ رہی، یعنی نہ تو بیوی کو غیر مرد کے ساتھ بھیجا اور نہ غیر عورت کو اپنے ساتھ لے گئے، تو ان کے حج یا نکاح میں کوئی فرق نہیں آیا۔

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام

فصاعدًا إلا ومعها أبوها أو أخوها أو زوجها أو ابنها أو ذو محرم منها. (صحيح البخاري رقم: ١١٩٧، صحيح مسلم ٨٢٧، سنن أبي داؤد رقم: ١٧٢٦، سنن الترمذي رقم: ١١٦٩، سنن ابن ماجة قم: ٢٩٩٨، الترغيب والترهيب مكمل ٦٤٥ رقم: ٤٦٧٧ بيت الأفكار الدولية)

ومع زوج أو محرم بالغ……، مع وجوب النفقة لمحرمها عليها لامرأة حرة ولو عجوزاً في سفر. (درمختار ٢/٤٦٤ کراچی، ٣/٤٦٤ زکریا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۷/۲/۱۴۱۸ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

نامحرم کے ساتھ عورت کا حج کو جانا؟

سوال (۲۵۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: غیر محرم مرد کے ساتھ عورت کا حج بیت اللہ کو جانا کیسا ہے؟ جب کہ وہ نکاح کرنے کے قابل ہے۔

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وبالله التوفيق: عورت کا نامحرم کے ساتھ سفر حج کو جانا بلکہ کسی بھی سفر شرعی میں جانا درست نہیں؛ بلکہ سخت گناہ ہے، البتہ اگر اس کا کوئی اور محرم نہ ہو تو شرائط نکاح کی رعایت رکھتے ہوئے کسی مرد سے نکاح کر کے اس کے ساتھ حج کو جانا درست اور جائز ہے۔

عن ابن عمر رضي الله عنهما أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن بالله واليوم الآخر أن تسافر ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم منها.

(صحيح البخاري رقم: ١٠٨٧، صحيح مسلم رقم: ١٣٣٨، سنن أبي داؤد رقم: ١٧٢٧، الترغيب والترهيب مكمل ٦٤٥ رقم: ٤٦٧٨)

ومع زوج أو محرم بالغ عاقل مع وجوب النفقة لمحرمها عليها …… وهل يلزمها التزوج؟ قولان: (درمختار) وفي الشامية: قوله: مع زوج أو محرم هٰذا، وقوله: ومع عدم عدة عليها شرطان مختصان بالمرأة. وقوله: وهل يلزمها التزوج

قولان: هما مبنيان على أن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب أم شرط وجوب أداء، والذي اختاره في الفتح أنه مع الصحة وأمن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء إن منع المرض، وخوف الطريق أو لم يوجد زوج، ولا محرم، ويجب عليها التزوج عند فقد المحرم، وعلى الأول لا يجب شيء من ذٰلك كما في البحر. وفي النهر: وصحح الأول في البدائع، ورجح الثاني في النهاية تبعاً لقاضي خان، واختاره في الفتح. (در مختار مع الشامي ٢/٤٦٤ كراچی، ٣/٤٦٤-٤٦٥ زكريا)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً، إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ الهندية ١/٢١٨)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٢/٣٠٠ زكريا، الفتاویٰ التاتارخانية ٩/٤٧٥ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ

۱۴۱۰/۱۲/۲۰ھ

غیر محرم سے رشتہ داری جوڑ کر اس کے ساتھ حج کرنا

سوال (۲۵۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک آدمی سے کسی عورت کی پہلے سے کوئی رشتہ داری نہیں تھی؛ لیکن حج پر جانے کے لئے کہیں سے دور کی رشتہ داری کی کڑیاں ملا کر انہوں نے رشتہ داری قائم کرلی، تو کیا ایسے شخص کا حج ہوجائے گا جو کہ بالکل ہی غیر محرم ہے؛ لیکن اپنا کام نکالنے کے لئے انہوں نے اس طرح کی قرابت داری قائم کرلی ان کے حج میں کوئی فرق نہیں پڑے گا؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا جائز نہیں ہے، جو عورت غیر محرم کے ساتھ حج کو جائے گی وہ سخت گنہ گار ہوگی، اگرچہ اس طرح جانے سے اس کا فریضہ حج ساقط

ہوجائے گا، اسی طرح وہ مرد بھی گنہ گار ہوگا جو اپنے ساتھ نامحرم عورت کو لے جا رہا ہے مگر حج کا فریضہ اس کا بھی ادا ہوجائے گا۔

ولو حجت بلا محرم جاز مع الكراهة …… وفي الشامية: أي التحريمية للنهي في حديث الصحيحين لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها محرم. (شامي ٢/٤٦٥ كراچی، شامي ٣/٤٦٥ زكريا)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٢/٣٠٠ زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت أو عجوزاً أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٣/٤٧٥ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۵/۹/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مجبوری میں نامحرم کے ساتھ حج کو جانا؟

سوال (۲۵۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری عمر تقریباً ۳۵؍سال ہے، بیوہ ہوں، کوئی بچہ نہیں ہے، میرا بھائی بہن ماموں چچا تایا غرض کوئی سگا رشتہ دار اس وقت حج پر جانے کی پوزیشن میں نہیں ہے؛ البتہ میرے مکان کے پاس میں دور کے رشتہ دار جارہے ہیں، میں اکیلی بے سہارا ہونے کی وجہ سے ان کے گروپ میں حج کی درخواست لگاسکتی ہوں؟ یہ میرے رشتہ میں چچیری بہن بہنوئی ہوتے ہیں، ویسے تو اور بھی محلہ کے لوگ جارہے ہیں، جن سے ہمارا کوئی رشتہ نہیں، اس کی اجازت شریعت سے جو گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں آپ پر حج کو جانا ضروری نہیں

ہے، اور کسی بھی نامحرم کے ساتھ سفر کی اجازت نہیں ہے، آپ جب بھی جائیں تو ایسے شخص کے ساتھ جائیں جو آپ کا محرم ہو یا شوہر ہو۔ محرم اسے کہتے ہیں جس سے کبھی بھی نکاح درست نہ ہوسکتا ہو۔ (معلم الحجاج ۸۴)

عن أبي سعيد الخدري رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر أن تسافر سفراً يكون ثلاثة أيام فصاعداً إلا ومعها أبوها، أو أخوها، أو زوجها، أو ابنها، أو ذو محرم منها. (صحيح البخاري رقم: ١١٩٧، صحيح مسلم رقم: ٨٢٧، سنن أبي داؤد رقم: ١٧٢٦، سنن الترمذي رقم: ١١٦٩، سنن ابن ماجة رقم: ٢٨٩٨، الترغيب والترهيب مكمل ٦٤٥ رقم: ٤٦٧٧ بيت الأفكار الدولية)

ومع زوج أو محرم قال الشامي: والمحرم من لايجوز له مناكحتها على التابيد بقرابة أو رضاع أو صهرية. (درمختار مع الشامي ٤٦٤/٤ زكريا، امداد الفتاوى ٢٠١/٢)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ الهندية ٢١٨/١)

وفي الشامي: قوله: ومع زوج أو محرم. هٰذا وقوله: ومع عدم عدة عليها، شرطان مختصان بالمرأة. (در مختار مع الشامي ٤٦٤/٢ كراچى، ٤٦٤/٣ زكريا)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٣٠٠/٢ زكريا)

والمرأة في وجوب الحج عليها كالرجل غير أن لها شرطين شابة كانت أو عجوزاً، أحدهما أن يكون خروجها مع زوجها، أو مع ذي رحم محرم. (الفتاویٰ التاتارخانية ٤٧٥/٣ زكريا) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۶/۹ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بوڑھی عورت بغیر محرم کے حج کرسکتی ہے؟

سوال (۲۵۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری عمر اب قریب ۶۱ رسال ہے، میں نے شادی نہیں کی تھی اور میں گورنمنٹ کالج میں لیکچرار کی جگہ کام کررہی تھی، اب میں قریب ڈھائی سال سے ریٹائر ہوچکی ہوں، اب میرا ارادہ حج بیت اللہ کا ہے، مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے رشتہ داروں میں کوئی ایسا نہیں ہے جو محرم ہونے کے ناطے میرے ساتھ جائے اور یہ فرض پورا کراسکے، اور نہ ہی میرے پاس اتنا روپیہ ہے کہ میں اس کا خرچہ برداشت کرسکوں، ایسی شکل میں قرآن وحدیث کی روشنی میں میرے اس فرض کو ادا کرنے کا کون سا ذریعہ ہوسکتا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: یہ بات تو متفق علیہ ہے کہ جب تک محرم یا شوہر ساتھ جانے والا نہ ملے عورت پر حج کی ادائیگی واجب نہیں ہوتی؛ لیکن اگر کوئی عورت بوڑھی ہو اور فتنہ کا بظاہر اندیشہ نہ ہو اور اس پر مالی اعتبار سے حج فرض ہو چکا ہو تو آیا وہ کسی نامحرم کے ساتھ سفر حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ تو اس بارے میں فقہ کی عام کتابوں میں ممانعت ہی لکھی ہے، اور صراحت کے ساتھ بوڑھی عورت کو بھی بلا محرم سفر حج کرنے سے منع لکھا گیا ہے۔

المرأة عجوزاً كانت المرأة أو شابة. (مناسك ملا علي القاري ٥٦)

الرابع المحرم أو الزوج لامرأة بالغة ولو عجوزاً أو معها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين. (غنية الناسك ٢٦، رسول اللہ کا طریقہ حج ۶۹۳)

تاہم بعض اکابر مفتیان کی عبارات اور فتاویٰ سے ۶۰-۷۰ رسال کی بوڑھی عورت کو بلا محرم قابلِ اعتماد لوگوں کے قافلہ کے ساتھ سفر کی اجازت ثابت ہوتی ہے، اس لئے فتنہ سے مکمل حفاظت کے وقت خاص حالات میں اس کی گنجائش ہوگی۔

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن ومتى

جاز المس جاز سفره بها ويخلوا إذا أمن عليه وعليها وإلا لا. (درمختار ٦/ ٣٦٨ كراچی، امداد الفتاویٰ ٤/ ٢٠١، فیض الباري ٢/ ٣٩، انوار مناسك ١٧٧-١٧٨)

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا. (درمختار مع الشامي کراچی ٦/ ٣٦٨، زکریا ٩/ ٥٢٩، امداد الفتاویٰ ٤/ ٢٠١، ایضاح المناسك ٦٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۷/۷/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۶۰؍ سالہ عورت کا پڑوسی غیر محرم کے ساتھ حج کو جانا؟

سوال (۲۵۴): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک مسماۃ ہیں جن کی عمر تقریباً ۶۵؍ سال ہے، ان کی پڑوسن ۴۵؍ سالہ اپنے ۲۳؍ سالہ بھانجہ کے ساتھ حج کو جارہی ہیں، تو کیا مسماۃ اپنی پڑوسن کے ساتھ حج کو جاسکتی ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جب کہ عورت کی عمر ۶۵؍ سال ہے، اور غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے میں کسی فتنہ کا اندیشہ نہیں ہے، تو اس کے ساتھ سفر حج کرنے کی گنجائش ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۴/ ۲۰۱، فتاویٰ دار العلوم ۶/ ۵۳۴، ایضاح المناسک ۶۴)

أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها ويخلو إذا أمن عليه وعليها وإلا لا. (درمختار مع الشامي ٩/ ٥٢٩ زكريا، شامي ٩/ ٤٧٥ بيروت)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاویٰ الهندية ٥/ ٣٦٦)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۳/۵/۵ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بوڑھی عورت اپنے نندوئی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

سوال (۲۵۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میری والدہ اس سال حج کے لئے جارہی ہیں، منظوری بھی آچکی ہے، والدہ صاحبہ بیوہ ہیں، اب مسئلہ یہ ہے کہ بغیر محرم کے سفر نہیں کرسکتی ہیں، اُن کے ساتھ اُن کے نندوئی بھی جارہے ہیں، اور ساتھ میں اُن کی بیوی بھی ہیں، والدہ صاحبہ کی عمر ۷۰/سال ہے، کیا وہ اپنے نندوئی کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہیں، اس کے علاوہ تقریباً برادری کے ۱۸/آدمی اور بھی جارہے ہیں، جو سب ہی ساتھ میں رہیں گے، ان میں ۹/عورتیں بھی ہیں، صورتِ مسئولہ میں مسئلہ کی اچھی طرح سے وضاحت فرمادیں، اور کوئی شکل جواز کی ہو تو تحریر فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر فتنہ اور معصیت کا اندیشہ نہ ہو تو ۷۰/سال کی بوڑھی عورت غیر محرموں کے ساتھ حج کے سفر پر جاسکتی ہے۔ (مستفاد: امداد الفتاویٰ ۲۰۱/۴، ایضاح المناسک ۶۴)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۰/۷/۱۴۱۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ساٹھ سال کی عورت کا جیٹھ کے لڑکے کے ساتھ حج کرنا؟

سوال (۲۵۶): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت جس کا نام ''چھوٹی'' ہے، ان کے شوہر گذر گئے اور عمر ساٹھ سال ہے، ان کے لڑکے کی تمنا ہے کہ والدہ حج کرلیں؛ لیکن دونوں یعنی ماں بیٹا ساتھ ساتھ کرنے کے لائق نہیں ہیں، ان کے جیٹھ کے لڑکے اور لڑکے کی بیوی بھی ساتھ ساتھ جارہے ہیں، کیا ''چھوٹی'' اپنے جیٹھ کے لڑکے جس کی عمر ۵۰ سال ہے اور لڑکے کی بیوی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سفر حج محرم یا شوہر کے ساتھ ہی کرنا چاہئے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ ابھی آپ اپنی والدہ کو حج نہ کرائیں؛ بلکہ جب آپ کے پاس استطاعت ہوجائے تو آپ اپنے ساتھ حج کو لے جائیں؛ تاہم اگر وہ اس بڑھاپے میں اپنے جیٹھ کے لڑکے کے ساتھ حج کو جائیں گی تو بھی ان کا حج ادا ہوجائے گا۔

ومع زوج أو محرم قال الشامي: والمحرم من لایجوز له مناكحتها علی التابید بقرابة أو رضاع أو صهرية. (درمختار مع الشامي ٤٦٤/٤ زکریا، امداد الفتاوی ٢٠١/٢)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغیر محرم مع الصالحین. (الفتاویٰ الهندیة ٣٦٦/٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۵/۳/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

۷۰؍سال کی بیوہ خاتون کا بہن اور بہنوئی کے ساتھ حج کرنا؟

سوال (۲۵۷): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک خاتون بیوہ ہیں، جن کی عمر تقریباً ستر سال ہے، اپنی سگی بہن بہنوئی کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہیں، بہنوئی کی عمر بھی ستر کے قریب ہے، کیا ان کے ہمراہ حج کرنے جاسکتی ہیں؟ بہن کی عمر تقریباً ۶۵؍سال ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ستر سال کی عورت کے لئے اپنی ہمشیرہ اور بہنوئی کے ساتھ سفر حج میں جانے کی گنجائش ہے، بشرطیکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ (مستفاد: ایضاح المناسک ۶۴)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغیر محرم مع الصالحین. (الفتاویٰ الهندیة ٣٦٦/٥)

وفي الدر: أما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا. (الدر المختار على هامش رد المحتار ۵۲۹/۹ زكريا) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۵/۱۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدہ کو چچا اور چچی کے ساتھ حج کو بھیجنا؟

سوال (۲۵۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: میرے والدصاحب چار سال پہلے حج کر کے آئے ہیں، وہ ابھی حیات ہیں، امسال میرے سگے چچا اور چچی حج کو جارہے ہیں، کیا میں اپنی والدہ کو چچا چچی کے ساتھ حج کو بھیج سکتا ہوں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: آپ کی والدہ کے ساتھ جانے کے لئے جب کہ محرم یا شوہر کا نظم نہیں ہے تو ان پر حج فرض نہیں، اگر آپ انہیں حج کرانا چاہتے ہیں تو بہتر ہے کہ خود ساتھ جائیں؛ تاکہ ان کی خدمت وغیرہ میں کوئی دشواری نہ ہو، تاہم اگر ان کی عمر ۶۵ یا ۷۰ رسال ہوچکی ہے اور کسی فتنہ کا بظاہر اندیشہ نہیں ہے، تو اگر وہ دیگر رشتہ دار عورت کے ساتھ حج کو چلی جائیں، تو ان پر گناہ نہ ہوگا۔ (ایضاح المناسک ۶۴، امداد الفتاوی ۲۰۱/۴)

وأما العجوز التي لا تشتهي فلا بأس بمصافحتها ومس يدها إذا أمن، ومتى جاز المس جاز سفره بها، ويخلو إذا أمن عليه وعليها، وإلا لا. (درمختار مع الشامي ۵۲۹/۹ زكريا)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغير محرم مع الصالحين. (الفتاویٰ الهندية ۳٦٦/۵)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۶/۵/۲۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

والدہ کواُن کے بہنوئی کے ساتھ حج پر بھیجنا؟

سوال (۲۵۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت کواس کی اولاد حج کرانا چاہتی ہے؛ لیکن ان کے پاس صرف اتنی ہی رقم ہے جس سے صرف والدہ ہی حج کرسکیں، کسی بیٹے یا محرم کو ساتھ لے جانے کی استطاعت نہیں، اس عورت کے بہنوئی بھی حج کے لئے جارہے ہیں، تو کیا یہ عورت اپنے بہنوئی کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ والدہ پر خود حج فرض نہیں ہے؛ بلکہ اولاد انہیں اپنے روپئے سے حج کرانا چاہتی ہے، تو ایسی صورت میں حکم یہ ہے کہ والدہ کو دوسرے کے ساتھ حج کو نہ بھیجیں؛ بلکہ جب ان میں سے خود کسی کے پاس حج کو جانے کی استطاعت ہوجائے تو وہ اپنی والدہ کو ساتھ لے کر حج کو جائے؛ تاکہ والدہ کی اچھی طرح سے خدمت ہوسکے اور ارکان کی ادائیگی میں دوسروں کی محتاجگی نہ رہے، والدہ کے لئے بہنوئی نامحرم ہے، اس کے ساتھ حج کو جانے میں گناہ ہوگا۔

عن نافع ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر تسافر مسيرة ثلاث ليال إلا ومعها ذو محرم. (صحيح مسلم ٤٣٣/١)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنهما لا تحجن امرأة إلا ومعها ذو محرم. (سنن الدارقطني ١٩٩/٢ رقم: ٢٤١٧) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۳۴/۵/۲۷ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ممانی کے ساتھ حج کرنا

سوال (۲۶۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: زید اپنی ممانی کو اپنے ساتھ سفر حج میں لے جاسکتا ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: زید اپنی ممانی کے لئے محرم نہیں ہے؛ لہٰذا ممانی کا اس کے ساتھ سفر حج کرنا درست نہیں ہوگا۔

عن ابن عمر رضي اللّٰه عنهما عن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثاً إلا ومعها ذو محرم. (صحيح مسلم رقم: ١٣٣٨، سنن أبي داؤد ٣٢٤ رقم: ١٧٢٧ دار الفكر بيروت)

ومع زوج أو محرم بالغ عاقل. (درمختار ٣/٤٦٤ زكريا، ٢/٤٦٤ كراچی)

ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزاً إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (الفتاویٰ الهندية ١/٢١٨)

ولو كان معها محرم فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة. (بدائع الصنائع ٢/٣٠٠ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۸/۱۲/۲۲ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

کیا بہو خسر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے؟

سوال (۲۶۱): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: بہو اپنے خسر (اپنے شوہر کے والد) کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: بہو اپنے حقیقی خسر کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے، بشرطیکہ فتنہ کا اندیشہ نہ ہو؛ اس لئے کہ خسر محرم ہے۔ (ایضاح المناسک ۶۳)

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: لا يحل لامرأة تؤمن باللّٰه واليوم الآخر تسافر مسيرة يوم وليلة إلا مع ذي محرم

علیها. وفي روایة: ''مسیرة یوم''. وفي أخریٰ: ''لا یحل لامرأة تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر تسافر مسیرة لیلة إلا ومعها رجل ذو حرمة منها''. (الموطأ لإمام مالك ۹۷۹/۲، صحیح البخاري رقم: ۱۰۸۸، صحیح مسلم رقم: ۱۳۳۹، سنن أبي داؤد رقم: ۱۷۲۳-۱۷۲٤-۱۷۲۵، سنن الترمذي رقم: ۱۱۷۰، الترغیب والترهیب مکمل ٦٤٥ رقم: ٤٦٧۹ بیت الأفکار الدولیة) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۱۷/۷/۲۶ھ

سعودیہ ایئرپورٹ تک بلامحرم کے جاکر محرم کے ساتھ حج کرنا؟

سوال (۲۶۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: زید سعودیہ میں کئی سال سے ملازمت کرتا ہے اور وہ اپنی والدہ محترمہ کو حج کرانا چاہتا ہے؛ لیکن گھر سے کوئی محرم پورے سفر کے لئے نہیں ہے، اور والدہ کی عمر تقریباً ۵۰ر سال کے قریب ہے، تو کیا ایسی صورت میں حج کرسکتی ہیں یا نہیں؟ حالانکہ گھر سے ایئرپورٹ تک پہنچانے کے لئے زید کا بھائی موجود ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دلی ایئرپورٹ سے سعودیہ کے ایئرپورٹ تک بلامحرم جو سفر کرے گی اس کا اسے گناہ ہوگا؛ لیکن وہاں سے اپنے بیٹے زید کے ساتھ جب حج ادا کرے گی تو حج بلاکراہت ادا ہو جائے گا۔

عن نافع ابن عمر رضي اللّٰہ عنهما أن النبي صلی اللّٰہ علیه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة أیام إلا مع ذي محرم. (صحیح البخاري ۱٤۷/۱ رقم: ۱۰۷۵)

لا بأس للمرأة أن تسافر بغیر محرم مع الصالحین. (الفتاویٰ الهندیة ٣٦٦/٥)

فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۶/۱۰ھ

دورانِ حج حیض آ گیا؟

سوال (۲۶۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: درمیانِ حج اگر حیض آجائے، تو ارکانِ حج کیسے پورے کرے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دورانِ حج اگر عورت کو حیض آجائے تو طواف کے علاوہ سب ارکان اسی حالت میں ادا کرسکتی ہے، بس طواف اس وقت تک مؤخر کرے گی جب تک کہ پاک نہ ہوجائے۔ (ایضاح المسائل ۱۲۶، فتاویٰ رحیمیہ ۵/۲)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الحائض والنفساء إذا أتتا على الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضيان المناسک كلها غير الطواف بالبيت. (سنن أبي داؤد ٢٤٣/١)

وحيضها لايمنع نسكاً إلا الطواف ولا شيء عليها بتاخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. (درمختار مع الشامي ٥٥٢/٣ زكريا)

ويمنع الطواف؛ لأن الطواف في المسجد. (مجمع الأنهر / باب الحيض ٥٣/١ دار إحياء التراث العربي بيروت)

ومنها حرمة الطواف لهما بالبيت. (الفتاوىٰ الهندية / أحكام الحيض والنفاس ٣٨/١ رشيدية)

يمنع الحيض صلاة و صوما فتقضيه دونها و دخول مسجد والطواف الخ. (النهر الفائق / باب الحيض ١٣٠/١ إمداديه ملتان)

أما الطهارة عن الجنابة والحيض فليست بشرط، فيجوز سعي الجنب والحائض. (بدائع الصنائع / فصل في شرائط جواز السعي ٨٦/٣ دار الكتب العلمية بيروت)

وإن سعى جنبا أو حائضا أو نفساء، فسعيه صحح. (الفتاوىٰ الهندية / الباب الثاني

في الجنايات / الفصل الخامس في الطواف ١/٢٤٧، بحواله: التعليقات على الفتاویٰ المحمودیه ۳۷۱/۱۰- ۳۷۲ ڈابھیل) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۴/۶/۶ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

طواف یا سعی کے دوران ماہواری شروع ہوگئی

سوال (۲۶۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر طواف یا سعی کرتے ہوئے ماہواری شروع ہوجائے تو عورت کیا کرے؟

باسمہ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: اگر طواف کرتے ہوئے ماہواری شروع ہوجائے تو فوری طور پر طواف موقوف کردے اور پاک ہونے کے بعد طواف کرے اور اگر سعی کے دوران ماہواری شروع ہوجائے تو اسی حال میں سعی کرتی رہے کیونکہ سعی کے صحیح ہونے کے لئے طہارت شرع نہیں اور سعی مسجد حرام کے حدود سے باہر ہے۔

وحيضها لايمنع نكا إلا الطواف فهو حرام من وجهين وحق لها المسجد وترک واجب الطهارة. (غنية الناسك ١٢٠)

ولا يجب فيه الطهارة عن الجنابة والحيض، سواء كان سعي عمرة أحج؛ لأنه عبادة تؤدي لا في السجد الحرام، والأصل أن كل عبادة تؤدى لا في المسجد الحرام في أحكام المناسک فالطهارة ليست بواحبة لها. (غنية الناسك ١٧٥) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۶/۳/۴ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

اگر ۸/ ذی الحجہ تک عورت پاک نہ ہوتو کیا حکم ہے؟

سوال (۲۶۵): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے

میں کہ: اگر کسی عورت کو مکہ معظّمہ پہنچتے ہی ماہواری شروع ہوجائے، اور ۸؍ذی الحجہ کو منیٰ جانے کا وقت آجائے اور اس وقت تک پاک نہ ہو، تو اس عورت کے بارے میں حکم شرعی کیا ہے؟ کیا اسی ناپاکی کی حالت میں وہ حج کا احرام باندھ کر منیٰ روانہ ہوگی اور وقوفِ مزدلفہ وعرفات وغیرہ تمام ارکان ادا کرے گی یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حائضہ عورت عمرہ کا احرام باندھ کر تمتع کی نیت سے مکہ معظّمہ پہونچے اور وقوف عرفہ سے پہلے پہلے پاک نہ ہو تو اس کے لئے حکم یہ ہے کہ عمرہ کا احرام فسخ کرکے حج کی نیت سے احرام باندھ لے اور پھر وقوف عرفہ وغیرہ کرکے حج کے سب مناسک پورے کرے البتہ طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کرے اور بعد میں ایک عمرہ کی قضاء کرے اور ایک دم جنایت دے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم أمرها – وكانت حاضت – أن تقضي المناسک كلها غير أنها لا تطوف بالبيت. (المصنف لابن أبي شيبة ۸/۴۳۹ رقم: ۱۴۵۷۳ المجلس العلمي)

فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسک إلا الطواف والسّعي؛ لأنه لايصح بدون الطواف، ولا يلزمها دم لترک الصدر وتاخير الزيارة وقته لعذر الحيض والنفاس. (غنية الناسك ۱۲۰) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۱۴۳۶/۳/۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

اگر ۹؍ذی الحجہ تک عورت پاک نہ ہو تو کیا کرے؟

سوال (۲۶۶): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ایک عورت ہندوستان سے حج قران کا احرام باندھ کر روانہ ہوئی ذی الحجہ کی ۴؍تاریخ ہوچکی

تھی جدہ پہنچ کر اس کوحیض آنے لگا اور ۹؍تاریخ تک وہ پاک نہیں ہوئی تو ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ اس کا حج قرآن باقی رہےگا یا ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو حائضہ عورت قران کا احرام باندھ کر مکہ معظّمہ آئے اور وقوفِ عرفہ سے پہلے حیض سے پاک نہ ہو، تو اسے چاہئے کہ وہ اسی حالت میں عرفات چلی جائے، عرفات جاتے ہی اس کا عمرہ خود بخود فسخ ہوجائے گا، اور صرف حج کا احرام باقی رہےگا اور یہ حج اس کا حج افراد ہوگا، اس پر دمِ قران واجب نہیں ہے؛ لیکن عمرہ چھوڑ دینے کی وجہ سے ایک دم جنایت لازم ہے، نیز یک عمرہ کی قضاء بھی لازم ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: تقضي الحائض المناسک كلها إلا الطواف بالبيت. (المصنف لابن أبي شيبة ٨/٤٤٠ رقم: ١٤٥٧٤ المجلس العلمي)

فلو حاضت قبل الإحرام اغتسلت وأحرمت وشهدت جميع المناسک إلا الطواف والسّعي؛ لأنه لايصح بدون الطواف، ولا يلزمها دم لترک الصدر وتاخير الزيارة وقته لعذر الحيض والنفاس. (غنية الناسك ١٢٠) فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم

املاہ: احقر محمد سلمان منصور پوری ۱۴۳۶/۳/۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ماہواری کی وجہ سے طوافِ وداع نہ کرسکی اور روانگی کا وقت آگیا؟

سوال (۲۶۷): - کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر قافلہ کی روانگی کا وقت آگیا اور ابھی عورت نے حیض کی ناپاکی کے سبب طوافِ وداع نہ کیا ہو تو ایسی صورت میں حکم شرعی کیا ہے؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو عورت روانگی کے وقت حائضہ ہو، تو اس پر سے طوافِ وداع کا وجوب ساقط ہے؛ لہٰذا وہ مسئولہ صورت میں طوافِ وداع کے بغیر وطن واپس ہوسکتی ہے۔

عن عائشة رضي اللّٰه عنها أن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ذکر صفية بنت حيي، فقيل : إنها قد حاضت، فقال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم: لعلها حابستُنا، فقالوا يا رسول اللّٰه! إنها قد أفاضت، فقال: فلا إذن. (سنن أبي داؤد ۲۷٤/۱)

فلا يجب وفائت الحج والحصر والمجنون والقي والحائض والنفساء.

(غنية الناسك ۱۹۰ شامي ٥٤٥/۳ زكريا، بدائع الصانع ۳۳۲/۲ زكريا) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

املاہ: احقر محمد سلمان منصورپوری ۴/۳/۱۴۳۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

ایام حج میں دوائی کے ذریعہ حیض روکنا

سوال (۲۶۸): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: ہندہ حج میں تشریف لے جارہی ہے، انہوں نے یہ مسئلہ معلوم کیا ہے کہ اگر میں دوا استعمال کر کے ایام کو روک دوں تو ایسا کرنا کیسا ہے، حرام ہے یا نا جائز یا مباح؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: دوا کے ذریعہ حیض کو روکنا اگرچہ ناجائز نہیں ہے، مگر طبی اعتبار سے نقصان دہ ہے، اور بلاضرورت ہے؛ کیوں کہ عورت کی ناپاکی طواف زیارت اور سعی کے علاوہ کسی بھی عمل حج میں مانع نہیں ہے؛ لہٰذا حیض روکنے سے کوئی خاص فائدہ نہیں۔

حیض کا خون خواتین کے لئے قدرت کے مقرر کردہ نظام کا حصہ ہے، اس لئے اس کے جاری ہونے سے دل برداشتہ نہیں ہونا چاہئے؛ بلکہ اپنی خواہش کے برعکس خدائی فیصلہ پر راضی رہنا چاہئے، اور ایامِ حیض میں جو احکامات شریعت نے بتائے ہیں، ان کی پاس داری کرنی چاہئے۔ اور دواؤں وغیرہ کا استعمال کر کے فطری نظام کو تبدیل نہیں کرنا چاہئے؛ تاہم اگر کوئی عورت پیشگی ایسی مجرب دوا استعمال کرلے جس سے خون کی آمد رک جائے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے، اب اس مانع حیض دوا کے استعمال سے کئی طرح کی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، اس لئے چند امکانی صورتوں کا حکم درج ذیل ہے:

(۱) دوا کا استعمال حیض شروع ہونے سے قبل کیا اور پھر ایامِ عادت میں بالکل حیض نہیں آیا، تو وہ عورت مسلسل پاک کہلائے گی، اور اس دوران اس کا طواف وغیرہ کرنا سب معتبر اور درست رہے گا۔

(۲) حیض شروع ہونے سے قبل دوا کھائی؛ لیکن عادت کے ایام میں حیض آنے لگا اور تین دن سے زیادہ مسلسل یا وقفہ وقفہ سے جاری رہا تو وہ عورت حسب قاعدہ ناپاک شمار ہوگی، اور اس دوران اگر اس نے طواف زیارت کیا ہے تو اونٹ کی قربانی لازم ہوگی، اور پاک ہونے کے بعد اگر طواف لوٹا لیا تو اونٹ کی قربانی ساقط ہوجائے گی۔

(۳) حیض شروع ہونے سے قبل دوا کھائی؛ لیکن ایامِ عادت میں تین دن سے کم خون مسلسل یا وقفہ وقفہ سے آ کر رک گیا اور پھر پندرہ دن تک نہیں آیا تو یہ عورت پاک شمار ہوگی، اور اس کا طواف وغیرہ سب معتبر اور درست ہوگا۔

(۴) حیض شروع ہونے کے بعد تین دن سے پہلے دوا کھا کر حیض روک لیا؛ لیکن بعد میں دس دن کے اندر اندر پھر خون آ گیا تو وہ مسلسل ناپاک شمار ہوگی اور اس دوران اگر اس نے طواف کئے ہیں تو حسب قاعدہ جنایت لازم ہوگی۔ (تفصیل دیکھیں: حج و زیارت نمبر ندائے شاہی، مضمون: مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی ۲۳۳-۲۳۵، ایضاح المسائل ۱۲۶، فتاوی رحیمیہ ۲/ ۵۲)

عن ابن عباس رضي اللّٰه عنه أن النبي صلى اللّٰه عليه وسلم قال: الحائض والنفساء إذا أتتا على الوقت تغتسلان وتحرمان وتقضيان المناسك كلها غير الطواف بالبيت (سنن أبي داؤد ۱/ ۲۴۳)

وحيضها لايمنع نسكاً إلا الطواف ولا شيء عليها بتاخيره إذا لم تطهر إلا بعد أيام النحر. (درمختار مع الشامی زکریا ۳/ ۵۵۲) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۱/۲/۱۹ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

عمرہ سے متعلق مسائل

جس نے حج نہ کیا ہو کیا وہ عمرہ کے لئے جا سکتا ہے؟

سوال (۲۶۹): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس شخص نے حج نہ کیا ہو وہ عمرہ کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: ایسا شخص عمرہ کے لئے جا سکتا ہے؛ لیکن استطاعت کے بعد پہلے فریضۂ حج کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہئے۔

إن وقت العمرة يتسع في جميع السنة. (البحر العميق ٢٠٢٥/٤)

العمرة سنة وتصح في جميع السنة. (مراقي الفلاح ٧٤٠، الفتاویٰ الهندية ٢٣٧/١، الفتاویٰ التاتارخانية ٣٠١/١)

لأن العمرة جائز في جميع السنة. (غنية الناسك ٢١٥ كراچی)

والعمرة في العمر مرة سنة مؤكدة أي إذا أتى بها مرة فقد أقام السنة غير مقيد بوقت غير ما ثبت النهي عنها فيه إلا أنها في رمضان أفضل. (شامي ٤٧٢/٢ كراچی، شامي ٤٧٥/٣ زكريا)

ومقتضاه الوجوب فإذا أخره وأداه بعد ذلك وقع أداء ويأثم بالتاخير لترك الواجب وثمرة الاختلاف تظهر فيما إذا أخره فعلى الصحيح يأثم ويصير فاسقاً مردود الشهادة. (البحر الرائق ٣١٠/٢، ايضاح المناسك ١٧٦) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۳/۱۰/۱۴۱۶ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللّٰہ عنہ

کس مہینہ میں عمرہ کرنا افضل ہے؟

سوال (۲۷۰): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: عمرہ کس مہینہ میں کرنا افضل ہے اور عمرہ کرنے والے کو جانور کی قربانی کرنی پڑتی ہے یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: عمرہ رمضان المبارک کے مہینے میں کرنا افضل ہے، اس لئے کہ پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا کہ رمضان المبارک کا عمرہ حج کا ثواب رکھتا ہے، اور عمرہ کے بعد کی قربانی کا حکم نہیں ہے۔

عن ابن عباس رضي اللّٰہ عنهما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم في حدیث طویل: …… **فإذا جاء رمضان فأعتمری فإن عمرة فیه تعدل حجة.**

(صحیح البخاري ۱/۲۳۹، صحیح مسلم رقم: ۱۲۵۶)

وعنه مرفوعاً قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم: یا أم سلیم عمرة في رمضان تعدل حجة. (صحیح ابن حبان ۳۶۹۱) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۷/۲/۱۳ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

آفاقی کا اشہر حج میں دوسروں کی طرف سے عمرہ کرنا؟

سوال (۲۷۱): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: حاجی لوگ حج سے کچھ دن پہلے مکہ چلے جاتے ہیں، تو کیا اس دوران زندوں یا مردوں کی طرف سے عمرہ ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مکہ معظّمہ کے قیام کے زمانہ میں عمروں کی کثرت کے مقابلہ میں طواف کی کثرت افضل ہے، اور اگر عمرہ کرنا ہی ہے تو بہتر ہے کہ حج کے بعد عمرہ کیا جائے؛

کیوں کہ متمتع کا تمتع اگر چہ عمرہ آفاقی سے صحیح ہوجاتا ہے، مگر حج سے پہلے اس کے لئے نفلی عمرے کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس لئے اجتناب اولیٰ ہے۔

إكثار الطواف أفضل من إكثار الاعتمار؛ لكونه مقصودا بالذات، ولمشروعيته في جميع الحالات ولكراهة بعض العلماء إكثارها في سنته مع أن بعض الفقهاء قالوا: العمرة مختصة بالآفاقي. (غنية الناسك ١٠٧ قديم)

يزاد على الأيام الخمسة ما في اللباب وغيره من كراهة فعلها في أشهر الحج لأهل مكة، ومن بمعناهم: أي من المقيمين ومن في داخل المواقيت؛ لأن الغالب عليهم أن يحجوا في سنتهم فيكونوا متمتعين وهم عن التمتع ممنوعون وإلا فلا منع للمكى عن العمرة المفردة في أشهر الحج إذا لم يحج في تلك السنة. (شامي / مطلب: أحكام العمرة ٣/٤٧٧ زكريا)

إكثار الطواف أفضل أم إكثار الإعتمار، والأظهر تفضيل الطواف لكونه مقصودا بالذات والمشروعية في جميع الحالات ولكراهة بعض العلماء إكثارها في سنته. (البحر الرائق شرح كنز الدقائق / الإغتسال ودخول الحمام المحرم ٢/٣٦٠) فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ ۱۴۲۸/۱۰/۲۱ھ
الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

مدینہ منورہ

حرم مدینہ کی حدود

سوال (۲۷۲): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: جس طرح اللہ نے مکہ مکرمہ کا گرد ونواح حرام قرار دیا ہے اسی طرح مدینہ منورہ کے آس پاس کا علاقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم قرار دیا، جیسا کہ ''تاریخ مدینہ'' (مولف عبد المعبود ۶۴) پر لکھا ہے کہ ''امام مالکؒ قضاء حاجت کے لئے مدینہ طیبہ کے حرم محترم سے باہر تشریف لے جاتے تھے''۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ جس طرح مکہ میں حدود حرم متعین ہیں کیا مدینہ میں بھی اسی طرح حدود حرم متعین ہیں، اگر ہیں تو کہاں سے کہاں تک ہیں؟ تفصیل مطلوب ہے۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: مسلم شریف کی روایت میں حرم مدینہ کی تحدید ۱۲ر میل سے کی گئی ہے۔

حدثنا عاصم قال قلت لأنس بن مالک رضي اللّٰه عنه: أحرم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم المدینة قال: نعم، ما بین کذا إلی کذا. (صحیح مسلم رقم: ١٦٦ ١)

عن إبراهیم التیمي عن أبیه قال: قال علي رضي اللّٰه عنه ما عندنا کتاب نقرؤه إلا کتاب اللّٰه غیر هذه الصحیفة ...... وفیها: المدینة حرم ما بین عیر إلی ثور الخ. (صحیح البخاري / باب إثم من تبرأ من موالیه رقم: ٦٧٥٥، صحیح مسلم رقم: ١٣٧٠)

عن أبي هریرة رضي اللّٰه عنه قال حرم رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم ما بین لابتي المدینة، قال أبوهریرة رضي اللّٰه عنه فلو وجدت الظباء ما بین لابتیها ما ذعرتها، وجعل اثني عشر میلاً، حول المدینة حمی. وفي حدیث اٰخر

مرفوعاً، قال: المدينة حرم ما بين عير إلى ثور. (صحيح مسلم، كتاب الحج / باب فضل المدينة ...... وبيان حدودها ١/ ٤٤٢ رقم: ١٣٧٢)

اور ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کے نزدیک حرم مدینہ کی بھی وہی حیثیت ہے جو حرم مکہ کی ہے کہ اس حد میں شکار وغیرہ کرنا جائز نہیں ہے، جب کہ حنفیہ کے نزدیک حرم مدینہ کی وہ حیثیت نہیں ہے، اس سلسلہ کی احادیث استحباب اور تکریم پر محمول ہیں اور سوال میں ذکر کردہ امام مالکؒ کا عمل اگر صحیح سند سے ثابت ہو تو یہ ان کا ذاتی عمل ہوگا، جو دوسروں کیلئے قابل تقلید نہیں ہے۔

عن أنس بن مالک رضي اللّٰه عنه أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم طلع له أحد فقال: هٰذا جبل يجنا ونحبه، اللّٰهم إن إبراهم حرم مكة وإني أحرم ما بين لابتيها. (سنن الترمذي ٢/ ٢٣٠)

قال في الكافي: لأنا عرفناه حل الاصطياد بالنص القاطع، فلايحرم إلا بدليل قطعي ولم يوجد. (شامي ٤/ ٥٢ زكريا)

ثم حرمة الحرم خاصة بمكة عندنا، وليس للمدينة حرمة الحرم في حق الصيود والاستجار ونحوها، وقال الشافعي: للمدينة حرمة الحرم حتى أن من قتل صيدا فيها فعليه الجزاء لقوله عليه السلام: إن إبراهيم عليه السلام حرم مكة وأنا أحرم ما بين لابيتها يعني المدينة، وقال: من رأيتموه يصطاد في المدينة فخذوا ثيابه، وحجتنا في ذٰلک ما روي: أن رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم أعطى بعض الصبيان في المدينة طائراً، فطار من يديه فجعل يتأسف على ذٰلک، ورسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم يقول: "يا أبا عمير ما فعل النغير" اسم ذٰلک الطائر ...... ولو كان للصيد في المدينة حرمة الحرم لما ناوله رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم صبيا؛ ولأن هذه بقعة يجوز دخولها بغير إحرام فتكون قياس سائر البلدان بخلاف الحرم فإنه ليس أحدا أن يدخلها إلا محرما. (المبسوط للسرخسي / قتل المحرم البازي المعلم جزء: ٤/ ١٠٥، كذا في البحر الرائق / فصل: قتل محرم صيدا أو دل عليه من قتله ٣/ ٤٣ الشاملة) **فقط واللّٰہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصورپوری غفرلہ

۱۴۲۶/۳/۲۳ھ

کیا حضور علیہ السلام روضۂ اقدس پر سلام کرنے والے کو دیکھتے ہیں؟

سوال (۲۷۳): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اگر کوئی شخص روضۂ اطہر پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر جائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کو دیکھتے یا نہیں؟ مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: جو شخص پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کے روضۂ اقدس پر حاضر ہوکر سلام پیش کرتا ہے، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سلام کو بنفس نفیس سماعت فرماتے ہیں، اور جواب بھی مرحمت فرماتے ہیں؛ لیکن اس کو دیکھتے ہیں یا نہیں؟ اس بارے میں احادیث میں کوئی صراحت نہیں ملی۔

عن أبي هريرة رضي اللّٰه عنه قال: قال رسول اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم: من صلى علي عند قبري سمعته، ومن صلى علي نائياً أبلغته. (رواه البيهقي في شعب الإيمان ۲/۲۰۹ رقم: ۱۵۵۳ مشكوة المصابيح ۱/۸۷ رقم: ۹۳٤) **فقط واللہ تعالیٰ اعلم**

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۲۸/۷/۲۴ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

قبر اطہر کے پاس اُردو میں سلام پڑھنا؟

سوال (۲۷۴): -کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیانِ شرع متین مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ: اردو میں جو لوگ سلام پڑھتے ہیں، اگر یہ سلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر اطہر کے پاس پڑھنا چاہے، تو کیا پڑھ سکتے ہیں؟

باسمہٖ سبحانہ تعالیٰ

الجواب وباللّٰہ التوفیق: پڑھ سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

کتبہ: احقر محمد سلمان منصور پوری غفرلہ ۱۴۱۳/۳/۲۵ھ

الجواب صحیح: شبیر احمد عفا اللہ عنہ

❒❖❒